سلسلہ ایم اے اسلامیات

اسلامی اخلاق اور تصوّف

قدر آفاقی

3357

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز
جلال دین ہسپتال بلڈنگ
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

3357

بسلسلہ ایم اے اسلامیات

اسلامی اخلاق اور تصوف

ناشر سے نئی کتاب لایا

قدر آفاقی

12/9/2001

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز جلال دین ہسپتال بلڈنگ

سرکلر روڈ چوک اردو بازار، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

86525

نام کتاب ——— اسلامی اخلاق اور تصوف

تالیف ——— قدر آفاقی

طابع ——— محمد ابوبکر صدیق

ناشر ——— شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور

کمپوزنگ ——— ڈاٹ کمپوزنگ سنٹر فون: 6859106

مطبع ——— ندیم یونس پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— -/75 روپے

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز جلال دین ہسپتال بلڈنگ

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

فون: 7660736

Marfat.com

ذخیرہ
3357

انتساب

زیب سجادہ آستانہ عالیہ شرق پور شریف و مبلغین احیائے شرع و سنت و رہنمایان راہ سلوک و تصوف

فخر المشائخ صاحبزادہ میاں غلام احمد صاحب شرق پوری نقشبندی مجددی

فخر المشائخ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرق پوری نقشبندی مجددی

مدظلہ العالی و دامت برکاتہم

کے نام

جن کی کرم گستر ادائیں، نوازشانہ عطائیں اور خصوصی دعائیں بفضلہ تعالیٰ ناچیز قدر آفاقی کی کامیابیوں، کامرانیوں اور مقبولیت کا سرچشمہ بن کر ہمیشہ ناچیز کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔

________ فللہ الحمد

گر قبول افتد زہے عزو شرف

ناچیز ____ واحقر العباد قدر آفاقی عفی عنہ

Marfat.com

مصنف کا مختصر تعارف و تصنیفات

نام =	بشیر احمد قدر
ادبی نام =	قدر آفاقی
پیدائش =	۳ نومبر ۱۹۳۸ء
بمقام =	رسول پور کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب)
والد کا نام =	چوہدری محمد علی ولد رحمت اللہ ڈاکٹر مرحوم (قوم ارائیں)
تعلیم =	ایم اے

تصنیفات

(۱) پنج رنگ =	(پنجابی نثر) جدید شاعری پر تنقید (۱۹۷۲ء) صفحات = ۵۰۰
(۲) پنجابی افسانہ تے ڈرامہ (پنجابی نثر)	(۱۹۷۲ء) ڈرامہ اور افسانہ پر فارسی رسم الخط میں پاکستان میں سب سے پہلی بھرپور کتاب۔ نوٹ ۔ (یہ دونوں کتابیں محکمہ تعلیم پنجاب کی طرف سے سکولوں کالجوں اور لائبریوں کے لئے منظور شدہ ہیں)
(۳) مکی مدنی ماہی صلی اللہ علیہ وسلم (پنجابی نثر)	(۱۹۸۵ء) سیرت النبی پر مستند ترین تالیف جسے ۱۹۸۶ء میں بین الاقوامی مقابلہ کتب سیرت میں صدارتی ایوارڈ ملا۔ صفحات (۹۲۰) ہدیہ ۲۷۰ روپے
(۴) وارث شاہ دا بولنا بھیت اندر =	ہیر وارث شاہ کی "ہیر روح اور چاک قلبوت" کے حوالے سے عارفانہ شرح جو اڑھائی سو سال میں پہلی بار اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے مستند اور اہم ہے منظر عام پر آئی ہے۔ جو وارث شاہ کے دعوے کے عین مطابق صحیح انطباق کی حامل ہے۔ صفحات (۲۶۴) قیمت ۹۰ روپے
(۵) پیپر گائیڈ (ایم اے پنجابی کیلئے)	بعض حضرات کے ساتھ ملکر طلباء کیلئے لکھی گئی ہے۔

Marfat.com

(۶) سپر گائیڈ (برائے پنجابی فاضل)	بعض حضرات کے ساتھ مل کر طلباء کیلئے لکھی گئی ہے
(۷) جدید پنجابی شاعری (پنجابی نثر) =	پنجابی (جدید) شاعری پر بھرپور ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے' یہ ایم اے پنجابی کے طلباء کیلئے ہے۔
(۸) ادب پھوار (پنجابی) =	(۱۹۹۴ء) یہ کتاب سی ایس ایس مقابلے کے امتحانوں اور ایم اے پنجابی کیلئے بھرپور معاون کتاب ہے جو طلباء کی علاوہ شائقین علم و ادب کیلئے بہترین اثاثہ ہے۔
(۹) اسلامی تعلیمات (لازمی) (اردو) =	اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے ہر ایم اے کے طلباء کیلئے ہے۔
(۱۰) اسلامی اخلاق اور تصوف (اردو) =	اپنے موضوع پر بہت بھرپور تالیف ہے' طلباء اور شائقین کیلئے یکساں مفید
(۱۱) سپر گائیڈ (برائے ایم اے ہسٹری)	بعض دوستوں کی مشترکہ' طلباء کیلئے۔

زیر طبع کتب

(۱) قرآن حکیم کا پنجابی نثر میں سلیس ترجمہ	
(۲) سیرت سید لولاکؐ (اردو)	عشق نبیؐ کا مرقع' سید عالمؐ کی سیرت اقدس پر منفرد تحقیقی کوشش جسکی ہر سطر استناد کا درجہ رکھتی ہے' اور آج تک کے سیرتی ادب کا نچوڑ اس ایک کتاب میں ملے گا۔
(۳) مجموعہ ہائے کلام (اردو + پنجابی) =	اور اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

موجودہ پتہ = قدر آفاقی سرپرست اعلیٰ اردو پنجابی علمی مرکز ۳۰۶ - ۲ - ڈی ون ٹاؤن شپ لاہور۔ ۵۴۷۷۰

Marfat.com

فہرست (حصہ اول) اخلاق

اسلام کا تصور اخلاق	11	قوت نافذہ اور اخلاق	34
اخلاق کیا ہے	12	مسیحی اخلاق کی کمزوری	34
اخلاق کی اقسام	12	نطشے کا اعتراض مسیحی اخلاق پر	35
علم اخلاقیات	12	بروں کے ساتھ نیکی	35
تہذیب اخلاق	12	سختی کا جائز موقع	37
اخلاق کا معیار	12	کفار و مشرکین سے عدم موالات	40
اچھائی یا برائی کا معیار	13	اخلاق کے فضائل و رذائل کے تین درجے	44
خیر و شر کا پیمانہ	13	اسلامی ارکان اور اخلاق	45
اخلاق سے متعلق مختلف نظریات	13	ہواء و ہوس کے پجاری	48
عیسائیت اور اخلاق	14	اخلاق اور محبت الٰہی	49
یونانیوں کا فلسفہ اخلاق	14	حقوق العباد کی درجہ بندی	50
جدید اخلاقی نظریات	16	والدین کا حق	52
اسلامی اخلاقیات	18	اولاد کا حق' اولاد کشی کا انسداد' بیٹی سے عار	57
اسلام میں اخلاق حسنہ کا درجہ	19	تعلیم و تربیت	60
نفلی عبادات اور اخلاق حسنہ	19	حقوق زوجین	61
قرآن میں اخلاقی اصولوں کی نشاندہی	20	عورت کو مارنے پیٹنے کا اختیار	68
تورات کے اخلاقی احکام	24	حجتہ الوداع کا خطبہ	69
انجیل کے اخلاقی احکام	24	ہمسایہ کے ساتھ اخلاقی رویہ	71
قرآن مجید کے اخلاق کی فہرست	25	یتیموں کے حقوق	71
احادیث میں تعلیم اخلاق	25	بیواؤں کے حقوق	73
اخلاقی جزئیات کا استقصاء	27	محتاجوں اور بیواؤں سے سلوک	74
منکرات کی حرمت اور جزئیات کا احاطہ	31	غلاموں سے حسن اخلاق کی تعلیم	76
سود کی حرمت وغیرہ	33	مسلمانوں کو باہمی اتحاد اور حسن اخلاق کی تعلیم	77
رشوت کی حرمت	34	انسانی برادری سے حسن اخلاق	81

Marfat.com

فضائل کی مختصر فہرست 82
تقدیر توکل صبر اور شکر 86
مسلم فلسفہ اخلاق کے نظریات کا تنقیدی جائزہ 87

قبل از اسلام کے بعض فلاسفہ اخلاق

بقراط ـ سقراط 89
افلاطون 90
ارسطو 90
فلاطینوس 91
سینٹ آگسٹائن 91

مسلم فلاسفہ اخلاق

ابن سینا 92
ابن مسکویہ 92
مثل اعلیٰ (ابن مسکویہ کا نظریہ) 93
مثل اعلیٰ صوفیا کی نظر میں 96
اخلاق میں ترقی اور مثل اعلیٰ تک رسائی 96
نصیر الدین طوسی 96
جلال الدین الدوانی 99
ابن العربی کے نزدیک پسندیدہ اخلاق 100
رذائل اخلاق (اسباب و محرکات) 104
حسد 107
کبر 107
عصبیت 108
سودی لین دین 109

قمار بازی

فلسفہ اخلاق اور احیاء العلوم 113
فلسفہ اخلاق پر یونانی تصنیفات 113
حکمائے اسلام کی تصنیفات 114
فن اخلاق میں مذہبی طرز کی تصنیفات 114
احیاء العلوم اخلاق کی جامع کتاب 115
احیاء العلوم کے خلاصہ جات 115
احیاء العلوم کی خصوصیات وغیرہ 115
کم خوری کے فضائل 120
احیاء العلوم کا فلسفہ اخلاق 121
احیاء العلوم کا جتنا حصہ حکمائے یونان سے ماخوذ ہے 121
انسان کی حقیقت 121
اخلاق کے ارکان 124
امام غزالی کے اخلاقیات پر اضافے 125
ہمارا زمانہ اور احیاء العلوم 128
اخلاقی امراض کا علاج 129
غیبت 130
غصہ و غضب 131
غصہ پیدا ہونے کے اسباب 132
توکل اور قناعت 134
حسد اور رشک 135
اخلاق کی اصلاح 138
علماء کی اصلاح 139

Marfat.com

متکلمین اور واعظین 140
اخلاق علماء کی خرابی کے اسباب 140
وظیفہ خواری کی برائی 142
حیات انسانی کے معاشرتی 143
معاشی اور سیاسی رویے اور اخلاق 144
اسلامی قوانین معاشرت 145
اسلامی معاشرے کی ابتداء 145
اخوت اور معاشرہ 146
احترام آدمیت 146
سیاسی اخلاق اسلامی سیاست کے تین بنیادی ستون 148
معاشی اخلاق 149
ادارے اور معاشرہ 150
اخلاق کا دائرہ دنیا اور اسکے بعد کی زندگی کو بھی محیط ہے 150
حسن اخلاق اور حیات بعد الممات اور دنیاوی فلاح کیلئے کوشش 151
اسلامی اخلاق کی معراج 153

(حصہ دوم)
تصوف

تصوف کی تعریف 155
صوفی کی وجہ تسمیہ 156
پہلے صوفی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ 156
حضرت حارث رضی اللہ عنہ کا واقعہ 158
صوفی، متصوف اور مستصوف کی تعریف 159
تصوف یا صوفیاء کے بارے میں اہل حق کے اقوال 160
تصوف کی بنیاد آٹھ پیغمبروں کے فضائل پر ہے 161
تصوف حسن خلق کا نام ہے و دیگر اقوال 161
تصوف اور اخلاق رزیلہ 163
امام غزالی اور تصوف 164
صوفی کا لقب کب شروع ہوا 164
تصوف کی حقیقت 164
قلبی واردات مکاشفہ اور ان کی حقیقت 165
قطب عالم کے عہدہ کی مدت 166
صوفیانہ اصطلاحات 167
لفظ تصوف کی تحقیق 168
تصوف کا ارتقاء 169
تصوف کے اولین منکرین 173

Marfat.com

اہل سنت اور تصوف	173	اسمائے اہل مراتب	198
رجال الغیب اور صوفیاء	174	معجزہ کرامت اور استدراج	199
تصوف غیر اسلامی نہیں	174	نفس کی حقیقت اور ہوا کے معنی	
تصوف اور اس کی اصل غرض وغائت .	175	سکر اور صحو	
تصوف کی ابتداء	176	مشاہدہ کا بیان	
تصوف پر لغوی بحث	176	بقاء اور فناء	204
آغاز تصوف	179	جمع و تفرقہ کا بیان	205
صوفیہ کی زبانی تصوف	179	کامل تر انسان	206
اسلامی تصوف کے ماخذ	181	حال اور وقت کا فرق	208
شریعت طریقت اور حقیقت	183	مقام اور تمکین کا فرق	209
راہ طریقت اور عوام	183	تلوین	210
تصوف علم سینہ ہے تصوف اور قرآن وسنت		محاضرہ اور مکاشفہ	211
	184	قبض و بسط	212
ولائت اور اصطلاحات تصوف	189	انس اور ہیبت	212
کائنات کا باطنی نظام	191	قہر و لطف	213
قطبوں کا بیان	192	علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین	213
قطب عالم کے عہدہ کی مدت	192	نفی اور اثبات	214
قطب مدار اور فرد	193	مسامرہ اور محادثہ	215
بارہ اقطاب ہر اقلیم میں	193	شریعت و حقیقت	216
اقطاب کے اوراد	194	علم اور معرفت	217
قطب مدار اور دیگر اقطاب	195	کشف المحجوب میں ذکر کردہ مزید صوفیانہ اصطلاحات	217
ابدالوں کا بیان	197	روح اور اس کے مقامات	223
اخیار کا بیان	197	تصوف پر ابن الجوزی کی تنقید	225
نقباء و نجباء کا بیان	197	ابن الجوزی پر ناقدانہ نظر	226

Marfat.com

فلسفہ وحدت الوجود' وحدت الشہود	234	مقامات و مراقبات کی اصطلاحات	310
ابن عربی کا فلسفہ تصوف	235	شجرہ خواجگان چشتیہ	312
عقائد ابن العربی بحوالہ فتوحات مکیہ		شجرہ خواجگان نقشبندیہ	314
وحدت الوجود اور ابن العربی	240	شجرہ قادریہ امامیہ	315
مجدد الف ثانی' توحید وجودی اور شہودی		شجرہ خاندان سہروردیہ	316
	246	سلاسل اربعہ کی تبلیغی خدمات	317
شاہ ولی اللہ اور توحید وجود و شہود	252	سلسلہ چشتیہ	319
حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ		شہاب الدین سہروردی	320
بعض مشہور صوفیائے کرام	280	سلسلہ سہروردیہ برصغیر میں	321
حضرت بایزید بسطامی	281	سلسلہ قادریہ	325
امام عبدالکریم قشیری	283	سلسلہ نقشبندیہ	331
قشیری کی تصانیف	285	شرقپور شریف کا فیضان	331
رسالہ قشیریہ	285	راہبانہ نظریات و تحریکات	331
امام غزالیؒ	286	رہبانیت ۔ خانقاہی نظام اور تصوف	333
ابوالحسن خرقانیؒ	287	تصوف اور ماضی و حال	334
علی ہجویری داتا گنج بخشؒ	290	دور جدید میں تصوف کی اہمیت	337
ابن العربی	292	اعتقادی زوال کے اسباب	338
بہاؤ الدین زکریا ملتانی	294	عمل میں تضاد	339
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	296	تصوف میں اصلاح کا کام	344
خواجہ باقی باللہؒ	297	بعض کتب تصوف کا مختصر تعارف	355
مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی	298	اسلامی تصوف ایک نظر میں	
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	305	دور جدید میں تصوف کی نوعیت' اہمیت' کردار اور ضرورت	
شاہ ولی اللہ کی تصانیف	307	اصلاح بعض کتب تصوف کا اجمالی تعارف اسلامی تصوف ایک نظر	
تصوف کے مشہور سلاسل اربعہ	310	میں۔	

Marfat.com

اسلام کا تصور اخلاق

(قران وسنت کی روشنی میں)

اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب ہے جس کی تکمیل خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں انجام پائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

بعثت لاتمم حسن الاخلاق

یعنی میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (موطا امام مالک)

دوسری روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کریمانہ (اخلاق حسنہ) کی تکمیل کروں۔

قرآن حکیم میں آپ کے فرائض منصبی بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمہ

یعنی یہ نبی ان (امتیوں) کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

تزکیہ نفس ہی اخلاق حسنہ کی منزل ہے، یہی اس کا مقصود ہے، سورہ شمس میں ہے۔

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا و تقوھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (شمس = ۷ تا ۱۰)

قسم ہے نفس کی اور جب اسے برابر کیا، پھر اس میں اس کی بدی اور نیکی الہام کر دی، بے شک جس نے اسے پاکیزہ اور صاف ستھرا کر لیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اسے آلودہ کر لیا وہ ناکام و نامراد رہا۔

یہی بات سورۃ اعلیٰ میں فرمائی گئی ہے۔

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی

بے شک وہ نجات اور کامیابی سے ہم کنار ہوا جس نے اپنے آپ کو پاکیزہ کر لیا اور اپنے رب کا ذکر کرتا رہا پھر نماز کے لئے ڈٹا

پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا۔

وانک لعلی خلق عظیم (۶۸-۴)

اور آپ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں یا آپ یقیناً خلق عظیم کے حامل ہیں۔

Marfat.com

اخلاق کیا ہے: خلق کا مادہ خ ل ق ہے جس کا مطلب ہے، (۱) کسی چیز کا اندازہ کرنا کسی چیز کا استعمال کے بعد ہموار اور ملائم یا چکنا ہو جانا، اسی بنا پر پرانی شے کو خلق کہتے ہیں، کیونکہ گھس گھس کر اس کا کھردرا پن دور ہو جاتا ہے یا اس کی سطح کا رواں زائل ہو جاتا ہے (ابن فارس) قرآن حکیم میں ہے۔

(۲) ان ھذا الا اختلاق (۳۸-۷)

یعنی یہ تو ایک گھڑی ہوئی بات ہے

چنانچہ خلق کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے ماپنا یا اندازہ کرنا یا اس کا تناسب یا توازن یا موزونیت دیکھنا۔

(۳) کسی چیز کو کسی اور شے کے مطابق بنانا یا ڈھالنا، ہمواری، نرمی اور چکنا پن سے آراستہ کرنا۔

(۴) رجل تام الخلق وہ شخص ہے جس کی ساخت میں اعتدال و تناسب ہو اور بناوٹ کے لحاظ سے وہ مکمل اور سڈول ہو، خلیق کے بھی یہی معنی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اچھے خصائل کا بھی حامل ہوتا ہے، بدع اور فطر کی معنی ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا، پہلی بار پیدا کرنا جس کا پہلے سے کوئی نمونہ یا وجود نہ ہو، جبکہ خلق کے معنی ہیں مختلف عناصر کو مختلف ترکیبوں سے ملا کر مختلف چیزیں پیدا کرتے چلے جانا، تو اخلاق کے معنی یہ ہوئے کہ انسان کی طبیعت میں ایک اصلاح تناسب، توازن اور اعتدال کا وجود جو نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے وقت سختی کا حامل ہو، اخلاق کہلاتا ہے، اگر کسی کا سبھاؤ تناسب، متوازن اور معتدل ہو گا تو یہ اچھا اخلاق ہو گا، اور اگر اس کے برعکس ہو گا تو برا اخلاق ہو گا۔

اخلاق کی اقسام: بنیادی طور پر اخلاق کی دو قسمیں ہیں، (۱) اخلاق حسنہ (۲) اخلاق سیئہ، اچھے اخلاق نیکیوں کا تصور پیش کرتے ہیں، برے اخلاق برائیوں کا نقشہ ہوتے ہیں۔

علم اخلاقیات: اخلاق کو مدون کرنے اور اس کے حسن و قبح کو دلائل سی ثابت کرنے کا علم ہے، یہ علم فضائل عمل کو اجاگر کر کے اس کے ثمرات سے آگاہ کرتا ہے، اور رزائل کے چہرے سے پردہ اٹھا کر اس کے بھیانک نتائج سے ڈراتا ہے۔

تہذیب اخلاق: کوشش سے اخلاق کو اچھے سے اچھا بنایا جا سکتا ہے، اور اگر انسانی کردار کو اس کی نفسانی خواہشوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو اخلاق میں غلط روی آجاتی ہے، جو ایک برائی ہے دوسرے لفظوں میں نیک عمل اچھا اخلاق ہے اور بد عملی برا اخلاق، جس طرح برائی سے اجتناب اس کے نتائج سے محفوظ رکھنے کا باعث بنتا ہے، اسی طرح نیکیوں پر عمل کرنے سے اس کے اچھے نتائج حاصل ہوتے ہیں، انسانی اعمال ہی اچھے یا برے اخلاق کی تعمیر کر ذریعہ بنتے ہیں، اخلاق ایک مقصدیت کو حاصل کرنے کا نام ہے، مقصدیت اچھی ہو گی تو اخلاق بھی اچھے ہوں گے، مقصدیت بری ہو گی تو اخلاق کے اس رویہ کو برا گردانا جائے گا، گویا اخلاق عمل کا نام ہے، یہ کہ محض فلسفہ کا۔

اخلاق کا معیار: اخلاق کا تعلق انسانی اعمال سے ہے، لیکن وہ کچھ اعمال غیر ارادی طور پر بھی انجام دیتا ہے، مثلاً آنکھ جھپکنا، سانس لینا، دل کا حرکت کرنا وغیرہ، لیکن ان اعمال کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ ہم ان پر اچھے یا برے ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، اب ایک شخص ہسپتال بنواتا ہے، دوسرا ایک سانپ کو مار

Marfat.com

دیتا ہے، تیسرا اپنے دشمن کے حملہ سے بچاؤ کے طریقے اختیار کرتا ہوا دفاعی اقدام سے اسے ہلاک کر دیتا ہے، حالانکہ اسکی نیت محض دفاعی اقدامات سے زیادہ کچھ نہ تھی، پہلا عامل، لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کی وجہ سے "اچھے عمل" کا حامل ہو گا، دوسرا شخص سانپ کو مار کر اچھا کرے گا، تیسرے کا عمل متنازعہ حیثیت کا حامل ہے، پس انسان کے وہ اعمال جن پر اچھے یا برے ہونے کا حکم لگایا جا سکے اخلاقیات کے زمرے میں آتے ہیں، چنانچہ "کسی ارادہ کا عادت بن جانا" اخلاق کہلاتا ہے اور اچھے یا برے اخلاق کا انحصار ارادہ و عادت کے حسن و قبح پر ہے۔

اچھائی یا برائی کا معیار: ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی، ہر عمل جو بظاہر اچھا یا برا ہو ضروری نہیں کہ درحقیقت بھی وہ اچھا یا برا ہو، ایک شخص جنگل میں شیر کو دیکھتے ہی گولی مار کر ختم کر دیتا ہے، لیکن اگر وہ چڑیا گھر کے شیر کو بھی دیکھتے ہی گولی مار دے تو یہ عمل اس کے پہلے عمل سے بالکل مختلف ہو گا، پہلا عمل اچھائی اور دوسرا برائی کہلائے گا، پہلے عمل پر اسے جرات اور بہادری پر سراہا جائے گا، جب کہ دوسرے عمل پر اسے ملامت کی جائے گی، اور اس کی اخلاقی پستی کا رونا رویا جائے گا، اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی الگ ہو گی۔

پس معلوم ہوا کہ محض کسی ظاہری عمل پر اچھے یا برے اخلاق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

خیر و شر کا پیمانہ

کسی قوم یا معاشرے میں بعض اعمال اچھائی یا برائی کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، ایسے قومی اطوار کو "عرف" کہتے ہیں جسکی پیروی میں اس قوم کی بھلائی سمجھی جاتی ہے، اور اس کے خلاف عمل کو قابل مذمت قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ کسی قوم کا "عرف" خطا سے پاک بھی ہو، مثلاً عربوں میں بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا ایک "عرف" تھا، اور اجتماعی لحاظ سے قابل فخریات تھی، اس کا عامل مستحسن گردانا جاتا تھا، لیکن اسلام نے اس "عرف" کو "ظلم" قرار دے کر ختم کر دیا، پھر لڑکیوں کی پرورش ایک نئے عرف کے طور پر اجاگر ہو گئی، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں خیر و شر کے پیمانے مختلف رہے ہیں اسی طرح مختلف رسوم و رواج جو شروع میں نیکی پر مبنی ہوتے ہیں، حالات بدلنے کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھتے ہیں، اور کبھی پہلے والے ماحول کے لئے وہی رواج نفع بخش ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا خیر و شر کے پیمانوں کا تعلق خلوص نیت اور مستقل افادیت سے ہوتا ہے۔

اخلاق سے متعلق مختلف نظریات

راقم کی تحقیق کے مطابق:- "یونان میں سقراط سے پہلے سوفسطائیوں (۴۵۰ ق م یا ۴۰۰ ق م نے نظریہ اخلاق کو فلسفہ کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا، جن کو سقراط نے اپنے انداز میں بحث کے ذریعے بڑی وسعت دی، سوفسطائیوں کے مطابق خیر و شر کا پیمانہ اور معیار ہر انسان کی اپنی ذات ہے، جب کہ سقراط کا

Marfat.com

نظریہ یہ تھا کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس کی زندگی کے کردار و عمل کی بنیاد کیا ہے، اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ سقراط نے فلسفے کو آسمان سے زمین پر اتارا، اور سوفسطائیوں کے انتشار پھیلانے والے نظریے کی بجائے اجتماعی مفاد کی بات کی، سقراط کے شاگرد افلاطون (۴۲۷ ق م یا ۳۴۷ ق م) نے مادی نظریہ اخلاق کے مقابلے میں مثالی عالم کے نظریے کو بھی اجاگر کیا، اس کے نزدیک عام مادی عالم کے پرلے سرے پر ایک عالم مثال بھی ہے، افلاطون نے انسانی فضائل کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے۔

(۱) حکمت (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) عدل=

افلاطون کے نزدیک یہ چاروں اوصاف ایسے ہیں جن کی ذریعے انسان اگر چاہے تو خیر یعنی بھلائی کو حاصل کر سکتا ہے، عرب مصنفین نے بھی افلاطون کے بارے میں بہت کچھ لکھا، محمد زکریا رازی نے بھی اس کو اپنا مقتدا مان کر بعض امور میں اس کی پیروی کا دعویٰ کیا ہے، اور بعض عرب تحریریں افلاطون کے بارے میں توہمات سے بھری ہوئی بھی ملتی ہیں، تاہم افلاطون کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں، اور یہ اوصاف واقعی انسانی فضائل میں شمار ہوتے ہیں۔

افلاطون کے بعد اس کے شاگرد ارسطو (۳۴۸ ق م تا ۳۲۲ ق م) نے انسان کے فضائل کی بنیاد اعتدال اور میانہ روی کو قرار دیا اور کہا کہ انسانی فضلیت افراط و تفریط کا درمیانی راستہ ہے، اس نے علم الاخلاق کے متعلق ایک کتاب بھی تحریر کی، اس کے بعد یونان میں اور کئی جماعتیں پیدا ہو گئیں، جنھوں نے فلسفہ اخلاق کو آگے بڑھایا، ان میں رواقین اور ہیقورئین نے فلسفہ کو عملی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

یونانی فلسفہ اخلاق کی رو سے اس عالم میں ایک "خیر برتر" موجود ہے، جس کی تلاش میں انسان سرگردان رہتا ہے، اس "خیر برتر" کو یونانیوں کے نزدیک ایک نہایت شاندار "مقصد" بھی کہا جا سکتا ہے جسے انسان صرف اور صرف عمل کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔"

عیسائیت اور اخلاق: "تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت کو فروغ ملا تو انہوں نے اخلاق کو مذہب سے منسلک قرار دے کر اس کا سلسلہ تورات، زبور اور انجیل کے بیان کردہ اخلاقی اصولوں سے جوڑ دیا، اور اخلاقیات کا معیار یہ ٹھہرا کہ جو اعتقاد عمل اللہ کی خوشنودی کا باعث ہو وہ اخلاق حسنہ ہے اور جو اس کی ناراضی اور غضب کو دعوت دے وہ اخلاق رذیلہ ہے، یہی معیار خیر و شر قرار پایا۔"

یونانیوں کا فلسفہ اخلاق: "یونانیوں کے فلسفہ اخلاق کی رو سے عمل خیر کی بنیاد حکمت و معرفت پر ہے، جبکہ مسیحیوں کا کہنا تھا کہ اس کا اصل محرک اللہ پر ایمان لانا اور اس سے محبت کرنا ہے، یہ نظریہ پیغمبروں علیہم السلام کی تعلیم پر مبنی ہے، یونانی فلسفہ اخلاق میں انسان کو بنیادی طور پر طبعاً شریر گردانا گیا ہے، نیز یونانیوں کے ایک بڑے حصے کی رائے یہ تھی کہ اگر عدل اعتدال اور عدالت کو ہی اخلاق کی بنیادی قدر مانا جائے تو یہ ناقابل عمل ہے، کیونکہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے، انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مفاد کو پیش نظر رکھے، اپنی ہی راحت کے لئے کوشاں رہے، تو ایسی صورت میں عدالت کا معیار کون قائم کرے گا، کیونکہ مشاہدہ یہی بتاتا ہے کہ عدالت کی قدر صرف طاقتوروں کے حق میں استعمال

Marfat.com

ہوتی ہے، لہٰذا عدل کے اجتماعی قوانین بن ہی نہیں سکتے، یونانیوں کے نزدیک عدالت کا معیار حکما (حکیم کی جمع) حضرات قائم کرتے ہیں، جب کہ عوام آشنا نہیں، تو پھر عدالت کا کام عقل سے سپرد کیا جا سکتا ہے، لیکن عقل بھی مصلحت کوش اور خود غرض واقع ہوئی ہے لہٰذا عقل بھی معیار عدالت کی قوت محاکمہ یا قوت قائمہ نہیں بن سکتی۔

تاہم سقراط اور اس کے ساتھی اخلاق فاضلہ کے شدت کے ساتھ قائل تھے اور اخلاق کو متوازن معاشرے کی بنیاد قرار دیتے تھے لیکن اخلاق کا معیار وہ بھی عقل ہی کو سمجھتے تھے، جس کا فیصلہ دوسرے یونانی حکما کے نزدیک مشکوک تھا، نیز یونانی تصور اخلاق میں شہری اور غیر شہری، یونانی اور غیر یونانی کا امتیاز بھی روا رکھا جاتا تھا، یونانی اخلاق میں ہمسائے سے محبت یا جود و سخا کا سلوک روا رکھنا زیادہ اہم نہ تھا، نیز اجتماعی مفاد کا منتہی دنیاوی عقلی کی بجائے محض سیاسی مصلحتوں کے اصولوں پر مبنی تھا، یونانیوں کے نزدیک احسان صلہ رحمی، ایثار اور دوسروں کی خاطر ضبط نفس ایسی اقدار جو ایثار کی بنیاد پر قائم ہیں غیر عقلی افعال ہیں، اور اگر ان کو عقلی تسلیم کر بھی لیا جائے تو عبث ہیں کیونکہ افلاطون اپنی جمہوریہ میں عقل کو انسان کی خود غرضی کا پاس دار گردانتا ہے، کسی کی خاطر جان کی بازی لگانا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کی بھلائی چاہنا بھی یونانی فلسفہ اخلاق میں کچھ معنی نہ رکھتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک سوال یہ تھا کہ آخر کوئی شخص ایسا فعل کیوں انجام دے گا؟ جب کہ اس کی اپنی جان ہی خطرے میں ہو، اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، یونانی فلسفہ اخلاق مادی، مادہ پرستی، دنیوی مفاد اور سیاسی مصالح کے گرد ہی گھومتا ہے انسانی خود غرضی کو اس کی طبیعت کی لازمی قدر اور اس کا جزو قرار دے کر سقراط اور اس کے رفقاء نے عدالت کا قانون وضع کیا، لیکن اس کے لئے عقل و مصلحت کو معیار ٹھہرایا، جو خود انہی کے نزدیک نامکمل اور جانبدار ہے۔

(Ethics- Acritical Introduction by camp bell garnett)

یونانیوں کے نزدیک معاشرتی بہبود ریاست (State) کے تابع ہوتی ہے، جس میں آزادی اور اختیار کا پہلو غالب ہو جاتا ہے، لہٰذا یونانیوں کے اخلاقی تصور کی دنیا میں "فرد" کی دنیا تنگ و تاریک تھی۔"

"یہ درست ہے کہ افلاطون کے نزدیک عقل ہمیشہ خیر کا تقاضا کرتی ہے، لیکن اس کی رائے میں سارے عقل مند حضرات یکساں طور پر خیر نہیں ہو سکتے، تو اس طرح افلاطون کے نزدیک اقتدار پر حکما کا حق ہے یا انتظامیہ کے طور پر چند تربیت یافتہ افراد کا، اور عوام اور غلاموں کے لئے اقتدار کی دنیا میں محکومیت کے سوا کوئی مقام نہیں، لیکن ارسطو نے عقل پر بہت زور دیا، اور اس کی ہمہ گیر فرمانروائی سے راحت کے لابدی نتائج کی نفی کی، کیونکہ اس کے نزدیک جذبات و احساسات اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی مناسب تہذیب و تربیت کے بغیر عقل کے بے اثر ہو جانے کا امکان و احتمال ہے۔

یونانی قوانین کی بنیادی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ انسانوں کے گھڑے ہوئے ہیں، جن کی بنیاد تجربہ پر رکھی گئی ہے، اور نتائج عقل کے ذریعے اخذ کئے گئے ہیں، جسے وہ خود نامکمل اور جانبدار مانتے ہیں، اس طرح یونانی قوانین اخلاق ہر چند بڑے وقیع نظر آتے ہیں تاہم جب ان کو دائمی قدروں کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے تو لڑھکنے لگتے ہیں۔

Marfat.com

مغربی مفکرین کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اسلامی فلسفہ حیات کو یونانیوں سے ماخوذ قرار دینے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے حالانکہ اسلامی اقدار کی بنیاد علم الٰہی پر ہے اور علم الٰہی انسانی ذہن کی کاوشوں کے مقابلے میں انتہائی بلند و بالا چیز ہے، مثلاً ڈانلڈ سن (Donaldson) نے اپنی کتاب (Studies in Muslim sthics) میں کسی عقلی دلیل اور تجزیہ کے بغیر اور تاریخی مطالعہ سے اخذ کردہ حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو یہ کہہ کر ناقص قرار دینے کی کوشش کی کہ اسلام میں عورتوں اور غلاموں کو کم تر درجہ دیا گیا ہے حالانکہ یونانی اخلاقیات میں عوام کی حکمرانی کا تصور نہیں ملتا بلکہ چند تربیت یافتہ لوگوں کی اجارہ داری کا چرچہ ملتا ہے، اسی طرح غلاموں کا بھی کار غلامی کے علاوہ ان کی اخلاقیات میں کوئی کردار نہیں تھا۔

ڈی، بی، میکڈانلڈ نے اپنی کتاب (The religious attitude and life in islam) میں اسلامی اخلاقیات کو مسیحی اخلاقیات سے ماخوذ قرار دیا ہے، جزوی طور پر یہ بات درست ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الہامی تعلیمات میں اخلاقی بنیادیں بھی الہامی اصولوں پر استوار کی گئی تھیں، اور اسلام تو آیا ہی اخلاقیات کی تکمیل کے لئے تھا جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی احادیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، (موطا امام مالک باب حسن الخلق) یعنی میری بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، اور اس بات کی شہادت قرآن نے بھی دی ہے وانک لعلی خلق عظیم کہ آپ واقعی اخلاق کے بہت بلند مرتبہ پر ہیں، لیکن مسیحیت میں اخلاق رہبانیت کی طرف چلا گیا، جو اسلام میں ممنوع ہے رہبانیت زندگی کے عملی معاملات پر پوری نہیں اترتی اور اس کا چلن غیر تسلی بخش ہے، نیز تورات، زبور انجیل تحریف کا شکار ہونے کی وجہ سے خود مشکوک ہو گئی ہیں، تو ظاہر ہے ان کی موجودہ مشکوک حیثیت پر مبنی اخلاقی تعلیم بھی مشکوک ٹھہری، نیز چاروں مستند اور مروجہ اناجیل الگ الگ حیثیت رکھتی ہیں، کوئی بھی ایک دوسری سے نہیں ملتی، اس سے ظاہر ہوا کہ آسمان سے وحی کے ذریعے نازل ہونے والی انجیل موجود نہیں البتہ موجودہ اناجیل کو انجیل کے مفہوم کی حامل قرار دیا جا سکتا ہے، اور وہ بھی کسی حد تک نہ کہ کلی طور پر اس کے مقابلہ میں قرآن حکیم بفضلہ تعالیٰ روز اول کی طرح آج بھی من و عن اصل حالت میں اصل متن کے ساتھ محفوظ و متواتر چلا آرہا ہے، لہٰذا اس کی اخلاقی تعلیمات ہی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ اخلاقیات کہلانے کی صحیح طور پر مستحق ہیں۔

جدید اخلاقی نظریات: نئے دور کا مفکر "ہابس" مادیت کا علمبردار ہونے کے ناطے انسانی اخلاقیات کو اسی نظریے سے دیکھتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ خیر و شر کا تعلق ایک طرح سے حرکت (Motoin) کے ساتھ ہے، اگر یہ کامیاب ہے تو مسرت و شادمانی حاصل ہو گی، ورنہ، کرب و اذیت کا باعث بنے گی، خیر و شر کی بارے میں ہابس کا نظریہ یہ بھی ہے کہ خیر ہر ایک کے لئے خیر نہیں اور شر ہر ایک کے لئے شر نہیں، کیونکہ ایک عمل ایک کے لئے خیر اور وہی عمل دوسرے کے لئے شر بھی ہو سکتا ہے، چونکہ اس نظریہ کا تعلق محض مادیت پرستی سے ہے اس لئے یہ دنیاوی زندگی تک کی بات ہے، ورنہ خیر کا عمل خیر کی ساری قوتوں اور خیر کے طالبوں کے لئے ہمیشہ خیر ہی ہوتا ہے، اور "شر" اہل خیر و شر دونوں کے لئے شر ہی شر ہے، کیونکہ عمل کے اثرات اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ اخروی زندگی تک کو بھی محیط ہیں۔

Marfat.com

ڈیکارٹ کا نظریہ اخلاق البتہ قدرے مناسب ہے، وہ کہتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کامل ہے اور خیر ہی خیر ہے، شر کا تعلق اللہ سے نہیں، بلکہ جب ہم اپنی ناقص عقل کی بناء پر غلط فیصلے کرتے ہیں جو اللہ کے قانون کے خلاف ہوتے ہیں تو شر کا وجود عمل میں آتا ہے جس کے نتیجے میں ہم "شر" کی اذیت سے دوچار ہوتے ہیں۔

لاک کے نزدیک خیر و شر کا تصور معاشرہ اور اس کے نظام تعلیم اور اس کی مسلمہ اقدار کے ملغوبے میں سے ابھرتا ہے، لاک کے نزدیک خیر و شر کی کوئی بھی صورت ہو معیار خیر راحت کا حصول اور معیار شر اذیت و ضرر رسانی ہو گا گویا یہ نظریہ بھی دنیا کی زندگی کے مفادات سے تعلق رکھتا ہے، اخروی مفاد سے عاری ہے۔

جرمن دانشور کانٹ کے نزدیک اخلاقیات میں اہمیت کی حامل چیز یہ ہے کہ ہم نیت اور ارادہ کے ساتھ اخلاقی قوانین کا احترام کرتے ہیں یا نہیں، اگر آپ کا فعل ارادہ خیر اور حسن نیت پر مبنی ہے تو یہ خیر ہے ورنہ شر۔

مل (Mill) کے نزدیک خیر یہ ہے کہ اس کی بڑی سے بڑی تعداد یا مقدار زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے مفید ہو، اور کسی ایک شخص کو فائدہ پہنچانا کوئی نیکی نہیں، گویا وہ اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دیتا ہے، لیکن وہ یہ بھول گیا کہ کسی ایک کے ساتھ نیکی کرنے کی ہمت رکھنے والے کو نیکی سے اس لئے روک دینا کہ وہ سارے معاشرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، بھی اچھا نظریہ نہیں، محض اجتماعی مفاد رسانی کا نقطہ نظر خیر و شر کی دلیل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تہ میں خیر و شر کا وہ تصور نہ ہو جس کا تعلق الہامی تعلیم سے ہے کیونکہ بڑے سے بڑا مفکر اپنی عقل کے دائرے میں رہ کر ہی بات کرتا ہے، جب کہ اخلاق کی حدود عقل سے ماورا بھی ہیں کیونکہ عقل ناقص بھی ہے اور جانبدار بھی، مغربی مفکرین اخلاق کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی زندگی مسرت و شادمانی کے حصول سے تعبیر ہے، پس جو عمل مسرت و شادمانی کی راہ میں رکاوٹ ہو وہ شر ہے اور جو اس کے حصول مین ممد و معاون ہو وہ خیر ہے، اس کو نظریہ لذتیت (Hedonism) کا نام دیا جاتا ہے، علامہ اقبال نے اس نظریہ کی نفی کی ہے۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام

یورپ کے جدید ترین اخلاقی فلسفوں کی بنیاد روحانیت کی بجائے مادیت پر رکھی گئی ہے جس میں افادیت (Utility) اور نتائجیت (Pragmatism) کے نظریے کا غلبہ ہے، اور یہ دونوں عوامل محض باعتبار دنیا ہیں، آخرت اور دائمی اخروی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان اخلاقیات کو عیسائیت (بطور دین) کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا، جبکہ اسلام میں انسان کا ہر عمل چاہے ہو کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، دنیا کے علاوہ عقبٰی میں بھی نتائج پذیر ہو کر رہے گا" (اسلامی تعلیمات (لازمی) از قدر آفاقی ۳۳۵ تا ۳۴۰)

Marfat.com

اسلامی اخلاقیات: اسلامی اخلاقیات کا منبع علم الٰہی ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت حاصل ہوا اور جس کے آخری علمبردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہیں، اسلامی اخلاقیات کی بنیاد خود غرضی کی بجائے (اللہ کی خاطر) ایثار پر رکھی گئی ہے، جس طرح اسلام میں ہر اچھا عمل جو علم الٰہی سے مطابقت رکھتا ہو، عبادت ہے، اسی طرح ہر اخلاقی عمل بھی عبادت ہے جس سے روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے، اور نیکی کو وسعت ملتی ہے، چنانچہ اسلام کا اخلاقی مطمح نظر نرا مادی نوعیت کی راحت حاصل کرنا نہیں بلکہ مادیت کے شائبہ سے دور رہتے ہوئے اللہ کی رضا کا حصول ہے، خواہ اس کے لئے مادی نفع اور جسمانی راحت کی قربانی کی کیوں نہ دینا پڑ جائے۔

خلق کے معانی میں اعتدال، توازن اور تناسب اور نرمی اور چکنا پن بھی لازمی ہوتے ہیں، اور یہ اوصاف شرف انسانیت کی دلیل ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ذات گرامی میں یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، اور قرآن حکیم نے مومن کی جو صفات بیان کی ہیں وہی صحیح معنوں اخلاق صحیحہ کی آئینہ دار ہیں، اور ان صفات کا بلند ترین مظہر ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات ستودہ صفات ہے، جو نوع انسانی کے لئے عموماً اور اہل ایمان کے لئے خصوصاً زندگی کو بہترین سانچے میں ڈھالنے کا بہترین اور حسین نمونہ ہے، اور حضور علیہ السلام کی سیرت و اخلاق کا یہ نمونہ قرآن حکیم اور احادیث میں محفوظ ہے، گویا اخلاق حسنہ ایسے انسانی عادات و خصائل کا نام ہے جو منجھ کر پختہ شکل اختیار کر لیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کے اخلاق عالیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "کان خلقہ القرآن" احمد، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ابن جریر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول تھوڑے سے لفظی اختلاف کر ساتھ متعدد اسناد سے نقل کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دنیا کو قرآن حکیم ہی عطا نہیں کیا بلکہ قرآنی تعلیم و تربیت کے مطابق خود اس کا بہترین عملی نمونہ بن کر بھی دکھایا، اس کے نہی و امر پر آپ نے خود بدرجہ اولیٰ عمل فرمایا، چنانچہ قرآنی اخلاق کے فضائل سے آپ کی ذات سب سے بڑھ کر متصف تھی، اور ناپسندیدہ اخلاق سے آپ سب سے بڑھ کر مجتنب اور پاک تھے، قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے، وانک لعلی خلق عظیم (۶۸-۴) یعنی آپ یقیناً خلق عظیم کے حامل ہیں، (یعنی اخلاق عالیہ کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔)

تو اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد قرآن کی تعلیمات پر قائم کی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے روشنی اور اخلاقی رہنمائی کا بہترین مینار و معیار ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کسی خادم کو کبھی نہ مارا، نہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا اور سوائے جہاد کے نہ کبھی کسی پر حملہ کیا، کسی سے ذاتی انتقام بھی کبھی نہ لیا بلکہ ہمیشہ الحب للہ اور البغض للہ کی سچی تصویر پیش کی، بردباری اور طبع کی حلیمی کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس دس سال تک حضور کی خدمت میں بطور خادم رہے، لیکن اس طویل عرصہ میں آپ نے ان کو کبھی نہ جھڑکا، نہ اف کہا، اگر کچھ خلاف طبع صادر ہو بھی گیا، تو آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ یہ

Marfat.com

کیوں کیا یا کیوں نہ کیا بلکہ ہمیشہ شفقت و عفو و کرم نوازی سے پیش آئے۔ (بخاری و مسلم)

اسلام میں اخلاق حسنہ کا درجہ: اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا۔

واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئاتھا لایصرف عنی سیئاتھا الا انت

(مسلم باب الدعاء فی الصلوۃ) اور اے میرے خدا تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور ان کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو

اس سے اخلاق حسنہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے اخلاق حسنہ کی دعا فرماتے ہیں، حالانکہ آپ کو انک لعلی خلق عظیم کی قرآنی سند بھی حاصل ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ مکارم اخلاق کے معلم اعلیٰ ہیں۔

ایمان اور اخلاق حسنہ: ایمان اسلام کا بنیادی ستون ہے، ایمان انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کا وہ بنیادی پوائنٹ ہے جس کی موجودگی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں برکتوں، فضل و کرم اور الطاف و عنایات کا ذریعہ بن جاتی ہے، سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا

مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے،

(ترمذی، ابن حنبل، ابو داؤد، حاکم اور ابن حبان) یعنی ایمان سے بڑھ کر اسلام میں کوئی چیز نہیں، لیکن اس کی تکمیل بھی حسن اخلاق ہی سے ممکن ہے۔

نفلی نماز روزہ اور اخلاق حسنہ: اسلام میں نماز اور روزہ کی جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے لیکن اخلاق حسنہ کو بھی ان کی قائم مقامی کا شرف کبھی کبھی حاصل ہو جاتا ہے، ارشاد ہوا۔

ان الرجل لیدرک بحسن خلقہ درجہ قائم اللیل و صائم النھار

انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے

(یہ حدیث چند ہم معنی لفظوں کے الٹ پھیر سے ابو داؤد، ابن حنبل حاکم، ابن حبان اور طبرانی میں ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفل نمازوں میں رات بھر کی شب بے داری اور نفل روزوں میں دن بھر کی بھوک پیاس سے جو درجہ حاصل ہو سکتا ہے، وہی درجہ حسن خلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اسلام میں اخلاق ہی وہ معیار ہے جس سے باہم انسانوں میں درجہ اور رتبہ کا فرق نمایاں ہوتا ہے، فرمایا۔

خیارکم احسنکم اخلاقا

Marfat.com

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں
(بخاری کتاب الادب) ایک اور حدیث میں ہے۔

مامن شی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق فان صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجه صاحب الصوم والصلوة

(قیامت کی) ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہو گی، کہ حسن اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ کے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ۔

خیر ما اعطی الناس خلق حسن

یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو چیزیں عطا ہوتی ہیں ان میں سب سے بہتر عطیہ حسن اخلاق ہے

(حاکم، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، وغیرہ بالفاظ مختلفہ) طبرانی میں ارشاد نبوی ہے۔

(۱) احب عباد اللہ الی اللہ احسنهم اخلاقا

اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

(۲) ان احبکم الی واقربکم منی فی الاخرة مجالس محاسنکم اخلاقا وان ابغضکم الی وابعدکم منی فی الاخره مساقکم اخلاقا

یعنی تم میں سے میرے محبوب ترین اور نشست میں مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں، اور میرے ناپسندیدہ اور قیامت میں مجھ سے دور وہ ہوں گے جن کے اخلاق برے ہیں

(نیز ابن حنبل، وحبان، و شعب الایمان بیہقی) عہد نبوی میں ایک صحابیہ نمازی اور روزہ دار اور صدقہ دینے والی تھی لیکن ساتھ ہی پڑوسیوں کے لئے زبان دراز بھی پرلے درجے کی تھی، جبکہ ایک اور صحابیہ فرائض ہی ادا کرتی تھی لیکن خوش اخلاق بہت تھی، ان کی نسبت حضور نے فرمایا کہ پہلی کی نیکی برباد اور وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی، جبکہ دوسری جنتی ہو گی۔

قرآن حکیم میں اخلاقی اصولوں کی نشان دہی: ایمان اگرچہ مذہب کا اصل الاصول ہے، لیکن اس بنا پر کہ وہ دل کے اندر کی بات ہے جس کو کوئی دوسرا جانتا نہیں، اور زبان سے ظاہری اقرار ہر شخص کر سکتا ہے، اس لئے اس ایمان کی پہچان اس کے نتائج و آثار یعنی اخلاق حسنہ کو قرار دیا گیا ہے، چنانچہ سورہ مومنون میں عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاق کو بھی اہل ایمان کی ان ضروری صفات میں گنایا گیا ہے، جن پر ان کی کامیابی کا مدار ہے، فرمایا۔

(۱) قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم

Marfat.com

للذکوہ فاعلون والذین ھم لفروجھم حفظون، والذین ھم لامنتھم وعھدھم راعون والذین ھم علی صلواتھم یحافظون (مومنون-۱)

بے شبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع کرتے ہیں، اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے، اور جو زکوۃ دیا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کالحاظ رکھتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

(۲) لیس البران تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملکہ والکتب والنبین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمساکین و فی الرقاب واقام الصلوۃ واتی الذکوۃ والموفون بعھد ھم اذا عاھدوا والصبرین فی الباسا و الضراء و حین الباس○اولئک الذین صدقوا○واولک ھم المتقفون (بقرہ-ع-۲۲)

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو، بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو خدا پر قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں مسافر کو، مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دیا، اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوۃ دیتا رہا اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت، تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں

اس سے ظاہر ہوا کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اسی طرح ان کا دوسرا لازمی نتیجہ اخلاق کے بہترین اوصاف فیاضی ایفائے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ بھی ہیں۔

(۳) محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم میں خدا کے نیک اور مقبول بندے وہی قرار دیئے گئے جن کے اخلاق بھی اچھے ہوں، اور وہی باتیں خدا کے نزدیک ان کے مقبول ہونے کی نشانی ہیں چنانچہ سورۃ فرقان میں ارشاد ہوا۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالو سلما○ والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما○ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما○ انھا سات مستقرا و مقاما○ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما○ والذین لایدعون مع

Marfat.com

اللہ الہا اخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنونO ومن یفعل ذلک یلق اثاماO والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراماO والذین اذا ذکروا بایت ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیاناO والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازوجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماO (فرقان-ع-٦)

اور رحم والے خدا کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں، اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدہ میں رات گزارتے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور کر، کہ اس کا عذاب بڑا تاوان ہے اور جہنم برا ٹھکانا اور مقام ہے اور جو خرچ جب کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ تنگی کریں، بلکہ ان دونوں کے بیچ سے وہ سیدھے گزریں، اور جو خدا کے ساتھ کسی اور خدا کو نہیں پکارتے اور جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے جس کو خدا نے منع کیا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں، جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے پیوستہ ہو گا۔

اور جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی لغویات پر گذر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گذر جاتے ہیں، اور جب خدا کی نشانیاں ان کو سنائی جائیں تو وہ اندھے اور بہرے نہ ہو پڑیں، اور یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔ (فرقان-ع-٦)

دیکھو کہ ایک ایمان کی حقیقت میں عفو ودرگذر و میانہ روی اور قتل و خون ریزی اور بدکاری نہ کرنا، اور مکروزور میں شریک نہ ہونا، وغیرہ اخلاق کے کتنے مظاہر پوشیدہ ہیں۔

(۴) وہ لوگ جو خدا کے پیارے اور مقبول بندے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کے اخلاقی اوصاف یہ بیان ہوئے ہیں۔

وعلی ربھم یتوکلونO والذین یجتنبون کبئر الاثم والفواحش واذا ماغضبواھم یغفرونO والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوری بینھم و مما رزقنھم ینفقون والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرونO وجزاوا سیئہ سیئہ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہO انہ لا یحب الظلمینO ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیلO انما السبیل علی

86525

الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق○ اولک لھم عذاب الیم○ ولمن صبر و غفر ان ذالک لمن عزم الامور○ (شوری-ع-۴)

اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جو غصہ کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں، اور ہم نے ان کو جو دیا ہے اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں، اور جب ان پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، تو جو کوئی معاف کردے، اور نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا، اور اگر کوئی مظلوم ہو کر بدلہ لے لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد مچاتے ہیں، ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے اور بے شبہ جو (مظلوم ہونے پر بھی) ظالم کو معاف کردے اور سہ لے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ (شوری-ع-۴)

(۵) اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء و الضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس○ واللہ یحب المحسنین○

جنت ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں، اور جو غصہ کردباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور خدا اچھے کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (ال عمران-ع-۱۴)

(۶) اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا و یدرئون باالحسنہ السیئہ ومما رزقنھم ینفقون وا اسمعوا اللغو اعرفا صوا عنہ وقالو النا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین○

یہ وہ ہیں جن کو دہرا ثواب ملے گا اس لئے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرلیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم سلامت رہو، ہم ناسمجھوں کو نہیں چاہتے۔ (قصص-ع-۶)

(۷) ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما واسیرا○

یعنی اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلادیتے ہیں۔ (دھر-ع-۱)

Marfat.com

اخلاقی تعلیمات کا احاطہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں سب سے زیادہ اہمیت احکام عشرہ کی ہے، جو بنی اسرائیل کو کوہ سینا کے دامن میں سنائے گئے تھے، ان دس احکام میں سے پہلا حکم توحید، دوسرا تصویر اور مجسمہ بنانے کی ممانعت، تیسرا خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے کی کراہت، اور چوتھا سبت کے دن آرام کرنے کی ہدایت پر مشتمل ہے، باقی اخلاقی احکام صرف چھ ہیں، جو حسب ذیل ہیں، (دیکھو خروج باب ۲۰)

تورات کے اخلاقی احکام: (۱) تو اپنے ماں اور باپ کو عزت دے، (۲) تو خون مت کر، (۳) تو زنا مت کر، (۴) تو چوری مت کر، (۵) تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے، ع (۶) تو اپنے پڑوسی کی جورو، اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل، اور اس کے گدھے اور اس کی کسی چیز پر جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔

یہ گویا انسان کے اخلاقی سبق کی ابجد ہے، اس کے بعد خروج باب ۲۲ اور ۲۳ میں قانونی احکام کے ساتھ ساتھ دو تین باتیں اور آگئی ہیں، یعنی مسافر، بیوہ اور یتیم کے ساتھ سلوک کا حکم، اور جھوٹی گواہی کی ممانعت، پھر احبار باب ۱۹ میں انہی احکام کی حسب ذیل مزید تفصیل ہے۔

(۱) تم میں سے ہر شخص اپنی ماں اور باپ سے ڈرتا رہے۔

(۲) تم چوری نہ کرو، نہ جھوٹا معاملہ کرو، ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولو۔

(۳) تم میرا نام لے کر جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔

(۴) تو اپنے پڑوسی سے دغابازی نہ کر، نہ اس سے کچھ چھین لے، تو مزدور کی مزدوری چاہئے کہ ساری رات صبح تک تیرے پاس نہ رہ جائے۔

(۵) تو بہرے کو مت کوس، تو وہ چیز جس سے اندھے کو ٹھوکر لگے اندھے کے آگے مت رکھ۔

(۶) تو حکومت میں بے انصافی نہ کر، غریب و امیر کو نہ دیکھ، بلکہ انصاف سے اپنے بھائی کی عدالت کر۔

(۷) تو عیب جوؤں کے مانند اپنی قوم میں آیا جایا نہ کر، اور اپنے بھائی کے خون پر کمر نہ باندھ۔

(۸) تو اپنے بھائی سے بغض اپنے دل میں نہ رکھ۔

(۹) تو اپنی قوم کے فرزندوں سے بدلہ مت لے، اور نہ ان کی طرف سے کینہ رکھ۔

(۱۰) تو اس کے آگے جس کا سر سفید ہے، اٹھ کھڑا ہو، اور بوڑھے مرد کو عزت دے۔

(۱۱) اگر کوئی مسافر تمہاری زمین پر تمہارے ساتھ سکونت کرے، تم اس کو مت ستاؤ، بلکہ مسافر کو جو تمہارے ساتھ رہتا ہے، ایسا جانو جیسے وہ جو تم میں پیدا ہوا ہے، بلکہ تم اس کو ایسا پیار کرو، جیسا آپ کو کرتے ہو۔

(۱۲) تم حکومت کرنے میں، پیمائش کرنے میں، تولنے میں، ناپنے میں، بے انصافی نہ کرو۔

انجیل کے اخلاقی احکام: انجیل نے اخلاقی تعلیمات کا نہ صرف یہ کہ احاطہ نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی تفصیل بھی نہیں کی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد درحقیقت بنی اسرائیل کی رسم پرستی اور

Marfat.com

شریعت کی ظاہری پابندی کے خلاف معنی اور روح کی طرف دعوت تھی، یہ حقیقت جس طرح احکام میں نظر آتی ہے اخلاق میں بھی جھلکتی ہے، حضرت عیسیٰ کی اخلاقی تجدید و اصلاح یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی تورات، حضرت داؤد کی زبور، حضرت سلیمان کے امثال اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں میں جو خالص بلند اخلاقی تعلیمات منتشر تھیں، اور جن کو بنی اسرائیل کے اپنے قانونی احکام کے سامنے پیش کیا اس مشہور اخلاقی وعظ میں بہ ترتیب حسب ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں۔

دل کی غریبی، غمگینی، حلم و بردباری، راست بازی، رحم دلی، پاک دلی، صلح جوئی، صبر، عفو و درگذر، پاک دامنی، قسم کھانے کی ممانعت، ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، قرض معاف کرنا، دشمنوں کو پیار کرنا، ریا کی ممانعت، توکل، عیب نہ لگانا جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، ایسا تم بھی ان کے ساتھ کرو۔

یہ اخلاقی تعلیمات بیشتر انہی لفظوں کے ساتھ جو انجیل میں ہیں، بنی اسرائیل کے مختلف صحیفوں میں مذکور ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص طور سے ان اخلاقیات کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنے سے مقصد ان میں اخلاقی توازن کا قائم کرنا اور رسمی اخلاق اور لفظی شریعت کی اصل روح و معنی کو جلوہ گر کرنا تھا۔

اسلام میں اخلاقی احکام کا استقصا: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہیں، اس لئے آپ کو اخلاقی تعلیمات کا جو صحیفہ عنایت ہوا اس کو صرف ایک قوم یا زمانہ کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کیا گیا، اس لئے تمام قوموں اور زمانوں میں جو برائیاں پائی جاتیں یا پائی جانے والی تھیں، ان سب کو استقصا کر کے منع کیا گیا، اور اسی طرح تمام انسانی اخلاقی محاسن کو بھی کھول کر بیان کیا گیا اور ان کے حصول کی تاکید کی گئی، گذشتہ صحیفوں میں جن برائیوں سے روکا گیا تھا یا جن نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک نے ان کی تمام جزئیات کا استقصا کیا اور ان کے گوشہ گوشہ کو کھول کر روشن کر دیا، ذیل میں ہم ان اخلاقی تعلیمات کی ایک مجمل فہرست درج کرتے ہیں، جن کی تعلیم یا ممانعت قرآن پاک نے کی ہے۔

قرآنی اخلاق کی فہرست: سچ بولنا، جھوٹ کی برائی، علم بے عمل کی مذمت، عام عفو و درگذر، توکل، صبر، شکر، حق پر استقامت، خدا کی راہ میں جان دینا، میانہ روی کی تاکید، عزیزوں، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیکی، مسافروں، سائلوں اور غریبوں کی امداد، غلاموں، اور قیدیوں کے ساتھ احسان، فخر و غرور کی برائی، امانت داری، وعدہ کا ایفا کرنا، عہد کا پورا کرنا، معاہدوں کا لحاظ رکھنا، صدقہ و خیرات، نیکی اور بھلائی کی بات کرنا، آپس میں لوگوں کے درمیان محبت پیدا کرنا، کسی کو برا بھلا نہ کہنا، کسی کو نہ چڑانا، نہ برے ناموں سے یاد کرنا، والدین کی خدمت اور اطاعت، ملاقاتوں میں باہم بھلائی اور سلامتی کی دعا دینا، حق گوئی، انصاف پسندی، سچی گواہی دینا، گواہی کو نہ چھپانا، جھوٹی گواہی کا دل کی گنہگاری پر اثر، نرمی سے بات کرنا، زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، صلح جوئی، اتحاد و اتفاق، ایمانی برادری، انسانی برادری، اکل حلال روزی خود حاصل کرنا، تجارت کرنا، گداگری کی ممانعت، لوگوں کو اچھی بات کی تعلیم دینا اور بری بات سے روکنا، اولاد کشی، خودکشی اور کسی دوسرے کی ناحق جان لینے کی ممانعت، یتیم کی کفالت، اس کے مال و جائیداد کی نیک

Marfat.com

نیتی کے ساتھ حفاظت، ناپ اور تول میں بے ایمانی نہ کرنا، ملک میں فساد برپا نہ کرنا، بے شرمی کی بات سے روکنا، زنا کی حرمت، آنکھیں نیچے رکھنا، کسی کے گھر میں بے اجازت داخل نہ ہونا، ستر اور حجاب، خیانت کی برائی، آنکھ، کان اور دل کی باز پرس، نیکی کے کام کرنا، لغو سے اعراض، امانت اور عہد کی رعایت، ایثار، تحمل، دوسروں کو معاف کرنا، دشمنوں سے درگذر، بدی کے بدلہ نیکی کرنا، غصہ کی برائی، مناظروں اور مخالفوں سے گفتگو میں آداب کا لحاظ، مشرکوں کے بتوں تک کو برا نہ کہنا، فیصلہ میں عدل و انصاف، دشمنوں تک سے عدل و انصاف، صدقہ و خیرات کے بعد لوگوں پر احسان دھرنے کی برائی، الاہنے کی مذمت، فسق و فجور سے نفرت، چوری، ڈاکہ، رہزنی، اور دوسرے کے مال کو بے ایمانی سے لے لینے کی ممانعت، دل کا تقویٰ اور پاکیزگی، پاکبازی جتانے کی برائی، رفتار میں وقار و متانت، مجالس میں حسن اخلاق، ضعیفوں، کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ نیکی، شوہر کی اطاعت، بیوی کا حق ادا کرنا، ناحق قسم کھانے کی برائی، چغل خوری، طعنہ زنی اور تہمت دھرنے کی ممانعت، جسم و جان اور کپڑوں کی پاکیزگی اور طہارت، شرم گاہوں کی ستر پوشی، سائل کو نہ جھڑکنا، یتیم کو نہ دبانا، خدا کی نعمت کو ظاہر کرنا، غیبت نہ کرنا، بدگمانی نہ کرنا، سب پر رحم کرنا، ریا اور نمائش کی ناپسندیدگی، قرض دینا، قرض معاف کرنا، سود اور رشوت کی ممانعت، ثبات قدم، استقلال، اور شجاعت و بہادری کی خوبی، لڑائی کے گھمسان سے نامردی سے بھاگ کھڑے ہونے کی برائی، شراب پینے اور جوا کھیلنے کی ممانعت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بے شرمی کی باتوں سے پرہیز، بے غرض نیکی کرنا، مال و دولت سے محبت نہ کرنا، ظلم سے منع کرنا، لوگوں سے بے رخی نہ کرنا، گناہ سے بچنا، ایک دوسرے کو حق پر قائم رکھنے کی فہمائش، معاملات میں سچائی اور دیانتداری۔

یہ وہ تعلیمات ہیں، جن کا ماخذ قرآن پاک ہے، ان کے علاوہ اسلام کی اخلاقیات کا بڑا ذخیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان اقوال میں ہے جو ان کی تفسیر و تشریح میں احادیث میں مذکور ہیں، ان کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کنز العمال میں جو ہر قسم کی حدیثوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات باریک ٹائپ کے بڑی تقطیع کے ۱۸۷ صفحوں میں ہیں، جن میں سے ہر صفحہ میں ۳۷ سطریں ہیں اور تعداد کے اعتبار سے ہر تین ہزار نو سو چھ حدیثیں ہیں جو ڈھائی سو کے قریب مختلف اخلاقی ابواب و عنوانات میں منقسم ہیں، ان میں بعض مکرر باتیں بھی ہیں، تاہم ان سے اندازہ ہو گا کہ انسان کی اخلاقی و نفسانی کیفیات و حالات کا کوئی ایسا جز نہ ہو گا جو داعی اسلام علیہ السلام کی تلقینات کی فہرست سے رہ گیا ہو، اور جس پر دنیا کے اس سب سے بڑے اور سب سے آخری اخلاقی معلم کی نگاہ نہ پڑی ہو، ہم ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کے صرف وہ عنوانات لکھتے ہیں، جو صحیح بخاری جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں مذکور ہیں۔

صلہ رحمی، ماں باپ کے ساتھ سلوک، بچوں سے محبت، چھوٹوں کی محبت اور بڑوں کی عزت، اپنے بھائی کو اپنے ہی مانند چاہنا، ہمسایوں کے ساتھ سلوک، غلاموں کے ساتھ سلوک، غلاموں کا قصور معاف کرنا، اہل و عیال کی پرورش، یتیموں کی پرورش، بیوہ کی خبر گیری، حاجت مندوں کی امداد، اندھوں کی دست گیری، عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی، قرض داروں پر احسان، فریادیوں کی دادرسی، خلق کو نفع رسانی،

Marfat.com

مسلمانوں کی خیر خواہی، جانوروں پر شفقت اور رحم محسنوں کی شکر گزاری، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق، بیماروں کی خدمت و عیادت، رشک و حسد کی ممانعت دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت، شجاعت و بہادری، لڑائی کے میدان سے بھاگنے کی برائی، امیر و امام کی اطاعت، مداومت عمل، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، شیریں کلامی، خوش خلقی، فیاضی، بد زبانی، سے اجتناب، مہمان نوازی، شرم و حیا، حلم و وقار، غصہ کو ضبط کرنا، عفو و درگذر، صبر و تحمل، حسب و نسب پر فخر کی مذمت، بد گمانی کی برائی، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہونا، دوسروں کے گھر جا کر ادھر ادھر نہ دیکھنا، دوسرے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کرنا، رفق و نرمی، قناعت اور استغنا گداگری کی ممانعت، اپنے گناہوں کی پردہ پوشی، اپنے بھائیوں کے عیوب پر پردہ ڈالنا، چغلخوری کی ممانعت، تہمت لگانے کی برائی، غیبت کی ممانعت بغض و کینہ کی ممانعت، دوسروں کی ٹوہ لگانے کی ممانعت، راز داری، تواضع وخاکساری، امانت داری، گالی کی ممانعت، منہ پر مدح و ستائش کی ممانعت، لعنت کرنے کی ممانعت، بخل کی ممانعت، فضول گوئی کی ممانعت، فضول خرچی کی ممانعت، کبر و غرور کی مذمت، ہنسی مذاق کی برائی، نفس انسانی کا احترام، ظلم کی ممانعت، عدل و انصاف کرنا، تعصب کی ممانعت، سخت گیری کی ممانعت، غم خواری و غم گساری، توکل، لالچ کی برائی، رضا بالقضائی ماتم کی ممانعت، قمار بازی کی ممانعت، سچائی کی ہدایت اور جھوٹ کی ممانعت، جھوٹی گواہی کی ممانعت، جھگڑا فساد کرنے کی ممانعت، باہم مصالحت کرانا۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے، منافقت، اور دو رخی چال کی مذمت، وعدہ خلافی کی ممانعت، خیانت اور فریب کی ممانعت، شراب خواری، زنا کاری، اور چوری کی ممانعت، طہارت و صفائی، دوست و احباب کی ملاقات، سلام و تحیت، مصافحہ و معانقہ، دیگر آداب ملاقات، آداب مجلس، آداب طعام، آداب لباس، آداب نشست و برخاست، خانہ داری کے آداب، سونے جاگنے کے آداب، عورتوں کے متعلق خاص آداب و اخلاق و سلوک کے احکام۔

ان تفصیلات سے قیاس ہو سکے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اخلاقیات کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ انسانوں کو عطا کیا گیا ہے۔ (بحوالہ سیرۃ النبی جلد ۶)

اخلاقی جزئیات کا استقصا: انسان بڑا بہانہ جو، اور حیلہ طلب واقع ہوا ہے، اس کے لئے اخلاقیات کے صرف کلی اصول کافی نہیں، کہ وہ لفظوں کے ہیر پھیر کے سایہ میں پناہ لے، اور صرف چند رسوم کی لفظی تقلید پر قناعت کر لے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہر خوش اخلاقی یا بد اخلاقی کے ایک ایک جز کا استقصا کیا جائے، اور اس کے ایک ایک ریشہ کو کھول دیا جائے اور اس کی تہ کی اصلی گہرائیوں تک پہنچا جائے، اس کے وسائل اور ذرائع کا بھی پتہ لگایا جائے، اور ان کے متعلق صریح احکام دیے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات نے اس نکتہ کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، اس کی توضیح کے لئے امر و نہی دونوں کی ایک ایک دو دو مثالیں کافی ہوں گی۔

صدقہ و خیرات تمام مذہبوں میں ثواب کا سب سے بڑا کام سمجھا گیا ہے، لیکن تورات نے اس کو صرف عشر اور تورات تک محدود رکھا ہے، ان کے علاوہ کسی اور قسم کی خیرات کا ذکر اس میں نہیں ملتا،

Marfat.com

انجیل نے سب کچھ غریبوں کو دے کر خود غریب بن جانے کو اچھا سمجھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے دونوں کو یک جا کر دیا ہے، اور ہر ایک کے ایک ایک جز کی تفصیل کر دی، تورات میں یہ مبہم تھا کہ کتنے غلہ یا سونے چاندی کے مالک پر عشر یا زکوٰۃ فرض، اور کن کن چیزوں میں فرض ہے، شریعت محمدی نے اس کے متعلق مقدار اور تعداد اور زمانہ کی پوری پوری تعیین کر دی، وہ اجناس مقرر کر دیئے جن میں عشر یا زکوٰۃ واجب ہے، ان کی تحصیل کا طریقہ بتا دیا، ان کے اخراجات اور مصارف کی نوعیتوں کی تشریح کر دی، اس نے یہ حکم نہیں دیا، کہ تم سب کچھ راہ خدا میں لٹا کر خود مفلس اور کنگال بن جاؤ، بلکہ یہ کہا۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہہ دے کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو، (بقرۃ -ع-۲۷)

مگر اخلاقی حیثیت سے اس نے یہ تلقین ضرور کی، کہ تم خود اپنی ضرورت روک کر اور اپنے اوپر تھوڑی تکلیف اٹھا کر، دوسروں کی حاجت پوری کرو، تو یہ تمہارے کمال خلق کی دلیل ہے، انصارؓ جنھوں نے خود تکلیفیں اٹھا کر مہاجرین کی مصیبتیں دور کیں، ان کی تعریف میں خدا نے فرمایا۔

یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ

وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود ان کو حاجت ہو۔ (حشر-ع-۱)

صحابہؓ کی مدح میں فرمایا۔

یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا

خود کھانے کی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم، اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔ (دھر-ع-۱)

قرآن پاک سراپا انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ہدایت سے بھرا ہوا ہے۔

اکثر لوگ وہ چیز خدا کی راہ میں دوسروں کو دیتے ہیں، جو سڑی گلی، خراب اور نکمی ہو، قرآن پاک نے اس سے روکا کہ یہ نفس کے تزکیہ اور صفائی کے بجائے جو اس خیرات کا مقصد ہے، نفس کی دنایت اور آلودگی ظاہر کرتا ہے، فرمایا۔

لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون، وما تنفقوا من شی فان اللہ بہ علیم

تم ہرگز پوری نیکی کو نہ پاؤ گے جب تک اس میں سے تم نہ خرچ کرو، جو تم کو محبوب ہے، اور جو بھی تم خرچ کرو خدا کو اس کا علم ہے۔ (ال عمران-ع-۱۰)

پھر فرمایا۔

یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون و لستم باخذیہ الاان تغمضوا فیہ۝

Marfat.com

واعلموا ان اللہ غنی حمید○

اے ایمان والو! جو کچھ تم کماتے ہو، اس میں کی اچھی چیزیں اور جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دو، اور اس میں سے خراب چیز دینے کا قصد بھی نہ کرو، کہ تم کو کوئی ایسی چیز دے تو نہ لو، مگر یہ کہ چشم پوشی کر لو، اور یقین کرو کہ اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے۔(بقرۃ-ع-۳۷)

اس آیات پاک کے خاتمہ کی بلاغت پر غور کرو کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت فرمایا کہ "وہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے" یعنی اس نے اپنے بندوں کو مال کے بہترین حصہ کے خیرات کرنے کی جو ہدایت فرمائی اس کا یہ سبب نہیں کہ نعوذ باللہ خود خدا کو اپنے بندوں کی اچھی چیزوں کی ضرورت ہے کہ وہ تو ہماری ہر اچھی سے اچھی چیز سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے، بلکہ یہ سبب ہے کہ وہ خوبیوں والا ہے، اس لئے خوبی ہی والی چیز کو قبول کرتا ہے۔

سب سے پہلے تمہاری امداد کے محتاج خود وہ ہیں جن کی کفالت کا بار تم پر ہے، اہل و عیال، دست نگر عزیز و قریب، پھر دوسرے محتاج و مسکین اور یتیم اور مسافر۔

یسئلونک ماذا ینفقون○ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل وما تفعلو من خیر فان اللہ بہ علیم

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات کریں، کہہ دے جو کچھ تم نیکی کا مال خرچ کرو، وہ ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافر کے لئے اور جو بھی تم نیکی کا کام کرو، اللہ اس سے واقف ہے۔

(بقرہ-ع-۲۶)

اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوگا تو خیرات کیا دے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ "ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے، لوگوں نے عرض کی کہ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو فرمایا، مزدوری کرے اور جو ملے اس میں کچھ خود کھائے، کچھ محتاجوں کو کھلائے، صحابہؓ نے عرض کی اگر مزدوری کرنے کی قوت نہ ہو، فرمایا تو غم رسیدہ حاجت مند کی کوئی جسمانی خدمت کرے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو نیکی کی تعلیم دے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو برائی کرنے سے بچے، یہ بھی صدقہ ہے" دوسرے موقع پر فرمایا "اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، کسی اندھے کی دست گیری بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر کانٹا اور ہڈی کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی صدقہ ہے" غور کیجئے کہ یہ صدقہ اور خیرات کا کتنا وسیع مفہوم ہے۔

کسی کے ساتھ کوئی نیکی کر کے اس کو یاد مت دلاؤ، نہ احسان اُس کو جتاؤ، نہ اس سے اس کے شکریہ کے طالب ہو، نہ نمائش مقصود ہو، کہ اس سے خود نیکی برباد ہو جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری ہی وحی میں یہ نکتہ بتایا گیا فرمایا۔

ولا تمنن تستکثر

Marfat.com

اور اپنا احسان نہ جتا کہ تو اور زیادہ چاہے۔ (مدثر-ع-۱)

عام مسلمانوں کو تاکید کی گئی۔ یایھا الذین امنو لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق ماله رئا الناس ولا یومن بالله والیوم الاخر

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور جتا کر برباد مت کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور خدا اور پچھلے دن پر یقین نہیں رکھتا۔ (بقرہ-ع-۳۶)

پھر فرمایا ایسی خیرات سے تو معمولی سی نیکی بہتر ہے۔

قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقه یتبعها اذی والله غنی حلیم

اچھی بات کہنی اور معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے احسان جتا کر دینے والے کے دل کو صدمہ پہنچایا جائے، اور خدا بے نیاز اور بردبار ہے۔ (بقرہ ع ۳۶)

ریا اور نمائش سے بچنا ہو تو چھپا کر دو، اور اگر لوگوں کی تشویق و ترغیب مقصد ہو تو دکھا کر بھی دے سکتے ہو۔

ان تبدوا الصدقت فنعما هی وان تخفوها وتوتوها للفقراء فهو خیر لکم و یکفر عنکم من سیاتکم○ والله بما تعملون خبیر○

اگر تم خیرات کھول کر دو تو بھی اچھا ہے، اور اگر چھپا کر غریبوں کو دو تو وہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ (بقرہ-ع-۳۷)

الذین ینفقون اموالهم باللیل والنهار سرا و علانیه ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون

جو لوگ اپنا مال رات اور دن چھپے اور کھلے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، تو ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے، نہ ان کو خوف ہو گا اور نہ غم۔ (بقرہ، ۳۸)

صدقہ و خیرات کھلے دل سے ہنسی خوشی ہونی چاہئے، جبر و کراہت سے نہ ہو کہ یہ منافقت کی نشانی ہے۔

ولا ینفقون الا وهم کرهون

اور وہ خدا کی راہ میں نہیں خرچ کرتے لیکن کڑھ کر۔

صدقہ و خیرات پکے دل سے اور صرف خدا کے لئے ہونی چاہئے۔

ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبیتا من انفسهم الایه

Marfat.com

اور ان کی مثال جو اپنا مال اللہ کی خوشنودی چاہ کر اور اپنا دل پکا کر کے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس باغ کے مانند ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو۔ (بقرہ ع ۳۶)

بلکہ اس سے زیادہ یہ ہے کہ اس سے مقصود خود خدا ہو۔

وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف اليكم انتم لا تظلمون

اور تم تو خرچ نہیں کرتے، مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر، اور جو خیرات کرو گے وہ تم کو پوری ملے گی تمہارا حق کچھ دبا نہ رہے گا۔

صدقہ و خیرات کی ان تمام تفصیلات سے اندازہ ہو گا کہ اسلام نے اس ایک تعلیم کے کتنے گوشوں کا احاطہ کیا ہے۔

مسکرات کی حرمت میں جزئیات کا احاطہ: احکام میں یہ وسعت اور ہمہ گیری اور بھی زیادہ نمایاں طور پر نظر آتی ہے، مثلاً مسکرات کو تمام مذاہب نے صاف صاف حرام نہیں کیا ہے، مگر اچھا کسی نے نہیں سمجھا ہے، اسلام پہلا مذہب ہے، جس نے تذبذب اور شک اور ہاں اور نہیں کے تمام پہلوؤں کو دور کر کے اس بارہ میں ایک قطعی اور آخری فیصلہ نافذ کر دیا، اسلام سے پہلے گو بعض نیک لوگوں نے شراب کا پینا چھوڑ دیا تھا لیکن یہ حرمت صرف اشخاص تک محدود تھی، اس کے ذریعہ سے تمام دنیا کو ان کے نقصانات سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور خود اشخاص بھی اس کے اثر سے کلیتاً محفوظ نہیں رہ سکتے، مثلاً ایک شخص شراب نہیں پیتا لیکن اس کی تجارت کرتا ہے، ایک شخص ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتا ہے، لیکن ان برتنوں کو استعمال میں لاتا ہے، جن میں شراب رکھی یا بنائی جاتی ہے لیکن اسلام نے شراب کی حرمت کا اعلان اس جامعیت کے ساتھ کیا ہے کہ ان احکام کی مراعات کے ساتھ کوئی شخص شراب کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ٥ لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومتصرها وحاملها والمحموية اليه

آپ نے فرمایا، خدا شراب پر اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے پر اس کے لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے پاس وہ لے جائی جائے لعنت کرتا ہے۔ (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

مہذب قانون کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ جس چیز سے لوگوں کو روکتا ہے، سب سے پہلے اس کی منطقی حقیقت (ڈیفی نیشن) بتائے، عرب میں شراب مختلف چیزوں سے بنتی تھی، اس کے مختلف نام تھے، اور ان کا اثر بھی مختلف تھا قرآن مجید میں حرمت شراب کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے، اس میں خمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس بنا پر خمر کی حقیقت کی تعیین نہایت ضروری تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعیین فرما دی۔

Marfat.com

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من العنب خمرا وان من التمر خمرا وان من العسل خمرا وان من البر خمرا وان من الشعیر خمرا۔

آپ نے فرمایا، انگور سے بھی شراب بنتی ہے، کھجور سے بھی، شہد سے بھی، گیہوں سے بھی اور جو سے بھی،

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الخمر من العصیر و الزبیب وال تمر و الحنطہو الشعیر والذر ۃ وانی انھاکم عن کل مسکرo

روای کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ شراب، انگور، منقی، کھجور، گیہوں، جو جوار اور ہر چیز کے نچوڑنے سے بنتی ہے اور میں تم کو ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

عرب کے مختلف حصوں میں انہی چیزوں کی شراب بنتی تھی، اس لئے یہ تعریف عرب کے تمام اصناف شراب کو حاوی تھی، لیکن اسلام ایک عالم غیر مذہب تھا اور یہ ممکن تھا کہ دنیا کے اور حصوں میں شراب کی دوسری قسمیں استعمال کی جائیں اور تحدید ان کو شامل نہ ہو، اس لئے آپ نے شراب کی ایک کلی تعریف کی جو تمام اقسام شراب پر حاوی تھی۔ (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

کل مسکر خمر وکل مسکر حرام

ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (و صحیح مسلم واحمد ترمذی ونسائی)

کل شراب اسکر فھو حرام

ہر پینے کی چیز جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔ (ابو داؤد احمد و بخاری و مسلم)

لیکن حیلہ جو لوگوں کے لئے اب بھی حیلہ جوئی کا موقع باقی تھا حرمت شراب کی اصل وجہ جو اس تعریف سے مستنبط ہوتی ہے، نشہ ہے، لیکن یہ ممکن تھا کہ شراب کی اس قدر کم مقدار استعمال کی جائے کہ نشہ نہ آئے، اس لئے فرمایا

ماسکر کثیرہ فقلیلہ حرام

جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو نشہ نہیں لاتیں، تاہم اعصاب میں ایک خدر کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں، جو نشہ کا ابتدائی مقدمہ ہوتی ہے، بھنگ وغیرہ اسی قسم کی چیزیں ہیں، اور تمدن کے زمانہ میں مہذب اور حیلہ جو لوگ اکثر اس قسم کے مفرحات کا استعمال کرتے ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی ممانعت فرمائی۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر دمہ تر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشی و مخدر چیز سے منع فرمایا۔ (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

لیکن اس تفصیل و جامعیت کے بعد بھی یہ ممکن تھا کہ لوگ اس قسم کی نشی چیزیں استعمال کریں، جن پر عرفاً خمر کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو، عرب میں اس قسم کی ایک مصنوعی چیز تھی، جس کو وادی کہتے تھے، چنانچہ آپ نے اس کو بھی خمریات میں داخل فرمایا۔

یقول یشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها

آپ ؐ نے فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ نام بدل کر شراب کا استعمال کریں گے۔ (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

ان کے علاوہ عرب میں جن برتنوں میں شراب رکھی جاتی تھی، شروع میں ان کے استعمال کی بھی ممانعت فرمائی

نهی عن الدباء والحنتم والمزفت والنقیر۔

آپ ؐ نے کدو، سبز و سیاہ رنگ کے مرتبان، اور کھجور کی جڑ سے، جس میں سوراخ کر کے شراب رکھی جاتی منع فرمایا۔

لیکن چونکہ یہ ایک قسم کی سخت گیری تھی، اس لئے آپ ؐ نے آخر میں اس حکم کو منسوخ فرما دیا، اب صرف شراب کے استعمال کی دو صورتیں باقی رہ گئی تھیں، ایک یہ کہ اس کی حقیقت بدل دی جائے، دوسرے یہ کہ سخت مجبوری کی حالت میں استعمال کی جائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں صورتوں میں بھی شراب کی ممانعت فرمائی، چنانچہ چند یتیم بچوں نے وراثت میں شراب پائی تھی، حرمت خمر کے بعد وہ بے کار چیز ہوگئی، حضرت ابو طلحہ ؓ نے آپ ؐ سے سوال کیا کہ اس کا سرکہ کیوں نہ بنا لیا جائے، لیکن آپ ؐ نے اجازت نہ دی۔

ایک بار دیلم حمیری نے آپ ؐ کی خدمت میں عرض کی، کہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں، اور سخت کام کرتے ہیں، اس لئے گیہوں کی شراب پیتے ہیں کہ محنت اور سردی برداشت کرنے کی طاقت قائم رہے، آپ ؐ نے فرمایا، کیا اس سے بھی نشہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں" آپ ؐ نے فرمایا تو اس کو چھوڑ دو، انھوں نے کہا، لیکن اور لوگ نہیں چھوڑیں گے، ارشاد ہوا، کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جہاد کرو۔" (ابو داؤد ج ۲ صفحہ ۸۰ کتاب الاشربہ)

سود کی حرمت میں جزئیات کا احاطہ: اسلام سے پہلے توراۃ نے بھی بنی اسرائیل کو اپنے بھائیوں سے سود لینے کی ممانعت کی تھی، انجیل نے بھی "ناروا نفع" سے لوگوں کو روکا ہے، تاہم یہ ممانعت بہت مجمل ہے، لیکن اسلام نے جب اس کو حرام کیا تو ربا کی حقیقت، ربا کے اقسام، کن کن چیزوں میں کس کس قسم کا ربا ناجائز ہے، اس کی پوری تفصیل کی، اس کے مشابہ اور مبہم معاملات سے بھی باز رکھا، اس ظلم میں لوگ کسی طرح بھی شریک ہوں، ان سب کو شریک جرم ٹھہرایا۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا و

Marfat.com

موکلہ وشاہدوکاتبہ
آنحضرت نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اس پر گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی۔

رشوت کی حرمت میں استقصا:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اسلام کی دوسری اخلاقی تعلیمات میں بھی اس قسم کی تفصیل، استقصاء اور تمام جزئیات کا احاطہ پایا جاتا ہے، کیونکہ جس چیز کا عام رواج پیدا ہو جاتا ہے، اس کی نہایت کثرت سے مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے جب تک ان تمام صورتوں کو مٹانہ دیا جائے اس چیز کا کلیتاً قلع وقمع نہیں ہو سکتا۔

قوت نافذہ اور اخلاق: اسلام میں اللہ تعالے کی فرمانبرداری اور اس کے نبی اکرمؐ کے عطا کردہ اصول و ضوابط کی پیروی اور ان کو نافذ کرنے کی ذمہ داری نبھانے کے لئے قوت واقتدار کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المومن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ماینفعک واستعن باللہ ولاتعجز وان اصابک شی فلا تقل لوانی فعلت کان کذا و کذا ولک قل قدر اللہ وماشائہ فعل نان لوتفتح عمل الشیطان۔
کمزور مسلمان سے قوت آور مسلمان زیادہ بہتر اور خدا کے نزدیک پیارا ہے اور ہر ایک میں بھلائی ہے، ہر وہ چیز جو تجھے نفع دے اس کی پوری خواہش کر اور خدا سے مدد چاہ، اس راہ میں کمزوری نہ دکھا اور اگر تجھے اس میں کچھ تکلیف پہنچ جائے تو یہ نہ کہہ "اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا" بلکہ یہ کہہ کہ اللہ نے مقدر کر دیا تھا، اور جو چاہا اس کیا، کیونکہ یہ اگر (اور مگر) شیطان کا کاروبار کھولتا ہے۔

مسیحی اخلاق کی کمزوری: مسیحی فلسفہ اخلاق نے دنیا میں ایک بڑی غلط فہمی یہ پیدا کر دی تھی، کہ اس نے تواضع، خاکساری، فروتنی، عاجزی، خواری، بردباری، مسکینی، غریبی، غمگینی، وغیرہ، منفعل قوتوں کو اخلاق کا درجہ دیا تھا اور اس کے مقابل کی قوتوں کی سخت توہین کی تھی، حالانکہ دنیا کے امن و سلامتی اور ترقی و خوشحالی کے لئے دونوں قسم کی مناسب قوتوں کے امتزاج کی ضرورت ہے، جس قدر ایک مقام پر تواضع و خاکساری کی ضرورت ہے، اسی قدر دوسرے مقام پر خودداری اور عزت نفس کی حاجت ہے جس طرح عفو و درگذر بلند ہمتی کا کام ہے، اسی طرح عدل اور مناسبہ قانونی انتقام بھی بسا ضروری ہے، محکومانہ اخلاق کی خو گیری کا وعظ قناعت پسندوں کے لئے ضروری سہی، مگر حاکمانہ روح بھی قوم کے اندر موجود رہنی چاہیے

Marfat.com

تاکہ دنیا کے عدل کی میزان قائم رہے۔

نٹشے کا اعتراض مسیحی اخلاق پر: جرمن فلاسفر نٹشے نے مسیحی اخلاق پر جاو بے جا اعتراضات کے جو تیر برسائے اور ان مسیحی اخلاقی تعلیمات کو جس طرح انسانی چہرے کا داغ ٹھہرایا ہے وہ اسی لئے ہے کہ وہ صرف کمزوری، عاجزی خواری اور مسکینی کی تعلیم دیتے ہیں، جن سے لوگوں میں عزم، بلند ہمتی، استقلال ثبات قدم، عزت نفس، اور خود داری کے جوہر پیدا نہیں ہو سکتے وہ کہتا ہے، "مسیحیت نے ہمیشہ کمزور، پست اور بوسیدہ اشیا کا ساتھ دیا ہے، مسیحیت نے طبائع انسانی کی تمام خودوارانہ قوتوں کا استیصال کر دینا اپنا مسلک قرار دیا، مسیحیت نے زبردست دماغوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔" (نٹشے از ایم اے مگے مترجمہ مولوی سید مظفر الدین ندوی، باب سوم)

بروں کے ساتھ نیکی: اسلامی تعلیمات میں معاندانہ طرز عمل رکھنے والوں اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک عدل و انصاف اور نیکی کرنے کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) یایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولایجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلواO اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقو اللہO ان اللہ خبیر بماتعملونO

اے ایمان والو! خدا کے لئے کھڑے ہو جایا کرو، انصاف کے ساتھ گواہ بن کر، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل و انصاف کرنے سے باز نہ رکھے، انصاف کرو کہ انصاف کرنا پرہیز گاری سے بہت نزدیک ہے اور خدا سے ڈرو کہ اس کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (مائدہ۔ع۔۲)

(۲) ولاتستوی الحسنہ ولاالسیئہO ادفع بالتی ھی احسن واذ الذی بینک و بینہ عداوہO کانہ ولی حمیمO وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذوحظ عظیمO وما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذباللہ انہ ھو السمیع العلیمO

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، تو دفعتاً وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، رشتہ دار دوست کے مانند ہو جائے گا اور اس پر عمل کی توفیق انہی کو ہوتی ہے جو صبر کرتے ہی اور انہی کو یہ سعادت ملتی ہے جو بڑی قسمت والے ہیں، اور اگر شیطان تم کو اکسائے تو خدا کی پناہ مانگو کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (حم السجدہ ۵۰)

(۱) اس آیت پاک میں شروع ہی میں ایک اصول بتا دیا گیا ہے کہ بھلائی اور برائی برابر نہیں، ان دونوں کا فرق بالکل نمایاں ہے۔

(۲) اس آیت پاک میں جس نیکی اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، وہ ان لوگوں کے ساتھ کرنے کی ہے، جو تمہارے دشمن ہیں، کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ تمہارے اس نیک طرز عمل سے تمہارا

Marfat.com

دشمن تمہارا دوست بن جائے گا۔

(۳) دشمن کے ساتھ اس نیکی کرنے کو صبر کا انتہائی درجہ کہا گیا اور اس کو عظیم الشان خوش قسمتی سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہو گا کہ اخلاق محمدیؐ کے صحیفہ میں اس کا کیا درجہ ہے؟

(۴) دشمن کے ساتھ برائی کرنے کو اس میں شیطانی تحریک بتایا گیا ہے اور اس سے خوش قسمت مسلمانوں کو خدا کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت ابن عباسؓ جو صحابہ میں بڑے مفسر ہیں، اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں، "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیظ و غضب کی حالت میں صبر کا اور کسی کے برائی کرنے پر حلم اور عفو و درگذر کا حکم دیا ہے، وہ ایسا کریں گے، تو خدا ان کو شیطان کے پنجہ سے چھڑائے گا اور ان کا دشمن بھی دوست کی طرح ان کے آگے سر جھکا دے گا۔" (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۲)

حتی کہ کفار اور مشرکین کے ساتھ ایفائے عہد گویا تقویٰ کی شان میں سے ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین۔

لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد باندھا پھر انہوں نے تم سے کچھ کم نہ کیا اور تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، تو ان کا عہد ان کی مدت مقرر تک پورا کرو، اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (توبہ۔ع۔۱)

کفار و مشرکین کے ساتھ دلی بے گانگی اور روحانی غیریت کے باوجود اسلام دنیاوی معاملات اور اخلاق میں مسلمانوں کو ان سے عدل و انصاف، اور رواداری کی تاکید کرتا ہے، عین لڑائی کی حالت میں بھی یہ حکم ہے۔

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانھم قوم لا یعلمون

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے، تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو تو اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دے یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ (توبہ۔ع۔۱)

کیا ایک جنگجو مذہبی دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ بھی حسن سلوک ہو سکتا ہے؟ کفار سے دلی بے تعلقی کے باوجود قرآن پاک میں یہ صریح حکم ہے کہ اگر کسی مسلمان کے ماں باپ مشرک و کافر ہوں تو بھی ان کی خدمت بجا لانا اور دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا مسلمان کے اوپر فرض ہے، چنانچہ فرمایا۔

وان جاھدک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا و اتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم

Marfat.com

بما کنتم تعملون
اور اگر وہ دونوں (والدین) اس پر ضد کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کر جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی بات نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کر اور اس کی راہ چل جو میری طرف جھکا، پھر تم سب کو میری طرف آنا ہے پھر تم کو جتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔

مذہبی دشمنوں کے ساتھ اس سے زیادہ رواداری اور کیا ہو سکتی ہے کہ مذہبی مخالفت کے باوجود ان کی دنیاوی خدمت اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔

سختی کا جائزہ موقع: اس میں شک نہیں کہ اسلام میں نہ صرف کفار بلکہ ان کے ساتھ بھی جن کو قرآن کی اصطلاح میں "منافقین" کہتے ہیں، بعض موقعوں پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسے کسی قوم کے ساتھ مسلمانوں کو لڑائی درپیش ہو، اور اس وقت خطرہ ہو کہ جو کافر یا منافق مسلمانوں کے ساتھ آباد ہیں، وہ دھوکے سے دشمنوں کے ساتھ میل جول نہ کر لیں، یا لڑائی کے بغیر بھی وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر ان کی جماعت میں تفرقہ پردازی کریں، اور طرح طرح کے شبہوں اور افواہوں سے مسلمانوں کی جمعیت میں پریشانی پیدا کریں، اس حالت میں ان کافروں اور منافقوں کی سختی کے ساتھ نگرانی اور دیکھ بھال کی جائے، اور مسلمانوں کو ان کے میل جول سے روک دیا جائے، اور اگر وہ لڑ پڑیں تو بہادری کے ساتھ ان سے لڑا جائے، یہاں تک کہ وہ اس مذموم حرکت سے باز آجائیں، ان تمام امور کے فیصلہ کا حق امام وقت کو حاصل ہے، اس موقع کی دو آیتیں سورۂ توبہ میں ہیں۔

یایها النبی جاهد الکفار والمنفقین واغلظ علیهم وما وهم جهنم وبئس المصیر ○ یحلفون بالله ماقالوا ولقد قالوا اکلمه الکفر و کفروا بعد اسلامهم وهموا بمالم تنالوا وما نقموا الان اغنهم الله ورسوله من فضله فان یتوبوا ذالک خیرا لهم وان یتولوا یعذبهم الله عذابا الیما فی الدنیا والاخرة، ومالهم فی الارض من ولی ولا نصیر ○

اے پیغمبر ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور ان کی جائے پناہ دوزخ ہے، اور وہ کتنی بری بازگشت کی جگہ ہے یہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی اور اسلام کے اظہار کے بعد کفر کیا، اور اس بات کا قصد کیا تھا، جس کو وہ نہ پا سکے، اور انہوں نے عیب نہیں کیا، لیکن یہی کہ خدا اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو دولت مند کر دیا تو اگر وہ باز آجائیں تو ان کے لئے یہ بہت اچھا ہے اور اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ ان کو اس دنیا میں اور آخرت میں دردناک سزا دے گا، اور زمین میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔ (توبہ۔ع۔۱۰)

یہ آیتیں اس سختی کے موقع کو خود اپنے الفاظ سے ظاہر کر رہی ہیں، اور ان کے آگے اور پیچھے جو اور آیتیں ہیں، اس کی وضاحت کرتی ہیں، تین رکوع کے بعد سورۂ کے خاتمہ میں مسلمانوں کو رومیوں کے

Marfat.com

مقابلہ میں اپنی پوری سختی کے مظاہرہ کی ہدایت کی گئی ہے۔

یایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے ہم سرحد ہیں، اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور یقین کرو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (توبہ-۱۶) (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰، صفحہ ۴۶ مصر)

اس سختی کے مظاہرہ کا حکم اس لئے ہے تا کہ وہ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر حملہ کی نیت نہ کریں۔

تحریم اور ایلاء کے موقع پر جب بعض منافق اہل بیت نبویؐ میں پھوٹ ڈال کر مسلمانوں کی جماعت میں افتراق اور انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے، کفار اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم ہوا۔

یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم وماوھم جھنم وبئس المصیرo

اے پیغمبر! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بازگشت کی کتنی بری جگہ ہے۔ (تحریم-۲)

یہ تمام مواقع سیاسی انتظام اور جماعتی نظام کی برقراری سے متعلق ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کفار اور منافقین کے زمرہ میں وہ کمزور مسلمان بھی شمار کئے گئے ہیں، جو اس انتظام و نظام کی بربادی میں کفار و منافقین کی ساتھ عملاً شریک ہو گئے تھے۔

قرآن پاک میں ایک اور ایسی آیت ہے جس سے مخالف جو اسلام پر سنگدلی و بے رحمی کا الزام لگاتے ہیں، اپنے مدعا پر غلط استدلال کر سکتے ہیں، اور وہ سورۂ فتح کی حسب ذیل آیت ہے، جس میں ایک طرف صحابہؓ کی بہادری اور دوسری طرف ان کی باہمی محبت اور رحمدلی کی تعریف ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

محمد خدا کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (بھاری) ہیں، اور آپس میں مہرو محبت رکھتے ہیں۔

اشداء علی الکفار کا یہ ترجمہ کہ "وہ کافروں پر سخت ہیں" اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ سنگ دلی، بے رحمی اور بد اخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں، بلکہ اس معنی میں ہے کہ یہ مسلمان اپنی ہمت، استقلال باہمی اتحاد اور شدت ایمان کے سبب سے ایسے سخت ہیں کہ کفار ان سے مرعوب ہیں، اور مقابلہ میں مسلمان ان پر ایسے بھاری ہیں کہ کفار ان پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے، اس لئے محاورہ کے مطابق اشداء علی الکفار کا ترجمہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ کافروں پر سخت ہیر، بلکہ یہ کرنا چاہئے کہ وہ کفار پر بھاری ہیں، یعنی ان پر غالب اور ان کے مقابل میں کافی ہیں، ان سے کسی

Marfat.com

طرح دبتے نہیں، چنانچہ علامہ زمخشری نے کشاف میں، ابن حیان اندلسی نے بحرالمحیط میں، قاضی بیضاوی نے انوار التنزیل میں اس آیت کے وہی معنی قرار دیے ہیں، جو سورۂ مائدہ کی اس آیت کے ہیں۔

اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین○

فرمانبردار ہیں مسلمانوں کے اور بھاری ہیں کافروں پر۔ (مائدہ-۸)

یہ محاورہ قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، مثلاً سورۂ ہود میں ہے۔

یقوم ارھطی اعز علیکم من اللہ،

اے لوگو! کیا میرا خاندان تم پر خدا سے زیادہ بھاری (مضبوط) ہے۔ (ھود-۸)

دوسری آیت میں ہے۔

عزیز علیہ ما عنتم۔

تمہاری تکلیف رسول پر گراں ہے۔ (توبہ-ع-۱۶)

لسان العرب میں ہے۔

ورجل شدید قوی والجمع اشدا۔

مرد شدید، یعنی قوی اور اس کی جمع اشداء ہے۔ (جلد ۴ صفحہ ۲۱۸ مصر)

قرآن پاک میں اشد قوۃ، اشد خلقا، اشد تثبیتا اشد منھم بطشا وغیرہ متعدد آیتوں میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ قوی اور مضبوط کے معنی میں آیا ہے، دوسرے مشتقات میں بھی یہ معنی مراد لے گئے ہیں۔

اشدد بہ ازری

اس سے میری کمر کو مضبوط کر۔ (طٰہٰ ۲۰)

وبنینا فوقکم سبعا شدادا

اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔ (نبا)

وشددنا ملکہ

اور ہم نے ان کی سلطنت مضبوط کی۔ (ص-ع-۴)

فشدوا الوثاق

پھر مضبوط باندھو۔ (قتال-ع-۱)

شدید کے مشترک معنی یہ ہیں کہ جو اپنی مخالف قوت کے سامنے نہ جھکے، بلکہ اس کے مقابلہ میں مضبوط اور سخت رہے اور یہی صحابہ کرام کی صفت تھی، انہوں نے کفار کی بڑی بڑی مخالفتوں کی پرواہ نہ کی، تکلیفوں اور مزاحمتوں کا پر زور مقابلہ کیا، دشمنوں کی تلوار کے نیچے سر رکھ دیا، ان کے نیزوں کو سینوں میں جگہ دی، ان کے تیروں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہوئے، مگر جس کو ایک کہا تھا پھر اس کو دو نہ کہا، اور جس کی تصدیق کر چکے تھے، پھر اس سے انکار نہ کیا، آخر یہ ہوا کہ کفار اپنی تعداد کی کثرت کے باوجود ان سے دبنے لگے۔

Marfat.com

کفار و مشرکین سے عدم موالات: حسن سلوک تو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا نچوڑ ہے، اخلاقی بلندی منصفانہ سلوک پر ہی مبنی تسلیم کی جاتی ہے، لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب کفار و مشرکین کی یہ خواہش ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے۔

(۱) ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منهم اولیاء حتی یهاجروا فی سبیل الله

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح انھوں نے کفر کیا، تو ان میں سے اپنے دوست نہ بناؤ، یہاں تک کہ وہ خدا کی راہ میں ہجرت اختیار کریں۔ (نساء ع ۱۲)

(۲) واذا رایت الذین یخوضون فی ایتنا فاعرض عنهم حتی تخوضو فی حدیث غیرہ○ واما ینسینک الشیطن○ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین

اور جب تو ان کو دیکھے، کہ جو میری آیتوں کی شان میں لغو بکتے ہیں، تو ان سے کنارہ کرلے، یہاں تک کہ وہ اس کی سوا دوسری بات میں لگ جائیں، اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے، تو یاد آنے کے بعد پھر ان گنہگاروں لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھ۔ (انعام ع ۸)

(۳) وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم ایت الله تکفر بها ویستهزا بها فلا تقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلهم

اور تم پر کتاب میں یہ حکم اتار چکا کہ جب سنو اللہ کی آیتوں سے انکار ہوتے، اور ان پر ہنسی ہوتے تو ان کے ساتھ جب تک وہ دوسری بات نہ کرنے لگیں نہ بیٹھو، ورنہ تم بھی ان ہی کے جیسے ہو جاؤ گے۔ (نساء ع ۲۰

یہ احکام اس لئے ہیں تا کہ بری صحبت کا برا اثر مسلمانوں پر نہ پڑے، ان کے معنی قریب قریب وہی ہیں، جو سینٹ پال کے ان فقروں کے ہیں۔

"میں نے خط میں تم کو لکھا کہ حرام کاروں میں مت ملے رہو، لیکن نہ یہ کہ بالکل دنیا کے حرام کاروں یا لالچیوں یا لٹیروں یا بت پرستوں سے نہ ملو، نہیں تو تمہیں دنیا سے نکلنا ضرور ہوتا، پر میں نے اب تمہیں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلا کے حرام کار، یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا لٹیرا ہو تو اس سے صحبت نہ رکھنا بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا.... غرض کہ تم اس برے آدمی کو اپنے درمیان سے نکال دو۔ (اول قرنتھیوں ۵)

اور تم بے ایمانوں کے ساتھ نالائق جوے میں مت جتے جاؤ، کہ راستی اور ناراستی میں کون سا ساجھا ہے، اور روشنی اور تاریکی میں کون سا میل ہے، ایمان دار کا بے ایمان کے ساتھ کیا حصہ ہے، خدا کی ہیکل کو بتوں سے کون سی موافقت.... اس واسطے خدا یہ کہتا ہے کہ تم ان کے درمیان سے نکل آؤ اور جدا

Marfat.com

ہو، اور ناپاک کو مت چھوؤ۔ (۲۹ قار۔لمتون ۶)

یقیناً ہر نیک تحریک کے بانی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تحریک کے قیام و بقا اور حفاظت کی خاطر اس تحریک کے پیروؤں کو اس کے ان مخالفوں کے میل جول، راز داری اور رفاقت سے روک دے، جو زور یا سازش سے اس کے مٹانے اور برباد کر دینے کے درپے ہوں، خصوصاً ایسے وقت میں جب اس تحریک کو تیغ و خنجر اور فوج و لشکر سے مٹا دینے کی کوشش ہو رہی ہوں، اور طرفین میں لڑائی کی سی حالت قائم ہو یا غلط شبے اور افواہیں پھیلا کر اس کے پیروؤں کو وہ برگشتہ کرنا چاہتے ہوں چنانچہ اس قسم کی آیتیں۔

(۴) لا تتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الاان تتقوا منھم تقہ

ایمان والے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں تو جو ایسا کرے گا تو اس کو اللہ سے کوئی علاقہ نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ چاہو۔ (ال عمران۔ع۔۳)

(۵) یایھا الذین امنوا لاتتخذوا اباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان○ ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون○

اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو اگر وہ ایمان کے برخلاف کفر سے محبت رکھیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا، تو وہی حد سے گزرنے والے ہوں گے۔ (توبہ ع ۳)

اسی موقع کی ہیں، ایک اور بات یہ بھی ہے کہ جب حق و باطل معرکہ آرا ہوں تو اہل حق کے درمیان اسی حق کی خاطر جس قدر محبت ہو گی فطرۃ ان اہل باطل سے اسی قدر بیزاری اور علیحدگی ہو گی، جو اس حق کے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوں، اس لئے حق کی حفاظت کی خاطر اہل حق کو اہل باطل سے اس قسم کی محبت اور موالات سے اسلام نے روکا ہے۔

جب حجاز کے یہودیوں اور سرحد شام کے عیسائیوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑی اور بظاہر مال و دولت، ساز و سامان، اسلحہ اور مستحکم قلعوں کے سبب سے ان کا پلہ مسلمانوں سے زیادہ بھاری نظر آتا تھا تو مدینہ کے منافقوں اور کمزور دلوں کی عاقبت بنی اور دور اندیشی ان کو اس پر مجبور کرتی تھی کہ وہ اسلام کے ان دشمنوں سے ساز باز رکھیں، تاکہ ان کے مقابلہ میں اگر مسلمانوں کو شکست ہو تو ان کو پناہ مل سکے، اسی کے ساتھ وہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کو دین اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کو ان اہل کتاب سے رازدارانہ دوستی و محبت کے تعلقات رکھنے سے منع کر دیا فرمایا۔

(۶) یایھا الذین امنو الاتتخذوا الیھود و النصرای اولیاء بعضھم اولیاء بعض و من یتولھم منکم فانہ منھم○ان اللہ لایھدی القوم الظلمین، فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم تقولون

Marfat.com

نخشی ان تصیبنا دائرہO فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی ماسروا فی انفسھم ندمینO و یقول الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم انھم لمعکمO حبطت اعمالھم فاصبحوا خسرینO یایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلہ علی المومنین اعزہ علی الکافرین۔

اے ایمان والو! یہودیوں، اور نصرانیوں کو رفیق نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان سے رفاقت کرے، وہ انہی میں ہے، اللہ بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔ اب تو ان کو دیکھتا ہے جن کے دل میں بیماری ہے کہ وہ دوڑ کر ان سے ملے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے تو اللہ شاید (مسلمانوں کی) فتح یا (ان کی کامیابی کی) کوئی اور بات اپنے پاس سے بھیجے، تو کبھی پھر وہ اپنے دل کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں اور مسلمان کہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی پکی قسم کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، خراب گئے ان کے عمل، پھر رہ گئے نقصان میں، اے ایمان والو! اگر تم سے کوئی اپنے دین سے پھرے گا، تو خدا کا کچھ ہرج نہیں، اللہ اپنے دین کے لئے اور دوسرے لوگوں کو لائے گا جن سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے جو ایمان والوں کے فرمانبردار اور کافروں پر بھاری ہوں گے۔ (مائدہ ع ۸)

یایھا الذین امنوا لا تتخذو الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتو الکتب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین۔

اے ایمان والو! اہل کتاب اور کفار میں سے ان کو جو تمہارے دین کو ہنسی مذاق بناتے ہیں اپنا رفیق نہ بناؤ، اور خدا سے ڈرو اگر یقین رکھتے ہو۔ (مائدہ ع ۹)

ان آیتوں میں پوری تصریح ہے کہ کن لوگوں کو اور کن حالات میں اپنا رفیقکار محرم اسرار اور مدد گار بناؤ، اور اس ممانعت کا منشا کیا ہے؟ مزید تصریح آل عمران کی اس آیت میں ہے۔

یایھا الذین امنوا لاتتخذوا بطانہ من دونکم کایالونکم خبالا و دوا ما عنتم فقد بدت البغضاء من افواھھم، وما تخفی صدورھم اکبرO قد بینالکم الایت ان کنتم تعقلون

اے ایمان والو! اپنے غیر کو اپنا بھیدی نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے، جتنی تم کو تکلیف پہنچے ان کو خوشی ہے، دشمنی ان کی زبان سے نکلی پڑتی ہے، اور جو ان کے جی میں چھپا ہے، وہ اس سے

Marfat.com

زیادہ ہے، ہم نے تم کو باتیں جتادیں اگر تم کو عقل ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کمزور مسلمانوں کو ملا ملا کر مسلمانوں کے منصوبوں اور نقشوں کی جاسوسی کرتے تھے اور بھیدوں کا پتہ چلاتے تھے، جس کی روک تھام کے لئے مسلمانوں کو ان کی رفاقت اور سازباز سے روکا گیا ہے، سب سے زیادہ تصریح سورۂ ممتحنہ میں ہے، فرمایا۔

(۹) یایها الذین امنوا لاتتخذ واعدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالموده وقد کفروا بما جاء کم من الحق یخرجون الرسول و ایاکم ان تو منوا بالله ربکم ان کنتم خرجتم جهادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیهم بالموده وانا اعلم بما احفیتم وما اعلنتم ومن یفعله منکم فقد ضل سوا السبیل، ان تثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیهم والسنتهم بالسوء و ودو لو تکفرون لن تنفکم ارحامکم و لا اولاد کم یوما القیمه

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجو اور وہ اس سچائی کے جو تم کو ملی، منکر ہیں وہ رسول کو اور تم کو اس لئے گھر سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے اگر تم میری راہ میں لڑائی اور میری خوشنودی کے طلب میں نکلو، تو تم ان کو دوستی کے چھپے پیغام بھیجو، اور مجھے خوب معلوم ہے، جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو، جو تم میں سے ایسا کرتا ہے وہ سیدھی راہ بھولا ہے، اگر وہ (جن کو تم دوستی کا چھپا پیغام بھیجتے ہو) تم کو موقع سے پائیں، تو تمہارے دشمن ہوں اور تمہاری تکلیف پہنچانے کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائیں اور برائی کے ساتھ اپنی زبانیں کھولیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی کسی طرح دین کے منکر ہو جاؤ تم کو تمہاری قرابت اور تمہاری اولاد قیامت کے دن نفع نہیں پہنچائے گی۔

آگے اس سے بڑھ کر تصریح ہے۔

(۱۰) لاینهکم الله عن الذین لم تقاتلوکم فی الدین وله تخرجوکم من دیارکم ان تبروهم و تقسطوا الیهمO ان الله یحب المقسطین، انما ینهکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدینO و اخرجوک من دیارک وظاهروا علی اخراجکم ان تولو هم ومن یتولهم فاولیکب هم الظلمون

خدا تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے باز نہیں رکھتا جو تم سے مذہب میں لڑائی نہیں

Marfat.com

کرتے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں کو پیار کرتا ہے وہ انہی سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب میں لڑائی لڑیں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہارے نکالنے پر ایک دوسرے کے مددگار بنیں، جو ان سے دوستی کا دم بھرے گا تو وہی بے انصاف ہوں گے۔

اس کے ساتھ یہ خوشخبری بھی سنادی کہ عنقریب تمہاری فتح ہوگی اور اس وقت یہ دشمنی محبت سے بدل جائے گی فرمایا۔

عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودہ ○ واللہ قدیر

امید ہے کہ اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کردے اور اللہ قدرت والا ہے۔

ان آیتوں کا مطلب ان کے شان نزول کو جاننے کے بعد بالکل صاف ہو جاتا ہے، انہی میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمان قریش کی بے خبری میں مکہ پر قبضہ کرلینا چاہتے تھے، تیاریاں ہو رہی تھیں، کہ ایک مسلمان حاطب بن بلتعہ نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے چپکے سے ایک خط لکھ کر اور ایک عورت کو دے کر مکہ کی سمت روانہ کردیا کہ قریش خبردار ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی، آپؐ نے دو سواروں کو بھیجا کہ راستہ سے وہ خط اس سے واپس لے آئیں وہ خط آیا تو آپؐ نے حاطب سے پوچھا کہ یہ کیا ہے، عرض کی یارسول اللہ جلدی نہ فرمایئے، بات یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا ہوں، لیکن ان سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں اور جس قدر مہاجر ہیں وہاں ان کی قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں، جن کے سبب سے ان کے خاندان کے لوگ محفوظ ہیں، میری وہاں کوئی قرابت نہ تھی، جس کا مکہ والے لحاظ کرتے، تو میں نے چاہا کہ میں ان پر یہ احسان کروں تا کہ وہ میرا کچھ لحاظ کریں، میں نے دین حق سے مرتد ہو کر ایسا نہیں کیا، آپ نے فرمایا تم بدر والے لوگ ہو، خدا نے تمہارے گناہ معاف کیے ہیں، اس پر یہ آیت اتری، یایھا الذین امنوا لاتتخذوا اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

اخلاق کے فضائل ورذائل کے تین درجے

اخلاق کے فضائل ورذائل کے ان درجات ترقی وتنزل کے استعمال میں علماء اخلاق تعبیری فرق بھی کرتے ہیں۔

مثلاً سخاوت کا اگر ابتدائی درجہ کسی کو حاصل ہے تو اس کو فرزند سخاوت کہیں گے اور اسی طرح بخل میں فرزند بخل سے پکاریں گے۔

اور اگر درمیانی درجات تک پہنچا ہے تو صاحب سخاوت اور صاحب بخل کہلائے گا یا اخ الفضل اور اخ البخل پکارا جائے گا اور اگر درجات کمال تک پہنچ گیا ہے تو پھر رب اور سید کہا جائے گا، مثلاً رب الفضل، رب السخاء، سید النعمت یا رب البخل، رب الحسد، یا سید الفتن، اہل حق کو ان ہی اصطلاحی تعبیرات کی بنا پر "ربانی" کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

اسلامی ارکان اور اخلاق: اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں، (۱) کلمہ توحید و رسالت یعنی ایمان لانا (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج اور ان ارکان کا تعلق سراسر اخلاق حسنہ سے جوڑ دیا گیا ہے، جس کلمہ کی بنیاد خلوص نیت پر نہ ہو، وہ کسی کام کا نہیں، اس کا پھل منافقت ہے جس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہے، نماز وہی مقبول ہے، جس کے پیچھے خلوص نیت کی قوت ہو، قرآن مجید میں ہے، ان الصلوٰة تنہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعنی نماز فواحش و منکرات اور سرکشی سے روکتی ہے۔

بحوالہ احادیث امام غزالی کہتے ہیں کہ جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے مزید دور کردیتی ہے۔ (احیاء العلوم جلد اول باب فضیلہ الخشوع)

اس قسم کے الفاظ روزہ کے بارے میں بھی احادیث میں وارد ہیں، چنانچہ فرمایا کہ روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ فریب وغیرہ نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان بھوکا پیاسا رہے (بخاری و ترمذی وغیرہ) زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کا ثواب تبھی ملتا ہے اگر ان کی روح قائم رہے چنانچہ ارشاد ہوا۔

یایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی تنفق مالہ رئاء الناس ولاتومن باللہ والیوم الاخر

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو جتا کر یا ستا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخری دن پر یقین نہیں رکھتا۔ (بقرہ۔ع۔۳۶)

وہ ایمان صحیح جس سے حسن نیت پیدا ہوتا ہے، آب حیات کا وہ سرچشمہ ہے، جو نہ ہو تو ہمارے اعمال سراب سے زیادہ بے حقیقت ہیں۔

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعہ یحسبہ الظمان ماء حتی اذا جائہ لم یجدہ شیئا۔

اور جو خدا اور قیامت کو نہیں مانتے ان کے کام ایسے ہیں جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے جب وہ وہاں جائے تو اس کو کچھ نہیں پائے۔ (نور۔ع۔۵)

یہی وہ مشعل ہے جو ہماری تیرہ و تار زندگی کی روشنی ہے، یہ نہ ہو تو ہم کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آئے اور اپنے کسی کام کی کوئی غایت معلوم نہ ہو۔

او کظلمات فی بحر بحی یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحابO ظلمات بعضھا فوق بعضO اذا اخرج یدہ لم یکد یرھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نورO

یا (خدا اور قیامت کے) یہ ماننے والوں کے کاموں کی مثال ایسی ہے کہ اندھیرے میں گہرے دریا میں اس کو لہر ڈھانکے ہے، اس لہر پر دوسری لہر ہے، اس پر گھٹا چھائی ہے، تاریکیاں ہیں ایک پر ایک، جب اپنا

Marfat.com

ہاتھ نکالے تو سوجھتا نہیں، اور جس کو اللہ نے روشنی نہیں دی اس کو کہیں روشنی نہیں ہے۔(نورع ۵)

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کاملہ میں نفس عمل مطلوب نہیں، بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض و غایت صحیح ہو، عمل قالب ہے تو صحیح غرض و غایت اس کی روح ہے، روح نہیں تو بے جان قالب کس کام آسکتا ہے، حکمائے اخلاق کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انسان کا کوئی فعل غرض و غایت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن یہ غرض و غایت ہے کیا؟ اس پر آج تک وہ متفق نہیں ہو سکے، سقراط، افلاطون، اور ارسطو کے زمانہ سے لے کر آج تک بیسیوں نظریے قائم ہو چکے ہیں، لیکن حقیقت کا راز اب تک آشکار نہیں ہو سکا۔

اسلام کو اس سے بحث نہیں کہ اخلاق کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے، بلکہ اس سے بحث ہے کہ اخلاق کی غرض و غایت کیا ہونی چاہئے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے کام کی ادنیٰ اور اعلیٰ پست اور بلند متعدد غرضیں اور غایتیں ہو سکتی ہیں، ہم راہ میں ایک بوڑھے کی گردن سے بوجھ اتار کر خود اٹھالیتے ہیں، اور اس کو اس کے گھر تک بہ آرام پہنچادیتے ہیں، ہمارے اس کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصدیت ضرور ہوتی ہے، وہ مقصدیت جس قدر بے غرضانہ اور مخلصانہ اور بے لوث ہوگی اخلاقی لحاظ سے ہمارا یہ عمل اسی قدر بلند متصور ہوگا اور اگر اس کے پیچھے ریاکاری اور ظاہری نیک نامی کا حصول جلوہ گر ہوگا تو یہ گھٹیا مقصدیت اخلاقی پستی کی غماز ہوگی، اس کا مطلب یہ نہیں اگر ہمارے اندر بھی خلوص نیت پیدا نہیں ہو سکا تو ہمیں عبادات سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے، بلکہ ہمیں مسلسل ان عبادات پر عمل پیرا رہ کر اپنے اندر خلوص نیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جس طرح بھوکے کو کھانا نہ ملتا ہو، تو اس کے حصول کی جدوجہد ترک کرنے سے بات نہیں بنے گی۔

رضائے الہی: چنانچہ ایک سچے مسلمان کو صرف اور صرف اپنے ہر کام، اور اپنی ہر عبادت کی بنیاد رضائے الہی کا حصول قرار دینی چاہئے، اور اس کے علاوہ کسی دوسری غرض کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے، یہیں آکر فلسفہ اخلاق اور اسلامی اخلاق کے اصول کا فرق نمایاں ہوتا ہے، حکمائے اخلاق یہ ڈھونڈھتے ہیں کہ انسانی اخلاق کی غرض غایت کیا ہوتی ہے، اور معلم حکمت علیہ السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان کے اپنے اخلاق کی غرض و غایت کیا قرار دینی چاہئے، انسان کے پاس دو ہی دولتیں ہیں، جان اور مال، ا انہی دونوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا، ایثار اور حسن عمل ہے، پہلے ایک مومن کی جان کے متعلق فرمایا۔

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله ○ والله روف بالعباد

بعض ایسے ہیں وہ اپنی جان کو خدا کی خوشنودی چاہنے کے لئے بیچتے ہیں، اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (بقرہ۔ع۔۲۵)

پھر مال کے متعلق فرمایا۔

ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغا مرضات الله

اور ان کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ (بقرہ۔ع۔۳۶)

Marfat.com

وماتنفقون الاابتغاء وجہ اللہ

اور تم تو خرچ نہیں کرتے مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجرعظیما۔

اور جو یہ تمام کام خدا کی خوشنودی کے لئے کرے گا، تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے۔(نساء-ع-۱۷)

والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم و اقامو الصلوۃ وانفقوا مما رزقنا ھم سر وعلانیہ وید رئون بالحسنہ السیئہ اولئک لھم عقبی الدار۔

اور جنہوں نے خدا کے لئے صبر کیا اور نماز کھڑی کی، اور ہم نے جو ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ چھپے اور کھلے طریقہ سے خرچ کیا اور برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں انہی کے لئے ہے پچھلا گھر۔ (رعد-ع-۳)

سب سے صاف اور واضح طور سے یہ حقیقت سورۂ لیل میں کھولی گئی ہے۔

الذی یوتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمہ تجزی الاابتغاء وجہ ربہ الاعلی۔

جو اپنا مال صفائی اور پاکی حاصل کرتے ہوئے دیتا ہے، کسی کا اس پر احسان نہیں ہے، جس کو ادا کرنے کے لئے دیتا ہو، بلکہ وہ خدا کی ذات کی طلب کے لئے دیتا ہے۔(لیل)

ان آیات کی تفسیر و توضیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں فرمائی ہے، ایک صحابی پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کوئی اس لئے لڑتا ہے کہ غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے، کوئی اس لئے کہ وہ بہادر کہلائے، کوئی اس لئے کہ اس کو شہرت حاصل ہو تو ان میں سے راہ خدا میں لڑتا کس کو کہیں گے، فرمایا "اس کو جو اس لئے لڑتا ہو کہ خدا کی بات بلند ہو" جب تک کسی واقف اسرار، عالم الغیب، دانائے راز اور دل کی ہر جنبش اور ہر حرکت سی باخبر ہستی کا اور اس کے سامنے عمل کے مواخذہ باز پرس اور جواب دہی کا یقین نہ ہو گا دل میں اخلاص اور نفس میں دنیاوی اغراض سے پاکی پیدا نہیں ہو سکتی، او نہ بے غرضانہ بلند پایہ اخلاق کا وجود ہو سکتا ہے، اسلامی اخلاق کی کارکردگی کے برگ و بار عہد رسالت میں بالفاظ قرآن یوں ظاہر ہوئے۔

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

یعنی وہ (صحابہ کرام) اللہ کی رضا پر راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ (۹/۱۰۰)

دوسری جگہ منافقین کے بارے میں فرمایا۔

یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم

یعنی وہ آپ ؐ کو زبانی طور پر تو راضی کرتے ہیں لیکن ان کے دل اس سے انکاری ہیں، بندوں کے حق میں' (۹/۸)

اتبع رضوان اللہ (۳/۱۶۱) کو مستحسن قرار دیا گیا ہے حضرت زکریا نے خدا سے

Marfat.com

بیٹے کے لئے دعا مانگی اور عرض کی واجعلہ رب رضیا (۶/۱۹) یعنی وہ تیرا مقبول بندہ ہو جس سے تو راضی رہے، یا جو تیری رضا پر چلے، یا جو تیرا مطیع ہو کر رہے (تاج) رضائے الٰہی کی تعریف قرآن میں اس طرح بھی ملتی ہے۔

رضوان من اللہ اکبر ذالک ھو الفوز العظیم

یعنی اللہ کی "رضوان" سب سے بڑھ کر ہے، اور یہ ایک عظیم کامرانی (Achievement) ہے۔ (۹/۳۷)

پس اخلاق وہی اخلاق حسنہ ہے جس کی تہ میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ کار فرما ہو، اگر انسان اپنے جذبات ہواء ہوس کے لئے ہی کچھ کرے تو اس کو اللہ کی رضا والا توشہ کم ہی نصیب ہو گا۔

ہواء ہوس کے پجاری: اخلاقی لحاظ سے وہ لوگ پستیوں کا شکار زیادہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر اپنی مرضی کا راستہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس کے عقب میں ان کی غرض مخفی ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ اپنی خواہش کو خدا بنا لیتے ہیں جس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں ملتا ہے۔

افرئیت من اتخذ الٰھہ ھوہ

اے پیغمبر کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ (جاثیہ۔ع۔۳)

اسی لئے نفس کے تزکیہ و صفائی، اور روح کی بلندی و پاکی کے لئے شریعت محمدی نے ترک ہویٰ کا طریقہ پیش کیا، بودھ تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان ہر بری خواہش سے پاک ہو جائے کیونکہ اگر وہ ہر اچھی اور بری خواہش سے پاک ہو جائے تو اس کے فعل کی کوئی غرض و غایت نہ ٹھہرے گی، اور نہ اس کا کوئی محرک باقی رہے گا، اسی لئے اسلام کی تعلیم میں ہر خواہش کے ترک کرنے کا مطالبہ نہیں، بلکہ ہر بری خواہش، ہر باطل غرض اور ہر نفسانی ہوا و ہوس کے ترک کا مطالبہ ہے، کیونکہ اسی کی پیروی سے گمراہی و ضلالت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا۔

ومن اضل ممن اتبع ھوہ بغیر ھدی من اللہ،

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی۔ (قصص۔ع۔۵)

پھر فرمایا۔

ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ

اور خواہش نفسانی کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔

عدل و راستی جو ہر اچھائی اور نیکی کی روح ہے، وہ اسی ہویٰ کے زہر قاتل سے مرجاتی ہے، فرمایا۔

فلا تتبعوا الھوی ان تعدلو

عدل میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ (نساء۔ع۔۲)

ہوائے نفسانی تمام برائیوں اور بدیوں کی جڑ ہے، جس نے اپنے آپ کو اس سے بچایا، وہ ہر برائی

Marfat.com

اور بدی سے پاک ہو اور اس کے امن کی جگہ جنت ہے، فرمایا۔

واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنه هى الماوى

اور لیکن جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو بری خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہے اس کے امن سے رہنے کی جگہ۔ (نازعات ع ۲)

اخلاق اور محبت الٰہی: دین و دنیا کی سب سے بڑی نعمت محبت اور پیار ہے، خاص کر وہ محبت اور پیار جو خدا کو اپنے بندہ کے ساتھ ہو یہ غیر فانی نعمت اور یہ لازوال دولت جن ذریعوں سے انسان کو حاصل ہو سکتی ہے ان میں دیگر ضروریات دین کے بعد سب سے بڑا اور اہم ذریعہ حسن اخلاق ہے عقائد کے باب میں محبت الٰہی کے زیر عنوان اس کی طرف مجمل اشارہ ہو چکا ہے مگر اس کی تفصیل کا موقع اب ہے اللہ تعالیٰ کی محبت پر زور تو توراۃ اور انجیل میں بھی ہے مگر اصل سوال یہ ہے کہ خدا کی محبت کے حصول کا طریقہ کیا ہے اور یہ دولت انسان کو کیونکر مل سکتی ہے، اس کا جواب صرف قرآن نے دیا ہے مختصراً یہ کہ ہر کام اور ہر چیز میں داعی خیر کی پیروی محبت الٰہی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول کی زبان سے فرمایا۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى تحببكم الله۔

کہہ دو اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت کرے گا۔ (ال عمران ع ۴)

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، ارشادات، احکام، اخلاق اور اعمال پیروی محبت الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، لیکن قرآن پاک نے اس مختصر جواب پر قناعت نہیں کی ہے، بلکہ نام بنام اس نے بتایا ہے، کہ خدا کی محبت کے مستحق اور سزاوار کون کون ہیں اور اس دولت سے محروم کون ہیں، اس سے اسلامی اصول اخلاق کا یہ مسئلہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کاموں سے جو خدا کی محبت کا ذریعہ ہیں، حسن خلق بھی ہے اور ان امور میں سے جن سے یہ نعمت چھن جاتی ہے بد اخلاقی اور بد کرداری بھی ہے۔

پہلی صف میں حسب ذیل خوش قسمت انسانی جماعتیں داخل ہیں۔

والله ولى المومنين

اور خدا ایمان والوں کا دوست ہے۔ (ال عمران۔ ۷)

ان الله يحب المحسنين

خدا اچھے کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (بقرہ ۲۴ و مائدہ ۳)

ان الله يحب التوابين

خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (بقرہ۔ ۲۸)

ان الله يحب المتوكلين

خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (ال عمران۔ ع۔ ۱۴)

ان الله يحب المقسطين

Marfat.com

خدا انصاف کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (مائدہ ع ٦ حجرات۔ع۔٧)

ان اللہ یحب المتقین

خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔ (توبہ۔١)

واللہ یحب الصابرین

اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (ال عمران ع ١٥)

واللہ یحب المطہرین

اور خدا پاک و صاف رہنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (توبہ ع ١٣)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ

خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں۔ (صف۔ع۔١)

ان آیات پاک میں نو باتیں ایسی بیان کی گئی ہیں جو محبت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتی ہیں، ایمان، احسان، توبہ، توکل، انصاف، تقویٰ، صبر پاکیزگی، جہاد۔

حسب ذیل صفتیں وہ ہیں جو محبت الٰہی کے فیضان سے انسان کو محروم کرتی ہیں۔

فان اللہ لایحب الکافرین

تو خدا کافروں کو پیار نہیں کرتا۔) ال عمران ع ٤)

ان اللہ لایحب المعتدین

خدا حد سے بڑھنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ (بقرہ ٢٤، مائدہ۔ع۔٢)

ان اللہ لایحب من کان مختالا فخورا

خدا اس کو پیار نہیں کرتا جو اترانے والا اور شیخی مارنے والا ہو۔ (نساء۔ع۔٦)

ان اللہ لایحب من کان خوانا اثیما

خدا اس کو پیار نہیں کرتا، جو خیانت کار گنہگار ہو۔ (نساء۔ع۔١٦)

ان اللہ لایحب الخائنین

خدا خیانت کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ (انفال۔ع۔٧)

ان اللہ لایحب کل خوان کفور

خدا کسی خیانت کار ناشکرے کو پیار نہیں کرتا۔ (جو۔ع۔٥)

حقوق العباد کی درجہ بندی: اسلامی اخلاقیات میں مختلف لوگوں کے حقوق ادا کرتے وقت ان کی درجہ بندی بھی کی گئی ہے، اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں ایسی تفصیلات شاذ ہی ملتی ہیں حتی کہ انسان اور حیوان میں بھی کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔

مثلاً بودھ کی اخلاقی تعلیمات میں انسان اور حیوان کے اور پھر انسانوں میں اہل ملک قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں، بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت ہی کی اس میں کوئی دفعہ نظر نہیں آتی، اسی طرح ہندو قانون میں ایک جانور اور ایک انسان کا قتل برابر درجہ رکھتا ہے، اور ایک جانور بھی اپنی کسی منفعت

Marfat.com

رسائی کے باعث انسان کی ماں کا درجہ پا سکتا ہے، یہودیت اور عیسائیت میں تمام قرابت داروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان کے برترانہ حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسرے قرابت مندوں اور رشتہ داروں کو ان میں کوئی مرتبہ نہیں دیا گیا ہے، لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔

اس ترتیب کا فلسفہ یہ ہے کہ ترتیب میں جس کا درجہ بڑھ کر ہے اس کے ساتھ تعلقات کی وابستگی دوہری تہری ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص جو ایک وقت میں ایک ہی کی مدد کر سکتا ہے، اس کی ایک غریب ماں ہے، ایک غریب اور بیمار باپ ہے، ایک غریب اور بیمار بھائی ہے، ایک اسی طرح کا اس کا پڑوسی ہے، پھر اسی حالت میں اس کا ایک محلہ بھی ہے اور اسی حالت میں اس کا کوئی ہم وطن بھی ہے، تو اس کو کس کی امداد کرنی چاہئے، یہی وہ موقع ہے جس میں تدریجی تعلقات کی ترتیب کا سوال پیش آتا ہے، ظاہر ہے کہ تعلقات کے دوہرے تہرے حقوق پہلے ماں کے ہیں، پھر باپ کے ہیں، پھر بھائی کے ہیں، پھر پڑوسی کے ہیں، پھر ہم وطن کے ہی اور اسی ترتیب سے ان کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، یہ نیکی نہ ہوگی، کہ اپنی غریب اور بیمار ماں کو چھوڑ کر کوئی اپنے غریب اور بیمار پڑوسی کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے، یہ ایثار نہیں بلکہ ظلم ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے اوپر مزید زحمت گوارا کر کے دونوں کے حقوق سے عہدہ برآ ہو، اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اخلاقاً اس کو معذور سمجھا جائے گا شریعت محمدی نے اسی فطری ترتیب کو ان آیتوں میں پیش کیا ہے۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمساکین والجارذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور رشتہ دار کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ داروں پڑوسی کے ساتھ اور بیگانہ پڑوسی کے ساتھ، اور ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور لونڈی غلام کے ساتھ۔ (نساء-ع-٦)

قل ما انفقتم من خیر فللو الدین والا قربین والیتمی والمساکین وابن السبیل خیر فان اللہ بہ علیم

اے پیغمبر ان سے کہہ کہ تم جو خرچ کرو وہ اپنے ماں باپ اور عزیزوں اور تیموں اور غریبوں اور مسافر کے لئے اور جو بھی نیکی کا کام تم کرو، اللہ اس سے آگاہ ہے۔ (بقرہ-ع-٦)

وات ذی القربی حقہ و المسکین وابن اسبیل و لا تبذرتبذیرا۔

اور رشتہ دار کا حق ادا کر اور مسکین کا اور مسافر کا اور فضول خرچی نہ کر۔

عام طور سے اکثر مذہبوں نے سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کو دی ہے اور اسلام میں بھی اہمیت

Marfat.com

یہی درجہ رکھتی ہے مگر اس کی تکمیل کی شان اس باب میں بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح تعلیمات کے دوسرے ابواب ہیں۔

والدین کا حق: والدین یعنی ماں باپ کی عزت خدمت اور اطاعت حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یکساں ضروری قرار دی گئی ہے، بلکہ تینوں میں ان کا درجہ خدا کے بعد انسانی رشتوں میں سب سے بڑا بتایا گیا ہے، اور خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے، تورات میں توحید کی تعلیم کے بعد ہے۔

"تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔" (خروج ۲۰-۱۲)

پھر دوسری جگہ ہے۔

"تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے۔" (احبار ۹-۳)

انتہا یہ ہے کہ تورات نے قانوناً یہ حکم نافذ کیا کہ۔

"اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعن کرے مار ڈالا جائے گا اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے، اس کا خون اسی پر ہے۔" (احبار ۲۰-۹)

"اور جو اپنی ماں یا باپ پر لعنت کرے مار ڈالا جائے۔" (خروج ۲۱-۷)

حضرت عیسیٰؑ نے انجیل میں انہی احکام کو دہرایا، اور اس بات پر زور دیا کہ ان احکام کی صرف لفظی تعمیل نہ کی جائے، بلکہ ان کے روح و معنی کا خیال کیا جائے، فرمایا۔

"کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں یا باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے، پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب تھا سو خدا کی نذر ہوا اور اپنے ماں یا باپ کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، پس تم نے اپنی روایات سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔ (متی ۱۵-۴)

نبوت محمدی جس کی بعثت ہی اخلاقی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، اس نے تورات و انجیل کی طرح نہ صرف والدین کی عزت اور ان سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی بلکہ اس مسئلہ کے ہر گوشہ کی تفصیل کی، اور ہر ممکن سوال کا تشفی بخش جواب دیا۔

(۱) اس نے سب سے پہلے ماں یا باپ کی مشترکہ حیثیت کی بھی تفصیل کی، اور بتایا کہ ماں اور باپ میں بھی سب سے بڑا درجہ ماں کا ہے، عورت کی فطری کمزوری، بے چارگی اور حمل وضع حمل اور تربیت اولاد کی تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنا ماں کی بڑائی، اس کی سب سے پہلے دل دہی کرنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن وفصله في عامين

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے تاکید کی، اس کی ماں نے اس کو تھک تھک کر اپنے پیٹ

Marfat.com

میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا۔ (لقمان۔ع۔۲)

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا○ حملتہ امہ کرھا و ضعنہ کرھا و حملہ و فصلہ ثلثون شھرا○

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا۔ پیٹ میں رکھنا اور دودھ پلا کر چھڑانا تیس مہینے میں۔
(احقاف ۴۶/۱۵)

اسلام نے نہ صرف والدین کی عزت کرنے ان کے شکر گزار بن کے رہنے کا درس دیا بلکہ ان کی خدمت ان کی اطاعت ان کی امداد اور ان کی دل دہی، ہر چیز فرض قرار دی، بلکہ یہاں تک تاکید کی کہ ان کی کسی بات پر اف تک نہ کہو ان کے سامنے ادب سے جھکے رہو، ان کی دعاؤں کو اپنے حق میں قبول سمجھو، انہی کی خدمت انسان کا سب سے بڑا جہاد ہے بلکہ انہی کی خوشنودی سے خدا کی خوشنودی ہے، قرآن پاک میں والدین کے ساتھ حسن سلوک، نیکی اور خدمت کی تاکید مختلف آیتوں میں نازل ہوئی ہے، اور اکثر موقعوں پر یہ تعلیم توحید اور خدا پرستی کی تعلیم کے بعد ہی آئی ہے کہ پہلی تخلیق انسانی کی علت فاعلی اور دوسری علت مادی ہے، سب سے پہلی آیت سورۂ بقرہ میں ہے جس میں تورات کے حکم کی طرف بھی اشارہ ہے فرمایا۔

و اذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم نہ پوجو گے مگر اللہ کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔
(بقرہ۔ع۔۱۰)

یہ آیت پاک گو اس حکم کا اعادہ ہے جو توراۃ کی آیتوں میں ہے، لیکن یہاں توراۃ کی طرح صرف ماں باپ کی عزت اور ڈر کے محدود لفظ نہیں بلکہ "نیکی کرنے" کا وسیع المعنی لفظ احسانا رکھا گیا ہے جس سے تعلیم کے مفہوم میں بڑی وسعت آگئی ہے اور ہر قسم کی خدمت، اطاعت اور عزت کا مفہوم اس کے اندر پیدا ہے۔

اسی سورۂ میں دوسری جگہ والدین کی مالی خدمت اور امداد کی نصیحت ہے۔

قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین الآیہ

فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو، وہ ماں باپ اور رشتہ داروں وغیرہ کے لئے۔ (بقرہ ع ۲۶)

سورۂ نساء میں توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت کے بعد ہی والدین کے ساتھ بھلائی کی تاکید کی جاتی ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا

Marfat.com

اور اللہ کو پوجو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ (نساء ع ۶)

کفار کو جنھوں نے اپنے وہم و خیال اور رسم و رواج سے حلال و حرام کی ہزاروں رسمی و خیالی باتیں پیدا کرلی تھیں، اللہ تعالیٰ خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یہ کھانے پینے کی چیزیں حرام نہیں آؤ ہم بتائیں کہ حقیقت میں حرام چیزیں کیا ہیں، خدا کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش نہ آنا۔

قل تعلوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیئا وبالوالدین احسانا

کہہ (اے پیغمبر!) آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پرودگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ (انعام۔ع۔۱۹)

معراج کے احکام دوازدہ گانہ میں خدا کی توحید کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ دی جاتی ہے کہ ان کے سامنے اف بھی نہ کرو، عاجزی سے پیش آؤ، ان کے حق میں دعائے خیر کرو اور بڑھاپے میں ان کی خدمت کرو، فرمایا۔

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدهما او کلهما فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما و قل لهما قولا کریما واخفض لهما جناح الذل من الرحمه و قل رب ارحمهما کما ربینی صغیرا

اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کو نہ پوجو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو، اور ان سے ادب سے بولو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔ (بنی اسرائیل۔ع۔۳)

اللہ اللہ! کس ادب اور محبت کی تعلیم ہے۔

خدا کی دائمی اور غیر متبدل شریعت میں شرک سے زیادہ بری چیز کوئی نہیں قرار دی گئی، اس پر بھی اگر کسی کے ماں باپ مشرک ہوں تو اس حالت میں بھی ان کی خدمت سے ہاتھ اٹھانا روا نہیں، بجز اس کے کہ اگر وہ اس شرک کی دعوت دیں تو ان کی اس بات کو قبول نہ کیا جائے، ارشاد ہوا۔

ووصینا الانسان بوالدیه حسناO وان جاهدک لتشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهماO الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون۔

اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اگر وہ تجھ کو مجبور کریں کہ تو خدا کے ساتھ اس کو شریک کر جس کا تجھ کو علم نہیں، تو ان کا کہنا نہ مان تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، تو میں تم کو تمہارے کرتوت سے آگاہ کروں گا۔ (عنکبوت۔ع۔۱)

Marfat.com

اتنا ہی نہیں، بلکہ تمہارے بت پرست ماں باپ تم کو بت پرستی کی دعوت دیں تو صرف ان کی اس دعوت کو قبول نہ کرو، لیکن ان کی دنیاوی خدمت اور حسن سلوک میں کوئی فرق نہ آنے پائے، بلکہ وہ اس حالت میں بھی اپنی جگہ پر قائم رہے، فرمایا۔

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک O الی المصیر، وان جاھدک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔

اور ہم نے انسان کو جتادیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اس کی ماں نے اس کو تھک تھک کر پیٹ میں رکھااور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا کہ وہ میرااور اپنے ماں باپ کا احسان مانے میرے ہی پاس پھر آنا ہے، اگر وہ دونوں اس پر تجھ کو مجبور کریں کہ میرے ساتھ اس کو شریک کر جس کو تو نہیں جانتا تو ان کا یہ کہنا نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے گذران کر۔ (لقمان-ع-۲)

اس اہتمام کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی احسان مندی کا ذکر خود اپنی احسان پذیری کے ساتھ کرتا ہے اور اس شرک پرستی، شرک پرستی کی دعوت اور اس دعوت کے قبول پر اولاد کو بزور مجبور کرنے کے باوجود صرف اسی قدر کہا جاتا ہے کہ مذہب کے باب میں ان کی بات اولاد نہ مانے مگر دوسری دنیاوی باتوں میں ان کا ادب، ان کی اطاعت اور ان کی خدمت کا وہی عالم رہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ ان کا باپ مسلمان نہ تھا مگر اپنے وعدہ کی بنا پر خدا سے دعا مانگی جس سے غالباً ان کی مراد یہ ہوگی کہ وہ ایمان لا کر حسن خاتمہ پر مرے۔

ربنا اغفرلی ولوالدی

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (ابراہیم ع ۶)

حضرت نوحؑ نے بھی یہی دعا کی۔

رب اغفرلی ولوالدی

میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (نوح-ع-۲)

اس لئے والدین کے حسن خاتمہ اور مغفرت کی دعا مانگنا انبیا علیہم السلام کی پیروی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں ان کی خدمت بجا لاتے ہیں اور ان کے لئے خدا سے دعائے خیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس نیکی کے بدلہ میں ان کے سارے گناہ معاف کر دیتا اور اپنی خوشنودی کی لازوال دولت ان کو عطا فرماتا ہے۔

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا O حملتہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا O وحملہ و فصلہ ثلثون شھرا O حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنہ، قال رب

Marfat.com

اور زعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وَ علی والدی وان اعمل صالحا ترضه واصلح لی فی ذریتی ان تبت الیک وانی من المسلمین اولئک الذین نتقبل عنهم احسن ماعملو ونتجاوز عن سیاتهم فر اصحب الجنه○ وعد الصدق الذی کانوا یوعدون۔

اور ہم نے انسان کو تاکید کر کے کہہ دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اس کی ماں نے اس کو تکلیف کر کے پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف کر کے جنی اور تیس مہینوں تک اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا یہاں تک کہ وہ بچہ سے بڑھ کر جوان ہوا اور چالیس برس کا ہوا اس نے کہا کہ میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا' اور اس کی کہ میں وہ کام کروں جس کو تو پسند کرے اور میری اولاد نیک کر میں تیری طرف لوٹ کر آیا اور میں تیرے فرمانبرداروں میں ہوں' یہی وہ ہیں جن کے اچھے کام ہم قبول اور ان کے برے کاموں سے درگذر کرتے ہیں' یہ جنت والوں میں ہوں گے' یہ سچائی کا وہ عہد ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا۔ (احقاف۔ع۔۲)

سرمایہ احایث میں بھی والدین کی خدمت' اطاعت اور رضاجوئی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے' چنانچہ فرمایا "ماں کے قدموں تلے جنت ہے" (مشکوۃ شریف' کتاب الاداب احمد و نسائی) فرمایا' اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی ہے۔

پھر حسن معاشرت کا سب سے زیادہ حقدار تین بار والدہ کو قرار دیا اور چوتھی بار باپ کا نام ارشاد ہوا۔

جاں نثاروں کے جھرمٹ میں اچانک ارشاد فرمایا'۔

"وہ خوار ہوا' وہ خوار ہوا' وہ خوار ہوا' عرض کیا گیا' آقا! کون خوار ہوا؟" فرمایا "وہ خوار ہوا جس نے اپنے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔

واشکر لی ولوالدیک (قرآن)

یعنی میرا اور اپنے والدین کا شکر نبھاؤ۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے گروہ میں سب سے بڑے گناہوں کی نشان دہی اس طرح فرمائی۔

(۱) شرک کرنا۔

(۲) ماں باپ کی حکم عدولی اور نافرمانی۔

(۳) جھوٹی گواہی دینا (پھر زور دے کر فرمایا) ہاں جھوٹی گواہی دینا۔ (بخاری شریف وغیرہ)

Marfat.com

اولاد کا حق: والدین کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اولاد کے حقوق ادا کریں ان کی صحیح اور کار آمد تربیت کریں برسر روزگار ہونے میں ان کی معاونت کریں، ان کو اس کے قابل کریں، ان کی شادیاں کریں، ان کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعائیں کرتے رہیں، کیونکہ والدین کی دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے والدین مفلسی وغیرہ کے خوف سے قتل اولاد کا ارتکاب ہرگز نہ کریں، حضرت عبادہ بن صامت کے بقول حضورؐ نے ہم سے اس پر بیعت لی کہ، (۱) شرک نہ کرو گے (۲) چوری نہ کرو گے (۳) بدکاری نہ کرو گے (۴) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے (ترمذی ونسائی)، فرمایاً جو ہمارے چھوٹے پر شفقت اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں (ترمذی)

اسلام نے حمل کو بالقصد ضائع کرنے کو گناہ قرار دیا ہے اور ذریعہ حمل کے ضائع کرنے (عزل) کو اچھا نہیں سمجھا ہے اور پیدا ہونے کے بعد اس کے مار ڈالنے کی جاہلانہ رسم کو جڑ پیڑ سے اکھاڑنے کی پوری کوشش کی ہے۔

اولاد کشی کا انسداد: عرب کے سفاکانہ مراسم میں سب سے زیادہ بے رحمی سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینا یہ بے رحمی کا کام والدین خود اپنی خوشی اور مرضی سے انجام دیتے تھے، اس رسم کے جاری ہونے کے کئی اسباب تھے، ایک تو مذہبی تھا یعنی والدین اپنے بچوں کو اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے خود ذبح کر کے ان پر چڑھا دیتے تھے، منت مانتے تھے کہ فلاں کام ہو گا تو اپنے بچہ کی قربانی کریں گے، یہ قابل نفرت رسم نہ صرف عرب میں بلکہ بہت سی بت پرست قوموں میں جاری تھی، رومہ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں "اولاد کو مار ڈالنے کا باپ کو بالکل اختیار تھا اس قتل کی کوئی باز پرس نہ تھی اور اولاد کشی کا علانیہ کثرت سے رواج تھا ہندوستان (بھارت) کے راج پوتوں میں یہ دردناک منظر لڑکیوں کی شادی کی شرم و عار سے بچنے، اور بیواؤں کی ستی کی صورت میں اور لڑائیوں میں جو ہر کی صورت میں رائج تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کی خوشی اور نذرانے کے لئے ان معصوموں کی جانیں بہت آسانی سے لی جاتی تھیں، قرآن پاک کی اس آیت میں نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کے اسی عقیدہ کو باطل کیا گیا ہے۔

وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاوھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم ولو شاء اللہ مافعلوہ فذرھم وما یفترون ○

جس طرح کھیتوں اور جانوں میں خدائے برحق کے ساتھ ان کے دیوتاؤں نے اپنا حصہ لگالیا ہے اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے دیوتاؤں نے یہ بات خوبصورت کر کے دکھائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں، تاکہ یہ دیوتا ان کو (ہمیشہ کے لئے) ہلاک کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان مشرکوں کو اور جو کچھ خدا پر وہ افترا کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو ایسا حکم دیا ہے اس کو چھوڑ دے۔ (انعام ۔ ع ۔ ۱۶)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر خدا فرماتا ہے۔

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم

Marfat.com

گھاٹے میں ہیں وہ جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بے جاء قتل کیا۔ (انعام۔ع۔۱۶)

اس ہولناک گناہ کے ارتکاب کا دوسرا سبب عربوں کا عام فقر و فاقہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہو گی تو اس کے کھانے پینے کا سامان کرنا ہو گا' اس لئے وہ اس کے خون سے اپنا ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے' نبوت محمدی نے ان کو یہ بتایا کہ ہر بچہ اپنا رزق اور اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے' ایک انسان دوسرے انسان کو نہیں کھلاتا بلکہ وہ خدا ہی ہے جو سب کو کھلاتا ہے' اور وہی ہر جاندار کی روزی کا میر سامان ہے۔

وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها

اور زمین پر کوئی جاندار نہیں لیکن یہ کہ اس کی روزی کا فرض خدا ہی پر ہے۔

اس لئے جاہل عربوں کو تعلیم دی گئی۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق ۞ نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا ۞

اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالا کرو' ہم ہی ہیں جو ان کو اور تم کو دونوں کو روزی دیتے ہیں' ان کا مار ڈالنا بے شبہ بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد کے جرم کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اس کی ممانعت کو شرک کی ممانعت کے پہلو بہ پہلو جگہ دی گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان عربوں کو جنہوں نے اپنی طرف سے بہت سی چیزیں حرام بنالی ہیں' بتادو کہ اصلی چیزیں انسان پر کیا حرام ہیں؟

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیا وبالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق ۞ نحن نرزقکم وایاهم

کہہ دے اے پیغمبر! آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے' خدا کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو نہ مار ڈالو' ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ (انعام۔ع۔۱۹)

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا شرک' پوچھا اس کے بعد فرمایا والدین کی نافرمانی' پھر عرض کی اس کے بعد فرمایا یہ کہ "تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی" یہ جواب حقیقت میں آیت بالا کی تفسیر ہے' انہی تعلیمات اور نبوت کے اس پرتو فیض نے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا' کہ رازق خدا ہے' اسی کے ہاتھ میں رزق کی کنجی ہے' ہر بچہ اپنے رزق کا آپ سامان لے کر آتا ہے' اس ایمان اور یقین نے اس جرم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور عرب کی سرزمین اس لعنت سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گئی۔

بیٹی سے عار اولاد کشی کی تیسری صورت جو سب سے زیادہ قابل افسوس تھی وہ لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا تھا' کہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں' جب گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا

Marfat.com

اور وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں، قرآن نے کہا کہ تم کو لڑکی ہو تو تمہاری شرم کا باعث ہو اور خدا کو لڑکیوں کا باپ کہو تو شرم نہ آئے۔

واذا بشر احدهم بما ضرب للرحمن مثلا ظل وجهه مسودا وهو كظيم

اور جب ان میں کسی کو اس کے ہونے کی خوشخبری دی جائے جس کی وہ رحمت والے خدا پر تہمت باندھتے ہیں تو اندر ہی اندر غصہ کے مارے اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ یہ حالت پہنچی کہ اس شرم وعار کے مجسمہ کو پردہ خاک میں چھپا کر باپ اس معیبت سے نجات پانے کی فکریں کرتے، قرآن مجید نے اہل عرب کی اس حالت کو یوں بیان کیا ہے۔

"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ آیا وہ ذلت اٹھا کر اس کو اپنے پاس رہنے دے یا اس کو مٹی میں چھپا دے (زندہ دفن کردے) (نحل-ع-۷)

دارمی میں فضین (تبع تابعی) سے موتوفا روائت ہے کہ ایک شخص نے اسلام لانے کے بعد اپنے جاہلی دور کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ میری ایک لڑکی تھی، بڑی پیاری اور فرمانبردار وہ میرے بلانے پر دوڑی ہوئی آتی ایک دن وہ میرے بلانے پر میرے پیچھے پیچھے چلنے لگی، میں باہر اس ایک کنوئیں کے قریب لے گیا اور اسے کنوئیں میں گرا دیا، وہ ابا ابا چلائی، یہ اس کی آخری آواز تھی، یہ واقعہ سن کر حضور اتنا روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی، آپؐ نے دوبارہ یہ واقعہ سنا، اور بہت روئے پھر فرمایا، دور جاہلیت کے گناہ معاف ہو گئے ہیں جاؤ نئے سرے سے اپنا عمل شروع کرو۔ (سیرت النبی جلد ششم)

جب بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے اپنی آٹھ بیٹیاں زندہ دفن کرنے کا اقرار بارگاہ نبویؐ میں کیا تو حکم ملا کہ ہر لڑکی کے عوض ایک غلام آزاد کرو، عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس اونٹ ہیں، فرمایا، ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک ایک اونٹ قربانی کرو، (تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن کثیر زیر سورہ کورت)

اللہ تعالے کا ارشاد ھے کہ زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

بای ذنب قتلت

کہ تجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا؟

یہ ہے اولاد کے بارے میں اسلامی اخلاقیات کا تصور جو حقائق سے آنکھیں موندنے کا سبق نہیں دیتا بلکہ اخلاقی جرات کو مہمیز لگاتا ہے تاکہ غلط اقدار کو ملیا میٹ کیا جاسکے، عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کو تاکیداً حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، فرمایا مصیبت میں لڑکیوں کے ساتھ نیکی کرنے والے والدین کے حق میں وہ دوزخ کی آگ سے بچانے میں آڑ بن جائے گی، اسلامی اخلاقی تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی امامہ کی پرورش کے مدعی حضرت علیؓ بھی تھے، ان کے بھائی جعفر طیار بھی کہ وہ اس کے خالو لگتے تھے، اور حضرت زیدؓ بھی کہ وہ حمزہ رضی اللہ عنہما کے اسلامی بھائی تھے، آخر رحمت عالم نے وہ بچی اس کی خالہ کے سپرد کردی اور فرمایا خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

Marfat.com

تعلیم و تربیت: ظاہری اور جسمانی نشو و نما کے بعد اولاد کی باطنی و روحانی تربیت کا درجہ ہے، قرآن پاک نے ایک مختصر سے فقرہ میں جو صرف چار لفظوں سے مرکب ہے، اس حق کو ایسے جامع طریقہ سے ادا کر دیا ہے کہ اس کی تفصیل و تشریح میں دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں فرمایا۔

یایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔

اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچانا بزرگ خاندان کا فرض ہے، یہ آگ جہنم کی آگ ہے، مگر اس سے مقصود ان تمام برائیوں، خرابیوں اور ہلاکتوں سے ان کی حفاظت ہے، جو بالآخر انسان کو دوزخ کی آگ کا مستحق بنا دیتی ہیں اس طرح گھر کے سردار پر اولاد کی اخلاقی تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت کا فرض عائد کیا ہے۔

خدا نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بارالہا! تو ان کو ظاہر و باطن کا حسب، صورت و سیرت کی خوبی، اور دین و دنیا کی بھلائی دے کر میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا فرمایا۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرہ اعین

اور (جنت کے مستحق وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔ (فرقان-ع-۶)

مقصود یہ ہے کہ اولاد کو نیک اور سعادت مند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی نیکی و سعادت مندی کی دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے ایک سورہ میں خدا ارشاد فرماتا ہے کہ نیک بندے جس طرح اپنے ماں باپ کے حق میں مغفرت کی دعا مانگتے ہیں، اور ان کی خدمت کی توفیق چاہتے ہیں اسی طرح وہ اپنی اولاد کے حق میں اپنی کوششوں کی کامیابی کی بھی دعا کرتے ہیں۔

واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک و انی من المسلمینo

اور (اے خدا) میرے لئے میرے کاموں کو میری اولاد میں صالح بناء میں اپنے گناہوں سے تیری طرف باز آیا، اور فرمانبرداروں میں ہوں۔ (احقاف-ع-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہر طرح صالح اور کار آمد بنانے کی تربیت اور دعا بھی ایک اچھے باپ کا فرض ہے۔

اسلام میں چھوٹے بڑے لڑکوں میں حقوق کا امتیاز نہیں، اور لڑکیوں کے لئے بھی جائیداد سے حصہ مقرر ہے ایک صحابیؓ نے گواہی چاہی، آپؐ نے پوچھا کیا ہر لڑکے کو غلام ہبہ کرو گے؟ عرض کیا "نہیں" فرمایا میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہیں بنوں گا۔ (ابو داؤد کتاب البیوع)

اس سے اس قانون کی جو اسرائیلیوں، رومیوں، ہندوؤں اور دوسری پرانی قوموں میں رائج تھا اور

Marfat.com

اب بھی ہے کہ صرف بڑا لڑکا جائیداد کا مالک بنے یا اس کا کوئی ترجیحی حق ہو، اصلاح کر دی گئی، اور باپ کی نظر میں اس کے تمام لڑکوں کو برابر کا منصب حاصل ہوا، اور چھوٹوں پر ظلم کا جو مسلسل قانونی طریقہ جاری تھا اس کا خاتمہ ہوا۔

حقوقِ زوجین: ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ زن و شو کا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح والدین کے حقوق کی توضیح بوڑھوں کی تسکین روحانی کا ذریعہ اور اولاد کے حقوق کی تفصیل پر ننھے بچوں کی ہستی اور زندگی کا مدار تھا، اسی طرح حقوق زوجین کی تشریح پر جوانوں کے بلکہ ہر گھر کے عیش و مسرت کا انحصار ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب قائم تھے ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لئے عائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا، ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھو پن کے تمام پیرو اسی نظریہ کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا، اسلام نے آکر اس نظریہ کو باطل کیا اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل جس قدر تجرد میں ہو سکتی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ تعلق ازدواج میں ممکن ہے، کہ اخلاق نام حسن معاملہ اور حسن سلوک کا ہے، جو کسی کا شوہر نہ ہو جو کسی کی بیوی نہ ہو، جو کسی کا باپ نہ ہو، جو کسی کی ماں نہ ہو، جو کسی کا بھائی نہ ہو، اور نہ کسی کی بہن ہو، نہ کسی سے رشتہ ناتہ رکھے، اس پر دنیا کے کیا فرائض عائد ہو سکتے ہیں؟ اور اخلاق کی تکمیل کے لئے اس کو کون سے فطری موقعے مل سکتے ہیں؟ پھر دنیا میں اس عفت و عصمت کی موجود اخلاقی قالب کی رو ہے، اس تجرد کی زندگی میں کتنی یقینی ہے، مذہبی تجرد کی وہ پوری اخلاقی تاریخ جو دنیا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس دعویٰ کی پوری شہادت ہے۔ (انجیل، قر-نتھون، ۷-۸)

اسلام نے نکاح کو ہر عمر کے مرد و عورت بلکہ آزاد و غلام ہر ایک کے لئے بہتر بلکہ خیر و برکت کا سبب قرار دیا، حکم ہوا۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرا یغنھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم○

اور اپنے میں سے بن شوہر کی عورتوں کا (خواہ وہ کواری ہوں یا رانڈ) اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے صالحوں کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش رکھنے والا اور علم والا ہے۔

اس آیت پاک کا یہ فقرہ کہ "اگر وہ غریب و تنگ دست ہوں گے، تو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی سے ان کو غنی بنا دے گا" یہ معنی رکھتا ہے کہ ازدواجی زندگی خیر و برکت کا ذریعہ ہے، مذہبی حیثیت سے تو اس بنا پر کہ اگر ایک کی تقدیر میں غربت ہو گی تو شاید دوسرے کی تقدیر میں فارغ البالی ہو، تو ایک کے ذریعہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچے گا اور دنیاوی لحاظ سے دو ہیو سے، ایک تو یہ کہ ایک کام کرنے والے کے بجائے گھر

Marfat.com

میں دو کام کرنے والے ہوں گے، اور آگے اولاد کے ذریعہ اور کام کرنے والے پیدا ہوں گے، اس فلسفہ کا راز اہل دولت نہیں، غریب ہی سمجھ سکتے ہیں خصوصاً مزدور اور کاشتکار، دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نکمے سے نکمے آدمی پر بھی بار پڑتا ہے تو وہ ہاتھ پاؤں ہلانے پر تیار ہوتا ہے، اس لئے جو بے کاری سے غریب ہے، بیوی کے بوجھ سے مجبور ہوگا کہ وہ کام کہیں سے پیدا کرے خصوصاً اس لئے کہ اس کی محبت اس کو بعض ایسے بڑے بڑے کاموں پر آمادہ کردے گی، جس کے لئے وہ بغیر اس نشہ کے کبھی آمادہ نہ ہو سکتا، آخر میں فرمایا کہ خدا بڑی وسعت والا ہے، اس کی گنجائش میں سب کچھ ہے اور پھر علم والا، غیب کا علم اسی کو ہے، اس لئے اس کا یہ حکم حکمت سے خالی نہیں۔

پھر اس فرض کو یہاں تک ضروری قرار دیا کہ فرمایا اگر کوئی غریب مسلمان کسی شریف خاتون کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو تو کسی مسلمان باندی ہی سے نکاح کرلے فرمایا۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنت فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنتO واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض

اور جو تم میں سے اس کی قدرت نہ رکھتا ہو کہ شریف مومن عورتوں سے نکاح کرسکے تو تمہاری ان مومن باندیون میں سے کسی سے نکاح کرے، جو تمہارے قبضہ میں ہو، اور اللہ تمہارا ایمان زیادہ جانتا ہے، تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ (نساء۔ع۔۴)

آیت کا آخری ٹکڑا خاص غور کے قابل ہے، یہ فرمایا کہ اگر شریف و آزاد بیوی کا خرچ اٹھانے کی صلاحیت نہ ہو تو کسی باایمان باندی ہی سے نکاح کرلو، اب یہاں سے دو شبے پیش آتے ہیں ایک یہ کہ کیا نو مسلم باندیاں پرانے مسلمانوں کے برابر ہو سکتی ہیں؟ تو فرمایا کہ نئے اور پرانے مسلمان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، خدا ہی کو معلوم ہے کہ کس کا ایمان زیادہ اچھا اور خدا کے نزدیک قبول ہے، دوسرا شبہ یہ تھا کہ یہ نو مسلم عورتیں شریف خاندانوں کے ہم رتبہ کیسے ہوں گی تو فرمایا یہ تفریق بھی غلط ہے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے برابر ہے اور سارے بنی آدم ایک ہی جنس کے افراد ہیں۔

یہ اہتمام بیان اس لئے ملحوظ ہوا کہ غریب مسلمان ان وسوسوں میں پڑ کر نکاح سے باز نہ رہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ شخصی مسرت کی تکمیل میں کسی رفیقہ حیات کی رفاقت کو اسلام نے کتنی اہمیت دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اتزوج النسا فمن رغب عن سنتی فلیس منی

میں تو عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جس نے میرے طریقہ سے روگردانی کی تو وہ مجھ سے نہیں۔

اس نکاح کا مقصد صرف ایک فرض کو ادا کرنا فرض نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی رفاقت کے لئے اپنے ایک ہم جنس کی تلاش ہوتی ہے اور یہ خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت ہے چنانچہ زن و شو کے باہمی اخلاص و محبت کو خدا نے اپنی نشانیوں میں سے ایک قرار دیا ہے، فرمایا۔

Marfat.com

ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودہ ورحمہ○ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون

اور اس (خدا کی) نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جان سے تمہاری بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان کے پاس سکون پاؤ، اور تمہارے آپس میں پیار اور مہر پیدا کر دیا، بے شک اس میں سوچنے والوں کے لئے کتنی نشانیاں ہیں۔ (دو-ع-۳)

قرآن پاک نے ایک لفظ "سکون" سے بیوی کی رفاقت کی جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے وہ اس ازدواجی تعلق کے فلسفہ کے پورے دفتر کو اپنے اندر سمیٹے ہے، اس کا خلوت خانہ عالم کی کشاکش، دنیا کے حوادث اور مشکلات کے تلاطم میں امن سکون اور چین کا گوشہ ہے، اس لئے میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں اتنی خوشگواری ہونی چاہئے کہ اس سے اس تعلق کے وہ خاص اغراض جن کے لئے خدا نے اس زناشوئی کے تعلق کو اپنے عجیب و غریب آثار قدرت میں شمار کیا ہے، پورے ہوں، یعنی باہمی اخلاص، اور پیار، مہر محبت اور سکون اور چین، اگر کسی نکاح سے قدرت کے یہ اغراض پورے نہ ہوں، تو اس میں دونوں یا دونوں میں سے ایک کا قصور ہے۔

میاں بیوی کی باہمی موافقت اور میل جول کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ ان لوگوں کی سخت برائی کی ہے جو زن و شو کے باہمی میل جول اور مہر و محبت میں فرق ڈالیں، فرمایا۔

فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ من المرء و زوجہ.... مالہ فی الاخرہ من خلاق○

تو وہ (یہود) ان سے وہ سیکھتے ہیں جس سے شوہر اور اس کی بیوی میں تفرقہ ڈالتے ہیں.... اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (بقرہ-ع-۱۲)

یہ باہمی میل جول کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ اس کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ بیوی شوہر کی فرمانبرداری، اور شوہر بیوی کی دلجوئی کرے، زن و شو باہم اپنے اپنے حقوق کے لحاظ سے گو برابر ہیں، لیکن مرد کو تھوڑا سا مرتبہ اس لئے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتا ہے اور اس کے جائز مصارف کا بوجھ اٹھاتا ہے، اور دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو مشکلات میں پڑنے اور عورت کی حفاظت اور بچاؤ کی خاطر اس کو جسمانی صلاحیتیں عورتوں سے کچھ زیادہ دی ہیں، فرمایا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم○ فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ○

مرد، عورتوں کے سر دھرے ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بزرگی دی ہے اور اسلئے کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں، تو نیک بیبیاں فرمانبردار ہوتی ہیں اور غائبانہ نگہبانی کرتی ہیں کہ خدا نے ان

Marfat.com

کی حفاظت کی ہے۔ (نساء-ع-۶)

آیت کے آخر حصہ کا یہ مطلب ذہن میں آتا ہے کہ نیک بیبیاں شوہر کی غیر حاضری میں، اپنی اور شوہر کی عزت و آبرو اور مال کا خیال رکھتی ہیں اور ان کی یہی فطرت اللہ نے بنائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی عصمت کا خیال اور شوہر کی وفاداری کا فطری جذبہ پیدا کر کے ان کو محفوظ کر دیا ہے اب اگر کسی عورت سے اس کے خلاف ظہور میں آئے تو وہ فعل خلاف فطرت ہے۔

مرد و عورت کو ایک دوسرے سے ملا کر اللہ تعالیٰ نے دونوں کے جنسی میلان کو ان کی معاشی اور معاشرتی کمی کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ایک دوسرے کی پردہ پوش ایک دوسرے کی زینت اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں، قرآن پاک کی بلاغت دیکھئے کہ اس نے ان سارے مطالب کو صرف ایک تشبیہ میں ادا کر دیا ہے۔

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔

عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ (بقرہ-ع-۲۳)

اس پوشاک کے پردہ میں جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ بیسیوں معنی پوشیدہ ہیں تم ان کے ستر پوش ہو، وہ تمہارے لئے، تم ان کی زینت ہو وہ تمہاری، اور تم ان کی خوب صورتی ہو، وہ تمہاری، تم ان کی تکمیل کا ذریعہ ہو وہ تمہاری، یہی نکاح کے اغراض ہیں اور انہی اغراض کو پورا کرنا حقوق زوجین کو ادا کرنا ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کی تخلیق، اور ان کے باہمی فرائض کی تشریح کی ہے فرمایا۔

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تسائلون بہ والارحام ؕ ان اللہ کان علیکم رقیبا

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کا لحاظ کرو، جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا، اس خدا کا جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رحموں (رشتوں) کا لحاظ رکھو، اللہ تمہاری دیکھ بھال کر رہا ہے۔ (نساء-ع-۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات کو نکاح کے خطبوں میں عموماً پڑھا کرتے تھے، ان آیتوں میں انسانیت کے پہلے جوڑے کی پیدائش کا ذکر ہے جس سے کروڑوں مرد و عورت پیدا ہوئے اور پھر اس واقعہ کو تمہید بنا کر یہ نتیجہ ذہن نشین کرایا ہے کہ تو پھر چاہیئے کہ ہم اپنے کاروبار اور معاملات میں اپنے اس خالق حقیقی کا، اور ان رحموں (رشتوں) کا لحاظ کریں جو ہماری خلقت کا ذریعہ اور واسطہ ہیں، غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ ہر قسم کی قرابتوں اور رشتہ داریوں کی جڑ یہی نکاح ہے، یہ نہ ہو تا تو دنیا کا کوئی رشتہ

Marfat.com

پیدا نہ ہو سکتا۔ اس لئے دنیا کی ہر قرابت اور تعلق کا رشتہ اسی کے بدولت وجود میں آیا ہے اور اس نقطہ خیال سے بھی دنیا میں نکاح کی اہمیت بہت بڑی ہے کہ اسی سے ساری دنیا کے عزیزانہ مہر و محبت اور الفت و مودت کا آغاز ہوتا ہے۔

نکاح کے ان اغراض کا پورا ہونا اس پر موقوف ہے کہ دونوں میں صلح اور یک جہتی کا رجحان نمایاں رہے اور ہر موقع پر جہاں تعلقات کے شیشہ کو ٹھیس لگنے کا ڈر ہو، باہم صلح کے لئے آمادہ رہنا چاہئے اور اصلاح حال کے لئے دونوں کو برابر کوشش کرنا چاہئے اسی لئے زوجین میں مناقشہ پیش آنے کی صورت میں بھی اصلاح حال کی بار بار تاکید کی گئی ہے فرمایا، وان تصلحوا وتتقوا (نساء۔ع۔۱۹) اگر اصلاح کرو اور تقویٰ کرو" کہیں اسی طرح کا نام اللہ کی حدوں کو قائم کرنا کہا گیا ہے۔

ان تقیما حدود اللہ۔

یہ کہ میاں بی بی دونوں اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ مرد قسم کھا لیتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ نہیں کریں گے، اور جب انہیں کوئی سمجھاتا تو کہتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں، مجبور ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وحی کی زبان مبارک سے ایسے لوگوں کو فرمایا۔

ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس واللہ سمیع علیم○

اور خدا کو اپنی قسموں کا ہتھکنڈہ نہ بناؤ، کہ سلوک نہ کرو اور تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح جوئی نہ اختیار کرو اور اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ (بقرہ۔ع۔۲۸)

نیک بیویوں کے اوصاف قرآن پاک نے یہ بتائے ہیں۔

فالصلحت قنتت حفظت للغیب

تو نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں، اور شوہر کے پیٹھ پیچھے شوہر (کے مال و دولت اور عزت و آبرو) کی حفاظت کرتی ہیں۔ (نساء۔٦)

گویا عورت کے فرائض یہ ہیں کہ وہ اپنے مردوں کی فرمانبردار رہیں، ان کے مال و دولت اور ملکیت کی جن کی حفاظت ان کے سپرد ہے، پوری نگرانی رکھیں، اور ان کی عزت و آبرو کی جو خود ان کی اپنی عزت و آبرو ہے، شوہر کی غیر حاضری میں بھی حفاظت کریں، مختصر لفظوں میں عورت کے سہ گانہ فرائض، اطاعت سلیقہ مندی اور عصمت و عفت ہیں، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، کہ شوہر اس کو جو کہے وہ مانے، شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور اگر شوہر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے" (ابن ماجہ نکاح)

زن و شو کے باہمی حقوق کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں ان الفاظ میں فرمائی۔

Marfat.com

"لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی وصیت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں، تم سوا اس کے، کسی اور بات کا حق نہیں رکھتے، لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں، اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کردو اور ان کو ہلکی مار مارو، تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو، بے شک تمہارا عورتوں پر، اور عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں جن کو تم پسند نہیں اور ہاں! ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح)۔

ایک اور موقع پر ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہا یا رسول اللہ! بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے، فرمایا جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے، اور نہ گھر کے علاوہ اس کی سزا کے لئے اس کو علیحد کرے۔ (ابن ماجہ، ابض)

دوسری طرف آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہروں کی پوری اطاعت کریں، یہاں تک فرمایا کہ "اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا میں کسی کو حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے" آپ نے یہ طریقہ شوہر کی اطاعت کی اہمیت کے لئے اختیار فرمایا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز نہیں۔

ایک مشہور حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔

خیرکم خیرکم لاھلہ

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہے۔ (ترمذی و داری و ابن ماجہ)

خیارکم خیارکم نساءھم

تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے ہیں۔ (ترمذی)

ایک صحابی بڑے عابد و زاہد تھے، لیکن وہ اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا یہ حال سنا تو ان کو بلوا کر فرمایا۔

ولزوجک علیک حقا

اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (بخاری کتاب النکاح)

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بیویوں کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی، وہ ہر وقت معمولی معمولی قصوروں پر ماری پیٹی جا سکتی تھیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی برابر کا جواب دیا پھر وہ کہتے ہیں کہ "ہم لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کو کسی شمار و قطار میں نہیں سمجھتے تھے، اسلام آیا تو اس نے ان کے بارے میں احکام اتارے اور انُ کے حق مقرر کیے۔ (صحیح بخاری، باب موعظۃ الرجل لحال زوجھا و تفسیر سورہ تحریم)

اسلام نے ان کی قدر و منزلت کو یہاں تک بڑھایا کہ ان کو قانوناً مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا اور آپس کے قانونی حقوق میں ان کو برابر کا درجہ عطا کیا، البتہ اخلاقاً رتبہ میں مردوں کو تھوڑی سی اعزازی برتری دی گئی، ارشاد ہوا۔

Marfat.com

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجه

اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر اور مردوں کو ان پر ایک منزلت حاصل ہے۔ (بقرہ - ۲۸)

لیکن یہ منزلت بھی ان کو بے وجہ نہیں دی گئی ہے، یہ اس لئے ہے تا کہ وہ عورتوں کی نگرانی اور نگہبانی کا فرض انجام دے سکیں، یعنی وہ گویا اپنی گھریلو عدالت کے اعزازی صدر بنائے گئے ہیں، یہ نکتہ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اوپر کی آیت میاں بیوی کے خانگی جھگڑوں کے دور کرنے کے سلسلہ میں ہے، گھر کے روز مرہ کے مناقشوں کا فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دونوں کے قانونی حقوق یکساں ماننے کے ساتھ شوہر کو اعزازی فوقیت کا مرتبہ دیا جائے تا کہ وہ اپنے گھر کے نظام کو اچھی طرح چلا سکے۔

اس اعزازی منصب کے لئے شوہر کا انتخاب بھی بے وجہ نہیں قرآن پاک نے اس کی مصلحتیں بھی بتادی ہیں، فرمایا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم

مرد عورتوں کے نگران ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے اور اس لئے کہ انہوں نے اپنا مال خرچ کیا۔ (النساء ۶۰)

یعنی مردوں کی اس اعزازی ترجیح کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور سے مردوں کو عورتوں پر جسم و طاقت اور عقل و فراست وغیرہ میں جسمانی و ذہنی فوقیت اور بڑائی عطا کی ہے، طبی تحقیقات، انسانیت کی پوری تاریخ اور روزانہ کے مشاہدے دم بدم اس کی تائید میں ہیں، اسی لئے اسی کو اس صدارت کا حق فطرتاً ملنا چاہئے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلام نے نان و نفقہ اور پرورش اولاد وغیرہ خانگی معاملات کی ہر قسم کی مالی ذمہ داری مرد پر عائد کی ہے کہ اس کو اپنے گھر کا حاکم اور صدر نشین بنایا جائے، تا کہ گھر کا نظام درست اور آپس میں تعلقات کی خوشگواری قائم رہے۔

اکثر عورتوں میں ضد اور ہٹ ہوتی ہے، جو شاید ان کی فطری کمزوری، یا عدم تربیت کا نتیجہ ہو، بعض مرد یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ضد اور ہٹ کے مقابلہ میں سختی اور درشتی سے کام لے کر ان کی یہ ٹیڑھ نکال دیں، آپ نے ان کو ایک نہایت عمدہ تشبیہ دے کر نصیحت فرمائی کہ "عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی جس سے اس کے اسی ٹیڑھا پن کے ساتھ تم کام لے سکو تو لے سکتے ہو، اور اگر اس کے سیدھی کرنے کی فکر کرو تو تم اس کو توڑ ڈالو گے" آپ نے مردوں کو بیویوں کے معاملہ میں خوش اور قانع و راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا، فرمایا، اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو کہ غور کرو گے تو اس میں کوئی دوسری اچھی بات بھی نکل آئے گی۔ یہ نصیحت حقیقت میں قرآن پاک کی اس آیت کی تعمیل ہے۔

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسی ان

Marfat.com

تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا O

اور بیویوں کے ساتھ معقول طریقہ سے گزران کرو، اگر تم کو وہ نہ بھائیں تو ممکن ہے، کہ تم کو ایک چیز پسند نہ آئے اور خدا نے اس میں بہت خوبی رکھی ہو۔ (نساء۔ ع۔ ۳)

اگر کوئی مرد بخل کی وجہ سے اپنی بیوی اور اولاد کے لئے خرچہ اپنی حیثیت سے کم دے تو عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر کی لاعلمی میں اس کی دولت سے اس کی حیثیت کے مطابق بقدر ضرورت لے لیا کرے، فتح مکہ کے دن ابو سفیان کی بیوی ہندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر عرض پرداز ہوئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے میری اور میرے بچوں کی ضرورت سے کم دیا کرتے ہیں، لیکن یہ کہ میں ان کے مال میں سے ان کی لاعلمی میں کچھ لے لوں، فرمایا "تم قاعدہ کے مطابق اتنا لے سکتی ہو، جو تم کو اور تمہارے بچوں کو کافی ہو۔" (بخاری شریف)

ایک مشہور حدیث ہے جس میں مرد اور عورت کے باہمی حقوق کی ذمہ داری چند ایسے مختصر لفظوں میں ظاہر کی گئی ہے جن کی تفصیل ایک دفتر میں سما سکتی ہے، فرمایا "تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نسبت باز پرس ہوگی.... مرد اپنی بیوی بچوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی پوچھ ہوگی۔" (بخاری اول صفحہ ۷۷۹ باب قوا انفسکم واھلیکم) نبوت کے ان دو معجزانہ فقروں میں کیا کچھ نہیں کہہ دیا گیا۔

مرد کو کس عورت کے مارنے کا اختیار دیا گیا ہے: قرآن پاک میں ایک آیت ہے جس میں مرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ بعض حالتوں میں وہ عورت کو مار پیٹ بھی سکتا ہے، وہ آیت یہ ہے۔

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا

اور جن بیویوں کے "نشوز" کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور خواب گاہ میں اُن سے علیحدگی برتو، ان کو مارو، تو اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو پھر ان پر راہ مت تلاش کرو۔ (نساء۔ ٦)

لغت میں "نشوز" کے معنی "اٹھ جانے" کے ہیں، اور عورت کے حق میں اس کے اصطلاحی معنی جو ہیں وہ مفسر ابن جریر طبری کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔

ومعنی ذلک اذا رئایتم منھن ماتخافون ان ینشزن علیکم من نظر الی مالا ینبغی لھن ان ینظرن الیہ وید خلن و یخرجن واستربتم بامرھن

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم ان عورتوں کی وہ حالت دیکھو جس سے تم کو ان کے "نشوز" کا ڈر ہو، یعنی ادھر دیکھنا جدھر ان کو دیکھنا نہیں چاہئے اور وہ آئیں اور نکل جائیں، اور تم کو ان کی بابت شک ہو جائے۔ (تفسیر طبری ۵۔ ۳۸ مصر)

Marfat.com

عن محمد بن کعب القرظی اذا رای الرجل تقصیرها فی حقه فی مدخلها و مخرجها قال یقول لها بلسانه قد رئایتک منک کذاو کذا فانتهی

محمد بن کعب قرظی سے ہے کہ جب مرد دیکھے کہ عورت (گھر) سے باہر آنے جانے میں اس کے حق میں قصور کر رہی ہے تو اس سے زبان سے کہے کہ میں نے تجھ سے یہ حرکت دیکھی، یہ دیکھی تو اب باز آجا۔ (ایضاً)

فقہ کی کتابوں میں ہے۔

الناشزه هی الخارجه عم منزل زوجها المانعه نفسها منه۔

نشوز والی عورت وہ ہے جو اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکل جائے، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد نہ ہونے دے۔ (عالمگیری، نفقات)

غرض یہ کہ ناشزہ عورت وہ ہے جس میں بد اخلاقی کی بعض مشتبہ علامتیں پائی جائیں۔
کچھ مفسروں نے اس کو اور وسعت دی ہے، اور بتایا ہے کہ ناشزہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر پر بلندی چاہے، اس کا حکم نہ مانے، اس سے بے رخی کرے، اور اس سے بغض رکھے۔ (تفسیر ابن کثیر)
یہ دونوں تفسیریں درست ہیں اور در حقیقت پوری آیت پڑھنے سے نشوز کے معنی آپ کھل جاتے ہیں، آیت مذکور پوری یہ ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما الفقوا من اموالهم فالصلحت قنتت حافظت للغیب بما حفظ الله والتی تخافون نشوز هن فعظو هن واهجرو هن فی المضاجع واضربو هن فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا ○

مرد عورتوں کے نگران ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد اپنا مال (ان پر) خرچ کرتے ہیں، تو نیک بیویاں فرمانبردار ہوتی ہیں، اور (شوہر کے) پیٹھ پیچھے (شوہر گھربار اور عزت و آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں، کہ اللہ نے ان کی (یعنی عورتوں کی) حفاظت کی ہے اور جن کے نشوز کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور ان کو خواب گاہوں میں علیحدہ کر دو، اور ان کو مارو، تو اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو پھر ان پر راستہ تلاش نہ کرو۔ (نساء-ع-٦)

حجتہ الوداع کا خطبہ: حجتہ الوداع کے خطبہ میں عورتوں کے حقوق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فقرے ہیں ان میں نشوز کے اس معنی کی پوری تصریح ہے صحیح مسلم میں ہے۔

Marfat.com

واتقوا اللہ فی النساء فانھن عندکم عوان ولکم علیھن ان لا توطین فر شکم احدا تکر ھونہ فان فعلن فاضربوھن ضربا غیر مبرح

عورتوں کے بارہ میں خدا سے ڈرو، کہ وہ تمہارے بس میں ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی سے نہ روندوائیں، جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اتنا مارو جو تکلیف دہ نہ ہو۔ (مسلم)

ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن عندکم عوان لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک الا ان تاتین بفاحشہ مبینہ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا،

عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے بارہ میں میری وصیت کو قبول کرو، وہ تمہارے قبضہ میں ہیں، تم کو اس کے سوا ان پر کوئی اختیار نہیں مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کا کام کریں تو اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہوں میں علیحدہ کردو اور ان کو اتنا ہی مارو جو تکلیف دہ نہ ہو، تو اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو ان پر کوئی راستہ نہ ڈھونڈو۔ (کتاب النکاح)

شوہر کے بستر کو روندوانے کا کنایہ اس طرف ہے کہ ایسے لوگ اس کے گھر میں آنے جانے نہ پائیں جن کا آنا جانا شوہر کو ناگوار یا مشکوک معلوم ہو، اور "کھلی بے حیائی" سے جدھر اشارہ ہے وہ چھپا نہیں، لیکن بعض نے اس میں بھی توسیع کی ہے، یعنی عورت کی نافرمانی اور بد زبانی اور مشتبہ چال چلن سب کو فاحشہ مبینہ کی تفسیر میں داخل کیا ہے۔ (تفسیر سورہ نساء رکوع ۲)

الغرض آخری درجہ پر عورت کی تنبیہہ کی یہ اجازت خاص حالات میں ہے، اور شرع کی تصریح ہے کہ یہ "ضرب غیر مبرح" یعنی ایسی مار ہو جس سے عورت کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ یہاں تک تصریح ہے کہ اس سے مقصود مسواک وغیرہ سے مارنا ہے۔ (تفسیر طبری جلد ۵ صفحہ ۴۱) جس سے تنبیہ کے سوا کوئی چوٹ نہیں آسکتی، ورنہ عورتوں کا عام طور سے یوں مارنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا جس کی اسلام نے اصلاح کی ہی، ایاس بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک دفعہ حکم دیا کہ "خدا کی بندیوں (اپنی بیویوں) کو مارا نہ کرو" تو حضرت عمرؓ نے آکر عرض کی کہ یارسول اللہ! بیویاں اپنے شوہروں پر دلیر ہو گئیں، تو آپؐ نے مارنے کی رخصت عطا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی عورتیں اہل بیت نبویؐ کے سامنے اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آئیں، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا "آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرد بہت سی عورتیں چکر کاٹتی رہیں جو اپنے اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آئی تھیں، یہ (یعنی بیویوں سے ایسی بد سلوکی کرنے والے) تم

Marfat.com

میں سے اچھے لوگ نہیں۔" (ابو داؤد ابن ماجہ ودرامی)

ایک صحابیہؓ نے اپنے نکاح کے متعلق آپ سے مشورہ لیا اور ایک شخص کے پیغام کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا "وہ اپنا ڈنڈا اپنے کندھے سے نیچے نہیں اتارتا" یعنی وہ مار پیٹ کیا کرتا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوتا رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے اس فعل کو ناپسند فرمایا، ایک صحابیؓ نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ میری بیوی بد زبان ہے، فرمایا طلاق دے دو، عرض کی اس سے میری اولاد ہے اور مدت سے میرے ساتھ ہے، فرمایا "تو اس کو سمجھایا کرو، اس میں صلاحیت ہوگی تو قبول کرے گی، لیکن اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح مارا نہ کرو" ایک دوسرے موقع پر فرمایا "کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارا کرے، یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ ایک وقت کوٹے مارے اور دوسرے وقت اسؑ سے ہم بستر ہو۔

ہمسایہ کے ساتھ اخلاقی رویہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والجار ذی القربی والجار الجنب و الصاحب والجنب۔ (نساء۔ع۔٦)

اور (اللہ تعالیٰ نے) ہمسایہ قریب، ہمسایہ بیگانہ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے)

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی عزت کرنے کا حکم حدیث کی کتابوں میں بکثرت آیا ہے۔ ہمسائیوں کو تحفے بھیجنا زیادہ تر عورتوں سے متعلق ہوتا ہے آپؐ نے عورتوں کو فرمایا کہ کوئی عورت اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے، اور معمولی سے معمولی تحفہ یا ہدیہ بھیجتے یا لیتے وقت دل میں تحقیر کا گمان نہ رکھنا چاہئے۔ (بخاری شریف)

فرمایاؐ جس کا پڑوسی بھوکا ہو اور خود وہ سیر ہو تو ایسا شخص مومن نہیں (بیہقی، مشکوٰۃ)

حضور نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

زنا حرام ہے، خدا اور رسول نے اس کو حرام کیا ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے منہ کالا کرے۔ (ادب المفرد بخاری باب حق الجار)

حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے ایک بکری ذبح کی، اور اپنے گھر والوں سے دریافت کیا، کہ آیا انہوں نے اپنے یہودی ہمسایہ کے گھر ہدیتہً گوشت بھیجا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا کہ مجھے جبریل نے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید کی کہ مجھے یوں لگا جیسے وہ پڑوسی کو پڑوسی کے ترکہ سے حقدار بنا دیں گے۔ (ابو داؤد کتاب الادب باب حق الجوارہ)

یتیموں کے حقوق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں بے بسی کے عالم میں رہے، یتیموں کے متعلق اخلاقی ہدایتیں فرماتے رہے، اور قریش کے جفاپیشہ رئیسوں کو اس بے کس گروہ پر رحم و کرم کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصلی کامیابی ہے، اس گھاٹی کو تم کیونکہ پار کر سکتے ہو؟ ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردانوں کو چھڑا کر، بھوکوں کو کھلا کر اور یتیموں کی خدمت کر کے۔

او اطعام فی یوم ذی مسغبہ یتیما ذا مقربہ

Marfat.com

یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھلانا۔

نیکوں اور نیک بختوں کی تعریف میں فرمایا، کہ یہ وہ ہیں جو۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما

اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔

مدینہ میں آنے کے بعد ان اخلاقی ہدایتوں نے قانون کی صورت اختیار کی، سورہ نساء میں اس بے کس گروہ کے متعلق خاص احکام آئے، ان کو وراثت کا حق دلایا گیا اور متولی جو جاہلیت میں طرح طرح کی بددیانتی کرتے تھے، ان سے کہا گیا۔

واتوا الیتمی اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث با الطیب ولا تاکلوا اموالهم الی اموالکمO ---- کان حوبا کبیرا

اور یتیموں کو ان کے وارثوں کا چھوڑا ہوا مال دے دو اور ان کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے بدلا نہ کرو اور نہ اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان کا مال کھا جاؤ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ (نساء-۱)

دولت مند لڑکیوں کو ان کی جائداد پر قبضہ کر لینے کی غرض سے متولی اپنے نکاح میں لے آتے تھے اور بے والی و وارث جان کر ان کو ستاتے تھے، اس پر حکم آیا۔

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ماطاب لکم من النساء

اور اگر تم کو ڈر ہے کہ ان یتیم بچیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کو چھوڑ کر اور عورتوں سے جو تمہیں پسند ہو نکاح کر لو۔

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ بھی نہیں کر دینا چاہئے، اور نہ جب تک ان کو پورا شعور آئے، وہ ان کے سپرد کیا جائے، بلکہ ان کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی یہ امانت ان کو واپس کی جائے، فرمایا۔

ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی فعل اللہ لکم قیما وارزقوهم فیها واکسوهم و قولو الهم قولا معروفاO وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم

اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو، اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں اگر ہوشیاری دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

یتیم کا مال کھانے سے منع فرمایا گیا، چنانچہ ارشاد ہوا۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن حتی تبلغ

Marfat.com

اشده
اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر بہتری کی نیت سے حتی کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے (تو پھر اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔)

قرآن حکیم میں نساء انفال حشر اسرا وغیرہ سورتوں میں یتیموں کے بارے میں بڑی تاکید آئی ہے، اور ان کو صدقات و خیرات کی بہترین مدات قرار دیا گیا۔

حضور نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے، (اور دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔) (بخاری و مسلم)

جس گھر میں کوئی یتیم پل رہا ہو، اسے حضورؐ نے بہترین گھر قرار دیا اور جس گھر میں یتیم کے ساتھ بد سلوکی کی جا رہی ہو اسے بد ترین قرار دیا۔ (ترغیب و ترہیب منذری ۲ بحوالہ ابن ماجہ)

اسلام نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق کو بڑی اہمیت دی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام نے بے شمار یتامی کی پرورش فرمائی پھر مسلمان حکومتوں نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا اور سرکاری فنڈز سے ان کے وظیفے مقرر کئے، یتیم خانے بنوائے، مکتب قائم کے، اور اخراجات کے لئے جائدادیں وقف کیں، قاضی حضرات کو قانونی طور پر ان کا سرپرست مقرر کیا۔

بیواؤں کے حقوق: اخلاق کی فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیوہ ہو جانے والی عورتوں کا نکاح کیا جائے چنانچہ ارشاد ہوا۔

وانکحوا الایامی منکم

اور اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کر دیا کرو۔ (نور ع ۴)

یہودی مذہب میں بیوہ ہونے والی اپنے دیور یا جیٹھ کی ملک ہو جاتی تھی، عیسائی مذہب میں یہ جبر ختم ہو گیا، مگر وہ اس کا کوئی دوسرا ایجابی پہلو پیش نہ کر سکا، ہندوؤں کے ہاں ستی کی رسم تھی، ورنہ وہ ساری عمر سوگ منا کر ہی زندہ رہ سکتی تھی، عربوں میں بیوہ عورتیں شوہروں کے وارثوں کی ملکیت قرار پاتی تھیں، اس کے برعکس اسلام نے عورت کی مرضی سے اس کی شادی کو اہم قرار دیا، اور اسے پوری آزادی دی جس سے اسلام کی اخلاقی اقدار کی سچائی، پائیداری اور قانون فطرت سے وابستگی اظہر من الشمس ہے، خود حضور علیہ السلام کی آٹھ بیویاں بیوگان تھیں بیوہ عورتوں کے معاملہ میں جبر و اکراہ کو ممنوع قرار دیا گیا، اس مظلوم صنف کی امداد کو آپؐ نے ایسی قرار دیا کہ رات رات بھر (نفل) نمازیں پڑھ پڑھ کر اور اکثر (نفل) روزے رکھ رکھ کر جو ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے وہ اس فرقہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہ آسانی حاصل کر سکتا ہے، فرمایا۔

الساعی علی الارملہ والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ واحسبہ قال کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر

بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں دوڑنے والا (اور راوی کہتا

Marfat.com

ہے کہ میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ) اور جیسا وہ نمازی جو نماز سے نہیں تھکتا اور وہ روزہ دار جو کبھی اپنا روزہ نہیں چھوڑتا۔

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

الساعی علی الارملہ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ وکالذی یصوم النھار ویقوم اللیل،

بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا، خدا کی راہ کے مجاہد کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز پڑھا کرے۔ (کتاب الاداب)

ان بیواؤں کی تسکین کی خاطر جو اپنی گود میں ننھے بچے رکھتی ہوں، اور اس لئے وہ تکلیف اٹھاتی ہوں لیکن ان ننھے بچوں کی پرورش کی مصروفیت کے سبب سے اپنے کو اس وقت تک دوسرے نکاح کے بندھن میں نہیں باندھتی ہیں، جب تک وہ بڑے ہو کر ان سے علیحدہ نہ ہو جائیں اور یا وہ دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں، یہ فرمایا "میں اور محنت و مشقت کے سبب سے وہ کالی پڑ جانے والی بیوی قیامت کے دن مرتبہ میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے، وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی بیوی جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے لیکن اپنے ننھے یتیم بچوں کی خدمت کی خاطر اپنے کو روکے رہے، یہاں تک کہ وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں یا مرجائیں" اسی مقصد کو ابو یعلی کی مسند میں لکھا ہے کہ آپ ؐ اسی طرح ایک واقعہ کی صورت میں بھی بیان فرمایا کہ "قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر آنا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا تو کون ہے، تو وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔"

محتاجوں اور حاجتمندوں سے حسن سلوک: سائل اور محتاج لوگ اغنیاء کے مال میں حصہ دار قرار دیئے گئے ہیں لیکن یہ حصہ داری وراثت کی طرح نہیں بلکہ اس کا اطلاق برضا و رغبت حسب توفیق کے اصول پر ہوتا ہے قرآن میں ارشاد ہوا۔

فی اموا[illegible]م حق للسائل والمحروم

مسلمانوں کے اموال میں منگتوں اور ناداروں کے لئے حق ہے۔

سورہ معارج میں ارشاد ہوا۔

فی اموالھم حق معلوم للسائل

یعنی ان کے اموال میں حاجت مندوں اور ناداروں کے لئے مقررہ حق ہے۔

گویا سورہ ذاریات میں بیان کردہ حق صدقہ و خیرات ہے، جب کہ معارج میں ذکر کردہ مقررہ حق زکوٰۃ والا انفاق ہے، حضور علیہ السلام کو ارشاد فرمایا۔

واما السائل فلا تنھر

اور آپ سائل کو جھڑکا نہ کریں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے تھے، سائل کسی بھی جائز حاجت کا

Marfat.com

رکھنے والا ہوتا ہے، ایک لنگڑا ہمارے سہارے کا حاجت مند ہے، ایک نابینا مالی لحاظ سے خود کفیل ہو سکتا ہے لیکن بعض معاملات میں معاشرے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح سارے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کی باہمی ضرورت کا خیال رکھنا چاہئے۔

مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم کسی دوسرے سے اس مستحق کی مدد کی سفارش کرو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من یشفع شفاعه حسنه یکن له نصیب منها
ومن یشفع شفاعه سیئه یکن له کفل منها○
وکان الله علی کل شیی مقیتا

جو نیک بات کی سفارش کرے گا تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہو گا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور اللہ ہے ہر چیز کا نگہبان۔ (نساء-۱۱)

اگرچہ یہ آیت عبارت کے نظم و نسق کے لحاظ سے لڑائی کے سلسلہ میں ہے یعنی اگر کوئی قبیلہ درخواست کرے کہ طاقتور قبیلہ کے مقابلہ میں اس کی امداد کی سفارش کی جائے تو اس نیک کام میں اس کی سفارش کی جائے اور وہ قبول کی جائے، تاہم الفاظ قرآن کی وسعت ہر نیک کام کی سفارش تک وسیع ہے اور اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ کسی نیک غرض کی جدوجہد میں جتنا حصہ بھی لیا جائے، حصہ لینے والا بھی اس نیک کام کے ثواب میں شریک ہو گا ایسا ہی برے کام کی جدوجہد میں حصہ لینا اس کے گناہ میں شریک ہونا ہے، ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم
والعدوان، واتقوا الله ان الله شدید العقاب○

اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مدد گار نہ بنو اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (مائدہ)

غرض یہ ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت بر آری ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا اور جو جس قدر بھی مدد تم سے چاہے اگر تمہاری طاقت میں ہو تو وہ اس کو دینا ہر مسلمان پر ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے، جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گویا انہی آیات کی تشریح اپنے ان الفاظ میں فرمائی۔

من کان فی حاجه اخیه کان الله فی حاجته ومن
فرج عن مسلم کربه من کربات یوم القیامه

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا۔ (صحیحین)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا۔

Marfat.com

واللہ فی عون عبدہ ما کان فی عون اخیہ

اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حضور کے پاس کوئی سائل آتا تو آپ صحابہ سے اس کی سفارش کے لئے فرماتے، کہ اس طرح ان کو بھی ثواب ملنے کا مژدہ سناتے (بخاری شریف) فرمایا کسی بھولے بھٹکے یا کسی نابینا کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے (ترمذی کتاب البر والصلہ) فرمایا راستہ میں سے کانٹا ہٹا دینا اللہ کو اتنا پسند ہے کہ وہ ایسے شخص کا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (ایضاً)

غلاموں سے حسن اخلاق کی تعلیم: اسلام نے غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا درس دیا ہے، دنیا میں غلامی کا رواج صدیوں سے تھا اسلام کے ابتدائی سالوں میں رہا۔ پھر غلاموں پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہوئی اور حضور علیہ السلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی، قرآن حکیم میں (گردن سے غلامی کی رسی کھولنا) کا بھی ارشاد ہے، (سورہ بلد)

مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل ثروت صحابہؓ نے اسلام قبول کرنے والے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

مدینہ کی اسلامی ریاست قائم ہوئی تو یہ سلسلہ بہت ترقی کر گیا، حکیم بن حزام فتح مکہ کے موقع پر اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے، اور اسلام لانے کے بعد انہوں نے سو غلام آزاد کئے (مسلم کتاب لایمان) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قسم کا کفارہ ادا کرتے ہوئے چالیس غلام آزاد فرمائے (بخاری شریف۔ ج ۲ کتاب ل آداب)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی کی نعمت عطا کی، (شرح بلوغ المرام کتاب العتق از امیر اسمٰعیل)

شرک کی ممانعت کے بعد اللہ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ نیکی کی جائے، ان بندوں میں سرفہرست جن لوگوں کے نام ہیں، ان میں یہ مظلوم فرقہ بھی ہے، فرمایا۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمسکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکمO ان اللہ لایحب من کان مختالا فخورا

اور اللہ کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور رشتہ دار کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ، اور عزیز پڑوسی اور بیگانہ پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے رفیق کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور اس کے ساتھ جس کے تمہارے ہاتھ مالک بن گئے ہیں اور اللہ غرور اور فخاری کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

Marfat.com

یہ آخری ہستی وہی ہے جس کو دنیا غلام کہہ کر پکارتی ہے، لیکن اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آقا اپنے غلام کو میرا عبد نہ کہے، بلکہ فتای میرا جوان کہے، اور اسی طرح غلاموں کو ممانعت کی کہ "وہ اپنے آقاؤں کو رب نہ کہیں بلکہ مولیٰ کہیں" اس طرح ان ذلت کے الفاظ کا بھی خاتمہ کر دیا اور فرمایا کہ "یہ جن کو تم غلام کہتے ہو یہ بھی تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے تحت میں کر دیا ہے، پس جس کو خدا نے تمہارے تحت میں کر دیا ہے تو اس کو وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اور اس کو اتنا کام نہ دے دو، جو اس پر بھاری ہو جائے اور جو بھاری کام بھی دے تو اس کے کام میں خود بھی شریک ہو کر اس کی مدد کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر صحابہؓ نے اس طرح عمل کیا کہ ان کے غلاموں اور آقاؤں کے درمیان تمیز مشکل ہو گئی تھی، ان بے خانماں افراد کو ان کے آقاؤں کے گھروں کا غلام بنا کر نہیں، بلکہ ایک طرح سے ارکان اور ممبر بنا رکھا کہ جس غلام کو جو آزاد کرے گا وہ اسی کے علاقہ مندوں (موالی) میں شمار ہو گا، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اپنے فوجی افسروں کو حکم دیا تھا کہ رومی اور عجمی آزاد غلام جو مسلمان ہو گئے ہوں ان کو ان کے قدیم آقاؤں کے خاندانوں میں شمار کرو، جو ان کا حق ہو وہ ان کا ہو، اور اگر یہ غلام چاہیں تو اپنا ایک الگ مستقل قبیلہ بنا لیں ان تعلیمات نے ان غلاموں کو غلام نہیں بلکہ اسلام کا سردار اور مملکتوں کا بادشاہ بنا دیا، اسلام کی تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے، جس کی تفصیل اپنے مناسب موقع پر آئے گی۔

مسلمانوں کو باہمی اتحاد اور حسن اخلاق کی تعلیم: ملت اسلامیہ کو آپس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم قرآن حکیم میں واضح طور پر دی گئی ہے چنانچہ فرمایا۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا○

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم بھائی بھائی ہو گئے۔ (ال عمران ع ۱۱)

مسلمانوں کے اس باہمی میل ملاپ اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی روئے زمین کا سارا خزانہ بھی لٹا دیتا تو ان دشمنوں کو باہم ملا کر ایک نہیں کر سکتا تھا۔

والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم○

اور خدا نے مسلمانوں کے دل ملا دیئے، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا تب بھی تو ان کے

Marfat.com

دلوں کو ملا نہ سکتا، لیکن خدا نے ملا دیا بے شک وہ (ہر مشکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے۔ (انفال-ع-۸)

تو اب مسلمانوں کو یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر کریں اور سب مل کر خدا کے دین کی رسی کو جو ان کی یگانگی کا اصلی رشتہ ہے، مضبوط پکڑیں، اور باہم اختلاف پیدا کر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں، کیونکہ اس رسی کی مضبوطی اسی وقت تک ہے جب تک سب مل کر اس کو پکڑے رہیں، فرمایا۔

واطیعو اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم،

اور اللہ اور رسول کا کہا مانو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو (کہ ایسا ہو گا تو ہمت ہار دو گے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ انفال-ع-٦)

یہی باہمی اتفاق و اتحاد، ملت اسلامیہ کی عمارت کا ستون ہے اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ کے استحکام کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں باہم الفت و محبت ہو، اب اگر اتفاق سے ان میں اختلاف پیش آ جائے، تو اس کے دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں خدا اور رسول ؐ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔

فان تنازعتم فی شیی فردوہ الی اللہ والرسول

تو اگر تم (مسلمانوں) میں کسی بات میں جھگڑا ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

اگر یہ جھگڑا بڑھتے بڑھتے جنگ تک پہنچ جائے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ جو فریق ظالم ہو سب مل کر اس سے لڑیں اور اس کو صلح پر مجبور کریں اور جب وہ راضی ہو جائے تو عدل و انصاف سے ان میں صلح کرادیں۔

وان طائفتن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ فان فائت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطو ان اللہ یحب المقسطین انما المومنون اخواہ فاصلحوا بین اخویکم۔

اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے، تو ظلم کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو، تو اگر وہ رجوع کر لے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو خدا منصفوں کو دوست رکھتا ہے مومن تو آپس میں بھائی ہی ہیں تو اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرادو۔ (حجرات ع ١)

آیت کے اخیری ٹکڑے نے بتایا کہ باہم مسلمانوں میں بھائی بھائی کا رشتہ ہے یہ رشتہ جنگ خونریزی کے بعد بھی نہیں کٹتا انہی آیتوں کے تحت میں وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

Marfat.com

انصر اخاک ظالما او مظلوما

تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیونکر کی جائے، فرمایا اس طرح کہ اس کے ہاتھوں کو ظلم سے روکا جائے۔

کیسا ہی بڑا سے بڑا کافر اور سخت سے سخت دشمن ہو، جس وقت اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور شریعت اسلامی کو قبول کیا وہ دفعتہ ہمارا مذہبی بھائی ہو گیا۔ خدا نے فرمایا۔

فان تابوا واقاموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة فاخوانکم فی الدین○

تو اگر یہ کافر (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں۔

غلام بھی اگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تو وہ اسلام کے رشتہ میں داخل ہو گیا اگر اس کے باپ کا نام و نسب نہیں معلوم تو کوئی حرج نہیں وہ دین کے رشتہ سے ہر مسلمان کا بھائی ہے، فرمایا۔

فان لم تعلموا ابائھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم○

تو اگر تم ان کے باپوں کو نام نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علاقہ مند۔

ایک مسلمان کسی مسلمان کو قتل کردے، تب بھی اللہ تعالیٰ مقتول کے رشتہ داروں کو قاتل کا بھائی قرار دے کر اس کے جذبہ رحم کی تحریک فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

فمن عفی لہ من اخیہ شی

تو اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی غیبت حرام ہے، کیونکہ۔

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا

کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

یتیموں کے مال کی دیکھ بھال اور خوبی سے اس کا انتظام کرنا، متولیوں کا فرض ہے، اور اگر وہ ان کو اپنے اندر شامل کر کے نیک نیتی کے ساتھ ان کو اپنے کنبہ کا جزو بنالیں اور ملا جلا کر خرچ کریں، تو یہ بھی درست ہے کیونکہ یہ ان کے بھائی ہیں، جن کی خیر خواہی ان کا فرض ہے، فرمایا۔

وان تخالطوھم فاخوانکم

اور اگر تم ان کو اپنے میں ملالو، تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ (بقرہ۔ع۔۲۷)

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کریں، وہ یوں کہتے ہیں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان

Marfat.com

اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے معاف کر۔ (حشر۔ع۔۱)

ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ ہونا ایسی برائی ہے جس کے دور کرنے کے لئے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے اور کہنا چاہیے۔

ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک روف رحیم

اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف کینہ نہ رہنے دے اے ہمارے رب بے شک تو روف و رحیم ہے۔

یہ موضوع ملت اسلامیہ کے لئے ہر دور میں بڑا اہم رہا ہے آج بھی ملت اسلامیہ جس انتشار کا شکار ہے اس کا علاج قرآن حکیم میں موجود اخلاقی تعلیم میں مضمر ہے، اہل اسلام حضور علیہ السلام کے ساتھی ہیں، جن کی صفت قرآن حکیم میں "رحماء بینھم" (فتح۔ع۔۴) (مسلمان آپس میں رحیم و شفیق ہیں) آئی ہے بلکہ اہل اسلام کی صفت۔

اذلہ علی المومنین

مسلمانوں سے ملتے وقت جھکنے والے (مائدہ۔ع۔۸)

بھی بیان کی گئی ہے۔ حضور نے مسلمانوں کے اتحاد کو مضبوط دیوار سے تشبیہ دی ہے جس کا ایک حصہ اس کی دوسرے حصہ سے تقویت پاتا ہے (بخاری کتاب لادب، ج۲ و مسلم)

قرآن میں فرمایا۔

انما المومنون اخوۃ۔

یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضور فرماتے ہیں مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے یار و مدد چھوڑے اور نہ اس کی تحقیر کرے، کیونکہ کسی مسلمان بھائی کی تحقیر کرنا انسان کے لئے سب سے گھٹیا کام ہے، مسلمان کا مال، عزت آبرو اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (مسلم شریف ج۔۲ صفحہ ۳۸۲ مطبوعہ)

فرمایا" کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرنے والے کی پردہ پوشی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں فرمائے گا۔ (سنن ابو داؤد) فرمایا" اچھا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔ (بخاری شریف ج اکتاب الایمان)

قرآن میں آیا ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمد، فجزاء ہ جھنم خالدین فیھا و غضب اللہ علیہ ولعنہ و اعدلہ عذابا عظیما۔

اور کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں پڑا رہے گا، اور خدا

Marfat.com

اس پر خفا ہوا، اور لعنت کی، اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کیا ہے۔
حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایاؐ۔
دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ مبادا ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ۔ (بخاری کتاب الایمان صفحہ ۲۳)
فرمایا جو (مسلمان ہو کر) مسلمان پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری کتاب الادب۔ج۔۲)
فرمایا، مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو چھوڑ دے اگر ملاقات ہو جائے تو دونوں منہ پھیر کر نکل جائیں، دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (بخاری کتاب الادب و سنن ابو داؤد)
قرآن حکیم نے ایسے شخص کو غیر مسلم قرار دینے سے منع کیا ہے، جو اظہار اسلام کے لئے سلام کرے۔

ولاتقولوا لمن القی الیک السلم لست مومنا

فرمایا مسلمان کو لعنت کرنا یا اس پر کفر کی تہمت لگانا اس کے قتل کے برابر ہے۔ (بخاری کتاب الادب ج ۲ صفحہ ۸۹۳)
حالت جنگ میں ایک صحابیؓ سے ڈر کر ایک کافر نے کلمہ شہادت پڑھا لیکن صحابیؓ نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا حضورؐ کو پتہ چلا تو ناراض ہو کر فرمایا تم اس کے لاالہ الااللہ کے ساتھ کیا کرو گے یا فرمایا کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر (اس کے دل میں کفر کو) دیکھ لیا تھا؟ (بخاری شریف نیز فتح الباری)
کاش آج کے مسلمان حضور علیہ السلام اور قرآنی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں۔

انسانی برادری کے ساتھ حسن اخلاق:

فرمایاؐ۔

وقولوا للناس حسنا

اور لوگوں کے ساتھ حسن تکلم کا مظاہرہ کیا کرو۔ (بقرہ۔ع۔۱۰)
فرمایاؐ

من لایرحم لایرحم

یعنی جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری)

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات غیر مسلموں کو بھی دئے جا سکتے ہیں۔
ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو ۳۰ ہزار مالیت کا صدقہ دیا۔
امام مجاہد نے مشرک رشتہ دار کا قرضہ معاف کرنے کو کار ثواب بتایا ہے عمر فاروق نے عہد رسالت

Marfat.com

میں اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا حضور نے بھی بعض صحابہ کو اپنے مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی اجازت دی۔

مسند احمد میں ہے کہ فرمایا۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اور لوگوں کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک وہ اللہ کی خاطر محبت نہ کرے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)

فضائل کی مختصر فہرست: جن فضیلتوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جن کو گنا کر اس نے اپنے اچھے بندوں کی توصیف کی ہے یا ان اوصاف والوں کے لئے اپنی بخشش اور بخشائش کا وعدہ فرمایا ہے، قرآن پاک اور احادیث میں نبوی جا بجا ان کی تفصیل ہے جیسے۔

قد افلح المومنونo الذین ہم فی صلاتہم خاشعونo والذین ہم عن اللغو معرضونo والذین ہم للزکوۃ فاعلونo والذین ہم لفروجہم حفظونo الا علی ازواجہم اوما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومینo فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ہم العدونo والذین ہم لامنتہم وعہدہم راعونo والذین ہم علی صلوتہم یحافظونo اولئک ہم الوارثونo الذین یرثون الفردوس ہم فیہا خلدونo

ایمان والے مراد کو پہنچ گئے، جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں جو بے کار باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے، جو زکوۃ دیتے اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے اور اپنی شرعی باندیوں سے کہ ان پر کوئی الزام نہیں، تو جو اس کے سوا کے خواہاں ہوں تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں، یہی اصلی وارث ہیں، جو فردوس کے وارث ہیں، جو فردوس کے وارث ہوں گے، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیتوں میں جن اخلاقی فضائل کا بیان آیا ہے وہ یہ ہیں، نکمی اور بے کار باتوں سے کنارہ کشی، عصمت اور پاک دامنی امانت اور ایفائے عہد ایک دوسری جگہ ہے۔

ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکہ والکتب والنبین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ والموفون بعہدہم اذا عاہدو والصبرین فی الباساء والضراء

Marfat.com

وحین الباس ٥

اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب (الٰہی) پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور اپنا مال اس کی محبت کے ساتھ رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنوں کو چھڑانے میں دیا، اور نماز کھڑی کی اور زکوٰۃ دی اور اپنے قول کو جب انہوں نے اقرار کر لیا پورا کرنے والے اور مصیبت میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے ہل چل کے وقت ثابت قدم رہنے والے۔ (بقرہ۔ع۔۲۲)

ان آیتوں میں جو اخلاقی اوصاف گنائے گئے ہیں وہ یہ ہیں سخاوت قول و قرار کو پورا کرنا اور مشکلوں میں ثابت قدمی۔

الصبرین والصدقین والقنتین والمنفقین

ثابت قدم رہنے والے اور سچ بولنے والے اور خدا کی فرمانبرداری کرنے والے اور (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے والے۔ (ال عمران ع ۲)

اس آیت میں ثابت قدمی سچائی اور فیاضی کو سراہا گیا اسی سورہ میں ان میقیوں کا حال ہے جو خدا کی مغفرت اور آسمان و زمین کے برابر کی جنت کے مستحق ہوں گے۔

الذین ینفقون فی السراء والضرا والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ٥ واللہ یحب المحسنین

جو خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں (خدا کے نام) خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو روکتے، اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (ال عمران۔ع۔۱۴)

اس اوپر کی آیت میں فیاضی عفو و درگذر اور احسان کی تعریف کی گئی ہے، سورہ معارج میں ہے۔

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم ٥ والذین یصدقون بیوم الدین ٥ والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون ٥ ان عذاب ربھم غیر مامون ٥ والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ٥ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العدون ٥ والذین ھم لامانتھم وعھدھم راعون ٥ والذین ھم بشھادتھم قالمون

اور جن کے مال میں مانگنے والے اور مصیبت زدہ کا حصہ مقرر ہے اور جو روز جزا کو سچ مانتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں سے کہ اس میں ان پر کوئی ملامت

Marfat.com

نہیں جو اس کے علاوہ وہ چاہیں وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔ (معارج-ع-۱)

ان آیتوں میں سخاوت نفس عفت و عصمت امانت داری ایفائے عہد اور سچی گواہی کو ایک مومن کی ان فضیلتوں میں شمار کیا ہے جو اس کے جنت میں جانے کے سبب ہوئی ہیں۔

سورہ احزاب میں ان مردوں اور عورتوں کا ذکر ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشایش اور بڑی مزدوری کا وعدہ فرمایا ہے۔

والصدقین والصلدقت والصبرین والصبرات والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصئمت والحفظین فروجہم والحفظت،

اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں، صبر کرنے والے، اور صبر کرنے والیاں، اور عاجزی کرنے والے او عاجزی کرنے والیاں اور صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں۔ (احزاب-ع-۵)

ان میں سچائی صبر عاجزی اور عصمت و عفت کے اوصاف کا ذکر ہے سورہ فرقان میں خدا کے اچھے بندوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے۔

(۱) وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما

(۱) اور رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین میں ہولے چلتے ہیں اور جاہل جب ان سے (جہالت کی) باتیں کریں تو وہ کہیں سلامت رہیے

(۲) والذین اذا انفقوا لم یسرفوا لم یقتروا وکان بین ذلک قواما

(۲) اور جب وہ خرچ کریں تو نہ تو فضول خرچی کریں اور نہ تنگی کریں اور دونوں کے بیچ کی راہ ہو۔

(۳) ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون

اور جو ناحق کسی بے گناہ کی جان نہیں لیتے اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔

(۴) والذین لایشھدون الزور و اذا مروا باللغو مروا کراما

اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ بے ہودہ مشغلہ کے پاس سے گزریں تو شریفانہ وضع سے گذر جائیں۔

Marfat.com

پہلی آیت میں عاجزی اور فروتنی اور بردباری، دوسری آیت میں اعتدال اور میانہ روی تیسری میں عدم ظلم اور عفت اور چوتھی میں سچائی اور متانت و سنجیدگی کی تعریف کی گئی ہے، سورہ رعد میں وہ صفتیں بتائی گئی ہیں، جو عقبیٰ میں کام آئیں گی۔

الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاقO و الذین یصلون ما امراللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخانون سوء الحسابO والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم و اقاموا الصلوۃ و انفقوا مما رزقناھم سرو علانیہ ویدرئون بالحسنہ السیئہ اولئک لھم عقبی الدارO

جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول کو توڑتے نہیں، اور جس کے جوڑنے کو خدا نے کہا ہے اس کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے مالک کی خوشی کے لئے صبر کیا، اور نماز کھڑی کی، اور ہم نے جو ان کو دیا اس سے چھپے اور کھلے (اچھے کاموں میں) خرچ کیا اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں، انہی کے لئے پچھلا گھر ہے۔ (رعد۔ ۳)

اس ایفائے عہد سے وہ عہد بھی مراد ہو سکتا ہے جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے اور اس سے وہ عہد بھی سمجھا جا سکتا ہے جو خدا کا نام لے کر بندہ بندے سے کرتا ہے اور جس کے جوڑنے کا حکم ملا ہے، وہ اہل قرابت اور حقداروں کے حقوق ہیں، ان دو کے سوا ان آیتوں میں ان کی تعریف کی گئی ہے جو برائی کے بدلے لوگوں سے بھلائی کرتے ہیں، یا یہ کہ بھلائی کر کے برائی کو دھو دیتے ہیں۔

تلک الدار الاخرۃ تجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبہ للمتقین

اس پچھلے گھر کو ہم ان کے لئے کریں گے جو زمین میں غرور اور فساد کرنا نہیں چاہتے اور آخر انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (قصص۔ ۹)

یعنی غرور و نخوت نہیں کرتے۔

والذین یجتنبون کبر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغضرونO

اور جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (شوریٰ۔ ۴)

یعنی غصہ آنے پر بھی بے قابو نہیں ہوتے اور معاف کر دیتے ہیں۔

ان اللہ یحب المقسطین

بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ (مائدہ)

اس پیار اور محبت کے استحقاق میں ہر نیکی کا کام کرنے والا داخل ہے۔

Marfat.com

تقدیر توکل صبر اور شکر: یہ چاروں تعلیمات اسی لئے ہیں کہ مسلمانوں میں حوصلہ مندی، پرامیدی، استقلال اور ثبات قدم پیدا ہو، مسلمان میں سب سے پہلے بڑے کام کا عزم پیدا ہونا چاہئے، پھر اس عزم کے پیدا ہونے کے ساتھ خدا پر بھروسہ اور توکل کر کے کام شروع کر دینا چاہئے، اگر کام میں کامیابی ہوئی تو فخرو غرور کے بجائے دل سے خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اسی کے فضل و کرم سے ہوا، اور اگر ناکامی ہو تو دل میں یاس اور ناامیدی کے بجائے صبر و ثبات پیدا ہونا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ خدا کا منشا یہی تھا، (یہی تقدیر ہے) اب عزم صمیم اور توکل علی اللہ کا ذکر سنئے کہ مصیبت میں استقلال و شکر کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہO و علی اللہ فلیتوکل المومنونO

جب تو پکا ارادہ کرے، پھر خدا پر بھروسہ کر، بے شک اللہ متوکلوں کو پیار کرتا ہے، اگر خدا تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غلبہ پانے والا نہیں، اور اگر وہ چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے، خدا ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ (ال عمران۔ع۔۱۷)

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھاO ان ذلک علی اللہ یسیرO لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتکمO واللہ لا یحب کل مختال فخور

کوئی مصیبت نہیں آتی زمین پر اور نہ تم پر لیکن یہ کہ وہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب (الٰہی) میں درج ہوتی ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، یہ اس لئے تاکہ اس پر جو تم سے جاتا رہے غم نہ کرو، اور جو تم کو اللہ دے اس پر اترایا نہ کرو، اللہ کسی اترانے والے، بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ تقدیر، توکل اور صبر و شکر کی تعلیم اسلام میں پستی اور دنائت کے لئے نہیں، بلکہ مسلمانوں میں ہمت، جرأت بہادری اور ثابت قدمی پیدا کرنے کے لئے ہے، اسی تعلیم کا اثر تھا کہ صحابہؓ نے تمام خطرات سے نڈر ہو کر بڑی بڑی سلطنتوں اور فوجوں کا مقابلہ کیا، اور کامیاب رہے ان کو مشکلات میں خدا دوسرے برگزیدوں کی یہ دعا سنائی گئی۔

ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین

اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر و ثابت قدمی کا پانی بہا اور ہمارے پاؤں کو مضبوط گاڑ اور ہم کو کافر لوگوں پر فتح یاب کر۔ (بقرہ۔ع۔۳۳)

اور بتایا کہ مشکلات میں دوسرے پیغمبروں کے ساتھیوں نے کیا کیا۔

Marfat.com

وکاین من نبی قتل معه ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصبرین و ماکان قولھم الاان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین○

اور کتنے نبی تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے لڑائی لڑی، تو خدا کی راہ میں جو مشکل یا مصیبت پیش آئی، اس سے وہ ست نہ ہوئے اور نہ کمزور ہوئے، اور خدا ثابت قدم رہنے والوں کو پیار فرماتا ہے اور ان کا کہنا نہ تھا لیکن یہی کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور ہمارا حد سے بڑھ جانا معاف فرما اور ہمارے پاؤں مضبوط رکھ اور ہم کو کافروں پر فتح دے۔ (ال عمران ۱۵)

پھر خاص طور سے حکم ہوتا ہے۔

یایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون○

اے وہ جو ایمان لائے ثابت قدم رہو اور دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم اور بہادر ثابت ہو اور اللہ سے تقویٰ کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔ (ال عمران۔ع۔۲۰)

ان آیتوں سے معلوم ہو گا کہ اسلام نے اخلاق کی بلندی عالی حوصلگی، بلند ہمتی اور مشکلات میں صبر و ثبات قدم کی کیسی اچھی تعلیم دی ہے یعنی جس طرح اس کے نزدیک تواضع، فروتنی اور عاجزی اپنے موقع پر پسندیدہ ہے اسی طرح سطوت اور بہادری و حکومت کا رعب بھی اپنی جگہ پر محبوب ہے۔

(سیرت النبی جلد ششم)

مسلم فلاسفہ اخلاق کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

اخلاق کا پہلا سبق اول لابشر حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں مضمر ہے، جب آپ کی تخلیق کی گئی اور مائی حوا بھی آپ کے ساتھ رہنے لگی تو ان کو حکم دیا گیا کہ جنت میں رہو لیکن فلاں شجر کے قریب نہ جانا ورنہ تمہارے نفس کی نورانیت چھن جائے گی نچانچہ اس حکم پر وہ عرصہ دراز تک عمل پیرا رہے، ایک دن ان کے ازلی دشمن ابلیس نے ان کو شجر ممنوعہ کے بارے میں ورغلایا اور دونوں اس کی باتوں میں آ گئے، مقصد یہ تھا کہ چلو دائمی زندگی مل جائے گی لیکن اس شجر کی قربت کا لطف اٹھاتے ہی دونوں کی نورانیت نفس چھن گئی، اور آدم علیہ السلام پکار اٹھے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین

چنانچہ آخر اللہ تعالیٰ سے کچھ کلمات سیکھ کر ان پر عمل کیا اور دونوں کی لغزش معاف کر دی گئی۔

Marfat.com

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) انسان کے اندر ترغیب پذیر ہونے کا ملکہ ہے۔

(۲) اگر غلط راہ پر راغب ہو گا تو نتیجہ غلط نکلے گا۔

(۳) انسانی فطرت میں صحیح راستہ کی طرف راغب ہونے کا مادہ بھی موجود ہے، لہٰذا اگر وہ درست سمت چلے گا تو مقصدیت اس کے قدم چومے گی۔

مزاج ابن آدم کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ ارشادات ملتے ہیں۔

(۱) خلق الانسان ضعیفا

یعنی انسان کو پیدائشی طور پر کمزور بنایا گیا ہے بعض مفسرین کے مطابق گویا انسان سخت احکامات کا متحمل نہیں ہو سکتا، اور اپنی خواہشات سے مکمل اجتناب کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ (نساء-۲۸)

(۲) ان الانسان لظلوم کفار۔

یعنی انسان بڑا بے وفا اور ناشکرا ہے۔ (ابراھیم-ع-۳۴)

(۳) خلق الانسان من نطفہ فاذھو خصیم مبین

انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا، پس جب وہ کچھ ہو گیا تو برملا جھگڑے پر اتر آیا۔ (نحل-۴)

یہی بات سورہ کہف آیت ۵۴ میں کہی گئی ہے۔

(۴) کان الانسان قتورا

آدمی بخیل بھی ہے۔ (بنی اسرائیل-۱۰۰)

(۵) خلق الانسان من عجل

آدمی کی پیدائش میں جلد بازی ہے۔ (انبیاء-۳۷)

(۶) جب ہم انہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (اور مستی میں اللہ کو بھول جاتے ہیں) اور اگر اپنے کرتوتوں کے عوض مشکل میں پھنس جائیں تو اللہ سے امیدیں توڑ بیٹھتے ہیں۔ (روم-۳۶)

(۷) ان الانسان لکفور مبین

بے شک آدمی کھلم کھلا ناشکرا ہے۔ (زخرف-۱۵)

(۸) کلا ان الانسان لیطغی O ان راہ استغنی

ہاں ہاں بے شک آدمی دولت مند ہوتے ہی سرکشی کا راستہ چلنے لگتا ہے۔ (علق=۶-۷)

(۹) ان الانسان لربہ لکنود- وانہ لحب الخیر لشدید

انسان اپنے اللہ کا بڑا ناشکرا ہی، اور مال و دولت اور بہتری کا تو عاشق ہے۔ (عادیات=۶-۸)

انسانی طبائع میں یہ باتیں کس طرح در آتی ہیں، اس کا جواب قرآن حکیم میں یہ ملتا ہے۔

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوھا، قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا۔

Marfat.com

یعنی انسان کو اعتدال پر پیدا کرنے کے بعد اس میں فسق و فجور اور تقویٰ دونوں کی طرف راغب ہونے کا ملکہ رکھ دیا گیا، تو جس نے روحانیت کو اپنایا اور نفس کو پاکیزہ بنایا وہ تو کامیاب رہے گا (کیونکہ روح اللہ کا امر ہے اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے) اور جسنے اسے خاک آلودہ کرلیا وہ گھاٹا کھائے گا کیوں کہ نفس میں مٹی سے گدلا ہونے کی صلاحیت بھی موجود ہے، تو جس نے مادیت کو اپنایا وہ اللہ سے (روحانیت سے) دور جاگرا اور جو اللہ سے دور جا گرا وہ اس کی رضا سے محروم ہو گیا، اور اس کی رضا جنت ہے اور اس سے محرومی دوزخ ہے، جس طرح یہاں محبوب سے جدائی جلاتی اور تڑپاتی ہے اسی طرح وہاں اس ازلی ابدی محبوب (خدا) کی جدائی اور دوری دوزخ کی شکل میں جلاتی اور تڑپاتی رہے گی، العیاذا باللہ

انسان طبعاً شریر نہیں: یونانی فلسفہ اخلاق کی رو سے انسان طبعاً شریر ہے، جبکہ اسلامی اخلاق کی رو سے ہر انسان فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہی، پھر اس کا ماحول اور تربیت وغیرہ اسے بنانے سنوارنے یا بگاڑنے کا کردار ادا کرتے ہیں، اسلام میں صوفیاء کرام نے تہذیب اخلاق کی طرف بھرپور توجہ دی، اور خودی (نفس، روح) کے حوالے سے انسان کو سمجھنے اور اسے بہتر سطح پر لانے کے لئے ایک ضابطہ تربیت بھی عطا کیا، ان کے نزدیک تمام محرکات افعال کا سرچشمہ خود شعور ہے، جب شعور میں گڑبڑ رونما ہوتی ہے تو وہ خود کو "وہ کچھ" سمجھنے لگ جاتا ہے جو وہ نہیں ہوتا، اور وہ کچھ بننے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے اعمال کا تناسب و توازن بگڑ جاتا ہے، تو اس کے بگاڑ کو دور کرنے کے لئے صوفیاء نے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں جو انسان کو اندرونی اور بیرونی طور پر یکسانیت اور طمانیت عطا کر کے اس اخلاق کی تہذیب کا باعث بنتے ہیں اور صوفیاء کے یہ ضابطے اسلامی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں جن کا سرچشمہ قرآن و حدیث اور سنت ہے (اسلامی تعلیمات (لازمی) صفحہ ۱۴۳)

قبل از اسلام کے بعض فلاسفہ اخلاق: بقراط (۴۶۰ یا ۳۷۷ ق-م) بقراط نے انسانی مزاج کی چار اقسام بتائیں۔

(۱) بلغمی مزاج (Phlegmatic) ایسے شخص میں کاہلی سستی اور کام چوری پائی جاتی ہے۔

(۲) صفراوی مزاج کا حامل شخص جوشیلا اور غصیلا ہو گا۔

(۳) دموی مزاج (Sanguine) کا مالک عیاش اور لاابالی پن کا مظہر ہو گا۔

(۴) سوداوی مزاج (Melancholic) کا حامل شخص سنجیدہ، خاموش طبع اور بات بات پر کڑھنے والا ہو گا۔

سقراط (۴۶۹ ق م تا ۳۹۹ ق م) اس نے انسان کے روحانی مطالعہ پر زور دیا اور کہا کہ سچائی ہر ذہن میں ہوتی ہے، جسے تلاش کرنا چاہئے، اس کی تلاش کے لئے اس نے علم کو ذریعہ تلاش قرار دیا، چنانچہ اس نے کہا کہ انسان کو اپنا عرفان حاصل کرنا چاہئے، جس قدر خود سے ناآشنا ہو گا اسی قدر وہ حقیقت سے دور ہو گا، اس نے کہا کہ جو لوگ اپنی ذات کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے وہ برائیوں کا زیادہ شکار ہوتے ہیں، اس نے کہا کہ علم حاصل کرو کیونکہ علم سے نیکی پھیلتی ہے، اس کے نزدیک نیکی سے مراد وہ عمل ہے جو

Marfat.com

ذاتی خوشی دے، اس کے نزدیک روح کا دوسرا نام خود آگاہی ہے، اس کا کہنا ہے کہ حکومت بھی انہی لوگوں کے پاس ہونی چاہئے جو خود آگاہی کی منزل سے گزر چکے ہوں، سقراط کو ایسے خیالات کی بنا پر زہر دے کر ختم کر دیا گیا، لیکن اس کے نظریات آج بھی زندہ ہیں، جن کو اس کے شاگرد افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریت" کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا، ارسطو کے بقول منطق استقرائیہ (Inductive logic) کو پہلے پہل سقراط نے ہی پیش کیا۔

وہ استدلالی طریقہ تعلیم کا حامی تھا، وہ سوالات کر کے ذہن میں چھپی ہوئی باتوں کو اگلوا لیتا، اور پھر دلائل سے ان کی تصحیح و تغلیط کا حکم لگاتا، سقراط نے نہ صرف ذاتی لاشعور کا نظریہ پیش کیا بلکہ اجتماعی لاشعور کا نظریہ بھی دیا، بعد میں یونگ نے اپنی کتاب (Anslytic psychology) کی بنیاد اسی نظریہ لاشعور پر رکھی، جبکہ منطق استقرائیہ کے نظریہ کو بنیاد بنا کر سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) نے تحلیل نفسی (Psycho Analysis) کا طریقہ علاج جاری کیا، سقراط نے ذہانت اور طلب کے نظریات پیش کئے۔

افلاطون (Plato): (۴۲۷ تا ۳۴۷ ق م) یہ سقراط کا ہونہار شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا، اس نے خوابوں کی تعبیر اور لاشعوری محرکات کا مطالعہ ادراک اور شخصیت کا نظریہ پیش کر کے بڑا نام کمایا، بعد میں فرائڈ نے بھی شخصیت کے متعلق اپنے نظریہ کو افلاطون کی طرح حیاتیاتی بنیادوں پر ہی استوار کیا۔

افلاطون نے "ذہن اور جسم کی دوہریت" (Mind - Body - Dualism) کا نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ ذہن اور بدن کے درمیان کوئی تعلق نہیں پایا جاتا، افلاطون کے نزدیک ذہنی خیالات کا تعلق بدن کی بجائے روح سے ہوتا ہے، جبکہ جسم مادے سے ملوث ہے اور جسمانی خواہشوں کی نفی کر کے ہی روح اپنی برتری قائم رکھ سکتی ہے، چنانچہ افلاطون کے اس نظریئے کے بعد عیسائیت میں رہبانیت کو بڑا فروغ ملا۔

افلاطون کے مطابق شخصیت---- (۱) ذہانت (Intelligence) (۲) ارادہ (Will) (۳) اور طلب خواہش یا بھوک (Appetite) سے مرکب ہے، اور ان تینوں کی بنیار حیاتیاتی ہے مثلاً ذہانت کی بھوک کی حیاتیاتی بنیاد بیٹ ہے، اس کے نزدیک ان تینوں خصوصیات کے توازن سے ایک نارمل شخصیت وجود میں آتی ہے، اور اگر یہ خصوصیات غیر متوازن ہوں گی تو ایسا شخص ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں ناکام رہے گا۔

افلاطون ک نزدیک ذہنی نشو و نما سے مراد لاشعوری کے حقائق کو شعور میں لانا ہے، ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے افلاطون نے انسانوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اعلیٰ تر ذہنی صلاحیتوں والے لوگ = درجہ اول
(۲) جسمانی طاقت کے حامل افراد = درجہ دوم
(۳) جسمانی قوت اور ذہنی اعتبار سے کم تر حیثیت کے لوگ = درجہ سوٗم

افلاطون کے اسی تجربہ کی بنا پر جدید دور میں نظریہ رجحان (Attitude) کی پیمائش کی جاتی ہے۔

Marfat.com

ارسطو (Aristotole)

(۳۸۴ یا ۳۲۲ ق م) افلاطون کا یہ شاگرد ایتھنز میں ایک نئی یونیورسٹی کا بانی بنا، اس نے اخلاقیات، تاریخ، مذہب اور سائنس وغیرہ پر کتابیں لکھیں۔

ارسطو نے افلاطون کے نظریہ (Mind body dualism) روح اور بدن کی دوہریت سے اختلاف کیا اور ان دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا، اور ذہن کو جسمانی اعمال کا وظیفہ بتایا۔

ارسطو کے نزدیک تمام جسمانی افعال روح کے زیر اثر ضرور ہوتے ہیں، اس نے نفس کے تین درجے قرار دیئے۔

(۱) نفس کی ابتدائی صورت نشو و نما کی قوت ہے جو پودوں میں ہوتی ہی اسے وہ بناتاتی روح (Vegetable soul) کا نام دیتا ہے۔

(۲) اس کے نزدیک نفس کی فرمیانی صورت حیوانی روح (Animal soul) ہے، جس میں نشو و نما کے ساتھ نفس حسی بھی ہوتی ہے۔

(۳) نفس کی اعلیٰ ترین شکل انسانی روح ہے، جس میں نشو و نما اور نفس حسی کے ساتھ ساتھ نفس استدلالی بھی موجود ہے۔

ارسطو کے نزدیک انسانی بدن ایک مادی شے ہے، جسے اپنی حیاتیاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے خورد و نوش کی ضرورت پیش آتی ہے، پھر نیند اور آرام بھی اس کا خاصہ ہے، ان فطری ضروریات کو وہ جبلت (Instinct) کا نام دیتا ہے، انسان کو ارسطو نے استدلالی نفس یا حیوان ناطق کے نام سے پکارا، جو عقل اور علم سیکھ لیتا ہے، اس کے نزدیک حواس کے ذریعے تجربات روح پر اپنے نقوش بناتے ہیں، اس نے انسانی نفس پر بچپن کے تجربات کے گہرے اثرات کی اہمیت بھی بیان کی، اور مادی اشیا اور تمثال مابعد (After Image) کے تعلق پر بھی روشنی ڈالی۔

ارسطو کے نزدیک انسانی نفس ایک خاص مقصد کے تحت وجود میں لایا گیا ہے، جسے حاصل نہ کرنے کے نتیجہ میں وہ محرومی اور تشویش کا شکار ہو جاتا ہے، وہ انسان کو ایک معاشرتی جانور بھی قرار دیتا ہے، جسے سوسائٹی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ مل جل کر خوشیوں بھری زندگی بسر کر سکے ارسطو کے نزدیک انسان اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہو کر اور ان کو بروئے کار لا کر ہی دائمی مسرت حاصل کر سکتا ہے۔

درمیانی دور

فلاطینوس (۲۰۴ تا ۲۷۰ء): یورپ میں فلاطینوس (Plotinus) نے اشراقیت کا نظریہ پیش کیا، اس نے اللہ کی ذات کو اعلیٰ ذات قرار دیا، دوسرا درجہ عقل کو تیسرا روح کو اور چوتھا درجہ مادہ کو دیا، اس کے نزدیک روح جب مادیت کی طرف مائل ہوتی ہے تو اپنے مقام سے گر جاتی ہے، مادی خواہشات سے آزادی

Marfat.com

پانے کے لئے اس نے مراقبہ کو بنیاد بنایا، تا کہ انسان دائمی مسرت حاصل کر سکے۔
سینٹ آگسٹائن (St. Augustine): (۳۵۴ تا ۴۳۰ء) یہ افلاطون اور فلاطینوس کے نظریات سے متاثر تھا، خصوصاً ذہنی اور جسمانی دوہریت کے نظریہ کا حامی تھا اس کے نزدیک روح غیر فانی ہے، جبکہ بدن فانی ہے، اس کے نزدیک روح کو اپنے وجود کے لئے جسم کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ بدن کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے، اس کے نزدیک ذہن انسانی بدن کا وہ حصہ ہے، جو اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے، وہ خود متاثر نہ ہو تو ماحول اس پر اپنے اثرات مرتسم کر دیتا ہے، اس نے مشاہدہ باطن کے ذریعہ خود کو اور دوسروں کو سمجھنے پر زور دیا، فلاطینوس حسن پرستی کا عقیدہ رکھتا تھا، اور حسن کو وہ خدا کا جمال قرار دیتا تھا، اسے فطرت میں جگہ جگہ حسن کے جلوے نظر آتے تھے، لیکن آگسٹائن نے دنیا میں کھبنے کو گناہ قرار دیا اور بدی سے بچنے اور نیکیوں پر عمل پیرا ہونے میں انسان کی عافیت سمجھی۔

مسلم مفکرین کا دور

چھٹی صدی عیسوی میں یورپ جہالت کے قعر مذلت میں ڈوبا ہوا تھا، ادھر عرب کی سر زمین میں انسان کامل رہبر انسانیت، پیغمبر خدا، نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشد وہدایت اور علم عرفان کی شمع لے کر دنیا میں تشریف لائے، آپ نے نیکی اور سچائی پر مبنی چالیس سالہ زندگی بڑے وقار سے بسر فرمائی، اکتالیسویں سال آپ کو توشہ بنوت عطا کر کے انسانیت کی فلاح کے لئے مبعوث فرما دیا گیا، تھوڑے ہی عرصے قیصرو کسریٰ کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئیں، اور مسلمان فرمانرواؤں کے ادوار میں علم وادب سائنس، فلسفہ، معاشیات اور سیاست وغیرہ پر مسلم مفکرین کا علمی تحقیقی اور تجدیدی راج رہا، قرآن حکیم کے نزول کے بعد گویا علوم وفنون کے دروازے کھل گئے، چنانچہ قرآن حکیم کی روشنی میں مسلم مفکرین نے بہت کام کیا ان میں کچھ شخصیات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ابن سینا

ابن سینا (Avicenna): (۹۸۰ تا ۱۰۳۷ء) اصل نام ابو علی الحسین بن عبداللہ تھا، آپ ابن سینا یا بو علی سینا کے نام سے مشہور ہیں، وہ ایک عظیم فلسفی شاعر، ماہر طب، ریاضی دان، موسیقار اور مختلف علوم پر حاوی تھے، ان کی تصنیفات کی تعداد ۲۷۶ بتائی جاتی ہے، ایک مرتبہ ارسطو کی مابعد الطبعیات (Metaphysics) کے مطالعہ کا شوق چرایا اور چالیس سے زیادہ مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی اسے سمجھ نہ سکے، آخر ایک دن فارابی کی ایک کتاب نے یہ مسئلہ حل کیا، جس پر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، ابن سینا کے ہاں افلاطون اور ارسطو کے بعض افکار کی جھلک نمایاں ہے، اس کے نزدیک انسان حواس خمسہ سے بیرونی معلومات حاصل کرتا ہے جب کہ داخلی معلومات کے لئے وہ درج ذیل قوتوں سے کام لیتا ہے۔

(۱) حس مشترک۔ جہاں مختلف ذرائع سے حاصل شدہ معلومات یکجا ہوتی ہیں۔

Marfat.com

(۲) قوت مصورہ - یہ اشیائے مدرکہ کے تصورات کو محفوظ کرتی ہے۔
(۳) قوت متخیلہ - یہ تصورات پر ترکیب و تحلیل کا عمل کرتی ہے۔
(۴) قوت واہمہ - یہ اشیائے مدرکہ کی قدر و قیمت اور ان کے فوائد و نقصانات کا تعین کرتی ہے، اور تصدیق بھی کرتی ہے۔
(۵) قوت حافظہ - یہ قوت تصدیقات کو ذہن میں محفوظ رکھتی ہیں۔

ابن سینا کے نزدیک قوت وہم اہم ترین ہے، یہ کسی خاص ماحول کے پس منظر میں ایک شخص کا جبلی یا ہیجانی رد عمل ہے، بعض اوقات یہ رد عمل تلازم خیالات یا ماضی کے تجربات کی بناء پر ہوتا ہے، ابن سینا افلاطون کی طرح جسم اور ذہن کی ثنویت (دوہریت) کے قائل تھے، وہ روح کو غیر فانی اور بدن کو فانی قرار دیتے تھے ان کے نزدیک روح بدن سے الگ ہو کر بھی آزادانہ حیثیت میں قائم رہتی ہے، ان کے مطابق ذہن جسم کو دو سطحوں پر متاثر کرتا ہے۔

(۱) عام جسمانی حرکت کی سطح پر کیونکہ جسم ذہن کے حکم پر ہی حرکت کرتا ہے اور ذہنی قوت میں اشتعال ہیجان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) زبردست قوت ارادی کی سطح پر کیونکہ کئی بیمار وفور قوت ارادی کے بل پر صحت یاب ہو جاتے ہیں، ابن سینا نے جسمانی بیماریوں کو قابل علاج قرار دیا، ایک مرتبہ امیر بخارا نوح بن منصور بیمار ہو گیا، آخر وہ ابن سینا کے علاج سے شفایاب ہوا، اس نے خوش ہو کر ابن سینا کو اپنے کتب خانے سے استفادہ کی اجازت دے دی ابن سینا نفسیاتی بیماریوں میں القاء (Suggestion) اور تنویم (Hydnotism) سے علاج کرتا تھا، اس کے نزدیک روح اگر قوی ہو تو اپنے جسم کے علاوہ دوسرے اجسام پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے، چنانچہ وہ روحانی معالجات اور جادو وغیرہ کے اثرات کا بھی قائل تھا۔

میسمر (Mesmer) نے اپنے نفسیاتی طریقہ علاج ---- نومیت ---- کی بنیاد ابن سینا کے القاء اور تنویم پر رکھی، جسے عرف عام میں مسمریزم (Mesmerism) کہا جاتا ہے۔

ابن مسکویہ

(۳۳۰ تا ۴۲۱ھ) (۹۴۲ء تا ۱۶ فروری ۱۰۳۰ء) اصل نام احمد بن محمد ابن یعقوب الرازی تھا آپ کو ابو الخازن کہہ کر بھی پکارتے تھے، آپ نے متعدد کتابیں تحریر کیں، اپنی کتاب "تہذیب الاخلاق" میں لوگوں کو نیکی اور اخلاق کا سبق دیا، اور بنی نوع انسان کو مل جل کر رہنے کی تلقین کی، معاشرے کی بھلائی کے لئے افراد کو ہمدردی اور محبت کی ساتھ رہنے کی تلقین کی اور بتایا کہ کوئی بھی انسان اکیلا رہ کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان کو فطری نشو و نما نہیں دے سکتا، آپ نے وجود انسان کا ایک نظریہ ارتقاء بھی پیش کیا ان کا نظریہ ارتقا عہد جدید کے نظریات ارتقا سے حیران کن حد تک مماثلت رکھتا ہے خاص طور پر ڈارون کے خیالات ابن مسکویہ ہی کے نظریہ ارتقا کا ملغوبہ لگتے ہیں، البتہ ڈارون کے ہاں جبر ماديت پر زور دیا گیا ہے،

Marfat.com

جبکہ ابن مسکویہ کے ہاں روحانیت کا غلبہ ہے۔

ابن مسکویہ کے نزدیک انسان کے اندر روح غیرمادہ جوہر ہے، وہ کہتا ہے کہ مادی ایک وقت میں ایک ہی شکل میں ڈھل سکتا ہے، جبکہ انسان کے اندر ایسی قوت (روح) موجود ہے جو ایک ہی وقت میں کئی اشیا کا حسی ادراک کر لیتی ہے دوسرے لفظوں میں روح ایک ہی وقت میں کئی شکلیں اختیار کر لیتی ہے، آپ اس نظریہ کے سخت خلاف تھے کہ روح یا ذہن مادہ کی فعلیت کا نتیجہ ہیں۔

بطور مسلم مفکر ابن مسکویہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس نے اخلاقیات کی عمارت کو فلسفیانہ بنیادوں پر استوار کیا، اس کے نزدیک سلسلہ ارتقا میں انسان کی حیثیت اور رتبے کو الگ رکھ کر خیر کا تعین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ روح ارتقاء کی ماہیت جماداتی، نباتاتی، اور حیوانی مراحل سے گزر کر ہی بالاخر انسان کے شعوری جذبے اور خواہش میں اپنا ظہور کرتی ہے۔

قرآن حکیم میں بھی نفس انسانی کے تین مراحل کا ذکر ہے۔

(۱) نفس امارہ - جس کا کام یہ ہے- ان النفس لامارہ بالسوء (یوسف)

(۲) نفس لوامہ

(۳) نفس مطمئنہ

ابن مسکویہ کے مطابق جو صفت انسان کو حیوان پر فوقیت دیتی ہے وہ عقل ہے وہ نفس کی دو صورتیں قرار دیتا ہے۔

(۱) نظری

(۲) عملی

اس کے نزدیک نظری صورت کا اظہار سائنسی علوم کے حصول کے لئے جبکہ عملی صورت کا اظہار سیرت کی تعمیر اور اخلاق و کردار کی پختگی کے لئے ہوتا ہے، وہ خیر کو ایک صلاحیت کی بجائی فعلیت قرار دیتا ہے، جو دوسرے لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ معاشرے میں رہ کر ہی فرد اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتا ہے، وہ اخلاق کی بنیاد محبت کو قرار دیتا ہے، اور دو محبتوں کا ذکر وہ یوں کرتا ہے۔

(۱) انسان کی اللہ سے محبت۔

(۲) مرید کی مرشد کے ساتھ محبت۔

ابن مسکویہ نے اخلاقی برائیوں کے خاتمہ کے لئے عملی اقدامات بھی تجویز کئے جس کے لئے طب النفس کی اصطلاح استعمال کی، اس کے نزدیک روح کی بیماریوں میں غضب و غصہ، غرور و تکبر، حسد و رشک، خوف و طمع اور حزن و ملال وغیرہ خاص طور پر ضرر رساں ہیں۔

ابن مسکویہ کی کتاب "تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق" سات مقالوں پر مشتمل ہے، پہلا مقالہ تمہیدی نوعیت کا ہے۔ جس میں نفس یعنی روح کی ماہیت اور حکمت اور اس کی اقسام سے بحث کی گئی ہے، بعد کے مقالات میں اس نے خلق اور اسکی اقسام خیر و سعادت کیحقیقت و ماہیت ان کے باہمی امتیاز اور اقسام

Marfat.com

فضائل اور الفت انس اور اجتماع کی ضرورت نفس کی بیماریوں، ان کی صحت و محافظت اور علاجات پر قلم اٹھایا ہے، نصیر الدین طوسی نے اس کتاب کو فارسی میں ترجمہ کیا اور اپنی کتاب "اخلاق ناصری" کے پہلے حصہ میں جگہ دی، گویا اخلاق ناصری کا پہلا حصہ ابن مسکویہ کی "تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق" کا فارسی روپ ہے۔

ابو حیان التوحیدی جو ابن مسکویہ کا ہم عصر تھا اور اس نے اس کے ساتھ ملاقات بھی کی تھی، اس کے بارے میں حسد کا شکار ہو کر کہتا ہے کہ وہ فلسفیانہ غور و فکر سے عاری تھا کیونکہ وہ فلسفے کی بجائے زیادہ توجہ علم کیمیا پر دیتا تھا کیونکہ اس نے ابو الطیب الرازی الکیمیائی کے ساتھ اپنی ساری عمر دولت اور محنت "حجر اعظم" کی تلاش میں صرف کر دی تھی، لیکن اس کے برخلاف ابن مسکویہ کے بارے میں ایسی روایات بھی ہیں جن سے اس کی فلسفیانہ بلندی اور اعلیٰ ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

ابن مسکویہ کی اخلاقیات پر مبنی کتاب کا کیا مقام ہے، اخلاق ناصری میں اس کو اولیت دیئے جانے سے ہی ظاہر ہے، حاسدون کے خیالات اپنی جگہ، لیکن وہ ایسا مفکر نہیں جو دوسوں کے فلسفیانہ خیالات کو من و عن بیان کر دے بلکہ اس پر وہ اپنی گہری چھاپ بھی چھوڑتا ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۱ صفحہ ۹۷-۴۹۶) کے فاضل مقالہ نگار کے نزدیک ابن مسکویہ کی نظر میں نفس ایک ایسا جوہر ہے جسے نہ تو جسم کہا جاسکتا ہے نہ اس کوئی حصہ اور نہ "عرض" اور نفس کا ادراک حواس کے ذریعے ناممکن ہے کیونکہ اصل میں وہ خود ہی ایک مدرک ہے جسے ایسی معرفتیں حاصل ہیں جو حواس کو حاصل نہیں ہیں، چنانچہ انہی معرفتوں کے ذریعے وہ حواس سے حاصل ہونے والی معرفتوں کے سچا یا جھوٹا ہونے کا حکم لگاتا ہے، اس کے نزدیک نفس یا روح ایک وحدت ہے جس میں عقل اور معقول ایک ہو جاتے ہیں اور عقل ہی انسان کو اخلاق حسنہ کی طرف راغب کرتی ہے۔

اس کا خیال ہے کہ ہر ہستی کے اندر ایک شوق ہوتا ہے جو اسے اپنے کمال کی طرف حرکت کرنے پر مجبور کرتا ہے، یہی حرکت خیر و فضیلت ہے، ابن مسکویہ رہبانیت اور گوشہ نشینی کے بھی خلاف ہے، کیونکہ گوشہ نشین بوقت احتیاج دوسروں سے تو فائدہ اٹھالیتا ہے، لیکن وہ دوسروں کے کام نہیں آسکتا، لہٰذا اس کیفیت کو وہ ظلم سے تعبیر کرتا ہے، ابن مسکویہ کے نظریات اخلاق اساسات دین کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتے ہیں، اس نے نفس کی بحث میں یونانی فلاسفروں کی بجائے قرآنی تعلیمات کو بنیاد بنایا ہے اور شریعت اسلامیہ اس کی سوچ کا محور بن کر سامنے آتی ہے۔

اپنی کتاب فوز الاکبر میں ابن مسکویہ نے صانع کے اثبات اس کی وحدانیت اور نبوت کے متعلق مسائل پر بڑی عرقریزی اور بالغ نظری سے بحث کی ہے، اس کے نزدیک نبی اور فلسفی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ نبوت اور کہانت میں بھی فرق کرتا ہے اور اس کے نزدیک کاہن کو غیب دانی کے باوجود نبی سے کوئی نسبت نہیں، کیونکہ نبی کے علم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

Marfat.com

ابن مسکویہ کی دوسری تصانیف

(۱) **تجارب الامم و تعاقب الہمم:** یہ عمومی تاریخی کتاب ہے جو نوح علیہ السلام کے طوفان سے شروع کر کے ۳۱۹ھ پر ختم کر دی گئی، اس میں جملہ تاریخی واقعات کو جگہ نہیں دی گئی بلکہ صرف "احسن احوال" کی طرف لے جانے والے واقعات کو لیا گیا ہے یا زوال و اضمحلال کی طرف گویا وہ تاریخ کو تجربات قرار دیتا ہے، جن سے افراد اور قومیں فائدہ اٹھا کر اپنی کامیابی کی راہیں متعین کر سکتی ہیں۔

(۲) **کتاب ال آداب والفرس:** یہ کتاب ایرانیوں، ہندوؤں، عربوں، رومیوں اور مسلمانوں کی تصانیف سے ماخوذ اقوال کا مجموعہ ہے۔

(۳) **الفوز الاصغر:** مختصری یہ کتاب تین مسائل پر بحث کرتی ہے، (۱) خالق کائنات کا اثبات (۲) روح یا نفس کی ماہیت واحوال (۳) نبوت و رسالت۔

(۴) **الفوز الاکبر:** یہ کتاب اخلاقیات کے موضوع پر ہے، جس کا ذکر فوز الاصغر کے آخر میں بھی کیا گیا ملتا ہے۔

(۵) **انس الفرید:** یہ اشعار، زریں اقوال، اور امثال پر مشتمل ہے۔

(۶) **ترتیب العادات یا ترتیب السعادات:** یہ اخلاق اور سیاست کے موضوع پر ہے۔

(۷) **کتاب الجامع:**

(۸) **کتاب السیر:** اخلاقیات پر مشتمل ہے جس میں اقوال حکمت بھرے جملے اور اشعار بھی ہیں۔

(۹) **الشوامل:** یہ کتاب ابو حیان توحیدی کے سوالات "الهوامل" کے جواب میں لکھی گئی ہے، جن کی تعداد ایک سو اسی ہے، اور وہ اخلاقی لغوی کلامی فقہی اور ادبی وغیرہ مسائل سے متعلق ہیں، اس سے ابو حیان اور ابن مسکویہ دونوں کا کمال علم ظاہر ہوتا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۵-۶۳۹)

مثل اعلیٰ

ابن مسکویہ کا نظریہ: ابن مسکویہ کے نزدیک بھی دوسرے ائمہ اخلاق کی طرح سعادت کے آخری اور انتہائی درجہ کا نام "مثل اعلیٰ" ہے، انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو خود اپنی ذات پر رشک کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ وہ عالم قدس کی قربت کی وجہ سے ان تمام امور کا عینی مشاہدہ کرتا ہے جن میں تغیر و تبدل، اور ادل بدل کی گنجائش ہی نہیں ہے اور اس طرح مشاہدہ کرتا ہے کہ پھر اس میں غلطی اور خطا کا امکان باقی نہیں رہتا اور نہ فساد و خرابی کا اس میں کوئی گذر ہو سکتا ہے اور وہ صاف محسوس کرتا ہے کہ وہ دنیا کے وجود سے عالم آخرت کے وجود کی جانب کمال کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اور اس عالم میں پہنچ کر کمال کی تمام غایات کو حاصل کر لے گا، پس اس کی حالت اس رہرو کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے وطن مالوف کی طرف جانی پہچانی راہ پر چل رہا ہو اور اس یقین کے ساتھ چل رہا ہو کہ وہ جاتے ہی اپنے اہل و عیال میں پہنچ

Marfat.com

کر خوش عیشی اور راحت و مسرت کی زندگی حاصل کرلے گا۔

مثل اعلیٰ تک پہنچنے والا یہ شخص اگر اس منزل سعادت کو طے کر چکتا ہے یا طے کرنے کے قریب آجاتا ہے تو اس کے نفس میں نشاط، اطمینان اور بے پناہ جذبہ یقین کی لہر دوڑ جاتی ہے، انسان کو یقین اور خود اعتمادی کا یہ درجہ خبر اور حکایت سے پیدا ہونا ناممکن تھا یہ تو جب ہی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ مشاہدہ اور معائنہ کے درجہ تک پہنچ جائے اور سکون قلب اس وقت تک ناممکن ہے جب تک انسان حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو جائے۔

مثل اعلیٰ کے درجات: لیکن یہ واضح رہے کہ اس مقصد عظمیٰ کے حصول میں بھی انسانوں کے درجات مختلف ہیں، اس اہم اور مشکل مسئلہ کی مثال اس طرح سمجھئے کہ ایک شے کو چند آدمی دیکھ رہے ہیں لیکن بعض کی نگاہ دوربین ہے اور بعض کی نزدیک بین اور بعض نزدیک سے دیکھنے کے باوجود بھی ضعف بصارت کی وجہ سے اس طرح دیکھتے ہیں کہ گویا پردہ کے پیچھے سے دیکھ رہے ہیں تو باوجود عینی مشاہدہ کے ان سب کے مشاہدوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔

اسی طرح جن اشخاص کو مثل اعلیٰ کی یہ سعادت حاصل ہے اور وہ انوار و فیوض کی روشنی سے بہرہ مند ہیں اگرچہ قلبی مشاہدہ کے اعتبار سے مساوی ہیں تاہم مشاہدہ کے درجات اور طبقات کے لحاظ سے ان میں بھی تفاوت مراتب پایا جاتا ہے، سو اگر ایک کو اس کے ادنیٰ درجہ تک رسائی ہے تو دوسرے کو متوسط درجہ تک اور تیسرے کو اعلیٰ درجہ کا حصہ مقسوم ہوا ہے۔

البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ مادی مشاہدہ میں کمزور بصارت رکھنے والا جس قدر کسی شے کو دیکھنے اور تحقیق کرنے کے درپے ہوگا اس کی بینائی میں ضعف اور امکان زیادہ پیدا ہوگا لیکن سعادت سے پیدا شدہ یہ مشاہدہ جتنا زیادہ تحقیق، جستجو، اور باریک بینی کی طرف مائل ہوتا ہے اسی قدر اس کی روشنی اور سرعت ادراک میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور یہ ادراک اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ کل جس چیز کو وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ نہ ادراک میں آسکتی ہے اور نہ سمجھی جا سکتی ہے اس کا آج ادراک بھی کرنے لگتا ہے اور وہ معقول بھی نظر آنے لگتی ہے۔

مثل اعلیٰ صوفیاء کی نظر میں: صاحب منازل فرماتے ہیں کہ علم اخلاق اور علم تصوف ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اور وہ حقیقت صرف ان دو باتوں میں منحصر ہے، (۱) ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنا، (۲) کسی کو دکھ نہ پہنچانا، اس اعتبار سے "خلق" کے تین درجات ہیں۔

(۱) یہ کہ "انسان" کو مخلوق خدا کے صحیح مقام کی معرفت حاصل ہو جائے اور اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ تمام مخلوق نوامیس فطرت میں جکڑی ہوئی، مختلف قوتوں میں بندھی ہوئی اور ایک بالا دست ید قدرت (حضرت الٰہیہ) کے احکام کے زیر فرمان قائم و ثابت ہے۔ اس کیفیت سے تین "انواع خیر" عالم میں وجود میں آئیں گی۔

(الف) تمام مخلوق اس "انسان" سے امن و سلامتی میں رہے گی حتیٰ کہ کتا جیسا جانور بھی۔

(ب) مخلوق خدا کو اس سے محبت و عشق پیدا ہو جائے گا اور یہ ان سے محبت کرنے لگے گا۔

Marfat.com

(ج) وہ خدمت خلق کے ذریعہ مخلوق خدا کی فلاح و نجات تک کا باعث بن سکے گا۔

(۲) یہ کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ انسان کا معاملہ صحیح ہو یعنی انسان اپنے ہر عمل کے متعلق یقین کرے کہ جبکہ میں فانی ہوں تو اس لئے میرے تمام بہتر سے بہتر اعمال بھی نقص سے خالی نہیں ہیں، میرا فرض ہے کہ میں حقوق و فرائض میں کوتاہی کے لئے ہر وقت درگاہ الٰہی میں عذر خواہ رہوں اور اس درگاہ سے جو کچھ حاصل ہو اس پر شکر ادا کرتا رہوں، اور اس طرح اس کا حقیقی وفادار ثابت ہوں۔

(۳) یہ کہ اپنی تمام زندگی کو بد اخلاقیوں کی کدورت و نجاست سے پاک کر کے "اخلاق حسنہ" کا خوگر بنے، اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنا لے، حتیٰ کہ اس کے اعمال کا منتہائے نظر صرف "رضاء الٰہی" اور ادائے فرض رہ جائے اور مخلوق کی رضا و نارضا سے بالاتر ہو کر "حضرت حق" میں اور وحدت الٰہی میں غرق ہو کر تمام کائنات سے بے پرواہ بن جائے اصطلاح صوفیہ میں اس مقام کا نام "حضرت جمع" ہے، اور یہ عطیہ الٰہی ہے جو اس کو موہبت و فضل ہی سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے شخص پر فضل و کرم الٰہی کی ہر وقت بارش ہوتی رہتی ہے اور یہ سب سے بلند مقام ہے۔

اخلاق میں ترقی اور مثل اعلیٰ تک رسائی: انسان نفسیاتی افعال میں ہے جس قسم کے افعال اختیار کر لیتا ہے اسی قسم کی اس میں ترقی اور اضافہ بھی کرتا رہتا ہے، خیر ہوں تو خیر میں اضافہ ہوگا اور اگر وہ افعال شر ہوں تو شر میں اضافہ ہوگا، اس لئے کہ چھوٹے چھوٹے کام بڑے بڑے کاموں کا باعث بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے کام ترقی پا کر زیادہ سے زیادہ قابل توصیف یا قابل مذمت ہو جایا کرتے ہیں۔

حضرت

علی ابن ابی طالبؓ کا ارشاد ہے۔

انسان کے دل میں ایمان شروع میں ایک سپید نقطہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور جوں جوں ایمان میں ترقی ہوتی ہے سپید نقطہ آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا ہے اور جب وہ کامل ایمان والا ہو جاتا ہے تو تمام قلب نورانی اور روشن بن جاتا ہے، اور نفاق ایک سیاہ نقطہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور جب جب نفاق میں اضافہ ہوتا ہے تب تب سیاہی بڑھتی جاتی ہے اور جب وہ منافق کامل ہو جاتا ہے تو تمام قلب سیاہ اور تاریک بن جاتا ہے۔

نیز انسان فضیلت میں چار درجات کی بدولت کمال پاتا ہے اور چار درجات کی بدولت رزالت میں کامل بنتا ہے اور ان درجات فضائل میں سے دو کا تعلق اعتقاد سے ہے اور دو کا عمل سے۔

اعتقادی فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح الاعتقاد ہو اور دوسرے یہ کہ اس کا اعتقاد ایسے یقینی صاف اور روشن دلائل و براہین پر قائم ہو کہ جس میں شک و شبہ اور اضطراب و تردد کا مطلق گذر نہ ہو سکے اور عملی فضائل میں سے ایک یہ کہ بری عادات کو اس طرح ترک کر دے کہ اس کی جبلت و طبیعت اس سے متنفر ہو جائے اور ان کو قبیح سمجھنے لگے اور دوسرے یہ کہ وہ رذائل سے اس لئے پرہیز کرنے لگے کہ اس کی منزل مقصود فضائل تک رسائی ہے یہاں تک وہ نیک خصائل کا فطری طریق پر عادی ہو جائے اور ان کے اثرات اور ان کی لذات اپنے اندر محسوس کرنے لگے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

Marfat.com

مبارک ہے۔

قرۃ عینی فی الصلوۃ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اسی طرح بد اخلاقی کے انتہائی درجات میں سے دو درجے اعتقاد سے متعلق ہیں ایک یہ کہ علوم حقیقہ کا کوئی اعتقاد ہی قلب میں موجود نہ ہو اور وہ بالکل غافل اور مہمل ہو اور دوسرے یہ کہ اعتقادات فاسدہ میں ملوث ہو اور دو درجے عمل سے متعلق ہیں ایک یہ کہ نیک اعمال کا اعتقاد کسی حال میں نہ ہو اور دوسرے یہ کہ بری خصائل کا مستقل عادی ہو۔

اور فضائل کے سب سے بلند درجہ (مثل اعلیٰ) پر جو شخص قائم ہے اس کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ

(وہ) ان لوگوں میں سے ہے جن کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے وسیع کر دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کے نور پر قائم ہے۔

اور اسی طرح رذائل کے سب سے پست درجہ کا جو شخص حامل ہے اس کے لئے یوں ارشاد ہے۔

اولئک الذی لعنھم اللہ فالصمھم داعی ابصارھم

یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی پھٹکار میں ہیں پس ان کو (اپنی نیک استعداد کو تباہ و برباد کر ڈالنے کی وجہ سے) اس نے کانوں کا بہرہ اور آنکھوں کا اندھا بنا دیا ہے۔

یعنی ان کی پیہم سرکشی، بغاوت اور نانہجاریوں نے ان کو اس درجہ برباد کر دیا کہ ان کے سبب سے وہ خدا کی لعنت اور اس کے اثرات یعنی گوش حق نیوش سے بے بہرہ ہو جانے اور چشم بینا سے اندھا بن جانے میں مبتلا ہو گیا ہے۔

نصیر الدین طوسیؒ

نصیر الدین ابو جعفر محمد بن محمد بن الحسن --- ۱۱ جمادی الاول ۵۹۷ھ کو طوس میں پیدا ہوا اور ۱۸ ذوالحجہ ۶۷۲ھ (۲۶ جون ۱۲۷۴ء) کو بغداد میں وفات پائی۔

طوسی نے اسماعیلی حاکم ناصر الدین عبد الرحیم بن ابی منصور کے ہاں منجم کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح دربار خلافت میں بار پائے یہ راز افشاء ہوا تو اسے پہلے سر تخت اور پھر الموت میں نظر بند رکھا گیا، تاہم اس کی ملازمت بحال رہی اور وہ علم ہیئت میں تحقیق و تجسس کرتا رہا۔ ۶۴۵ھ ۱۲۵۶ء میں اس نے خشیشین کے شیخ رکن الدین خود شاہ کو ہلاکو خاں کے حوالے کرا دیا اور پھر اس کا مشیر بن کر بغداد پر حملہ کے لئے ہلاکو خاں کے ساتھ ہو لیا، ہلاکو خاخ ایک مغول فاتح اور ایران میں ایک مغولی

Marfat.com

(ایلخانی) سلطنت کا بانی ہوا، وہ ۱۲۱۷ء کے قریب پیدا ہوا اس کے بھائی منگو قاآن نے اسے اسماعیلیوں اور خلیفہ المستعصم باللہ کے خلاف حاکم بنا کر بھیجا وہ منگولیا سے ۶۵۱ھ میں روانہ ہوا، اور ۶۵۳ھ میں دریائے آمو تک پہنچ گیا یہاں اس کو ایران اور کوہ قاف کے چھوٹے حکمرانوں نے تعاون کی پیش کش کی، ۶۵۴ھ میں خورشاہ کی گرفتاری کا واقعہ بذریعہ نصیرالدین طوسی پیش آیا، بدھ جمعرات ۹، ۱۰ محرم ۶۵۴ھ کو ہلاکو خاں نے المستعصم باللہ کو گھمسان کی لڑائی میں شکست فاش دی، اور پھر بغداد کی تباہی تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی ہلاکو خاں نے ۸ فروری ۱۲۶۵ء ۱۹ ربیع الثانی ۶۶۴ھ بروز اتوار وفات پائی، رسم مغول کے مطابق خوبصورت نوجوان لڑکیاں اس کے ساتھ دفن کی گئیں، یہ آخری موقع ہے جبکہ ایرانی مغلوں کے ہاں (ان کے دور کفر میں بھی) اس رسم کا ذکر آیا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲۳ صفحہ ۲۳۵-۲۳۷)۔

ہلاکو خاں نے مراغہ میں ایک رصد گاہ قائم کی، طوسی کو ہلاکو خاں کا قرب حاصل تھا، وہ اس کا وزیر رہا اور پھر اسے اوقاف کا سربراہ بنا دیا گیا، اور ہلاکو خاں کے جانشین "اباقا" کے عہد میں بھی اپنا اثر و رسوخ قائم رکھا طوسی عقیدتاً اثنا عشری شیعہ تھا چنانچہ اسی حوالے سے وہ اپنی قابلیت اور لیاقت کی بدولت ایران کی شیعہ مقتدر جماعت کا سربراہ بن گیا، اور خلافت عباسیہ کی مخالفت میں ہلاکو خاں کا ساتھی بن گیا، جس کے نتیجہ میں جنوبی عراق میں شیعوں کے مقدس مقامات مغلوں کی دست درازی سے محفوظ رہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۵۷۵)

طوسی کی تصانیف: اس نے دو کتابیں اصول و عقائد شیعہ پر لکھیں، جن کی ان کے ہاں بڑی اہمیت ہے، پھر ابن سینا کی تصنیف الاشارات والتنبہات کی شرح لکھی جس کا نام حل مشکل الاشارات ہے، اس میں وہ فخرالدین رازی کی مخالفت کرتا ہے اور ابن سینا کی تائید پھر اس نے رازی کی تصنیف محصل افکار المتقدمین والمتاخرین کی ناقدانہ شرح تلخیص محصل کے نام سے تحریر کی، وہ راسخ العقیدہ اثنا عشری شیعہ تھا جس کا ثبوت اس کی متصوفانہ کتاب اوصاف الاشراف سے بھی ملتا ہے، وہ شیعہ ہونے کے باوجود تصوف کا قائل تھا اور الحلاج کا بڑا مداح تھا، اسی وجہ سے وہ اپنے ہم مسلکوں میں ممتاز ہے۔

فقہ میں اس نے قانون وراثت پر کتب لکھیں، علوم السحر و الطلسمات پر اس کی کتاب کتاب الرمل میونخ کے عربی مخطوطات میں محفوظ ہے (شمارہ ۸۸۰)

اخلاق ناصری: وہ ابھی سر تخت میں ہی تھا جب اس نے اپنے سرپرست ناصرالدین عبدالرحیم بن ابی منصور کی خدمت میں اپنی ادبی تصنیف "اخلاق ناصری" پیش کی، اس میں ابن مسکویہ کا اثر صاف نظر آتا ہے، وہ شیعہ ہونے کا باوجود مشہور صوفی جلال الدین رومی سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ رکھتا تھا اسی طرح وہ نجم الدین کاتبی سے بھی بعض علمی معاملات پر بالمشافہ تبادلہ خیالات کر لیا کرتا تھا۔

جلال الدین الدوانی

Marfat.com

آپ کا نام محمد بن اسعد جلال الدین تھا، ۸۳۰ھ ۱۴۲۷ء میں بمقام دوان پیدا ہوئے جو ضلع گازرون (ایران) میں واقع ہے، یہ شہر صوبہ فارس میں سمندر اور شیراز کے درمیان تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس کا فاصلہ شیراز سے پچپن میل ہے۔

جلال الدین الدوانی کے والد دوان کے قاضی تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کی بنا پر صدیقی کہلاتے تھے۔

الدوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر شیراز چلے گئے جہاں مولانا محی الدین گوشہ کناری اور مولانا ہمام الدین گلباری اور صفی الدین الایجی کے حلقہ درس میں شامل رہے، الدوانی یوسف بن جہان شاہ قراقویو نلو کے عہد میں ان کے صدر مدرسہ بھی رہے، بعد ازاں استعفی دے کر مدرسہ بیگم میں تدریسی کام سنبھال لیا جسے دارالایتام بھی کہتے تھے، آق قویونلو کے دور میں وہ فارس کے قاضی مقرر ہوئے، جب اس کی حکومت کو زوال آیا اور افراتفری پھیلی اور شاہ اسمٰعیل صفوی سے سلسلہ جنگ شروع ہوا تو الدوانی نے لار اور جرون میں پناہ لی، ابوالفتح بیگ بیاندر نے شیراز پر قبضہ کرلیا تو وہ گازرون کے ارادہ سے نکل کھڑے ہوئے مگر ابو الفتح کی لشکر گاہ میں پہنچنے کے تھوڑے دنوں بعد ۹۰۸ھ ۳-۱۵۰۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور دوان میں ہی دفن ہوئے۔

الدوانی نے عربی میں فلسفہ اور تصوف کی مشہور کتابوں کی کئی شرحیں لکھیں، نیز عقائد تصوف اور فلسفہ پر کئی رسائل بھی تصنیف کئے، التفتازانی (م ۷۹۱ھ، ۱۳۸۹ء) کی تصنیف تہذیب المنطق والکلام کی شرح جو آپ نے کی تھی، لکھنؤ سے ۱۲۶۴ھ میں چھپی پھر یہی کتاب میر زاہد کے حواشی کے ساتھ ۱۲۹۳ھ میں چھپی، اسی طرح رسالہ "الزورا" جو ۸۷۰ھ ۱۴۶۵ء میں مکمل ہوا تھا، ۱۳۲۶ھ میں قاہرہ سے معہ تعلیقات شائع ہوا۔

فارسی میں الدوانی کی سب سے زیادہ مقبول عام تصنیف لوامع الاخلاق فی مکارم الاخلاق ہے، جو اخلاق جلالی کے نام سے معروف و مشہور ہے، برصغیر میں یہ کلکتہ سے ۱۲۸۳ھ، ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی، اس کا انگریزی ترجمہ W.T.Thompson نے کیا، اور ۱۸۳۹ء میں لندن سے شائع کیا گیا، جس کا انگریزی نام "Philosophy of the mohammelan people" ہے۔

اخلاق جلالی، نصیرالدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری کو نئے انداز میں مرتب کرنے کی سعی مشکور ہے، جو بہت مقبول ہوئی، یہ کتاب آق قویو نلو بادشاہ اوزون حسن کی فرمائش پر لکھی گئی اور اسی کے نام معنون ہے۔

اخلاق ناصری تین حصوں میں منقسم ہے۔

(۱) علم اخلاق

(۲) تدبیر منزل

(۳) سیاست مدن

پہلا حصہ ابو علی احمد بن یعقوب بن مسکویہ کے عربی رسالہ کتاب طہارۃ الاعراق فی تہذیب الاخلاق

Marfat.com

سے ماخوذ ہے۔

دوسرا حصہ Bryson سے (بواسطہ مقالہ تدبیر المنزل) استفادہ شدہ ہے جسے بوعلی سینا نے تحریر کیا تھا۔

تیسرا حصہ الفارابی کی المدینہ الفاضلہ اور کتاب السیاسۃ المدینہ پر مبنی ہے اور اخلاق جلالی میں بھی اسی ترتیب کی پیروی کی گئی ہے جس میں الدوانی نے نصیر الدین طوسی کی طرح دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ ملک کو صحیح طور پر چلانے کے لئے ایک اعلیٰ ملکی قانون ایک فرمانروا، اور ایک سکہ رائجہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے، وہ قانون سے مراد قانون شریعت لیتا ہے اور فرمانروا سے مراد ایسا حاکم ہے جو اللہ تعالیٰ کی تائید کے ساتھ ممتاز ہو، اور اپنے اندر ایسی صفات رکھتا ہو جس سے وہ عوام کی رہنمائی بدرجہ کمال تک کر سکے تاکہ اس کی فرمانروائی میں ہر شخص اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر زندگی کے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

جلال الدین الدوانی کے نزدیک اگر حکومت صالح ہوگی تو وہ امامت ہے، اور اگر غیر صالح ہوگی تو وہ جابرانہ حکومت کہلائے گی، وہ فرمانروا کے انتخاب یا اس کی معزولی کے بارے میں کوئی شرائط نہیں بتلاتا، البتہ اس کا خیال ہے کہ ہر عادل حکمران زمین پر ظل اللہ خلیفہ اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب ہے، چنانچہ وہ اپنے پسندیدہ حکمران اور سرپرست اوزون حسن کو خلیفہ کہہ کر خطاب کرتا ہے، اس کے نزدیک صالح حکمران دنیا میں توازن قائم رکھتا ہے، جس کی بقا کے لئے عوام کے باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔

الدوانی تمدن کو دو زمروں صالح اور غیر صالح میں تقسیم کرتا ہے وہ الفارابی اور طوسی کے تتبع میں صالح کو مدینہ فاضلہ اور غیر صالح کو مدینہ غیر فاضلہ کا نام دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مدینہ فاضلہ کے اہالیان کو فہم و ذکا کے اعتبار سے متفاوت ذمہ داریاں نبھانی چاہئیں، یعنی ہر طبقہ کے لوگوں کو ان کی ذہنی اپروچ کے لحاظ سے اور عملی کارکردگی کے حوالہ سے مناسب مقام اور کام دیا جانا چاہئے، تاکہ وہ ذہنی رجحان اور طبیعت کی موافقت میں ماہرانہ اور موزوں کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں، دوسرے لفظوں میں مدینہ فاضلہ کے لوگوں کو قانونی (شرعی) دائرہ میں رہتے ہوئے پوری آزادی کے ساتھ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع فراہم کرنا ایک عادل فرمانروا کی ذمہ داری ہے، اور انکی قابلیت کے مطابق ان کی مصروفیات اور انصرام کا بندوبست کرنا حکومت کے لئے لازمی ہے، تاکہ تکمیل انسانیت کے تقاضے پورے ہو سکیں اور انا کی تکمیل میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

مدینہ غیر فاضلہ کی اقسام: اس کے نزدیک مدینہ غیر فاضلہ کی تین شاخیں ہیں۔

(۱) مدینہ جاہلہ، (جہالت پر مبنی معاشرہ کا شہر)

(۲) مدینہ فاسقہ (برے معاشرے کا حامل شہر)

(۳) مدینہ ضالہ (شر انگیز معاشرے کا شہر)

وہ غیر صالح حکومت کو جبر و تعدی پر مبنی گردانتا ہے، جس کا کام بندگان خدا کو غلامی کی زنجیروں میں

Marfat.com

جکڑنا اور اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتا ہوتا ہے، تا کہ افراتفری کی آڑ میں اپنے گھناؤنے مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔

الدوانی کے نزدیک معاشرتی اخلاق کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں چار طبقات قائم کئے جائیں۔

(۱) صاحبان علم، مثلاً علماء فقہاء قضاۃ، کتاب، ریاضی اور ہیت کے ماہرین اطبا اور شعرا اور دانشور۔

(۲) اہل حربہ یعنی صاحبان شمشیر۔

(۳) اہل تجارت و اہل حرفہ یعنی سوداگر، کاریگر اور ماہرین فن۔

(۴) زراعت پیشہ لوگ جن کے بغیر معاشرے کا کوئی طبقہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا، الدوانی نصیر الدین طوسی کی تقلید میں اخلاقی سیرت کے لحاظ سے آدمیوں کی پانچ قسمیں قرار دیتا ہے۔

(۱) پہلا گروہ نیک طینت اور نیک سرشت لوگوں کا ہے جو اپنے قول و فعل کے اعتبار سے لوگوں کو متاثر کرتا ہے، طوسی ان لوگوں کو زبدہ خلائق (انسانیت کی کریم) قرار دیتا ہے، اور حاکم سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی تعظیم و توقیر کرے اور ان کو سب لوگوں (طبقوں) سے افضل جانے، الدوانی کے نزدیک یہ لوگ ارباب تصوف، شیوخ طریقت اور علمائے شریعت ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ فطرتاً نیک ہے، اچھے عمل کرتا ہے لیکن لوگوں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔

(۳) تیسرا گروہ نہ نیک ہے نہ بد یعنی نیکی کا موقع ملے تو نیک اور بدی کا موقع مل جائے تو بد عملی کر گزرتا ہے، یا یہ گروہ اچھے یا برے اثرات سے معاشرے کو متاثر نہیں کر سکتا۔

(۴) چوتھا گروہ، فطرتاً بد ہے، لیکن اپنے اثرات سے دوسروں کو متاثر کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

(۵) یہ گروہ فطرتاً بد ہے اور اتنا قوی ہے کہ اپنے اثرات دوسروں پر ڈال کر معاشرتی بگاڑ پیدا کرتا ہے۔

اس تقسیم کے بعد الدوانی ان محرکات سے بحث کرتا ہے جو نیکی اور بدی کا باعث بنتے ہیں اس سلسلے میں وہ بتلاتا ہے کہ کس طرح ایک عادل حاکم کو ایسے اقدامات اور ذرائع اختیار کرنے چاہیں جو بدی کا قلع قمع کرنے میں ممد و معاون ہوں، وہ کہتا ہے کہ حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات سے بلا واسطہ باخبر رہنے کے اقدامات کرے، اور ان کے معاملات سے شخصی طور پر واقفیت حاصل کرے کتاب کا آخری حصہ بھی اخلاق ناصری ہی سے ماخوذ ہے، جس میں بہت سے سیاسی مقولے پیش کئے گئے ہیں جن کو اقوال زریں کہنا چاہئے، یہ مقولات بھی افلاطون اور ارسطو کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

اخلاق کے بارے میں الدوانی کی سعی بھی ساری کی ساری اس کی اپنی فکر کا نچوڑ نہیں بلکہ یہ ادھر ادھر سے لئے گئے اچھے مواد پر مبنی ہے، جس کو جدید انداز سے ترتیب دے دیا گیا ہے، دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حالات نے الدوانی کو جس قدر آزاد ماحول فراہم کی اس نے قدما کے اچھے خیالات کو بنیاد بنا کر اور کچھ اپنی لیاقت سے ان میں ترامیم و اضافات کر کے "اخلاق جلالی" کے نام سے ایک بھرپور کتاب پیش کی جسے انسانی معاشروں میں صدیوں سے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ (استفادہ از اردو

Marfat.com

دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ و دیگر ذرائع)

ابن العربی کے نزدیک پسندیدہ اخلاق

ابن عربیؒ نے پسندیدہ اخلاق کی یہ اکیس قسمیں بتائی ہیں (بحوالہ ماہنامہ شمس المشائخ ناروال بابت ماہ دسمبر ۱۹۷۱ء)

(۱) **عفت**: ناجائز خواہشوں سے نفس کو روکنے اور اسے اس حد تک قانع رہنے پر مجبور کرنے کا نام عفت ہے کہ صحت ٹھیک رہے۔

(۲) **قناعت**: کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو جس طرح زندگی بسر کرنی پڑے اسی پر خوش رہے، زیادہ کا لالچ نہ کرے، قانع شخص وہی ہے جو حلال کمائی پر گزر اوقات کرے اور ناجائز وسائل سے دولت جمع کرنے میں نہ لگا رہے۔

مسلمانوں کو قناعت کا سبق اپنے ہادی و رہبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ سے لینا چاہئے کہ انہوں نے باوجود وسائل نہ صرف یہ کہ کوئی جاگیر و جائداد نہیں بنائی، بلکہ جو اپنی ذاتی دولت تھی وہ بھی راہ اسلام میں صرف کر دی۔

(۳) **خودداری**: اپنی عزت قائم رکھنے کا نام خودداری ہے اور وہ پھکڑ بازی اور پھکڑ بازوں سے میل جول رکھنے فحش بکنے بکواس تمسخر کرنے سے قائم نہیں رہتی۔

خودداری میں داخل یہ باتیں ہیں: کمینوں اور رذیلوں سے کنارہ کش رہنا بد معاشی اور بخل و خست سے مال جمع نہ کرنا، کمینہ لوگوں کی ناواجب سفارش اور بے قدر آدمیوں کی تواضع سے بالا تر رہنا بلا ضرورت کم باہر نکلنا، بازاری اور چوکوں میں بلا وجہ بیٹھنے سے پرہیز کرنا کیونکہ سب سے زیادہ قدر و منزلت اسی آدمی کی ہے جس کا نام تو ہر زبان پر ہو مگر وہ بہت کم نظر آئے۔

(۴) **حلم**: یہ ہے کہ مقدرت رکھنے کے باوصف سخت غصے کی حالت میں بھی بدلہ لینے سے درگزر کرے یہ وصف حاکموں رئیسوں اور بڑے آدمیوں کے لئے پسندیدہ ہے، مگر جو لوگ بوجہ کمزوری زبردستوں کے مقابل حلم سے کام لیں وہ خوف کی وجہ سے سمجھا جائے گا نہ کہ حلم کی وجہ سے غیرت اور حمیت کے موقعوں پر حلم سے کام لینا پسندیدہ نہیں۔

(۵) **وقار**: یہ ہے کہ آدمی فضول باتوں برے کاموں بے ضرورت اشارہ و حرکت سے باز رہے، غصہ گھٹائے بات توجہ سے سنے اور سوچ سمجھ کر جواب دے تیزی اور اوچھاپن سے کام نہ لے۔

(۶) **حیا**: یہ بھی وقار ہی کے لگ بھگ ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ انسان آنکھ نیچی رکھے اور بڑوں کی عزت و عظمت کے پیش نظر انہیں جواب ترکی بہ ترکی نہ دے، کامل الحیاء والایمان حضرت عثمان ذوالنورین کی صفت ہے۔

(۷) **محبت**: اس سے اوسط درجہ کی محبت مراد ہے جس کی تہہ میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو، وہ محبت پسندیدہ

Marfat.com

ہے، نیک و معزز اور علماء و فضلاء سے ہو، رذیلوں نوخیزوں غیر عورتوں اور نافرمانوں سے محبت رکھنا ھوا ہے، جس محبت کی بناء فضولیات اور نفسانی خواہشات پر ہو ناپائدار اور ناپسندیدہ ہے۔

(۸) رحم: یہ وصف محبت اور درد سے مرکب ہے رحم اس پر کیا جاتا ہے جو کسی قسم کی تکلیف دے یا قصور کرے لہٰذا اس شخص کی محبت اور اس کے دکھ میں ہمدردی کی وجہ سے اس پر رحم کیا جاتا ہے یہ عادت اس حد تک اچھی ہے کہ انصاف و عدل کو بالا سے طاق نہ رکھا جائے، ظلم و ستم سے چشم پوشی نہ کی جائے، تا کہ انتظام میں خلل نہ آئے، قاتلوں، ڈاکوؤں اور چوروں پر رحم کرنا دوسروں پر ظلم کرنا ہے۔

(۹) وفا: اپنے ذمے لئے کام کو پورا کرنا خواہ اس میں تکلیف اور خسارہ بھی ہو وفا ہے، وفادار انسان کی قدر و منزلت میں ذیلوتی ہونے سے اس کی ساکھ اور اعتبار بڑھ جاتا ہے، افسروں کی وفا بہت ضروری ہے تا کہ ان کے ماتحت بھی ان کے وفادار رہیں۔

(۱۰) ادائے امانت: جو مال کسی کے سپرد کیا جائے اسے وقت طلب واپس کر دینا ادائے امانت ہے، امین وہ ہے جو امانت میں خیانت نہ کرے، نبی امین و کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بڑی بیٹی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت ابو العاص بن ربیع کے پاس مکے میں کچھ لوگوں کی امانتیں تھیں، جب انہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کا ارادہ کیا تو پہلے ادائے امانت کے لئے مدینہ سے واپس گئے، امانتیں ادا کیں اور پھر لوٹ کر اعلان اسلام کیا تا کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مال خورد برد کرنے کے لئے ہجرت کر گئے اور مسلمان ہوئے ہیں۔

(۱۱) رازداری: اس خلق کے لئے وقار اور ادائے امانت کے اوصاف کا ہونا ضروری ہے، جو شخص بے ہودہ گوئی کی وجہ سے بے وقار ہو، اور خیانت کرنے والا ہو وہ رازداری نہیں کر سکتا، سول اور فوجی حکام کے ماتحتوں کے لئے رازداری بڑی ضروری ہے، کیونکہ ان کے انکشاف راز سے حکومت میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۱۲) تواضع: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان غرور تکبر چھوڑ دے فروتنی اختیار کرے، اپنی بڑائی کا اظہار پسند نہ کرے، ادب و تعظیم مد نظر رکھے، اپنے مال و جان پر نہ اکڑے، تواضع بڑے آدمیوں کے لئے خوبی ہے، غریب تواضع نہ کریں گے تو اور کیا کر سکتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماگئے ہیں۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

(۱۳) خندہ پیشانی: ملنے والوں سے ہنسی خوشی ملنے کا نام خندہ پیشانی ہے یہ وصف بڑے آدمیوں کے لئے نفع بخش اور نیک نامی کا موجب ہے، جو افسر ماتحتوں سے چیں بجبیں رہے وہ بدنام ہوتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے۔

(۱۴) راست گوئی: کسی بات کا بعینہٖ سچ بیان کرنا راست گوئی ہے بشرطیکہ اس سے کوئی ضرر رساں نتیجہ برآمد نہ ہو، اس بات کو شیخ سعدیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ خیز

Marfat.com

(۱۵) **نیک نیتی:** سب کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھنا خیانت دغا فریب اور دھوکے سے بچنا نیک نیتی ہے، حکام کو اپنے معاونوں خیر خواہوں ماتحتوں رعیت اور فرمانبرداروں کے ساتھ ہمیشہ نیک نیت رہنا چاہئے مگر قوم اور ملک کے دشمنوں سے نہیں، تا کہ حکومت میں خلل واقع نہ ہو۔

(۱۶) **سخاوت:** طلب یا حق کے بغیر کسی کو کچھ دے دینا سخاوت ہے اور یہ اسی حد تک اچھی ہے کہ فضول خرچی کی حد تک نہ پہنچے، ناموری کے خیال سے غیر مستحقوں کو دے کر مستحقوں کی حق تلفی کرنا سخاوت نہیں بلکہ اسراف ہے، بادشاہوں اور مالدار رئیسوں کے لئے سخاوت باعث نیک نامی اور مفید ہے، بادشاہوں اور حکمرانوں کا اپنی سخاوت سے رعایا اور فوج اور معاونین ملک کو فائدہ پہنچانا استحکام سلطنت کا باعث ہوتا ہے۔

(۱۷) **شجاعت:** ضرورت کے وقت خطرات میں پڑنے سے خوف نہ کھانا، دل کو مضبوط رکھنا اور موت کو بے حقیقت سمجھنا شجاعت ہے، یہ وصف سب کے لئے ضروری ہے، خاص کر سالار فوج کے لئے تو شجاعت کا ہونا نہایت اہم ہے (غزوہ حسنین میں جب ناگہانی پتھروں کی بارش سے ساتھیوں کو منتشر ہونا پڑا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برجا رہے، اور یہ شعر پڑھ رہے تھے انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب یہ سن کر سب جانثار پروانہ وار اڈ آئے اور متفقہ حملہ سے دشمن کو شکست دی، جنگ یرموک میں جب کثیر التعداد رومیوں کے حملوں سے اسلامی فوج کے قدم ڈگمگانے لگے تو حضرت عکرمہ بن ابی جہل نے چار سو مجاہدین کو اپنے ساتھ موت کی بیعت میں شامل کیا اور فوج اعدا میں تیغ بکف گھس گئے، اور جان پر کھیل کر دشمنوں کو شکست فاش دی یہ تھی شجاعت حضرت خالد سیف اللہ اور ان کے ماتحت جہاد کرنے والے مجاہدوں کی، رضی اللہ تعالیٰ عنھم (نامی)

(۱۸) **رشک:** کسی شخص میں کوئی اچھا وصف دیکھ کر اسے اپنے لے پسند کرنا اور کوشش سے ویسا ہی بننے کی خواہش کرنا رشک کہلاتا ہے، یہ رشک اس صورت میں اچھا ہے کہ نیکی شرافت اور بزرگی حاصل کرنے کے لئے ہو، نہ کہ ہوا و ہوس کی پیروی یا لذتوں اور بدیوں میں بڑھ نکلنے کی خواہش سے کیا جائے۔

(۱۹) **مشکلات میں صبر:** یہ خلق، شجاعت اور وقار سے مرکب ہے، آدمی مشکلات میں گھرا ہوا ہو اور اس وقت اظہار رنج و غم اور واویلا نہ کرنے تو وہ لوگوں میں سے صاحب وقار اور شجاع سمجھا جاتا ہے، کہ اس نے شدت مشکلات میں کس قدر دل کو مضبوط رکھا اور وقار میں فرق نہیں آنے دیا وہ بے صبری کتنی قبیح ہے جس سے کچھ فائدہ مرتب نہ ہو۔

(۲۰) **عالی ہمتی:** اپنے بڑے سے بڑے کام کو بے حقیقت سمجھنا اور اس سے اور اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کی کوشش کرنا اور محتاجوں کی حاجت روا کر کے نہ اترانا عالی ہمتی ہے حمیت و غیرت اور ننگ و عار بھی عالی ہمتی میں داخل ہے۔

(۱۲) **عدل:** انصاف کے لئے میانہ روی اور کام کو اس کے موقع وقت حیثیت اور اندازے کے مطابق کمی بیشی اور پس و پیش کئے بغیر انجام دینا عدل ہے۔

Marfat.com

رزائل اخلاق (اسباب و محرکات)

جس طرح "حسن اخلاق" زینت دہ انسانیت و رونق دہ عالم ہے اسی طرح "بد اخلاقی" ننگ انسانیت و برباد کن نظم کائنات ہے اور مادی و روحانی امراض کا سرچشمہ۔

اس لئے ضرورت ہے کہ اس جگہ مختصر طور پر بعض اخلاقی امراض اور ان کے علاج کے متعلق بھی کچھ لکھا جائے۔

حسد

کسی شخص کے حسن کمال، لطافت جمال، یا طمانت مال و منال کو دیکھ کر رنجیدہ ہو جانا اور اس کے ان کمالات کی تباہی کا آرزومند ہونا "حسد" کہلاتا ہے۔

یہ ایسا ذلیل اور مہلک مرض ہے کہ جسم و روح انسانی کے لئے "دق" کا حکم رکھتا ہے حسد کی مشتعل آگ دین کو بھی برباد کر دیتی ہے اور جسم کو بھی گھلا گھلا کر جلا ڈالتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے پناہ چاہنے کی تلقین کی ہے۔

ومن شر حاسد اذا حسد (فلق)

اور (میں تیری پناہ چاہتا ہوں) حاسد کے اس شر سے جو حسد کی صورت میں نمودار ہو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رب الیکم دا الامم قبلکم البغضا والحسد ھی الحالقہ الدین لاحالقہ الشعر

آہستہ آہستہ تمہاری جانب امم سابقہ کا مرض بڑھ رہا ہے اور وہ بغض و حسد ہے یہ مرض مونڈ دینے والا ہے بالوں کو نہیں بلکہ دین کو۔

وجوہات: حسد کے متعلق علما اخلاق کی رائے یہ ہے کہ یہ مرض تین اسباب میں سے کسی ایک سبب کی بناء پر وجود میں آتا ہے۔

(۱) حاسد کسی شخص سے بغض رکھتا ہے، اور اس کو پسند نہیں کرتا پس اگر وہ اس کو کسی معاملہ میں بھی خوش حال دیکھتا ہے رنجیدہ ہوتا ہے۔

(۲) ایک شخص اپنے کمالات کا حامل ہے کہ حاسد باوجود سعی بلیغ کے بھی ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہے اس لئے اس کو صدمہ ہوتا ہے اور وہ صاحب کمال کے کمال کی بربادی کا متمنی نظر آتا ہے۔

(۳) حاسد اپنی بری استعداد کی بنا پر کمالات کا دشمن ہے اس لئے جس شخص کو بھی صاحب کمال دیکھتا ہے غم و رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اس کی تباہی کے درپے۔

Marfat.com

علاج: پس اگر پہلی وجہ سے یہ مرض پیدا ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ ضبط نفس کے ذریعہ محبت و رحمت کی استعداد نفس میں پیدا کرے تا کہ محسوذ کے ساتھ بغض باقی نہ رہے اور اس جگہ مودت و رحمت پیدا ہو جائے۔

اور اگر اس کا سبب دوسری وجہ سے متعلق ہے تو انسان مسطور بالا کمالات میں اپنے سے بلند تر انسان پر نظر رکھنے کی بجائے خود سے کمتر انسانوں پر نظر ڈالے تا کہ اس کے دل میں خدا کے شکر و احسان کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اپنی استعداد سے زیادہ کے حصول کی غیر مفید طلب سے ہٹ کر طمانیت قلب حاصل کر سکے، اور پھر محسود کے کمالات پر رشک و ضبط سے زیادہ دل میں اور کچھ باقی نہ رہے۔

اور اگر حاسد کے حسد کا باعث "فضائل میں بخل" ہے تو انسان کا فرض ہے کہ اول ناسور بخل کا علاج کرے اور اس کے بعد اس منحوس مرض سے نجات حاصل کرے۔

ویسے حاسد کے حسد کا علاج محسود کے حسن عمل پر بھی ایک حد تک موقوف ہے اس لئے اس کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ وہ حاسد کا حسد دور کرنے کی کوشش کرے۔

قرآن عزیز نے اس کا بہترین طریقہ یہ بتایاہ۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

جو شخص تیرے درپے آزار ہو تو اس کی مدافعت بہترین اخلاق کے ساتھ کرتا کہ وہ شخص جس کے ساتھ تیری عداوت ہے اس حالت پر پہنچ جائے کہ گویا وہ تیرا جگری دوست ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید میں ارشاد فرمایا ہے۔

ثلثہ من مکارم الاخلاق عنداللہ ان تعفو عمن ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک

اللہ کے نزدیک مکارم اخلاق میں سے یہ تین باتیں پیاری ہیں اگر تجھ پر کوئی ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے، اور اگر تجھے کوئی محروم رکھے تو اس پر بخشش کرے اور اگر تجھ سے کوئی ترک تعلق کرے تو اس کے مقابلہ میں تو اس کے ساتھ تعلقات قائم کرے یعنی بدی کا بدلہ نیکی سے دے۔

کبر

"غرور" امراض اخلاقی میں بد ترین ہے اور رذائل کی اساس و بنیاد اسی مرض پر قائم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

غرور حق کی ضد اور عقل کی تباہی پر قائم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

ان العجب لیاکل الحسنات کما تاکل النار

Marfat.com

الحطب

بلاشبہ غرور نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو

قرآن عزیز میں ہے۔

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل یقیناً نہ تو اس متکبرانہ چال سے زمین کو پھاڑ دے گا اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں تک تو دراز ہو جائے گا۔

"کبر" دراصل نفس کی اس خود پسندی کا نام ہے جو دوسروں کی تحقیر اور اپنی بلندی کے اظہار کے لئے اختیار کی جائے، اس لئے یہ مرض اجتماعی زندگی کے لئے "جذام" کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن عزت نفس کبر نہیں ہے بلکہ وہ محمود و مستحسن خلق ہے جس کا وجود ہر شریف اور بااخلاق انسان میں ضروری ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

التکبر علی الاغنیا تواضع

مالداروں کے سامنے خودداری کا اظہار عین تواضع ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

من خضع مغنی فوضع نفسه عنده طمعنیه ذهب ثلثادینه وشطر مروة

جس شخص نے سرمایہ دار کے سامنے فروتنی کا اظہار کیا اور اپنے نفس کو دنیوی لالچ کی خاطر اس کے لئے پست کیا اس کا دو تہائی دین اور نصف عزت برباد ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

لاینبغی المومن ان یذل نفسه

کسی مرد مومن کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی نفس کو ذلیل کرے۔

علاج: صوفیا کا قول ہے کہ مجاہدات و ریاضات نفس کے باوجود رذائل نفس میں سے سب سے آخر میں جو رذیلہ بمشکل اور بدقت تمام نکلتا ہے وہ "غرور" اور خود پسندی ہے، اور اس کا بہترین علاج نفس کو خدمت خلق پر آمادہ کرنا ہر شخص کی بھلائی چاہنا ہے، اگر انسان نفس کو ان دو امور کا آہستہ آہستہ عادی بنا لے تو اس مرض سے نجات پا سکتا ہے۔

عصبیت

تعصب عصبیت سے ماخوذ ہے جس کے معنی پٹھے اور پھر مضبوطی اور قوت کے ہیں، اعصاب چونکہ گوشت اور ہڈی کے درمیان واصل قوی ہیں اس لئے اعصاب کہلاتے ہیں، اہل قرابت میں سے

Marfat.com

عصبات اس لئے عصبہ کہلاتے ہیں کہ وہ باہم دگر قوت واستحکام کا باعث ہوتے ہیں۔
علم الاخلاق میں عصبیت اس بیجا حمایت کا نام ہے جو مذہب قوم وطن کنبہ وغیرہ کے نام پر اختیار کی جاتی ہے۔
یہ بھی ایک سخت مرض ہے جو زخم کی طرح رس رس کر ناسور بن جاتا ہے، اور اخوت عامہ اور اخوت اسلامی کے لئے زہر ہلاہل ثابت ہوتا ہے۔
تعریف بالا سے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ جو کوتاہ نظر حضرات تعصب مذہبی کو ایک لعنت سمجھتے ہیں وہ اس رذیلہ کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔
دراصل مذہب اور دین کے متعلق جو صحیح حمیت وحمایت قابل مدح وستائش ہے وہ قرآن عزیز کی اصطلاح میں "استقامت" کہلاتی ہے اور اس کی ایک جزئی "غیرت ملی"

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملکہ الاتخافوا ولا تحزنوا وابشر وبالجنہ التی کنتم توعدون

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر جم گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے اور کہتے ہیں کہ تم ہرگز نہ خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو اور جس جنت کا وعدہ دیے گئے تھے اس کی بشارت حاصل کرو۔
اس کے برعکس "عصبیت کی بنیاد" جہل ونادانی اور حدود حق سے تجاوز پر قائم ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لیس منا من دعا الی عصبیہ ولیس منا من مات علی عصبیہ

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف دعوت دے۔ اور نہ وہ ہم میں سے ہے جو عصبیت پر کسی کو قتل کرے اور نہ وہ ہم میں سے ہے جو اسی عصبیت پر مرجائے۔
حضرت وائلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عصبیت کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا۔

ان تعین قومک علی الظلم

عصبیت یہ ہے کہ تو امر ناحق پر اپنی قوم کی مدد کرے۔
البتہ مذہب وملت کے لئے ہی نہیں بلکہ قوم ووطن اور خاندان وقبیلہ کی جانب سے بھی ایسا دفاع جو جہل پر مبنی نہ ہو اور نہ حدود حق سے متجاوز ہو اختیار کیا جائے تو وہ عصبیت جاہلیت سے جدا شے ہے اور محمود ومستحسن ہے۔
ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس میں فرمایا۔

Marfat.com

خیرکم المدافع عن عشیرته عالم یاثم
تم میں سے وہ شخص بہترین ہے جو زیادتی اور گناہ سے بچ کر اپنے خاندان کا بارہ میں حمیت و دفاع کا ثبوت دے۔

علاج: عصبیت جاہلیت کا علاج اخوت و رحمت کا خوگر ہونا ہے۔
ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کرے جو تنگ نظری سے روکتی ہوں اور ایسے رہنماؤں کی سیرت کو پیش نظر رکھے جنھوں نے اخوت اسلامی اور اخوت عام کی خدمت انجام دے کر عصبیت جاہلیت کو مٹایا ہے اور اپنے اندر ان کا نمونہ بننے کے لئے ایسے اخلاق پیدا کرنے کی سعی کرے جن کی بدولت یہ مہلک جرثومہ ہلاک ہو جائے۔

سودی لین دین

سودی لین دین اجتماعی اور معاشی نظام کو گھن کی طرح چاٹ جانے والی بیماری ہے اور بد اخلاقی کے شجر کے لئے ماء حیات کا کام دیتی ہے۔

"سود" ایسے لین دین کا نام ہے جس میں عوض اور بدل یا محنت و مزد ادا کئے بغیر روپیہ کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہو، یعنی اگر کسی کے پاس چند سکے جمع ہیں تو حسن سلوک امداد اور اخوت باہمی کا انسداد کر کے ان کے ذریعہ سے بے محنت نفع اٹھانا سودیار بوا ہے، یہ طریقہ کاروبار اخلاق حمیدہ کو تباہ کرتا، چند انسانوں میں دولت سمیٹ کر عام مخلوق کی بدحالی کا باعث بنتا، بلکہ انسانوں کے درمیان آقا و بندہ کے غیر فطری رشتہ کو ایجاد کرتا ہے۔

اسی لئے قرآن عزیز میں اس کو حرام قرار دیا اور بد اخلاقی کی بدنما مثالوں میں شمار کیا ہے۔

احل اللہ البیع وحرم الربوا
اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کے معاملہ کو درست رکھا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یاایھا الاذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین وان لم تفعلو فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (زمانہ جاہلیت) کا جو سود کسی پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اذن قبول کرو۔

ایک شبہ اور اس کا حل: ممکن ہے یہ کہا جائے کہ موجودہ دنیا کے کاروبار میں باوجود سودی لین دین کی کثرت کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے سود خوار اپنی طبیعت میں نہایت خلیق ملنسار اور حسن اخلاق کا نمونہ نظر آتے ہیں اور صدقہ و خیرات اور داد و دہش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں تو پھر اس کو بد اخلاقی کا پیش خیمہ کہنا کس طرح صحیح ہے؟

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ سود خوار کی طبیعت کا انداز اگرچہ اکثر وہ نہیں ہوتا جو سوال میں مذکور ہے تاہم جن افراد میں یہ اوصاف نظر آتے ہیں وہ حسن اخلاق کے اصول پر ان میں موجود نہیں ہیں، بلکہ اپنے کاروبار کی بہتری غربا اور عوام کی معاشی تباہی پر جو بنیادیں انھوں نے قائم کی ہیں ان کا تحفظ اور مزدو سرمایہ کی جنگ میں شکست کا خوف، ان کو ایسے ظاہری اوصاف پر آمادہ کرتا اور منافقت کا مظاہرہ کراتا ہے۔

ورنہ ان کی اصل فطرت کا مظہر وہ وقت ہوتا ہے جبکہ ایک نادار و مفلس یا حاجت مند کی حاجت کا فائدہ اٹھا کر وہ اس کو سود کے بار سے دباتے، اور انجام کار اس کے تمام دہن دولت کو لوٹ کر "کنز" جمع کرتے ہیں، اور نادار اور اس کے اہل و عیال کی تمام آہ وبکا سے ان کے کان بہرے، آنکھیں اندھی اور زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں، اور بولتے ہیں تو اس طرح گویا ایک دیوانہ ہے جس کو نہ کسی کی مصیبت کی پرواہ اور نہ کسی کے دکھ کا ہوش وہ زر و سیم کے جمع کرنے میں ایک وحشت زدہ کی طرح ہل من مزید کے نعرے لگاتے اور اخوت و رحم کی بنیادوں کو پیروں سے روندتے چلے جاتے ہیں۔

بہرحال کل اور آج کی دنیا نے جواز سود کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔

انما البیع مثل الربوا

خرید و فروخت اور سودی لین دین دونوں یکساں کاروبار ہیں۔

لیکن مذہب کے علاوہ یورپ و ایشیاء کے ان ماہرین معاشیات نے بھی جو دنیا کے امور کو صرف دنیا ہی کی عینک سے دیکھنے کی عادی ہیں اس حقیقت کو تسلیم اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ "سودی سسٹم" عام معاشی نظام کی تباہی میں سب سے زیادہ دخل رکھتا اور دولت کو عوام کے ہاتھوں سے نکال کر ایک مخصوص اور قلیل طبقہ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، اس طرح سرمایہ اور محنت میں صحیح توازن باقی نہ رہنے اور محنت کے بے حیثیت بن جانے کی وجہ سے طبقاتی جنگ کا سبب بنتا ہے، اور انجام کار نظام عالم میں عظیم الشان معاشی تباہی و بربادی لاتا ہے۔

قماربازی

سود کی ایک قسم قمار (جوا) بھی ہے جو بازاری لوگوں سے شروع ہو کر اب مہذب سوسائیٹیوں، کلبوں اور تفریحی مقامات تک پہنچ گیا ہے، یہ کہیں "ریس" (گھوڑ دوڑ) کے موقعہ پر نظر آتا ہے اور کہیں بلیرڈ (پانسوں) کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

درحقیقت یہ سوسائٹی کے لئے ایک بدنما داغ ہے جس کا مٹانا ہر شریف کا فرض ہے، زہر ہلاہل کو کبھی بھی عسل وانگبیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اتفاق سے اس کے کھانے والے موت کی آغوش میں نہیں پہنچے، جو شے اپنی حقیقت کے اعتبار سے مخرب اخلاق ہو وہ چند سرمایہ داروں کی تفریح طبع کے لئے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ تفریح وقت گذاری اس کے لئے وجہ جواز بن سکتی ہے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من

Marfat.com

عمل الشیطان فاجتنبوہ

بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک کار شیطان ہیں پس ان سے بچو

کبھی کبھی یہ خیال دل میں گذرا کرتا ہے کہ سود جوا یا شراب میں صرف برائیاں ہی تو نہیں ہیں، منافع بھی تو ہیں اور دنیا کی ہر شے میں نفع و مضرت دونوں کا ساتھ ہے پھر ان کی حرمت میں یہ شدت کیوں ہے؟

اس کا جواب قرآن عزیز نے یہ دیا ہے اور عین عقل کے مطابق دیا ہے کہ جس شے کے متعلق خراب اور برے ہونے کا حکم لگایا جائے ضروری نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کا بھی نفع نہ ہو بلکہ کسی شے کی برائی اور اچھائی کا معیار اس کے عملی نتائج پر ہے پس جس شے کے نتائج زیادہ سے زیادہ مضرتوں کے حامل اور کم سے کم نفع کو شامل ہیں وہ عقلاً و نقلاً بد اخلاقی میں داخل ممانعت کے قابل ہیں۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع الناس واثمھما اکبر من نفعھما

وہ تم سے شراب اور قمار کے بارہ میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور انسانوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

علاج: یہ امراض انفرادی نہیں ہیں بلکہ اجتماعی ہیں اس لئے کہ یہ معاشی و اقتصادی نظام کے زیر اثر وجود پذیر ہوتے ہیں اور ان کے اثرات افراد سے لے کر قوم و ملت کے مجموعی نظام پر پڑتے ہیں، ایک شخص ابھی لکھ پتی تھا پھر وہ سب کچھ ہار بیٹھا اور کنگال ہو گیا پس ایسے کام کا کیا فائدہ جو معاشی طور پر ہی نہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی ایک طبقہ کو مفلوج کر کے رکھ دے، لہٰذا ہمارا نظام اجتماعی نفع و مفاد اور جملہ مخلوق کی بہتری اور آسودگی کے لئے ہونا چاہئے، اور جس طرح یہ بات قابل تحسین نہیں کہ دو شخص اس بات پر قرعہ اندازی کریں کہ جس کا نام نکلے وہ دوسرے سے سب کچھ چھین لے گا اسی طرح قمار بازی کا معاملہ بھی قابل تحسین نہیں لہٰذا جن باتوں سے وحی الٰہی نے منع کیا ہے ان سے ہر طرح بچنا چاہئے۔ (اخلاق اور فلسفہ اخلاق از حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

فلسفہ اخلاق اور احیا العلوم

یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ امام غزالی نے احیاء العلوم کے ذریعہ اخلاق کی اہمیت کو صحیح معنوں میں چار چاند لگا دئے، اس بارے مولانا شبلی نعمانی نے "الغزالی" میں بھرپور بحث کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فلسفہ اخلاق پر یونانی تصنیفات اور ان کے عربی ترجمے: اسلام میں اخلاق کا فن پند و موعظت کی حیثیت سے تو خود اسلام کے ساتھ آیا، لیکن فلسفیانہ طرز پر اس کی ابتداء اس زمانہ سی ہوئی جب یونانی علوم و فنون کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، ارسطو نے علم اخلاق میں دو کتابیں لکھی تھیں جو بارہ مقالوں میں تھیں پارفیرلیں نے جس کو اہل عرب فرفوریوس کہتے ہیں ان کی تفسیر کی تھی حنین بن اسحاق

Marfat.com

نے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ارسطو نے ایک کتاب اسی فن میں فضائل نفس کے عنوان سے لکھی تھی، جس کو ابو عثمان نے جو یونانی و عربی دونوں میں نہایت کمال رکھتا تھا اس کتاب کا ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ ایک لفظ بھی ترجمہ سے نہیں رہ گیا اور جو لفظ جس لفظ کے مقابلہ میں رکھا بعینہ اسی خیال کو ادا کرتا تھا جو یونانی لفظ سے پیدا ہوتا تھا۔

جالینوس نے بھی بعض مسائل اخلاق پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا موضوع یہ تھا کہ "انسان اپنے عیوب سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے؟" ابن مسکویہ وغیرہ میں اکثر آتے ہیں، ان ترجموں کی مدد سے حکمائے اسلام نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھیں جن میں سے زیادہ تر قابل ذکر یہ ہیں۔

حکمائے اسلام کی تصنیفات: آراء المدینہ الفاضلہ حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیف ہے یورپ میں چھپ گئی ہے، اس میں اخلاق کی نسبت سیاست کے اصول زیادہ لکھے ہیں۔

(۲) **کتاب المبرد الاثم:** بوعلی سینا کی تصنیف ہے اور یہ ایک مختصر ہی کتاب ہے۔

(۳) **تہذیب الاخلاق:** مصنفہ حکیم ابن مسکویہ ابن مسکویہ بوعلی سینا کا معاصر اور بہت سے فنون میں اس کا ہم پلہ تھا یہ کتاب در حقیقت یونانی فلسفہ اخلاق کا عصارہ (نچوڑ) ہے، اکثر جگہ ارسطو جالینوس و بروس کے عربی ترجموں کی اکثر عبارتیں نقل کر دی ہیں یہ تمام تصنیفات فلسفیانہ انداز پر تھیں مذہب سے ان کا لگاؤ نہ تھا۔

فن اخلاق میں مذہبی طرز کی تصنیفات: مذہبی طریقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے قوت القلوب ابو طالب مکی اور ذریعہ الی مکارم الشریعہ الراغب الاصفہانی زیادہ مشہور ہوئیں۔

قوت القلوب میں اگرچہ اخلاق کے تمام ابواب کی سرخیاں قائم کی ہیں تاہم وہ ایک واعظانہ تصنیف ہے۔

ذریعہ میں فلسفہ کی کچھ کچھ جھلک پائی جاتی ہے لیکن وہ اس قدر کم ہے اور کمی کے ساتھ اس پر مذہبی روایات کی اس قدر تہیں چڑھ گئی ہیں کہ دیکھنے والے کو نظر نہیں آسکتی۔

یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب فن اخلاق کا اس قدر معتدبہ ذخیرہ موجود تھا اور جب کہ ابن مسکویہ بوعلی سینا راغب اصفہانی جیسے اہل کمال اس فن پر اپنے دل و دماغ کو صرف کر چکے تھے تو اس بات کی کیا وجہ تھی کہ نہ یہ فن عام ہو سکا نہ اس کے مسائل لٹریچر کے رگ و پے میں سرایت کر سکے بلکہ جب تک امام غزالی نے اس کو اپنے آغوش تربیت میں نہیں لیا وہ اس قابل بھی نہ ہوا کہ علوم مدونہ کی فہرست میں جگہ پا سکے۔

دو قسم کی تصنیفات کے مقبول عام نہ ہونے کی وجہ: حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب سے پہلے جو تصنیفات اس فن کے متعلق موجود تھیں ان میں مقبولیت اور عام رواج کی صلاحیت نہ تھی جو تصنیفات فلسفیانہ انداز پہ لکھی گئی تھیں ان میں ایک طرف تو یہ نقص تھا کہ یہ مشکل پسندی کی وجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہ تھیں، دوسری طرف بڑی کمی یہ تھی کہ مذہبی پیرایہ نہیں رکھتی تھیں اور اس وجہ سے بجز ایک محدود فرقہ کے نہ عام لوگوں میں رواج پا سکتی تھیں نہ ان کے ساتھ وہ عقیدت اور

Marfat.com

کذب فضول کلام نمامی مزاح وغیرہ وغیرہ ایک ایک کا مستقل عنوان قائم کیا اور فلسفیانہ تدقیق کی ساتھ ہر ایک پر گفتگو کی۔

اخلاقی امراض کا استقصاء ابو طالب مکی راغب اصفہانی اور اہل فن نے بھی کیا تھا لیکن ان کی تشخیص و تفحص کے متعلق امام صاحب نے جو موشگافیاں اور نکتہ سنجیاں کیں قدماء کے ہاں اس کا پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔ مثال کے طور پر ان میں سے بعض کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(ا) انسان کو اپنے افعال و اعمال کی نسبت سب سے زیادہ دھوکا وہاں ہوتا ہے جہاں ان پر مذہبی رنگ چڑھا ہوتا ہے وہ ایک کام کو مذہبی نیکی سمجھ کر کرتا ہے، لیکن تہ میں کوی اور چیز ہوتی ہے جو اس کی محرک ہوتی ہے۔

اس نکتہ کو امام صاحب نے جس دقیقہ سنجی سے سمجھا اور جس آزادی سے ظاہر کیا کبھی کسی نے نہ سمجھا تھا نہ کیا تھا احیاء العلوم میں ایک خاص باب اس کے لئے باندھا ہے جس کا نام ذم الغرور رکھا ہے اس میں اہل علم زہاد حجاج وغیرہ کے بہت سے عنوان قائم کئے ہیں اور ایک ایک کی حقیقت کھولی ہے، ارباب مال کے عنوان میں لکھتے ہیں۔

"ان میں بہت سے لوگ مساجد مدارس خانقاہیں تعمیر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، حالانکہ جس آمدنی سے تعمیر کی ہے وہ بالکل ناجائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہے اور آمدنی جائز بھی ہو، تو ان کا مقصود دراصل ثواب نہیں، بلکہ شہرت اور نام آوری ہوتی ہے اسی شہر میں ایسے ارباب حاجت موجود ہوتے ہیں جن کی خبر گیری کرنی مسجد بنانے سے زیادہ موجب اجر ہے، لیکن ان کے مقابلے میں یہ تعمیرات کو ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ تعمیرات سے جو دیرپا شہرت حاصل ہوتی ہے وہ مساکین کے دینے سے نہیں ہو سکتی مساجد وغیرہ کی تعمیر میں زر کثیر نقش و نگار میناکاری زیب و آرائش میں صرف کیا جاتا ہے حالانکہ مسجد کا مقصود ادائے عبادت ہے نہ اظہار شان و شوکت۔

بہت سے لوگ خیرات و زکوٰۃ میں ہزاروں روپے صرف کرتے ہیں اذن عام دیا جاتا ہے، ہزاروں فقراء جمع ہوتے ہیں جو خیرات لیتے جاتے ہیں اور مجمع سے نکل کر تعریفیں کرتے جاتے ہیں بعض سمجھتے ہیں حرمین میں خیرات کرنے سے زیادہ ثواب ہو گا اس غرض سے حج پر حج کرتے ہیں، اور وہاں جا کر ہزاروں روپے خیرات کرتے ہیں حالانکہ اس تمام داد و دہش کا اصلی محرک شہرت اور نام آوری ہوتی ہے ورنہ اگر محض تحصیل ثواب مقصود ہوتا تو اعلان و اشتہار کی کیا ضرورت تھی اس طرح چپکے دیتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

صدقات وجود و سخا کی نسبت امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے سارے کا سارا حسب حال ہے، تمام ممالک اسلامیہ میں آج مسلمانوں کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ لاکھوں کروڑوں روپیہ بے جا وجوہ خیر میں صرف کر دیا جاتا ہے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں جو اپنے دست و بازو سے کما کھا سکتے ہیں لیکن کمانے کے بجائے وہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور لوگ ان کو دے دے کر ان کی عادت کو مستحکم کرتے جاتے ہیں شہر میں سینکڑوں مسجدوں کے باہر موجود ہوتے اور نئی نئی مسجدیں بنتی جاتی ہیں اور جو روپیہ اسلام کے

Marfat.com

دینا چاہیں تو اس کو سمجھایا جائے کہ کسی سے لینا حوصلہ مندی کے خلاف ہے، مفلس کا بچہ ہے تو اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ بخشش و عطا کا قبول کرنا دنائت اور کمینہ پن ہے۔

مجلس میں تھوکنا جمائی اور انگڑائی لینا لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا پاؤں پر پاؤں رکھنا ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی رکھ کر بیٹھنا ان باتوں سے منع کرنا چاہیے۔

قسم کھانے سے بالکل روکنا چاہیے، گو سچی قسم ہو بات خود نہ شروع کرے بلکہ پوچھے تو جواب دے مخاطب کی بات کو توجہ اور غور سے سنے فضول گوئی فحش و شنام اور سخت کلامی سے منع کیا جائے اور جن لوگوں کو ان باتوں کی عادت پڑ گئی ہو ان کی صحبت نہ اختیار کرنے پائے، مکتب سے پڑھ کر نکلے تو اس کو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے کیونکہ ہر وقت پڑھنے اور لکھنے میں مصروف رہنے سے دل بجھ جاتا ہے، ذہن کند ہو جاتا ہے، اور طبیعت اچاٹ جاتی ہے۔

امام صاحب کا یہ دستور العمل بالکل حکیم بروسن یونانی کے اس ہدایت نامہ سے ماخوذ ہے جس کو ابن مسکویہ نے کتاب تہذیب الاخلاق میں حکیم موصوف کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ امام صاحب بچوں کو صلہ اور انعام کے قبول کرنے سے باز رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، افسوس ہمارے زمانے کے عربی مدرسوں کی بنیاد اسی پر قائم ہے کہ طلباء کو آج فلاں شخص نے قربانی کی ایک کھال عنایت کی، فلاں شخص نے کپڑوں کی دھلائی کے پیسے بھیج دیئے، فلاں شخص نے روٹیاں بھیج دیں، طرہ یہ کہ ان واقعات کو مدارس کی سالانہ رپورٹ میں تفصیل کے ساتھ درج کیا جاتا ہے اس قسم کی تربیت سے دنائت اور پست حوصلگی کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا ذرا ذرا سی باتوں پر تکفیر کے فتوے دینا، نذر و نیاز پر گزارا کرنا، عوام کے مذاق کا پابند رہنا یہ سب اسی تعلیم و تربیت کے نتائج ہیں۔

امام صاحب نے تربیت کا جو طریقہ بتایا ہے اگر اس کی تقلید کی جائے تو اسی قسم کے بلند حوصلہ علماء پیدا ہو سکتے ہیں، جیسے خود امام صاحب تھے۔

امام صاحب نے اخلاق کے یہ تمام اصول اور مسائل اگرچہ فلسفہ سے لئے لیکن طرز ادا میں وہ جدت پیدا کی جو خود فلسفہ والوں کو نصیب نہ تھی۔

امام صاحب نے فلسفہ اخلاق پر کیا اضافہ کیا: امام صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اخلاق میں فلسفہ کی آمیزش کی بلکہ نفس فن کو اس قدر وسعت دی کہ یونانیوں کا فلسفہ اخلاق اس کے مقابلے میں قطرہ و دریا کی نسبت رکھتا ہے۔

حکیم ابن مسکویہ نے اپنی کتاب میں جو فلسفہ یونان کا خلاصہ ہے اخلاقی امراض کی صرف آٹھ قسمیں قرار دیں، تہور و جبن، حرص و جمود سفاہت و بلاہت جور و ذلت ان امراض میں سے بھی صرف تہور و جبن کے علاج کے طریقے بتائے باقی کو یا قابل علاج نہیں سمجھا یا بے اعتنائی سے ان پر توجہ نہیں کی، لیکن امام صاحب نے نہایت تدقیق کے ساتھ تمام اخلاقی امراض کا استقصاء کیا اور نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک کی حقیقت و ماہیت تشخیص کی، اور علاج کے طریقے لکھے حسد جاہ پرستی ریا عجب غرور غضب بخل غیبت

Marfat.com

(۴) لوگوں کے اخلاق و عادات کو اپنے عیوب کا آئینہ بنایا جائے، چونکہ افراد انسانی کے عادات و خصائل اکثر ملتے جلتے ہوتے ہیں اس لئے عیب اوروں میں نظر آئے قیاس کرنا چاہئے کہ ہم میں بھی ہو گا پھر جب زیادہ تدقیق کرو گے، تو اصل حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

امام صاحب نے عیوب سے واقفیت کے جو طریقے بتائے، ان میں سے دو پہلو جالینوس نے اپنی کتاب تعرف المرء عیوب نفسہ میں لکھے ہیں اور چوتھا یعقوب کندی کا اختراع ہے۔

بچوں کے اخلاق: چونکہ امام صاحب کے نزدیک اخلاق کی درستی میں تربیت کو بہت دخل ہے، اور تربیت کی بنیاد اصلی بچپن کے زمانہ میں پڑتی ہے، اس لئے امام صاحب نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے قواعد کو ایک دستور العمل کے طور پر مرتب کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

بچہ میں جس وقت تمیز کے آثار ظاہر ہوں اسی وقت سے اس کی دیکھ بھال رکھنی چاہئے بچہ میں سب سے پہلے غذا کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس لئے تعلیم کی ابتداء یہیں سے شروع ہونی چاہئے اس کو سکھلانا چاہئے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے و ستر خوان پر جو کھانا سامنے اور قریب ہو اسی کے طرف ہاتھ بڑھائے ساتھ کھانے والوں پر سبقت نہ کرے، کھانے کی طرف یا کھانے والوں کی طرف نظر نہ جمائے، جلد جلد نہ کھائے، نوالہ اچھی طرح چبائے ہاتھ اور کپڑے کھانے میں آلودہ نہ ہونے پائیں زیادہ خوری کو معیوب ثابت کیا جائے، کم کھانا، معمولی کھانے پر اکتفا کرنا دوسروں کو کھلا دینا ان اوصاف کی خوبی دل میں بٹھائی جائے۔

سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے، اور اس کو سمجھایا جائے کہ رنگین ریشمی زر تار کپڑے پہننا عورتوں اور مخنثوں کا کام ہے جو لڑکے اس قسم کے کپڑوں کے عادی ہوں ان کی صحبت سے بچایا جائے، آرام پرستی اور ناز و نعمت سے نفرت دلائی جائے۔

جب بچے سے کوئی پسندیدہ فعل ظہور میں آئے تو تعریف کر کے اس کا دل بڑھایا جائے، اور اس کو صلہ انعام دیا جائے، اس کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں آئے تو اغماض کرنا چاہئے تا کہ برے کاموں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائے، خصوصاً جب وہ خود اس کام کو چھپانا چاہتا ہو اگر دوبارہ وہ فعل اس سے سرزد ہو، تو تنہائی میں اس کو نصیحت کرنی چاہئے اور یہ سمجھانا چاہئے کہ یہ بہت بری بات ہے لیکن بار بار اس کو ملامت نہ کرنی چاہئے والدین کو لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہروقت زجر و توبیخ نہ کرتے رہیں کیونکہ بار بار کہنے سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہے، اور بچہ زجر و توبیخ کا عادی ہو جاتا ہے۔

دن کو سونا نہ چاہئے بستر پر تکلف اور زیادہ نرم نہ ہونا چاہئے اس کی سخت تاکید رکھنی چاہئے کہ بچہ کوئی کام چھپا کر نہ کرے کیونکہ بچہ اسی کام کو چھپا کر کرتا ہے جس کو برا سمجھتا ہے اس لئے جب چھپا کر کام کرنے کی عادت چھوٹے گی، تو خود بخود تمام برائیاں چھوٹ جائیں گی۔

ہر روز کچھ نہ کچھ پیادہ چلنا اور ورزش کرنی چاہئے تا کہ طبیعت میں افسردگی اور سستی نہ آنے پائے، ہاتھ پاؤں کھلے نہ رکھے بہت جلد نہ چلے دولت مال لباس غذا قلم دوات غرض کسی چیز پر فخر کا اظہار نہ کرنے پائے اگر بچہ امیر ہے اور ریاست و امارات کے اثر سے اس کے ہم صحبت بچے اس کو نذر و پیش کش

Marfat.com

جو کچھ ہے تعلیم و تربیت کا اثر ہے، البتہ تعلیم و تربیت کی قابلیت کے مدارج مختلف ہیں۔ (تہذیب الاخلاق از مسکویہ)

امام صاحب نے ارسطو کی رائے اختیار کی، وہ لکھتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مکمل طور پر پیدا ہوئیں اور ہمارے اختیار سے باہر ہیں، مثلاً آفتاب ماہتاب زمین دوسرے وہ جو ناقص پیدا کی گئیں اور ان میں یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کامل ہو جائیں مثلاً کسی درخت کا بیج کہ اس وقت وہ بیج ہے لیکن درخت بن سکتا ہے اخلاق انسانی اسی دوسری قسم میں داخل ہیں، اس قدر ضرور ہے کہ تمام آدمیوں کی جبلتیں یکساں نہیں ہیں بعض کے اخلاق با آسانی اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں اور بعض کے بمشکل خود اخلاق کے اقسام میں بھی باہم اختلاف ہے شہوت غضب کبر غرور ان میں سے بعض کی اصلاح آسانی سے ہو سکتی ہے، بعض کی مشکل سے۔ (راغب اصفہانی کی کتاب الذریعہ سے ماخوذ)

جو حکماء اخلاق کے ناقابل اصلاح ہونے کے قائل تھے ان کا ایک استدلال یہ بھی تھا کہ اس بات کی ایک مثال بھی دنیا میں موجود نہیں، کہ شہوت غضب خود پرستی وغیرہ کا بالکل استیصال ہو جائے امام صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حاشیا! ان قوی کا معدوم ہو جانا مقصود ہی نہیں یہ تمام قوائے مصالح زندگی کے لحاظ سے پیدا کئے گئے ہیں، غضب کی قوت اگر بالکل مفقود ہو جائے تو انسان اپنے آپ کو دوسروں کے حملہ سے نہ بچا سکے، اور خود ہلاک ہو جائے شہوت کی قوت جاتی رہے تو انسانی نسل منقطع ہو جائے علم اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ یہ تمام قوائے باقی رہیں لیکن ان میں اعتدال آ جائے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں والکاظمین الغیظ کہا (غصے کو تھامنے والے) یہ نہیں کہا کہ جن میں سرے سے غصہ نہ ہو۔

اس بحث کے بعد امام صاحب نے عام طور پر تہذیب اخلاق کے چند قاعدے دیئے ہیں، لیکن چونکہ اخلاق کی اصلاح اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو، اس لئے اس کا ایک خاص عنوان باندھا۔۔۔ اور عیوب سے واقف ہونے کے چار طریقے بتائے۔

(۱) شیخ طریقت سے اس بات کی درخواست کرنا کہ عیوب پر مصلح کرتے رہیں۔

(۲) اپنے خالص اور بے ریا احباب سے اس بات کا خواہاں ہونا کہ اس کے عیوب پر مطلع کرتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب کا تحفہ مجھ کو بھیجے۔

(۳) عیوب پر مطلع ہونے کا بڑا ذریعہ ہمارے دشمن ہیں ہمارے عیب خود نظر نہیں آتے، لیکن دشمن ہمارے پوشیدہ اور دقیق عیوب کی تہ تک پہنچتا ہے، اور ان کو پھیلاتا ہے، اس لئے دشمن کی عیب گیری اپنے عیوب مطلع ہونے کے لئے بہت کام آ سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ تدبیر بھی ہم کو کارگر نہیں ہو سکتی ہمارا نفس ہم کو سمجھاتا ہے کہ فی الواقعہ ہم میں یہ عیوب نہیں بلکہ دشمن کو اس کی وجہ سے ہماری اچھی باتیں بھی بری نظر آتی ہیں یا وہ دانستہ ہمارے ہر فعل کو عیب کا لباس پہناتا ہے۔

Marfat.com

نکلتی ہیں۔

(۱) علم (۲) غضب (۳) شہوت، جبکہ امام غزالی کے نزدیک چوتھی اصل عدل ہے چنانچہ علامہ شبلی کہتے ہیں۔

خلق کے اقسام بہت ہیں، لیکن اصلی ارکان جس سے اور تمام شاخیں نکلتی ہیں، تین ہیں، علم، غضب، شہوت، انہیں تینوں قوتوں کے اعتدال کا نام حسن خلق ہے، کسی شخص میں اگر یہ تینوں قوتیں معتدل ہوں تو وہ پورا خوش اخلاق ہو گا، اگر صرف ایک یا دو ہوں، تو ناتمام جس طرح کسی کے تمام اعضاء خوبصورت ہوں، تو کامل الحسن ہو گا، ورنہ ناقص علم کی قوت کے اعتدال کا نام حکمت ہے اور وہ تمام اخلاق حسنہ کی بیخ و بن ہے۔

غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے بالکل بری ہو یعنی اس طرح عقل کے قابو میں ہو کہ وہ جس طرف بڑھائے بڑھے اور جہاں روکے رک جائے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں، شجاعت کی قوت مختلف مظہروں میں ظاہر ہوتی ہے، اور ہر مظہر کا نام جدا ہوتا ہے، مثلاً خود داری دلیری آزادی علم استقلال ثبات وقار یہ قوت غضب جب اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے تو تہور بن جاتی ہے، اور اس سے سلسلہ بہ سلسلہ غرور نخوت خود پرستی خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہے جب تفریط کی طرف جھکتی ہے تو ذلت پسندی کم حوصلگی بے طاقتی کے قالب میں ظہور کرتی ہے۔

شہوت کی قوت میں جب کامل اعتدال ہوتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں یہی صفت مختلف سانچوں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے یعنی جود حیا صبر درگذر قناعت پرہیز گاری لطیف مزاجی خوش طبعی بے طمعی یہ صفت جب افراط تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس حرص طمع بے شرمی، رندی، بے حیائی تملق حسد رشک وغیرہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

عقل کی قوت معتدل رہتی ہے تو حسن تدبیر جودت ذہن اصابت رائے پیدا کرتی ہے، جب اس میں افراط آتا ہے تو مکر فریب حیلہ سازی عیاری وغیرہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں، اگر تفریط ہوتی ہے سادہ پن نافہمی، ناعاقبت اندیشی کی صورت میں ظہور کرتی ہے، مختصر یہ کہ محاسن اخلاق کے ارکان اصلی تین ہیں حکمت شجاعت عفت جس قدر اور اخلاق حسنہ ہیں سب انہیں کے مختلف قالب اور مختلف مظاہر ہیں۔

امام صاحب نے اخلاق کی یہ تجدید اور تقسیم ابن مسکویہ کی تحقیق کے مطابق کی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ حکیم موصوف نے اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں اس بحث کے متعلق جو کچھ لکھا تھا امام صاحب نے خوبی کے ساتھ اس کو ادا کر دیا، امام صاحب نے اس تجدید و تقسیم کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ اخلاق میں اصلاح و فساد کی قابلیت ہے یا نہیں؟ قدمائے یونان اس بات کے قائل تھے کہ انسان بالطبع شریر اور بد اخلاق پیدا ہوا ہے، لیکن تربیت و تعلیم سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے رواقین اس کے خلاف تھے اور انسان کو بالطبع پاکیزہ خو خیال کرتے تھے۔ جالینوس کا ذاتی مذہب یہ ہے کہ بعض انسان بالطبع شریر ہوتے ہیں بعض بالطبع نیک بعض دونوں کے بیچ بیچ میں ہوتے ہیں، اور صرف یہی اخیر فرقہ اصلاح کے قابل ہوتا ہے ارسطو نے کتاب الاخلاق میں یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ بد اخلاقی یا خوش اخلاقی کوئی چیز انسان کی طبعی اور جبلی نہیں،

Marfat.com

کرنا تہذیب اخلاق میں داخل نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ سچی حمیت اور خود داری پیدا ہو، یعنی نہ بزدلی ہو نہ تہور"

پھر لکھتے ہیں کہ غصہ کا بالکل زائل کرنا کیونکر مقصود ہو سکتا ہے جبکہ خود انبیاء علیہم السلام غصہ و غضب سے خالی نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں آدمی ہوں اور مجھ کو بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح اور آدمیوں کو"

احیاء العلوم کا فلسفہ اخلاق

مولانا شبلی مرحوم نے اس موضوع پر بھی بھرپور بحث کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

احیاء العلوم کا جس قدر حصہ حکمائے یونان سے ماخوذ ہے: امام صاحب نے فلسفہ اخلاق کے ابتدائی اصول تمام تر حکمائے یونان سے لئے ہیں، ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق حکمائے یونان کے فلسفہ اخلاق کا پورا خلاصہ ہے امام صاحب نے احیاء العلوم میں اخلاق کی حقیقت اس کے تقسیم اور انواع پر جو کچھ لکھا ہے تہذیب الاخلاق کو سامنے رکھ کر لکھا ہے، مثلاً خلق کی حقیقت و ماہیت سے جہاں بحث کی ہے، لکھتے ہیں۔

"خلق اور خلق قریب المعنی الفاظ ہیں، جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں، کہ فلاں شخص کا خلق اور خلق دونوں اچھے ہیں، یعنی اس کا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی۔

انسان کی حقیقت: انسان حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے جسم اور روح اور جس طرح جسم کی ایک خاص صورت اور شکل ہے روح کی بھی ہے پھر جس طرح ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا بد صورت کہتے ہیں روحانی صورت کے لحاظ سے اس کو خوش اخلاق یا بد اخلاق کہا جاتا ہے منطق کے اصول کے موافق خلق کی یہ تعریف ہے کہ روح میں ایسے ملکہ راسخہ کا پایا جانا جس کی وجہ سے انسان سے اچھے یا برے افعال بے تکلف آپ سے سرزد ہوں۔

اس تعریف میں تین قیدیں ہیں ملکہ، راسخہ، افعال، کا بلا تکلف سرزد ہونا، پہلی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی شخص کی طبیعت فطرۃ سخی واقع ہو، لیکن افلاس یا کسی مجبوری کی وجہ سے فیاضی کا اظہار نہ کر سکتا ہو تو اس کی سخاوت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرض خلق کے وجود کے لئے افعال کا صادر ہونا شرط نہیں صرف شرط یہ ہے کہ طبیعت میں اس قسم کی کیفیت موجود ہو، کہ اگر کام کرنے کے سامان اور مواقع ہاتھ آئیں تو بلا تکلف وہ کام ظہور میں آئے۔

دوسری قید کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کبھی کبھی اتفاقیہ کسی کام کی طرف رغبت ہو تو وہ خلق میں داخل نہیں، تیسری قید کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت پر زور ڈال کر اپنے غصہ کو تھامتا ہے تو اس کو حلیم نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ فعل اس سے بے تکلف ظہور میں نہیں آتا۔

خلق کے اصل ارکان: مولانا شبلی کے نزدیک خلق کے اصل ارکان تین ہیں، جن سے تمام شاخیں

Marfat.com

پانچویں خصوصیت: ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "انسان متواضع ہو، حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے سخت بات پر اس کو غصہ نہ آئے لہو ولعب سے بالکل محترز ہو، شرگین ہو، قناعت پسند ہو، متوکل ہو مجلس میں بیٹھے تو چپ بیٹھے بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے ہر شخص سے جھک کر ملے غرض جتنی خوبیاں ہوں قوت منفعلہ سے تعلق رکھتی ہوں"

اس کے مقابلہ میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی عمدگی کا یہ معیار ہے کہ "انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرت مند ہو، باحوصلہ ہو، پرجوش ہو، مہمات امور پر اس کی نظر ہو، ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ کا لطف اٹھائے مختصر یہ کہ جو خوبی ہو، وہ قوت فاعلہ کا ظہور ہو۔

دونوں قسم کے مذکورہ بالا اوصاف اپنی اپنی جگہ مدح کے قابل ہیں لیکن ایک کا سیلان پست ہمتی اور دوسرے کا بلند حوصلگی کی طرف ہے اگر کسی قوم میں صرف پہلی قسم کے اوصاف پائے جائیں تو وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی ہماری قوم جو روز بروز تنزل کی طرف مائل ہوتی جاتی ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ علماء وعظ و پند میں جن محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں ان میں جوش بلند ہمی عالی حوصلگی آزادی دلیری عزم واستقلال کا ذکر تک نہیں آتا۔

احیاء العلوم بھی اگرچہ اس داغ سے پاک نہیں چنانچہ عزم ثبات ہمت واستقلال کا کوئی باب نہیں باندھا ہے، تاہم محاسن اخلاق کا پلہ رہبانیت افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پاتا۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم میں سیر ورزش جسمانی اور مردانہ کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے گانے کے متعلق جہاں بحث ہے معترضوں کا یہ قول کہ گانا لہو ولعب میں داخل ہے" نقل کر کے پہلے یہ جواب دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حبشیوں کی بازی گری ملاحظہ فرمائی تھی، پھر لکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ لہو ولعب دل کو فرحت دیتا ہے اور اس سے فکر کی تھکن کم ہو جاتی ہے اور دل کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اس لئے اس کو آرام دینا اس بات کے لئے تیار کرنا ہے کہ وہ کام کے قابل ہو جائے جو شخص رات دن ... میں پڑھا کرتا ہے اس کو چاہئے کہ بعض اوقات خالی بیٹھے کیونکہ خالی بیٹھنا کام کرنے پر اور کھیل کود میں مصروف ہونا سنجیدہ مشاغل کے لئے آدمی کو تیار کر دیتا ہے۔

کم خوری کے فضائل: امام غزالی کم خوری کے فضائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں، "ہم نے بھوکے رہنے کے جو فضائل بیان کئے ہیں ان سے عام لوگ یہ قیاس کریں گے کہ اس میں افراط کرنا ممدوح اور پسندیدہ ہے لیکن حاشا یہ مقصود نہیں یہ شریعت کا گر ہے کہ انسان کی خواہش نفسانی جس چیز کی طرف حد سے زیادہ راغب ہے اور اس حد تک راغب ہونا موجب فساد ہو، تو شریعت اس کے روکنے میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ جاہل آدمی سمجھتا ہے کہ خواہش انسانی کا تا امکان مٹا دینا مقصود ہے لیکن عاقل سمجھتا ہے کہ اصلی غرض اعتدال ہے مثلاً ایک طرف تو طبیعت چاہتی ہے کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ کھایا جائے کھانا چاہئے دوسری طرف شارع نے بھوکا رہنے کی نہایت فضیلت بیان کی ہے اس صورت میں دونوں مقاومت ہو کر اعتدال پیدا ہو جائے گا" اخلاق کے قابل اصلاح ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ "قوت غضبیہ کا زائل

Marfat.com

اس کا رواج نہ تھا' یا وہ میسر نہ آتی ہوگی' یا وہ لوگ ایسی مہمات میں مشغول تھے' اور تلووں میں ہاتھ پونچھ لیا کرتے تھے' لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہاتھ دھونا مستحب نہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ امام صاحب نے معاشرت کے جو آداب لکھے ہیں' مثلاً کھانے کے آداب میں لکھتے ہیں کھانا کسی اونچی چیز پر (عربی میں اس کو خوان کہتے ہیں) رکھ کر کھانا چاہئے کھانے باری باری سے آنے چاہئیں لطیف کھانا (شوربا وغیرہ) پہلے آنا چاہئے اگر اکثر مہمان آچکے ہوں اور صرف ایک دو باقی ہوں تو کھانا شروع کر دینا چاہئے کھانے کے بعد میوے یا کوئی شیرینی آنی چاہئے۔

اسی مضمون میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ تمام کھانوں کے نام پرچہ پر لکھ کر مہمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے ان کی خاص عبارت یہ ہے دیجلی عن بعض اصحاب المروات انه کان یکتب نسخه بما یستحضر من الالوان و یعرض علے الضیفان اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کارڈ آف ٹیبل کا طریقہ یورپ نے ہمیں سے سیکھا ہے' سماع کی بحث ادب خاص میں لکھتے ہیں۔

والقیام عند الدخول لله اخل لم یکن من عاده العرب بل کان الصحابه لایقومون لرسول الله صلی الله علیه وسلم فی بعض الاحوال کمار واه انس و مکی از الم یثیت فیه نهی عام فلانچی فریه باسان البلا والتی جر الصلوة فیها باکرام الداخل بالقیام نسان المتصود نسر الاخترام والا قام وتطیب القلوب نه وکذالک دائر انواع المساعدات از قصدبها الطیب القلب واصطلح علیها جماعته فلا بائں بنساعد تهم علیها بل الاحسن المساعده الافیما ورد فیه نهی لا یقبل التاویل

کسی کے لئے تعظیماً کھڑا ہو جانا عرب کا طریقہ نہ تھا' چنانچہ صحابہؓ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے' جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے لیکن چونکہ اس کے متعلق کوئی نہی عام وارد نہیں ہے اس لئے جن ملکوں میں اس کا رواج ہے ہمارے نزدیک وہاں قیام تعظیمی کرنا کچھ مضائقہ کی بات نہیں کیونکہ اس سے مقصود تعظیم و تکریم ہے اور اس سے دل خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کی اور باتیں بھی جو کسی قوم میں رواج پاگئی ہیں جن سے دل خوش ہوتا ہے جائز بلکہ مستحسن ہیں' البتہ جس فعل کے متعلق کوئی ایسی نہی وارد ہو جس کی تاویل نہیں ہو سکتی ہو وہ بے شک ناجائز ہے۔

Marfat.com

تیسری خصوصیت: اخلاق کی تعلیم میں ایک بہت بڑی غلطی ہمیشہ سے ہوتی آتی ہے، کہ اختلاف طبائع و امزجہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ کسی بانی مذہب کے نزدیک اگر تجرد اور ترک اختلاط پسندیدہ ہے تو وہ چاہے گا کہ تمام عالم تارک الدنیا ہو جائے، دوسرے کے نزدیک اگر حسن معاشرت اور فیض رسانی عام زیادہ مفید ہے تو اس کی خواہش ہو گی کہ سب اسی قالب میں ڈھل جائیں، لیکن چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف ہیں اس لئے اس قسم کی یک طرف تعلیم کا اثر خاص طبائع تک محدود رہ کر باقی ہزاروں آدمیوں کے حق میں بے کار ہو جاتا ہے اس نکتہ کو سب سے پہلے امام صاحب نے سمجھا۔ ان کے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہئے جس شخص کا مزاج قدرتی طور سے معاشرت پسند واقع ہوا ہے، اس کو ہرگز تجرد اور ترک تعلقات کی تعلیم نہیں کرنی چاہئے بلکہ معاشرت کے وہ اصول اور قواعد بتانے چاہئیں جس کے ذریعہ سے اس سے وہ نیکیاں ظہور میں آئیں، جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً رحم حاجت روائی خلق ہدایت عام اسی طرح جس کا مزاج قدرتاً تجرد پسند ہے اس کو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہئے بلکہ گوشہ گیری اور ترک تعلقات کے ایسے اصول سکھلانے چاہئیں جن سے وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہونے پائے۔

چوتھی خصوصیت: امام صاحب نے معاشرت و اخلاق کی بنیاد اگرچہ تمام تر مذہب پر رکھی ہے اور اسی وجہ سے ہر عنوان کی ابتداء میں روایات شرعیہ سے استناد کرتے ہیں، لیکن اس نکتہ کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے، کہ شارع کے کون سے افعال رسالت کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے معاشرت اور عادت کی حیثیت سے آداب طعام پر جو مستقل مضمون لکھا ہے اس میں جہاں کھانا کھانے کے قاعدے لکھے ہیں ایک قاعدہ یہ لکھا ہے "کہ کھانا دستر خوان پر چن کر کھانا چاہئے میز یا صندلی پر رکھ کر کھانا نہیں کھانا چاہئے" اس کی سند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صندلی پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا، پھر قدمائے سلف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ چار چیزیں بدعت ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوئیں (۱) کھانے کی میز یا صندلیاں (۲) چھلنی (۳) اشنان (۴) پیٹ بھر کھانا۔ ان اقوال کے بعد لکھتے ہیں کہ "دستر خوان پر کھانا اچھا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ صندلی پر کھانا مکروہ یا حرام ہے کیونکہ اس قسم کا کوئی حکم شریعت میں وارد نہیں" باقی یہ امر کہ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوئیں تو یہ کوئی کلیہ نہیں کہ ایجاد بدعت ہے بدعت ناجائز صرف وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو یا جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود بقائے مدت کے باطل ہو جائے ورنہ حالات کے اقتضاء کے موافق بعض ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں صندلی پر کھانے میں صرف یہ بات ہے کہ کھانا زمین سے ذرا اونچا ہو جاتا ہے اور کھانے میں آسانی ہوتی ہے، اور یہ کوئی ممنوع امر نہیں جن چار چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے سب یکساں نہیں ہیں۔

اشنان (ایک گھاس کا نام ہے جو صابون کی بجائے ہاتھ دھونے کے وقت استعمال کی جاتی تھی، اس سے ہاتھ دھونا تو اور اچھی بات ہے کیونکہ اس میں صفائی اور نفاست ہے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں تو اور صفائی ہے اگلے زمانے میں اگر اس کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس زمانہ میں

Marfat.com

احیاء العلوم کا زمانہ تصنیف: احیاء العلوم کی نسبت ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ سفر کی حالت میں لکھی گئی، اس پر بعض علماء نے اس بناء پر اعتراض کیا تھا کہ ایک ایسی کتاب جس میں نہایت کثرت سے ہر موقع پر احادیث و آثار کے حوالے ہوں سفر میں نہیں لکھی جا سکتی تھی، لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے بعد کہ احادیث و آثار کا تمام تر حصہ قوت القلوب سے لیا گیا ہے یہ اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے۔

بہر حال اگرچہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ احیاء العلوم بہت کچھ قوت القلوب رسالہ قشیریہ، ذریعہ راغب اصفہانی سے ماخوذ ہے اس میں شبہ نہیں کہ حکمائے یونان نے فلسفہ اخلاق پر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی امام صاحب کے پیش نظر تھا یہ بھی صحیح کہ بوعلی سینا و ابن مسکویہ کی تصنیفات اور اخوان الصفاء کے رسالے بھی ان کے سامنے تھے، لیکن ان تمام تصنیفات کو احیاء العلوم سے وہی نسبت ہے جو قطرہ کو گوہر سے سنگ کو آبگینہ سے کاسۂ سفالین کو جام جم سے ہے۔

احیاء العلوم کی خصوصیات: کے ضمن میں مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں۔

پہلی خصوصیت: بڑی خصوصیت جس نے عام و خاص عارف و جاہل سب میں اس کو مقبول بنا دیا ہے یہ ہے کہ حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ بنایا ہے تحریر و تقریر کا سب سے مشکل پہلو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دو مختلف طبقوں کے آدمیوں سے خطاب کرنا پڑتا ہے واعظ اپنی جادو بیانی سے ایک جم غفیر کو وجد میں لا سکتا ہے، لیکن حکیمانہ طبیعت کا آدمی اس سے متاثر نہیں ہو سکتا برخلاف اس کے ایک حکیم جب معارف و حقائق پر تقریر کرتا ہے تو عوام پر اس کا جادو نہیں چلتا احیاء العلوم میں یہ خاص کرامت ہے کہ جس مضمون کو ادا کیا ہے باوجود سہل پسندی عام فہمی اور دل آویزی کے فلسفہ و حکمت کے معیار سے کہیں اترنے نہیں پایا، یہی بات ہے کہ امام رازی سے لے کر ہمارے زمانہ کے سطحی واعظ تک اس سے یکساں لطف اٹھاتے ہیں۔

دوسری خصوصیت: امام صاحب کے زمانہ تک دستور تھا کہ فلسفہ اور متعلقات فلسفہ پر جس قدر کتابیں لکھی جاتی تھیں، عموماً پیچیدہ اور دقیق عبارت میں لکھی جاتی تھیں اور بوعلی سینا نے تو فلسفہ کو گویا طلسم بنا دیا تھا اس کی کچھ تو وجہ یہ تھی کہ فلسفہ کے مسائل خود دقیق ہوتے تھے کچھ یہ کہ یونانیوں کے زمانہ سے یہ خیال چلا آتا تھا کہ فلسفہ عام فہم نہ کرنا چاہئے کچھ یہ کہ اکثر لوگ یہ قابلیت ہی نہ رکھتے تھے کہ پیچیدہ مطالب کو آسان عبارت میں ادا کر سکیں، فلسفہ کی اور اقسام کی بہ نسبت فلسفہ اخلاق آسان اور سریع الفہم ہے تاہم اخلاق پر بھی جو کتابیں لکھی گئی تھیں، مثلاً کتاب الطہارت لابن مسکویہ اشکال سے خالی نہ تھیں، امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفہ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کئے کہ دقیق سے دقیق نکتے افسانہ اور لطائف بن گئے، ایک ہی مضمون کو کتاب الطہارہ اور حیاء العلوم دونوں میں دیکھو کتاب الطہارہ میں تم کو غور و فکر اور خوض سے کام لینا پڑے گا، اور باوجود اس کے زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ کتاب کا مطلب تمہاری سمجھ میں آ جائے، احیاء العلوم میں یہ معلوم بھی نہ ہو گا کہ تم کوئی علمی کتاب پڑھ رہے ہو صرف یہی نہیں ہو گا کہ تم اس کو سمجھ جاؤ بلکہ دل پر اس کی کیفیت طاری ہو گی اور تم سرتاپا اثر میں ڈوب جاؤ گے۔

Marfat.com

بیاد آر حریفان بادہ پیارا

کے لحاظ سے افادہ عام پر نظر پڑی تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے امیر و غریب عام و خاص، عالم و جاہل، رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، علماء جو وکیل راہ بن سکتے تھے طلب جاہ میں مصروف ہیں یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھا لیا ہے اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں، علماء جو دلیل راہ تھے، زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے جو رہ گئے ہیں وہ نام کے عالم ہیں جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، اور جنھوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے مناظرہ (جو فخر و نمود کا ذریعہ ہے) وعظ و پند جس میں عوام کی دل فریبی اور مسجع فقرے استعمال کیے جاتے ہیں، فتوے دنیا جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے باقی آخرت کا علم تو تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے اور لوگ اس کو بھول بھلا چکے یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی۔

امام صاحب نے اس کتاب میں جو عنوان قائم کئے وہ بالکل نئے نہ تھے خود دیباچہ میں لکھتے ہیں اس موضوع پر اور کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں میری کتاب میں جو خاص خصوصیتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قدیم تصنیفات میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل

(۲) پراگندہ مضامین کی ترتیب۔

(۳) طویل مضامین کا اختصار۔

(۴) مکرر مضامین کا حذف۔

(۵) بہت سے دقیق اور غامض مسائل کا حل جن کا قدیم تصنیفات میں نام و نشان نہ تھا۔

احیاء العلوم جن کتابوں کے نمونے پر لکھی گئی: امام صاحب نے نہایت دیانت داری اور بے نفسی سے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ انہوں نے قدماء کی تصنیفات سامنے رکھ کر یہ کتاب لکھی جن تصنیفات کا امام صاحب نے اشارہ کیا ہے یہ ہیں۔

(۱) رسالہ قشیریہ (۲) قوت القلوب ابو طالب مکی (۳) ذریعہ الی علم الشریعہ راغب الاصفہانی۔

قوت القلوب کا یہ انداز ہے کہ جو عنوان قائم کیا ہے، اس کے متعلق پہلے قرآن مجید پھر احادیث پھر صحابہ رضی اللہ عنہم پھر تابعین کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں، احیاء العلوم کا بھی یہی انداز ہے اور اس طرز میں قوت القلوب کی اس قدر پیروی کی ہے کہ کوئی شخص دونوں کتابوں کا مقابلہ کرے تو امام صاحب کی نسبت اس کو سرقہ کی بدگمانی ہو گی، دو دو چار چار سطروں میں ایک آدھ لفظ کا کہیں فرق ہو جاتا ہے بعض جگہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ اسی کا مرادف لکھ دیتے ہیں۔

علامہ مرتضیٰ حسینی نے احیاء العلوم کی جو شرح لکھی ہے اس میں اکثر التزام کیا ہے کہ احیاء العلوم کی عبارت کی ساتھ قوت القلوب کے الفاظ بھی لکھتے جاتے ہیں جس سے بہ آسانی اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس سے امام صاحب کی تنقیص مقصود نہیں، بلکہ احیاء العلوم کے زمانہ کی تصنیف کے متعلق ایک تاریخی بحث کا فیصلہ کرنا ہے۔

Marfat.com

گرویدگی پیدا ہو سکتی تھی، جو مذہبی تصنیفات کے ساتھ مخصوص ہے ان باتوں کے ساتھ ایک بڑا نقص یہ تھا کہ ان میں بہت سے مسائل اخلاق سرے سے مذکور نہ تھے، اور جس قدر مذکور تھے وہ نہایت مجمل تھے۔

مذہبی طرز کی تصنیفات میں چونکہ فلسفہ و عقلیات کی چاشنی بالکل نہ تھی، اس لئے حکماو ارباب معقول ان سے لطف نہیں اٹھاسکتے تھے بلکہ خود مذہبی گروہ میں جو لوگ دقیق النظراور دقت پسند نہ تھے، ان کو یہ تصنیفات پھیکی معلوم ہوتی تھیں۔

احیاء العلوم دونوں طرزوں کی جامع ہے: امام صاحب نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترتیب دے کر احیاء العلوم تصنیف کی، جس نے تمام نقص پورے کر دیئے اور وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف تو ائمہ اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے دوسری طرف ہنری لوئیس نے تاریخ فلسفہ میں اس کی نسبت یہ لکھا کہ ڈیکارٹ یورپ میں اخلاق کے فلسہ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے کے زمانہ میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر ایک شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے۔

احیاء العلوم کے خلاصہ جات: چنانچہ احیاء العلوم کے خلاصہ جات بھی لکھے گئے مثلاً۔

نام کتاب	نام مصنف
(۱) مختصر احیاء العلوم	شمس الدین محمد بن علی عجلوبی المتوفی ۵۳۱ھ شیخ خانقاہ سعید السعداء مصر
(۲) مختصر لباب احیاء	احمد بن محمد برادر امام غزالی
(۳) مختصر احیاء العلوم	محمد بن سعید یمنی
(۴) مختصر احیاء العلوم	شیخ ابو زکریا یحیی
(۵) مختصر احیاء العلوم	ابو العباس محمد بن موسیٰ الموصل المتوفی ۶۲۲ھ
(۶) مختصر احیاء العلوم	حافظ جلال الدین سیرطی

احیاء العلوم کی عام خصوصیت: احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے ہر بات جادو کر طرح تاثیر کرتی ہے ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے، بغداد میں ان کو تحقیق حق کو شوق پیدا ہوا، تمام مذاہب کو چھانا کسی سے تسلی نہیں ہوئی آخر تصوف کی طرف رخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہیں تھی بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا، اور اس کا پہلا زینہ اصلاح باطن اور تزکیہ نفس تھا، امام صاحب کے مشاغل اس کیفیت کے بالکل سد راہ تھے قبولیت عام ناموری جاو منزلت مناظرات و مجاولات اور پھر تزکیہ نفس فشتان بینھما

ایں رہ کہ میردی تو منزل نمی رود

آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی سخت مجاہدات اور ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی، یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر ہو جاتے لیکن

Marfat.com

نہایت ضروری کاموں میں خرچ ہونا چاہئے تھا وہ اس میں صرف کر دیا جاتا ہے مدارس سے ہر سال نام کے مولوی فارغ ہو کر نکلتے ہیں معاش کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، دیہات میں جاتے ہیں اور اپنی تنخواہ کے موافق چندہ کا بندوبست کر کے جھوٹ موٹ ایک مدرسہ قائم کر دیتے ہیں خود عربی عبارت بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے لیکن دوسرے ہی سال دو چار کو دستار فضیلت بندھوا کر شریعت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتے ہیں' علماء جانتے ہیں کہ ان باتوں سے اسلام کی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں لیکن کس کا حوصلہ ہے کہ منبر پر چڑھ کر صاف کہہ دے کہ یہ ثواب کے کام نہیں ہیں امام غزالی ہی کا دل اور جگر درکار ہے کہ بے خوف لائمہ لائم بے دریغ اس قسم کے خیالات ظاہر کر سکے۔

(۲) انسان سب سے زیادہ غلطی ان موقعوں پر کرتا ہے جہاں ایک کام کے نیک و بد دونوں پہلو ہوتے ہیں، اور دونوں پہلوؤں میں دقیق فرق ہوتا ہے ان موقعوں پر انسان ایسے افعال کو ہمیشہ نیکی کے پہلو پر محمول کرتا ہے، اور غلطیوں میں پڑ کر برائیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے' امام صاحب نے اس عقدہ کو نہایت دقیقہ سنجی سے حل کیا ہے احیاء العلوم کتاب ذم الغرور میں اہل علم کا جو عنوان قائم کیا ہے' اس میں لکھتے ہیں کہ علماء میں سے جو لوگ غرور میں مبتلا ہیں ان کے متعدد گروہ ہیں۔

ایک گروہ ہے جو علم و عمل کا پابند ہے خبائث نفسانی کی ماہیت سے واقف ہے یہ بھی جانتا ہے کہ شریعت نے ان اوصاف کو بہت برا کہا ہے لیکن اپنے نفس کی نسبت اس کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ وہ ان اوصاف سے آلودہ ہو سکتا ہے' جب اس پر ان باتوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس کا نفس عجیب عجیب تاویلوں سے اس کو دھوکے دیتا ہے تکبر اور شہرت پسندی کو وہ اس پر محمول کرتا ہے کہ یہ کبر اور طلب جاہ نہیں بلکہ اسلام کی عزت ہے وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ ذلیل لباس پہننا، مجالس میں نیچے بیٹھنا معمولی حیثیت سے رہنا میں بے تکلف گوارا کر سکتا ہوں لیکن اس سے مذہب کے اعزاز میں فرق آتا ہے' اور دشمنان کی نظر میں علماء کی شان گھٹتی ہے' اسلام کی عزت علم کا شرف مذہب کی تائید اہل بدعت کی تذلیل بغیر اس کے کیونکر ہو سکتی ہے کہ حوصلہ مندی اور بلند نظری سے زندگی بسر کی جائے ہم عصروں کو رشک و حسد کی وجہ سے برا کہتا ہے اور ان پر ردوقدح کرتا ہے لیکن غلطی سے سمجھتا ہے کہ یہ حق پرستی کا جوش ہے اور مفکرین حق کے مقابلہ میں سکوت کیونکر اختیار کیا جا سکتا ہے وہ اپنے زہد اور اتقا کا اظہار کرتا ہے اور اس کو ریاکاری نہیں قرار دیتا بلکہ سمجھتا ہے کہ اگر اعمال و افعال کا نمونہ لوگوں کو نہ دکھلایا جائے گا تو ان کو اچھے کاموں کی رغبت کیونکر ہو سکتی ہے اس کا دل اس کو سمجھاتا ہے کہ لوگوں کو میری پیروی سے ہدایت ہوگی تو مجھ کو اس کا ثواب حاصل ہو گا، اس لئے مقتداء ہونے سے مجھ کو جو غرض ہے صرف یہ ہے کہ ہدایت کا ثواب مجھ کو حاصل ہو، سلاطین کے درباروں میں آمدورفت رکھتا ہے اور ان کی تعظیم و تکریم کرتا ہے' اور جب اس کے دل میں اتفاقاً خیال گزرتا ہے کہ خدانخواستہ اپنے لئے سلاطین سے مال و زر حاصل کرنا مقصود نہیں' البتہ یہ مجبوری ہے کہ ہزاروں آدمیوں کا نفع و ضرر انہیں سلاطین کے ہاتھ میں ہے' اس لئے جب تک ان سے میل جول نہ رکھا جائے خلق خدا کو فائدہ پہنچانا ناممکن ہے۔"

Marfat.com

ہمارا زمانہ اور احیاء العلوم: امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے زمانے سے اس کو مطابق کرو تو گمان ہو گا کہ اسی زمانے کو دیکھ کر لکھا ہے، ہمارے ہاں نہایت چھوٹے چھوٹے اختلافات مذہبی پر نزاعیں قائم ہیں، فریقین کے علماء ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں تصنیفات میں گالیوں کی بھرمار ہوتی ہے مقدمات دائر ہوتے ہیں، اور پھر دونوں فریق کے علماء سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے نصرت دین حمایت مذہب اور احقاق حق کے لئے کیا جا رہا ہے۔

(۳) بعض اخلاقی صفات میں باہم اس قدر نازک اور دقیق فرق ہے کہ ان میں امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے آج کل لوگوں کی عام بداخلاقی کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ وہ ان صفات میں تمیز نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے غلطی سے ان میں مبتلا ہوتے ہیں بخل و کفایت شعاری سخاوت اور اسراف پست ہمتی اور قناعت دنائت اور تواضع غرور اور خودداری اس قسم کے ملتے جلتے اوصاف ہیں کہ مشکل سے ان میں تفرقہ ہو سکتا ہے ہزاروں آدمی اسراف میں مبتلا ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سخی ہیں پست ہمت ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قانع ہیں دنی ہیں اور جانتے ہیں کہ متواضع ہیں، متکبر ہیں اور ان کو یقین ہے کہ خوددار ہیں۔

امام صاحب نے ان مشتبہ الصورت اوصاف کو نہایت نکتہ سنجی سے تحلیل کیا ہے اور ان کے باہمی فرق بتائے ہیں مثلاً بخل کی حقیقت سے جہاں بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

بخل کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ایک گروہ نے یہ تعریف کی ہے کہ نفقہ واجب کا نہ ادا کرنا بخل ہے، لیکن یہ تعریف صحیح نہیں کوئی شخص صرف ایک رتی کی کمی کی وجہ سے قصاب سے گوشت لے کر واپس کر آتے تو وہ ضرور بخیل سمجھا جائے گا، حالانکہ اس نے ادائے واجب میں کمی نہیں کی بعض لوگوں نے یہ تعریف کی ہے کہ جس شخص کو روپیہ پیسہ دینا گراں گزرے وہ بخیل ہے لیکن یہ تعریف بھی صحیح نہیں، نہایت قلیل مقدار کا دینا بخیل کو بھی گراں نہیں گزرتا اور سخی سے سخی آدمی بھی حد سے زیادہ دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

سخاوت کی بھی مختلف تعریفیں کی گئی ہی مثلاً بے مانگے دینا دے کر احسان نہ رکھنا سائل کو دیکھ کر خوش ہونا لیکن یہ تمام تعریفیں بھی ناتمام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مال اس لئے بنا ہے، کہ ضرورت اور حاجت کےموقعہ پر استعمال کیا جائے، استعمال کے تین طریقے ہو سکتے ہیں ضرورت کے موقعہ پر صرف نہ کیا جائے بے ضرورت صرف کیا جائے صرف ضرورت کے موقعہ پر صرف کیا جائے پہلا بخل ہے دوسرا اسراف ہے اور تیسرا سخاوت اس تعریف میں بھی اس قدر اجمال باقی رہتا کہ ضرورت اور حاجت کی کیا تشریح ہو گی، جس چیز کو سخی ضروری سمجھتا ہے بخیل اسی چیز کو غیر ضروری سمجھتا ہے، اس لئے پہلے خود ضرورت کی حقیقت سمجھنی چاہئے ضرورت کی دو قسمیں ہیں ضرورت شرعی ضرورت رواج و عادت ضرورت شرعی سے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شرعاً واجب ہیں مثلاً زکوۃ صدقہ نفقہ اولاد ضرورت رواج کے یہ معنی ہیں کہ ذرا سی چیز میں تنگ دلی نہ کی جائے لیکن اس کا معیار اشخاص اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے ایک امیر کے لئے دو چار پیسے ذرا سی چیز ہیں لیکن غریب کے لئے اتنا ہی بہت ہے اجنبیوں سے جن چیزوں میں تنگ دلی کی جا سکتی ہے آل اولاد میں نہیں کی

Marfat.com

جاسکتی، باپ چچا بھائی ماموں کے مراتب میں جس قدر اختلاف ہے اسی لحاظ سے ان کے ساتھ بخل و سخا کے مراتب میں بھی اختلاف ہوتا جاتا ہے باپ سے جس چیز کا دریغ رکھنا بخل ہے، ممکن ہے کہ چچا کے اعتبار سے وہ بخل نہ ہو، اسی طرح کھانے کپڑے مکان سامان آرائش ہر ایک کی حالت جدا ہے ایک چیز میں جس حد تک تنگ درزی بخل ہے دوسری نہیں ہے اس بنا پر بخل کی یہ تعریف ہے کہ مال کو اس اس چیز کے مقابلہ میں دریغ رکھا جائے جو درحقیقت مال سے زیادہ عزیز ہے مثلاً عزت و آبرو ناموس صلہ رحم وغیرہ وغیرہ۔

سخاوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو کچھ دیا جائے کسی امید طمع مبادلہ شکر گزاری مدح و ثنا کے خیال سے نہ دیا جائے اس لئے کہ بلامعاوضہ دینا سخاوت کی پہلی شرط ہے، اور مذکورہ بالا چیزیں معاوضہ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۴) بعض اخلاقی امراض ایسے ہیں جن کے بہت اقسام ہیں اور ان اقسام میں سے بعض ایسے دقیق ہیں جن کو مریض تو ایک طرف طبیب بھی مشکل سے پہچان سکتا ہے قدماء کی تصنیفات میں ان امراض کا مطلق پتہ نہیں لگتا امام صاحب نے نہایت تدقیق سے ان کی تشریح کی ہے مثلاً ریا کے ذکر میں لکھتے ہیں ریاء جلی وریا کی تین قسمیں جلی و خفی واخفی مثلاً ایک شخص صرف لوگوں کے دکھانے کی غرض سے عبادت کرتا ہے یہ ریاء جلی ہے۔

ریاء خفی: ایک اور شخص ہے جو دکھانے کی غرض سی عبادت نہیں کرتا بلکہ گھر میں جب تنہا رہتا ہے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہو سکتی تب بھی اس کو عبادت قضا نہیں ہوتی لیکن جب اتفاقاً گھر میں کوئی مہمان آجاتا ہے تو ادائے عبادت میں جس قدر اس کا دل لگتا ہے اور جس آسانی سے خود بخود اس سے عبادت ادا ہوتی ہے تنہائی کی حالت میں نہیں ہوتی تھی ریا خفی ہے۔

ریاء اخفی: ایک اور شخص ہے جو کسی کو دکھلانے کے لئے عبادت نہیں کرتا نہ کسی مہمان وغیرہ کے آنے سے اس کی حالت میں کچھ فرق آتا ہے لیکن جب کسی کو اس کی عبادت گذاری کی اطلاع ہوتی ہے تو اس کے دل میں آپ سے آپ ایک قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے یہ ریاء اخفی ہے کیونکہ اس خوشی کا اصلی سبب یہ ہے کہ دل میں ریاء کی کیفیت موجود تھی موقع پاکر ظاہر ہو گئی جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے اور چقماق کے اشارے سے باہر نکل آتی ہے یہ بھی اسی ریاء کا اثر ہے کہ باوجود اس کے کہ انسان لوگوں سے چھپا کر عبادت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی کو اطلاع نہ ہونے پائے تاہم اس بات کا متوقع رہتا ہے کہ لوگ اس سے ادب و تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اگر کسی موقع پر اس کے خلاف پیش آتا ہے تو اس کو گراں گذرتا ہے اور رنج ہوتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں ریا کا اثر موجود ہے کیونکہ بالغرض اگر وہ عبادت گذار نہ ہوتا تو لوگوں سے اس کو ادب و تعظیم کی توقع نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہی توقع تھی جس نے اس سے عبادت کروائی تھی۔

اسی طرح اس سے دقیق تر صورتیں بھی ریا کی امام صاحب نے اخلاص کی بیان میں بیان کی ہیں۔

اخلاقی امراض کا علاج: یہ تمام مباحث امراض اخلاق کی تشخیص اور تعین سے متعلق تھے، ان کے بعد علاج کا مرحلہ ہے حکمائے یونان نے جیسا کہ ابن مسکویہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے علاج کے دو

Marfat.com

طریقے قرار دیئے تھے۔

(۱) ہر مرض کا علاج بالضد کیا جائے مثلاً کوئی شخص بخیل ہے تو اس کو بہ تکلیف سخاوت کرنی چاہئے تا کہ رفتہ رفتہ تمرین واستمراء سے خود بخود اس سے فیاضانہ افعال سرزد ہونے لگیں۔

(۲) چونکہ تمام امراض کی اصلی بنیاد دو چیزیں ہیں غضب جبن اس لئے ان دو مرضوں کا علاج تمام امراض کا علاج ہے۔

غضب جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ آٹھ ہیں عجب، غرور، ہزل مزاح وغیرہ وغیرہ پھر ان آٹھوں کے دفع کرنے کے طریقے بتائے ہیں اور اس کے بعد جبن کا علاج بتایا ہے۔

امام صاحب نے علاج کے پہلے طریقے میں بالکل یونانیوں سے اتفاق کیا، چنانچہ نہایت تفصیل و توضیح سے اس کو اپنی عبارت میں ادا کیا ہے لیکن وہ اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے کہ تمام امراض صرف غضب و جبن سے پیدا ہوتے ہیں ممکن ہے کہ تمام امراض کا سلسلہ کھینچ تان کر انہیں دو چیزوں سے ملا دیا جائے لیکن امام صاحب کے نزدیک ہر مرض کے اسباب جدا جدا ہیں۔

امراض اخلاقی کے اسباب اور علاج: حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کا اصلی کارنامہ جس نے ان کی کتاب کے آگے تمام حکماء اور قدماء کی تصنیفات کو حقیر کر دیا ہے یہی ہے کہ انہوں نے نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر سے ہر مرض کے اسباب الگ الگ تحقیق کئے اور ان کے علاج لکھے نمونہ اس کا ذیل کی مثالوں سے معلوم ہو گا۔

غیبت: یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کا تذکرہ اس طرح کرنا کہ اگر وہ خود سنتا تو پسند نہ کرتا یہ مرض جس قدر مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے دنیا کی کسی قوم کسی فرقہ کسی مذہب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی مسلمانوں کو بالفرض اگر بزور حکومت اس مشغلے سے روک دیا جائے تو دفعتاً ان کی تمام مجلسیں بے لطف اور سرد ہو جائیں گی کیونکہ ان کی گرمئ صحبت کا سب سے بڑا سرمایہ یہی ہے طرہ ہے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ مذموم چیز ہے لیکن اس میں کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ چھوڑی نہیں جا سکتی اس کے علاج کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ مرض کے اسباب پر غور کیا جائے۔

امام صاحب نے نہایت تدقیق اور غور سے اس کے اسباب یہ بتائے ہیں۔

(۱) انسان کو جب کسی بات پر غصہ آتا ہے اور ضبط نہیں کر سکتا تو خواہ مخواہ اس شخص کے عیوب زبان پر آتے ہیں اس سے اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے اپنا انتقام لے لیا اگر کسی وجہ سے اس کو ضبط کرنا پڑا تو وہ غصہ دل میں گھٹ کر رہ جاتا ہے اور ہمیشہ اس شخص کی بدگوئی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

(۲) کسی مجلس میں جب پہلے ہی سے کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو نئے آدمی کو بھی خواہ مخواہ گرمی صحبت کے لئے اس مشغلہ میں شریک ہونا پڑتا ہے کیونکہ اگر وہ ان لوگوں کو ٹوکے یا چپکا بیٹھا رہے تو تمام لوگوں پر بار ہو گا۔

(۳) انسان کو جب اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص میری نسبت برے خیالات دل میں

Marfat.com

رکھتا ہے اور ان کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو حفظ ماتقدم کے لئے وہ خود اس کے عیوب ظاہر کرنے شروع کرتا ہے تا کہ آئندہ اس شخص کی بات بے اثر ہو جائے اور یہ کہنے کا موقع ملے کہ چونکہ میں نے اس شخص کے واقعی عیوب ظاہر کئے تھے میری نسبت جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔

(۴) انسان پر جب کوئی غلط الزام یا عیب لگایا جاتا ہے اور وہ اس سے اپنی برائت ثابت کرنا چاہتا ہے تو اس شخص کا نام لے لیتا ہے جو درحقیقت اس الزام کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ اس کو صرف اپنی برائت پر قناعت کرنی چاہئے تھی۔

(۵) دوسروں کی تنقیص میں ضمناً اپنا کمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً ایک شاعر دوسرے شاعر کی نسبت کہتا ہے کہ اس کا کلام نہایت بدمزہ ہوتا ہے یا اس کو مطلق کہنا نہیں آتا، اس سے درپردہ یہ غرض ہوتی ہے کہ میرا کلام نہایت بامزہ اور لطیف ہوتا ہے۔

(۶) ایک شخص اپنے معاصر کی عزت اور شہرت کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن اس شہرت اور عزت کے مٹانے کی کوئی تدبیر بن نہیں آتی، مجبوراً اس کے عیوب ظاہر کرتا ہے تا کہ لوگوں کے دل میں اس کی وقعت کم ہو جائے۔

(۷) مذاق اور دل بہلانے کے لئے بعض اوقات انسان دوسرے کے عیوب کا خاکہ اڑاتا ہے جس سے حاضرین مجلس کو مزہ آتا ہے اور صحبت گرم ہوتی ہے۔

(۸) کسی کے ساتھ استہزا اور تمسخر کرنا مقصود ہوتا ہے

غیبت کے یہ اسباب عام آدمیوں سے تعلق رکھتے ہیں خواص جن اسباب میں مبتلا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ایک دین دار آدمی جب کسی شخص کو کوئی برا کام کرتے دیکھتا ہے یا لوگوں سنتا ہے تو اس کو تعجب اور حیرت ہوتی ہے اس تعجب کو ظاہر کرنے میں اس شخص کا نام زبان پر آجاتا ہے اور یوں کہتا ہے مجھ کو سخت حیرت ہے کہ زید نے باوجود کمال دین داری کے ناچ کی محفل میں کیونکر شرکت کی۔

(۲) اس قسم کے موقع پر بعض وقت انسان کو افسوس اور رحم آتا ہے اور یوں کہتا ہے افسوس! زید نے شراب پینی شروع کی، جو اس کے رتبہ اور شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۳) کبھی امر بالمعروف کا جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان مرتکب گناہ کا نام لے کر اس کا اظہار کرتا ہے۔

ان تینوں واقعوں میں غیبت کرنے والے کو دھوکا ہوتا ہے کہ وہ غیبت کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ ایک مذہبی فرض ادا کر رہا ہے حالانکہ اس فرض کے ادا کرنے میں نام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

غصہ و غضب

غصہ غضب کی قوت انسان کو کیوں دی گئی؟: انسان کی فطرت خدا نے اس قسم کی بنائی ہے

Marfat.com

کہ اس کے فناء کرنے کے اسباب خود اسے کے اندر اور باہر موجود ہیں، اس کا جسم ہر وقت تحلیل ہوتا رہتا ہے، اور اس لئے اس کو بدل ماتحلیل کی ضرورت پڑتی ہے بیرونی دشمن خود اس کے ابنائے جنس ہیں، ان حالات کے ساتھ چونکہ خدا کو ایک مدت معین کے لئے انسان کو زندہ رکھنا بھی مقصود تھا اس لیے دونوں قسم کی دشمنوں سے بچنے کے لئے سامان پیدا کئے اندرونی دشمن کے مدافعہ کے لئے انسان میں غذا کی خواہش پیدا کی جس کی وجہ سے وہ غذا کا استعمال کرتا ہے اور جس قدر جسم کی مقدار تحلیل ہوتی رہتی ہے غذا جزو بدن ہو کر اس کی مکافات کرتی جاتی ہے۔

بیرونی دشمنوں سے بچنے کے لئے غصہ اور غضب کی قوت پیدا کی جس کا یہ خاصہ ہے کہ جس وقت انسان کو کوئی شخص ضرر پہچانا چاہتا ہے یہ قوت فوراً ہیجان میں آتی ہے اور دشمن کا مقابلہ کرتی ہے اس لحاظ سے انسان میں خواہش اور غصہ دونوں قسم کی قوتوں کا موجود ہونا ایک فطری بات تھی۔

تمام اور قوتوں کی طرح غضب کی قوت کے بھی تین درجے ہیں افراط، تفریط، اعتدال۔

افراط کے یہ معنی ہیں کہ یہ قوت اس قدر بڑھ جائے کہ عقل کے قابو سے نکل جائے اس حالت میں غور و فکر پیش بینی خود اختیاری یہ تمام اوصاف انسان سے مسلوب ہو جاتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتا ہے بے اختیار ہو کر کرتا ہے یہ افراط کبھی فطری ہوتا ہے یعنی بعض آدمی ابتداء ہی سے پر غضب اور مشتعل الطبع پیدا ہوتے ہیں، اور کبھی خارجی اسباب سے پیدا ہو جاتا ہے مثلاً انسان ایسے جاہل اور جنگجو لوگوں میں نشو و نما پائے جن میں اشتعال طبع غضب اور انتقام قابل فخر خیال کیا جاتا ہے اور وہ ان چیزوں کو دلیری اور جواں مردی سے تعبیر کرتے ہیں۔

افراط کی حالت میں غصہ کا اثر تمام اعضاء پر محسوس ہوتا ہے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے ہاتھ پاؤں پر رعشہ پڑ جاتا ہے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، منہ سے جھاگ اڑنے لگتی ہے باچھیں چر جاتی ہیں نتھنے پھول جاتے ہیں، آواز سخت اور کریہہ ہو جاتی ہے زبان سے گالیاں نکلتی ہیں ہاتھ زمین پر دے دے مارتا ہے جو چیزیں سامنے ہوتی ہیں ان کو توڑ پھوڑ کر دکھا دیتا ہے، یہ اثر ظاہری اعضاء تک محدود نہیں رہتا بلکہ باطن میں بھی سرایت کرتا ہے جس پر غصہ آتا ہے، دل میں اس کی عداوت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے حسد رشک استہزاء پردہ دری تک نوبت پہنچتی ہے۔

تفریط کے یہ معنی کہ جس موقع پر غصہ آنا چاہئے وہاں بھی نہ آئے جس کو دوسرے الفاظ میں بے غیرتی بے حمیتی دنائت ذلت پستی کہا جا سکتا ہے منجملہ اور بہت سے نتائج کے اس کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ انسان میں امر بالمعروف کا مادہ باقی نہیں رہتا لوگوں کو سخت بے ہودگیوں کا مرتکب دیکھتا ہے اور اس کو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

افراط و تفریط سے بچنے کا نام اعتدال ہے اور انسان کو اسی حالت کے پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

غصہ کے پیدا ہونے کا اصل سبب: چونکہ غصہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کو مرغوب ہیں اس میں کسی شخص کی طرف سے مزاحمت کی جائے اس لئے پہلے اس بات پر غور کرنا

Marfat.com

چاہئے کہ ہمارے مرغوبات کیا کیا ہیں؟

تمام مرغوبات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں ایک وہ جو مرغوب ہونے کے ساتھ لازمہ زندگی بھی ہیں مثلاً غذا لباس مکان وغیرہ ان چیزوں سے تعرض ہونے کی حالت میں ضرور ہے کہ انسان کو غصہ آئے اور اس سے روکا نہیں جا سکتا اس میں اعتدال کے پیدا کرنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ غصہ کا استعمال بری طرح نہ کیا جائے یعنی مدافعت پر اکتفا کیا جائے اور انسان کی صورت رنگ آواز حرکات و سکنات پر اس کا اثر محسوس نہ ہونے پائے۔

دوسری قسم کے مرغوبات وہ ہیں جو لازمہ زندگی نہیں ہیں مثلاً جاہ شہرت، نام آوری، خواہش، صدر نشینی وغیرہ وغیرہ ان چیزوں میں بھی جب کوئی شخص مزاحمت کرتا ہے تو معمولاً انسان کو خواہ مخواہ غصہ آتا ہے اس میں اعتدال پیدا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جو چیزیں زبردستی مرغوبات میں داخل کر لی گئی ہیں ان کو رفتہ رفتہ کم کیا جائے کیونکہ جس قدر مرغوبات کم ہوں گے، اسی قدر ان کے متعلق مزاحمت کئے جانے سے رنج اور غصہ کم ہو گا۔

انسان کے تمام مختلف گروہ جو آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بغض و خار رکھتے ہیں ان کی ساری عداوت و بغض کا سبب یہی بے ہودہ مرغوبات ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ ہو جہاں جائے لوگ اس کی تعظیم کریں محفل میں اس کو صدر بنائیں وہ کہتا جائے تسلیم کرتے جائیں اس کے سامنے مودب ہو کر بیٹھیں غائبانہ ذکر آئے تو اس کی مدح و تعریف کریں ان باتوں میں سے ایک چیز میں بھی کمی ہوتی ہے تو اس کو رنج و غصہ آتا ہے لیکن یہ رنج و غصہ درحقیقت خود اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر یہ بے ہودہ اور غیر ضروری خواہشیں اس کے دل میں نہ ہوتیں تو اس کو کسی بات پر غصہ نہ آتا۔

علماء مصنفین اور اہل جاہ کے غیظ و غضب کے اسباب یہی غیر ضروری خواہشیں ہوتی ہیں یہ خواہشیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اور جس قدر جزئی جزئی باتوں سے ان کو تعلق ہوتا جاتا ہے، اسی قدر انسان کے غم اور غصہ کے سامان زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔

خدمت گار نے فوراً حکم کی تعمیل نہیں کی کھانے میں ذرا دیر ہو گئی نمک تیز ہو گیا فرش پر سلوٹ رہ گئی غصہ ور آدمی ان میں سے ایک ایک بات پر قابو سے باہر ہو جاتا ہے جس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس نے اپنی خواہشوں کا دائرہ نہایت وسیع کر رکھا ہے، اور ہر خواہش اس قدر عزیز ہے کہ اس میں ذرا سا خلل پڑنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی ناگوار بات کی جاتی تھی تو آپ کے رخسارے سرخ ہو جاتے تھے البتہ یہ فرق تھا کہ غصہ کی حالت میں بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی بات بے جا نہیں نکلتی تھی اسی لئے خدا نے والکاظمین الغیظ کہا والفافدین الغیظ نہیں کہا۔

امر بالمعروف نہی المنکر یعنی اچھی بات کی ہدایت کرنا اور بری بات پر ٹوکنا ایک شرعی حکم ہے اس کی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف وہ شخص جو سلطان وقت کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہے وہ اس

Marfat.com

کام کا مجاز ہے لیکن امام صاحب نے نہایت زور کے ساتھ اس رائے کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ بری بات پر نہایت آزادی کے ساتھ گرفت کرے "اس کی دلیل میں لکھتے ہیں کہ خود بادشاہ اگر غلطی کرے اور اس پر گرفت کیجائے تو دو حالتیں ہیں اگر بادشاہ اس کو جائز رکھے گا تو فبہا ورنہ یہ اس کا دوسرا جرم ہوگا، اور اس پر وہ وجدا قابل مواخذہ ہے۔

اس بحث پر امام صاحب نے بہت سی حکایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ خلفائے عباسی اور دیگر سلاطین اسلام پر لوگوں نے نہایت آزادی اور بے باکی سے گرفتیں کیں۔

پھر اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ بیٹے کو باپ کے غلام کو آقا کے شاگرد کو استاد کے رعایا کو بادشاہ کے مقابلہ میں امر بالمعروف کرنا جائز ہے یا نہیں اس کا فیصل یہ کیا ہے کہ احتساب کے متعدد درجے ہیں تجسس اعلام وعظ و پند زجر و توبیخ دفع بالید تہدید و تخویف زدو کوب عام لوگوں کے مقابلہ میں یہ سب طریقے استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن استاد وغیرہ کے مقابلے میں صرف دو طریقوں سے کام لینا چاہئے اعلام اور وعظ و پند۔

توکل اور قناعت: ایشیائی اخلاق کا سب سے مشتبہ اور نازک مسئلہ توکل اور قناعت کا مسئلہ ہے اس مسئلہ کی غلط فہمی نے تمام ایشیائی قوموں اور خاصۃ مسلمانوں کو ایک مدت سے اپاہج اور نکما بنادیا ہے ہزاروں لاکھوں آدمی سمجھتے ہیں کہ توکل اور قناعت کسب معاش کے چھوڑ دینے کا نام ہے انسان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اس خیال نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مختلف صورتوں میں گداگر بنا دیا ہے، چونکہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور دقیق تھا اور چونکہ اس کی غلط فہمی نے بہت برا اثر پیدا کیا تھا اس لئے امام صاحب نے اس پر نہایت مفصل اور مدلل بحث کی، اعمال المتوکلین کے لفظ سے جو عنوان باندھا ہے اس کی ابتداء اس جملہ سے کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور کیفیت سے اعمال صادر ہوتے ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ اکتساب معاش کے لئے نہ ہاتھ پاؤں ہلائے جائیں نہ کوئی تدبیر سوچی جائے بلکہ آدمی اس طرح بے کار پڑا رہے جس طرح چیتھڑا زمین پر پڑا رہتا ہے۔

یا گوشت تختہ پر رکھا ہوتا ہے لیکن یہ جاہلوں کا خیال ہے کیونکہ ایسا کرنا شریعت میں حرام ہے توکل کی حقیقت اور ماہیت پر امام صاحب نے ایک نہایت بسیط اور دقیق مضمون لکھا ہے اس میں توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ عام خیال سے بالکل ایک جداگانہ چیز ہے وہ لکھتے ہیں۔

توکل دراصل توحید کا نام ہے توحید کے اعتقاد سے ایک حالت طاری ہوتی ہے اور اس حالت کی وجہ سے یہ مخصوص افعال صادر ہوتے ہیں جن کو لوگ توکل سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ توحید کے چار درجے ہیں (۱) زبانی اقرار (۲) اقرار زبانی اور اعتقاد قلبی (۳) کشف کے ذریعے سے یہ مشاہدہ ہونا کہ تمام افعال ذات باری سے صادر ہوتے ہیں، اسباب اور وسائط کو کچھ دخل نہیں، (۴) یہ مشاہدہ ہونا کہ عالم میں ذات باری کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ان مراتب چہارگانہ میں سے دو پہلے مدارہ کو توکل کے وجود میں کچھ دخل نہیں، توکل کی ابتداء تیسرے درجہ سے شروع ہوتی ہی یعنی جب بذریعہ

Marfat.com

کشف یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی علت صرف ذات باری ہے بیچ کے وسائط اور اسباب بالکل بے کار ہیں جس طرح بادشاہ کوئی حکم بذریعہ تحریر کے نافذ کرتا ہے تو کاغذ قلم دوات کو اس حکم کی علت نہیں کہہ سکتے تو انسان کی یہ حالت ہوتی کہ خدا کے سوا اور وسائط اور اسباب اس کی نظر سے بالکل چھپ جاتے ہیں اس حالت میں وہ جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے جو کچھ مانگتا ہے خدا سے مانگتا ہے اس کا نام توکل ہے۔

امام صاحب نے توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ ایک وجد آور کیفیت یا حالت ہے جو ارباب ذوق پر طاری ہوتی ہے بے سبہ یہ حالت جس پر طاری ہو جائے وہ ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو جائے گا' لیکن آج جو لوگ توکل کے مدعی ہیں کیا اس معنی کے لحاظ سے ہیں؟ کیا ان پر یہ کیفیت طاری ہے؟ اگر نہیں ہے تو ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر نذر و نیاز پر زندگی بسر کرنے کا کیا حق ہے؟

امام صاحب نے توکل کی اصلی کیفیت میں بھی یہ جائز نہیں رکھا کہ متوکل شخص اسباب و سائط سے دست بردار ہو جائے وہ لکھتے ہیں' کہ اسباب و سائط کی تین قسمیں ہیں (۱) قطعی (۲) ظنی (۳) احتمالی' قطعی میں اسباب سے قطع نظر کرنا بالکل ناجائز ہے۔

یہ محض جنون ہے اور اس کو توکل سے کچھ لگاؤ نہیں کیونکہ مثلاً اگر تم اس بات کے منتظر رہو کہ تم کو خدا روٹی کے بغیر سیر کر دے گا یا روٹی کو یہ قوت دے گا کہ وہ خود تم تک چل آئے یا کوئی فرشتہ مقرر کر دے گا کہ روٹی کو چبا کر تمہارے معدہ میں ڈال دے تو تم نے خدا کی عادت کو بالکل نہیں پہچانا۔

"ظنی میں بھی اسباب سے قطع نظر کرنا توکل میں مشروط نہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت خواص سفر میں سوئی مقراض رسی اور چھاگل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔"

"البتہ احتمالی اسباب یعنی جن سے کبھی کبھی اتفاقیہ طور سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے ان کی تلاش و جستجو میں رہنا توکل کے خلاف ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔

خانقاہوں میں مقرر روزینے پر بسر کرنا توکل سے بعید ہے' البتہ اگر سوال نہ کیا جائے اور تحف و ہدایا پر قناعت کی جائے تو یہ توکل کی شان ہے لیکن جب یہ شہرت ہو چکی تو خانقاہیں بمنزلہ بازار کے ہیں' اور ان میں رہنا گویا بازار میں رہنا ہے اور جو شخص بازار میں آتا جاتا ہو' وہ متوکل نہیں کہا جا سکتا مگر اس حالت میں کہ اور بہت سی شرطیں پائی جائیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

غرض امام صاحب نے توکل کی جو حقیقت اور احکام بیان کئے وہ توکل نہیں جو انسان کو کاہلی مفت خوری' بیدست وپائی' مہذب گداگری سکھاتا ہے امام صاحب نے اس مضمون میں اس بات کا بار بار اعادہ کیا ہے کہ متوکل کا یہ کام نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کی کمائی کھائے۔

حسد اور رشک

حسد کے پیدا ہونے کا سبب: حسد کے پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کمتر

Marfat.com

اور پست حالت میں نہیں دیکھ سکتا اس لئے جب اس کو کوئی شخص اس سے ممتاز نظر آتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کم سے کم میں اس کے برابر ہو جاؤں برابری کے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں یا یہ شخص بھی اتنا ہی ممتاز ہو جائے یا وہ شخص گھٹ کر اس شخص کی سطح پر آجائے، چونکہ پہلی بات کم نصیب ہوتی ہے اس لئے خواہ مخواہ دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے کسی مصنف یا سپیکر یا واعظ یا ریفارمر کو جب زیادہ فروغ اور زیادہ کامیابی ہوتی ہے تو اکثر اس کے اور ہم فنون کو گراں گزرتا ہے اگرچہ وہ بظاہر اس بات کے آرزو مند نہیں ہوتے کہ اس شخص کی عزت و شہرت جاتی رہے لیکن اگر بالفرض اس کا فروغ کم ہو جائے تو ان لوگوں کو رنج کی بجائے ایک قسم کی راحت معلوم ہوگی کسی مجلس میں اس شخص کے محاسن اور عیوب کا تذکرہ کیا جائے تو یہ لوگ عیوب کے تذکرہ کو زیادہ دلچسپی سے سنیں گے اور اس میں ان کو زیادہ لطف آئے گا جہاں تصنیفات پر اگر ریویو کیا جائے گا تو ان لوگوں کو وہ حصہ زیادہ پسند آئے گا جہاں تصنیف پر نکتہ چینیاں ہوں گی اتنا فرق ہوگا کہ جو زیادہ کمینہ طبع ہوں گے وہ ہر قسم کے عیوب کو ذوق سے سنیں گے اور اس کی داد دیں گے بخلاف اس کے عالی حوصلہ لوگ بے جا نکتہ چینیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے لیکن سچی نکتہ چینیوں میں ان کو بھی مزہ آئے گا جو محاسن کے اظہار میں کبھی نہیں آسکتا تھا۔

حسد کے لئے یہ ضرور ہے کہ آپ سب میں ہم فنی اور ہم پیش گی ہو اگر ایک عالم کو دین دار پر دین دار کو عالم پر زاہد کو واعظ پر شاعر کو نثار پر ریفارمر کو دولت مند پر حسد نہ ہو تو ان کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ حسد کے داغ سے پاک ہیں، ان کو غور کرنا چاہئے کہ خود ان کا کوئی ہم فن خصوصاً جو ظاہری اوصاف میں انہیں کے برابر تھا جب شہرت میں عزت میں جاہ میں شوکت و شان میں ان سے بڑھ جاتا ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے، حسد کے پیدا ہونے کے اسباب جن کی تفصیل امام صاحب نے کی ہے حسب ذیل ہے۔

دشمنی اور عداوت: انسان کی بالطبع یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے دشمن کو ضرر پہنچے اگر خود انسان نہیں پہنچا سکتا تو اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اور اسباب سے اس کو ضرر پہنچائے، اس بناء پر دشمن کے ساتھ حسد کا ہونا لازم ہے نیک سے نیک آدمی بھی یہ بات نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے اس کو دشمنی ہو، اور پھر دشمنی کا رنج و راحت اس کو یکساں معلوم ہو۔

(۲) انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ وہ اوروں سے دب کر رہنا نہیں چاہتا اس لئے جب اس کے ہم عصروں میں کوئی شخص ایسے بلند رتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے غرور و نخوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، تو خواہ مخواہ اس کے رتبہ پر حسد ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس بلند رتبہ سے گر جائے۔

(۳) انسان جن لوگوں سے کسی ذاتی امتیاز کی بنا پر یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اطاعت و ادب سے پیش آئیں ان میں سے جب کوئی شخص زیادہ معزز اور صاحب جاہ ہو جاتا ہے تو حسد پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جس اطاعت اور ادب سے وہ شخص پہلے آتا تھا اب نہ آئے گا بلکہ مجھ کو خود الٹا اس کا ادب کرنا پڑے گا۔

(۴) دو آدمی جب ایک ہی مشترک چیز کے طالب ہوتے ہیں تو خواہ مخواہ ایک دوسرے کا حاسد بن جاتا ہے ہر واعظ چاہتا ہے کہ تمام شہر اس کی سحربیانی کا گرویدہ ہو جائے تلامذہ میں سے ہر ایک کی خواہش

Marfat.com

ہوتی ہے کہ استاد کی توجہ تمامتراس کی طرف ہو، ایک باپ کے جتنے بیٹے ہیں سب کی کوشش ہوتی ہے کہ باپ کی ساری محبت میرے ہی حصے میں آجائے مفتیوں میں سے ہرایک کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے شہر کے فتوے میرے پاس آئیں چونکہ ان مختلف گروہوں کاایک ہی مقصد ہوتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ان میں حسد پیدا ہو۔

(۵) بعض لوگوں کو یکتائی کی ہوس ہوتی ہے اور اس وجہ سے دنیا کے کسی حصہ میں اگر کوئی شخص کسی علم و فن میں شہرت اور قبول عام حاصل کرتا ہے توان کو گوارا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی شان یکتائی میں فرق آتا ہے اور یکتائی سے زیادہ ان کو کوئی چیز عزیز نہیں۔

(۶) بعض آدمی بالطبع خبیث النفس اور تیرہ باطن ہوتے ہیں اس قسم کے لوگ بے وجہ بے سبب تمام لوگوں پر حسد کرتے ہیں، کوئی شخص ہو کہیں کا ہو، کسی طبقہ کا ہو جب کسی چیز میں ممتاز ہو گا ان کو رشک اور حسد ہوگا، حسد کا علاج یہ ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ حسد کرنے میں محسود کو نقصان پہنچتا ہے یا خود حاسد کو یہ ظاہر ہے کہ محسود کو ضرر نہیں پہنچتا بلکہ محسود ہونا چونکہ دلیل کمال ہے اس لئے اس کو اپنے فضل و کمال کی ایک سند ہاتھ آتی ہے، اس کے علاوہ جب محسود کو یہ علم ہوتا ہے کہ میرے مخالف کا دل میری ترقیوں پر جلتا ہے اور اس کو اس کا صدمہ اور کوفت رہتی ہے تو وہ نہایت خوش ہوتا ہے کیونکہ انسان کے لئے مخالف کے رنج اور کوفت سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں اس لحاظ سے کسی پر حسد کرنا اس کو بجائے نقفصان پہنچانے کے مسرور اور خوش کرنا ہے۔

اس کے ساتھ یہ خیال بھی کرنا چاہئے کہ حسد سے انسان کو خود کس قدر دینی اور دنیوی نقصان پہنچتا ہے دینی نقصان تو اس وجہ سے کہ حسد شرعاً نہایت مذموم چیز ہے، اور حاسد کے لئے عذاب دوزخ موجود ہے دنیوی نقصان یہ کہ حسد سے انسان کو ہمیشہ دل میں ایک کوفت سی رہتی ہے اور جس قدر محسود ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر یہ کوفت اور صدمہ بڑھتا جاتا ہے اور چونکہ انسان اس صدمہ کا علانیہ اظہار نہیں کر سکتا اس لئے دل ہی دل میں گھٹتا ہے اور آپ ہی آپ جلا جاتا ہے۔

یہ علاج امام صاحب کی تجویز کے مطابق ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ حسد کا صرف یہ علاج ہے کہ انسان کو اس بات کا یقین آجائے کہ میرا یہ فعل درحقیقت حسد ہے، حسد ایک ایسی ذلیل مذموم اور کمینہ صفت ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ میں اس صفت کا موجود ہونا گوارا نہیں کر سکتا غلطی صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان اپنے حاسدانہ خیالات اور افعال کو حسد پر محمول نہیں کرتا بلکہ اس کے اور اور نام رکھتا ہے مثلاً کسی مصنف کی کتاب نے نہایت شہرت اور قبولیت حاصل کی، اس کے ہمعصر مصنف کو حسد ہوا، اور اس تصنیف پر نکتہ چینیاں شروع کی یہ فعل اگرچہ حقیقت حسد کی وجہ سے ہے لیکن وہ غلطی سے اس کو حسد نہیں خیال کرتا بلکہ سمجھتا ہے کہ علم و فن کو بغیر اس کے ترقی نہیں ہو سکتی کہ تصنیفات و تالیفات کی غلطیاں اور فروگذاشتیں ظاہر کی جائیں۔

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان خود اپنے دل کو ٹٹولے اور چھپے ہوئے اور زیر پردہ جذبات کا سراغ لگائے مثلاً اس بات کا اندازہ کرے کہ جب خود اس کی تصنیفات پر نکتہ چینی اور خردہ گیری کی جاتی

Marfat.com

ہے تو کیا وہ اس کو علم و فن کی ترقی سمجھتا ہے؟ کیا وہ نکتہ چین کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس نے خود نکتہ چینیاں کی تھیں وہ علمی تحریک سے نہیں تھیں بلکہ کوئی اور چیز در پردہ اس کی محرک تھیں وما ابرء نفسی ان النفس لامارہ بالسوء
فلسفہ اخلاق کا سب سے مہتم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ اخلاق کی غرض و غایت کیا ہے یعنی ہم کو کیوں برائیوں سے بچنا چاہئے اور کیوں اچھی باتیں اختیار کرنی چاہئیں۔

واعظین اور زہاد و عباد کے نزدیک اس کا حاصل صرف دوزخ سے نجات ملنا اور لذائذ بہشت کا حاصل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ واعظین کا وعظ عموماً بہشت کی دلفریبیوں کی پرلطف داستان ہوتی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ ایک پست اور متبذل خیال ہے بہشت کا حاصل ہونا اور دوزخ سے محفوظ رہنا بے شبہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ ہے لیکن یہ چیزیں اصلی مقصد نہیں قرار پاسکتیں، بے شبہ ایک عامی اسی کو انتہائے آرزو خیال کرتا ہے لیکن بلند نظری کا یہ اقتضا نہیں، اگر نیکی صرف اس خیال سے کی جائے کہ عاقبت میں اس کا دس گنا عوض ملے گا تو وہ نیکی نہیں تجارت ہے۔

امام صاحب نے اخلاص کے بیان میں یہ مقصد نہایت صفائی اور آزادی سے ظاہر کیا ہے، ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے نزدیک صرف خوف دوزخ نیکی و بدی کی علت ہے اس کو گناہ کے ارتکاب کی بغیر ندامت اور خشوع کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی اس کی حالت بعینہٖ ایسی ہو گی جیسی کسی شخص کا کچھ مال نقصان ہو جائے لیکن ندامت اور پشیمانی اور خشوع سے اس کو واسطہ نہ ہو گا حالانکہ سوز و گداز جو بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول چیز ہے انہیں چیزوں کا نام ہے۔

اخلاق کی اصلاح

امام صاحب نے قوم کے اخلاق کی درستی پر توجہ کی تو سب سے مقدم اور قابل غور مسئلہ یہ تھا کہ ان بد اخلاقیوں کا ذمہ دار کون ہے؟ یا یہ کہ ان کا اصلی مخرج کیا ہے؟ امام صاحب کو اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے کافی وقت اور سامان مل چکا تھا، قومی مجموعہ کے جو اجزاء تھے یعنی سلاطین، وزراء امراء علماء صوفیہ امام صاحب ان سب سے مل چکے تھے، اور اس طرح ملے تھے کہ ان کا کوئی اخلاقی پہلو ان کی نظر سے رہ نہیں گیا تھا، اس تحقیق اور تجربہ کے لحاظ سے امام صاحب نے جو فیصلہ کیا اس کو ہم اپنے الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے خود ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فساد الرعایا بفساد الملوک وفساد الملوک بفساد العلماء وفساد العلماء باستیلاء حب المال والجاہ۔

رعایا اس وجہ سے ابتر ہو گئی کہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی اور سلاطین کی حالت اس وجہ سے بگڑی کہ علماء

Marfat.com

کی حالت بگڑ گئی اور علماء کی خرابی اس وجہ سے ہے کہ جاہ و مال کی محبت نے ان کے دلوں کو چھالیا ہے۔
(احیاء العلوم باب امر بالمعروف)

امام صاحب کو اس فیصلے کی جرات زیادہ تر اس وجہ سے ہوئی کہ ان پر خود یہ حالات گذر چکے تھے۔

محدث عبدالغافر فارسی نے امام صاحب کے دونوں زمانے دیکھے ہیں، ان کا بیان ہے کہ امام صاحب صوفی ہونے سے پہلے نہایت معجب جاہ پسند اور خود پرست تھے۔ (طبقات الشافعیہ لابن السبکی ذکر امام غزالی و شرح احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۸)

اسلام نے حکومت تمدن اخلاق ہر چیز کی اصلی بنیاد مذہب پر رکھی تھی اس بناء پر جو لوگ مذہبی پیشوا تھے وہ قوم کے ہر طبقہ پر ہر حیثیت سے حکمرانی کر سکتے تھے، قرون اولی میں علمائے دین نے اس قوت سے کام لیا اور اس کی وجہ سے قوم کی حالت بہت کچھ اصلاح پاتی رہی، علماء کا یہ اقتدار امام صاحب کے زمانہ تک بھی قائم تھا یہاں تک کہ جب نظام الملک سلجوقی نے تمام ملک سے اپنی نیک نامی کا محضر لکھوایا تو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے محضر پر یہ عبارت لکھ دی کہ نظام الملک اور ظالموں سے اچھا ہے، لیکن اکثر علماء نے اپنی یہ حالت کر لی تھی کہ وہ اس اقتدار سے کام لینے کے قابل نہیں رہے تھے، ان کے اخلاق خود نہایت خراب ہو گئے تھے اور اس وجہ سے وہ دوسروں کے اخلاق کی اصلاح کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے اس بناء پر امام غزالی کے نزدیک تمام قوم کی بداخلاقی کے ذمہ دار علماء ہی تھے۔

علماء کی اصلاح: کوئی شخص اگر امام صاحب کے تمام حالات اور خیالات کو غور کی نگاہ سے دیکھے تو اس کو صاف نظر آئے گا کہ امام صاحب کو سب سے زیادہ جس چیز کا رونا ہے وہ علماء کی حالت ہے یہ آگ ان کے دل میں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ ذرا سی تحریک سے بھڑک اٹھتی ہے کسی قسم کا ذکر ہو کوئی بحث ہو کوئی مذاکرہ ہو یہ پُردرد ترانہ خواہ مخواہ ان کی زبان پر آجاتا ہے اور احیاء العلوم تو سراپا اسی نوحہ سے لبریز ہے، غرور، جاہ، ریا، وغیرہ عیوب نفسانی پر جو مضامین لکھے ہیں سب میں تصریح کی ہے کہ یہ عیوب سب سے زیادہ علماء میں ہیں۔

احیاء العلوم میں ایک خاص باب غرور کے عنوان سے قائم کیا ہے اور غرور کے معنی دھوکہ میں پڑنے کے قرار دیئے ہیں، اس باب میں مغرورین کے چار گروہ قرار دیئے ہیں، علماء، عباد، متصوفہ، امراء، علماء میں سے ہر گروہ یعنی متکلمین، فقہاء قراء، وغیرہ کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے اور نہایت تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے افعال اور اعمال کے متعلق دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

مفتی: ایک گروہ ہے جو رات دن فتاویٰ کے لکھنے میں مصروف ہے لیکن غرور، حسد، غیبت، مال حرام کھانا، سلاطین کی خوشامد کرتے رہنا یہ تمام عیوب اس میں پائے جاتے ہیں اور ان کی اصلاح کی کچھ فکر نہیں۔

ارباب مناظرہ: ایک گروہ ہے جو شب و روز مسائل اختلافیہ کے متعلق بحث و مناظرہ میں مصروف رہتا ہے شب و روز یہ تلاش رہتی ہے کہ فریق مخالف کو کیونکر ساکت کیا جائے، اس کی غلطیوں پر کس طرح

Marfat.com

مواخذہ کی جائے اس کے اقوال میں کیونکر تناقض ثابت کیا جائے۔

وھو لاھم سباع الانس طبعھم الایذا وھم لاسفہ

یہ لوگ درندے ہیں اور لوگوں کا ستانا اور بے ہودہ پن کرنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔

متکلمین: ایک گروہ ہے جو علم کلام میں مصروف ہے، ان کا شغل جرح وقدح، ردو اعتراض، نکتہ چینی، مخالف کی غلطیوں کی جستجو حریف کے بند کرنے کے وسائل کی تلاش ہے حالانکہ ان باتوں سے فریق مخالف کا تعصب اور بڑھتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کے مناظرات و مجادلات سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے اور اس کو برا سمجھتے تھے۔

واعظین: ایک گروہ ہے جو وعظ و پند میں مصروف ہے اور خوف و رجاء صبر و شکر، توکل و زہد، یقین و اخلاص، صدق وغیرہ مضامین کو نہایت موثر طریقے سے ادا کرتا ہے لیکن خود ان باتوں سے بالکل خالی ہے۔

واعظین میں ایک گروہ ہے جس نے وعظ میں عبارت آرائی رنگینی اشعار خوانی، قصہ گوئی کا طریقہ اختیار کیا ہے تا کہ مجلس میں خوب ہو حق ہو اور مجلس کی مجلس وجد میں آجائے۔

یہ لوگ شیاطین الانس ہیں جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، آجکل کے زمانے کے تمام واعظ ایسے ہی ہیں مگرہاں کوئی شخص شاذ و نادر کسی کونے میں اس کے خلاف ہو تو ہو اگرچہ ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہیں۔

امام صاحب نے صرف نکتہ چینی اور عیب گیری پر قناعت نہیں کی بلکہ نہایت غور اور نکتہ سنجی سے علماء کے اخلاق کی خرابی کے اسباب دریافت کیے۔

علماء کے اخلاق کی خرابی کے اسباب: تمام خرابیوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ علماء کو اپنے تمام افعال اور اعمال کی نسبت مذہبی حیثیت کا دھوکا تھا اور اس لئے ان کو اپنی ہر برائی بھلائی کی صورت میں نظر آتی تھی، مثلاً ان کو مخالف پر غصہ آتا تھا اور اس کو برا بھلا کہتے تھے تو سمجھتے تھے کہ اعدائے دین کو خوار اور ذلیل کرنا عین حمیت اسلام ہے یا مثلاً طبیعت میں جاہ پرستی ہوتی تھی تو سمجھتے تھے کہ شان و شوکت سے رہنا مذہب کے اعزاز کے لئے ضروری ہے یا مثلاً مباحثہ و مناظرہ کے ذریعہ سے مقتدائے عام بننا چاہتے تھے تو ان کا نفس ان کی تائید کرتا تھا کہ اہل بدعت کے مقابلہ کرنے سے بڑھ کر اسلام کی کیا خدمت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح تمام برے جذبات ان کو عمدہ پیرائے میں نظر آتے تھے۔

مناظرہ و مجادلہ: اخلاق کی خرابی کا ایک بڑا سبب مناظرہ اور مجادلہ کا رواج تھا دوسری صدی میں یہ طریقہ پیدا ہوا تھا کہ سلاطین اور امراء اپنے درباروں میں مجالس مناظرہ کرتے تھے اور علماء ان میں شریک ہو کر آپس میں علمی مباحثے کرتے تھے، رفتہ رفتہ اس کا عام رواج ہو گیا یہاں تک کہ کسی کے ہاں ماتم پرسی میں بھی علماء جمع ہو جاتے تھے تو مناظرہ شروع ہو جاتا تھا چنانچہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں تبصریح اس رواج کا ذکر ہے، یہ طریقہ اس قدر لازمی ہو گیا تھا کہ جب امام غزالی دوبارہ بغداد میں طلب کئے گئے تو اسی بنا پر انھوں نے انکار کیا کہ وہاں مناظرہ کے بغیر چارہ نہیں اور میں اب مناظرہ سے توبہ کر چکا ہوں۔

یہ طریقہ اگرچہ علم وفن کی وسعت اور ترقی کے لئے مفید تھا لیکن رفتہ رفتہ اس نے بہت سی اخلاقی

Marfat.com

برائیاں پیدا کر دی تھیں۔
امام صاحب نے خاص اس مسئلہ پر احیاء العلوم میں ایک جداگانہ عنوان قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

الباب الربع فی سبب اقبال الخلق علی علم الخلاف و تفصیل افات المناظرہ والجدل وشرط اباحتها

چوتھا باب اس بیان میں کہ لوگ علم خلاف پر کیوں زیادہ گرے پڑتے ہیں اور یہ کہ مناظرہ و جدل میں کیا آفتیں ہیں اور اس کے جائز و مباح ہونے کی شرطیں کیا ہیں۔

اس مضمون میں امام صاحب نے پہلے اس طریقے کے قائم ہونے کی تاریخ لکھی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما چکنے بعد جب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو چونکہ ان کو خود اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اس لئے مسائل فقیہہ وہ خود اپنی اپنی رائے سے فیصل کرتے تھے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر بیٹھے وہ علوم دینیہ سے کم واقفیت رکھتے تھے اس لئے ان کو فقہا سے استعانت کی ضرورت پیش آئی اس زمانے تک ایسے فقہاء موجود تھے جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اندازہ پایا جاتا تھا اور اس لئے وہ سلطنت اور حکومت کے تعلقات سے گریز کرتے تھے لیکن چونکہ ان کے بغیر افتا اور عدالت کا کام نہیں چل سکتا تھا خلفائے بنو امیہ کو ان کی خدمت میں منت و لجاجت کرنی پڑتی تھی۔

یہ حالت دیکھ کر تمام لوگ فقہ پر ٹوٹ پڑے اور اس فن میں مہارت حاصل کر کے معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے لیکن جس قدر ان کی تعداد بڑھتی گئی ان کی قدر اور ان کا اعزاز گھٹتا گیا نوبت یہ پہنچی کہ فقہا پہلے مطلوب تھے تو اب طالب بن گئے۔

اسی زمانے میں سلاطین کو مناظرے و مباحثے کے تماشا دیکھنے کا شوق ہوا ان کی رغبت پر علماء نے اس طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل فن بن گیا جو آج تک برابر ترقی کرتا جاتا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے نہایت تفصیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مناظرے سے تفاخر، حسد، رشک، ضد، جاہ پرستی، حب مال فضول گوئی اور قساوت قلب پیدا ہوتی ہے آخر میں لکھتے ہیں۔

"بڑے بڑے دین دار اور بڑے بڑے عاقل علماء میں بھی جو مناظرے کے شغل میں رہتے ہیں ان اوصاف کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور پایا جاتا ہے۔"

علماء دلیری کے ساتھ قوم کی بداخلاقیوں کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علماء ہر قسم کے ذرائع معاش کو چھوڑ کر سلاطین اور امراء کی وظیفہ خوار بن گئے تھے اس وظیفہ خواری نے ان کی زبانیں بند کر دی تھیں، وہ ہر قسم کے ظلم جور، تعدی کو جو رعایا پر ہوتی تھیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے زبان تک نہیں ہلا سکتے تھے سلاطین اور امراء حد سے زیادہ عیاش اور شہوت پرست ہوتے جاتے تھے اور

Marfat.com

ان کی دیکھا دیکھی عوام میں یہ اثر پھیلتا جاتا تھا لیکن علماء مطلق روک ٹوک نہیں کر سکتے تھے اور کیونکر کرتے۔

آستین　شکر　آلود　مگس　راں　نشود

جب آستین کو شیرہ لگا ہو --- تو وہ مکھیوں کو اڑانے کا فریضہ کیسے انجام دے؟

نے اس طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل فن بن گیا جو آج تک برابر ترقی کرتا جاتا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے نہایت تفصیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مناظرے سے تفاخر، حسد، رشک، ضد، جاہ پرستی، حب مال فضول گوئی اور قساوت قلب پیدا ہوتی ہے آخر میں لکھتے ہیں۔

"بڑے بڑے دین دار اور بڑے بڑے عاقل علماء میں بھی جو مناظرے کے شغل میں رہتے ہیں ان اوصاف کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور پایا جاتا ہے۔"

علماء دلیری کے ساتھ قوم کی بداخلاقیوں کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علماء ہر قسم کے ذرائع معاش کو چھوڑ کر سلاطین اور امراء کی وظیفہ خوار بن گئے تھے اس وظیفہ خواری نے ان کی زبانیں بند کر دی تھیں، وہ ہر قسم کے ظلم جور، تعدی کو جو رعایا پر ہوتی تھیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے زبان تک نہیں ہلا سکتے تھے سلاطین اور امراء حد سے زیادہ عیاش اور شہوت پرست ہوتے جاتے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی عوام میں یہ اثر پھیلتا جاتا تھا لیکن علماء مطلق روک ٹوک نہیں کر سکتے تھے اور کیونکر کرتے۔

آستین　شکر　آلود　مگس　راں　نشود

جب آستین کو شیرہ لگا ہو --- تو وہ مکھیوں کو اڑانے کا فریضہ کیسے انجام دے؟

وظیفہ خواری کی برائی: اس بناء پر امام صاحب نے خاص اس بحث پر کہ سلاطین کی وظیفہ خواری جائز ہے یا نہیں ایک نہایت مفصل اور مدلل مضمون لکھا اور یہ فیصلہ کیا کہ وظیفہ خواری (بلحاظ اغلب) حرام مطلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

ان اموال السلاطین فی عصرنا حرام کلها او اکثرها فکیف لا والحلال هوا الصدقات والفی والغنیمه ولا وجود بها ولم یبق الا الجزیه وانها نوخذ بانوع من الظلم لا یحل اخذها به

سلاطین کی تمام آمدنیاں ہمارے زمانہ میں کل یا قریب کل محض حرام ہیں اور کیوں حرام نہ ہوں، حلال آمدنی صرف زکوٰۃ فے (خراج) اور غنیمت ہے سو ان کا سرے سے وجود نہیں رہ گیا جزیہ وہ ایسے ناجائز ظالمانہ طریقے سے وصول کیا جاتا ہے کہ حلال نہیں رہتا۔

علماء وظائف کو اس بناء پر جائز سمجھتے تھے کہ قرون اولیٰ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کو سلطنت کی طرف سے وظائف ملتے تھے اور وہ لوگ قبول کرتے تھے امام صاحب اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ

Marfat.com

قیاس مع الفارق ہے اولاً تو اس زمانہ میں محاصل سلطنت ایسے مشتبہ نہ تھے دوسرے بڑا فرق یہ ہے کہ اس زمانہ میں امراء اور حکام علماء کی استمالت اور رضاء جوئی کے حاجت مند تھے خود ان کی طرف سے درخواست اور آرزو ہوتی تھی، اور علماء میں سے کوئی شخص وظیفہ قبول کر لیتا تھا تو وہ آپ ممنون ہوتے تھے اس وجہ سے صحابہؓ و تابعین کو باوجود وظیفہ خواری کے امر حق کے اظہار میں کبھی باک نہیں ہوتا تھا وہ بھرے درباروں میں خلفائے بنو امیہ کو زجر و توبیخ کرتے تھے اور خلفاء ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے بخلاف اس کے آج کل وظایف کے حاصل کرنے کے لئے یہ امور اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

(۱) سوال (۲) دربار کی آمد و رفت (۳) دعا و ثناء (۴) بادشاہ کے اغراض و مطالب میں اعانت (۵) جلوس وغیرہ میں شرکت (۶) جان نثاری کا اظہار (۷) سلاطین کے عیوب کی پردہ پوشی وغیرہ یہ شرائط گنا کر امام صاحب لکھتے ہیں۔

لم ینعم علیهم بدرهم واحد ولو كان فی فضل الشافعی

کہ اگر ان میں سے ایک شرط کی بھی تعمیل رہ جائے تو سلاطین ایک درہم بھی نہ دیں گے گو مولوی صاحب کا رتبہ امام شافعی کے برابر ہو۔

Marfat.com

حیات انسانی کے معاشرتی معاشی اور سیاسی رویئے اور اخلاق

(عملی زندگی اور اخلاق کے درمیان پائے جانے والے تعلق کا مطالعہ)

اسلام میں ہر اچھا عمل عبادت ہے، لیکن معاملات اور افعال کا ایک سلسلہ ایسا بھی ہے جو اصطلاحی طور پر عبادات اور معاملات کے درمیان ہے، اس سلسلہ امور کو نہ تو عبادات کی طرح داخلی قرار دیا جا سکتا ہے، اور نہ معاملات کی طرح تنفیذی اور خارجی یہ افعال ایسے ہیں جو جبراً نہیں بلکہ برضاو رغبت انجام دیئے ہوتے ہیں اگر دل روحانی طور پر صحت مند ہو گا تو یہ افعال حسین اور خوشگوار ہوں گے ورنہ اس کے برعکس بخاری شریف میں دل کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے کہ۔

یعنی انسانی بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، وہ اگر اصلاح شدہ ہو تو سارا بدن درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام بدن میں بگاڑ کا موجب ہو گا اور وہ ہے "دل"

معاشرے میں نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، معاشی معاشرتی اور سیاسی حالات تبدیل ہوتے رہنا انسانی زندگی کے لئے کبھی باعث حیرت نہیں رہا ارشاد خداوندی ہے۔

تلک الدیام نداولھا بین الناس

ہم اچھے برے ایام لوگوں میں ہرا پھرا کرلاتے ہیں (تا کہ آزمائش کی جا سکے)

چنانچہ اسلامی اخلاق کے ماخذ قرآن و حدیث قیاس اور اجماع تسلیم کئے جاتے ہیں، قرآن و حدیث کے احکامات اٹل ہیں، لیکن قیاس و اجماع حالات اور بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار میں قرآن سنت کی روشنی میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا نام ہے، اسلام میں اخلاق کا تصور اگرچہ روحانی اور دینی ہے مگر اس کا دائرہ عملی اور عمرانی بھی ہے جس کا سرچشمہ نیکی کی فطری صلاحیت ہے، لیکن اس کی ترقی اور تعلیم تزکیہ نفس وغیرہ کا انحصار عملی مشق پر ہے، کیونکہ اسلام فرد کی ذاتی تسکین کے ساتھ ساتھ اجتماعی عدل اور معاشرتی حسن کا بھی علمبردار ہے تا کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی میں بہار آ سکے اور اسلامی معاشرہ سکون و راحت پا کر رضائے الٰہی کا مستحق قرار پا سکے۔

اسلامی معاشرت میں قانونی لحاظ سے تین باتوں پر زور دیا جاتا ہے۔

(۱) خدا کی بادشاہت اور حاکمیت کا نفاذ، قرآن و سنت کی روشنی میں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ان الحکم الاللہ (انعام-۵۷)

(۲) حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا نفاذ و قیام بذریعہ الو الامر منکم

(۳) اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم اور نفوس کی پاکیزگی کی خاطر عدل و انصاف اور صفات خیر کی حفاظت۔

اسلامی قانون کسی فرد یا جماعت کے استحصال کے صریحاً خلاف ہے، اور انسانی اخوت مساوات اور عدل و انصاف کی صفات پیدا کرنے پر زور دیتا ہے، چنانچہ اسلامی قانون معاشرت کی تشکیل چار مرحلوں پر

Marfat.com

مشتمل ہے۔
(۱) حضور علیہ السلام کا زمانہ اقدس جو خصوصاً ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور آپ کے وصال پر ختم ہوتا ہے، اس دور میں دس سال تک حضور نے قرآنی قوانین دیئے اور تفسیرات سے وضاحت فرمائی۔
(۲) خلافت راشدہ کا دور جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تربیت یافتہ صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ نے معاشرتی معاشی اور سیاسی اخلاقیات کو مدون کیا اور ایسی نظیریں قائم کیں جو آگے چل امت کے لئے مشعل راہ بن گئیں۔
(۳) تیسرے مرحلے میں صحابہؓ کے تربیت یافتہ حضرات آگے بڑھے اور انہوں نے فقہ کے میدان میں قرآن و سنت سے استفادہ کر کے نئے نئے مسائل کے حل پیش کیئے، اسی دور میں اہل سنت کے فقہی مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑی۔
(۴) چوتھے مرحلے میں ہر مسلک کے فقہاء نے اپنے اپنے ائمہ کے مسلک کی تعبیر و تشریح پر توجہ دی، علامہ الخضری (تاریخ فقہ اسلامی اردو ترجمہ عبد السلام ندوی صفحہ ۲) کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تیسرے دور میں تو مسائل کی تحقیق کے لئے جدل و مناظرہ کی گرم بازاری ہوئی اور چوتھے دور میں تحقیق و اجتہاد کی بجائے تقلید ائمہ کو اصولاً لازمی قرار دیا گیا اور یہ دور آج تک قائم ہے۔

اسلامی قوانین معاشرت: اسلام نے معاشرتی قانون کی بنیاد تین باتوں کو بنایا ہے۔
(۱) سختی اور تشدد کو دور کرنا اور آسانی پیدا کرنا تاکہ عملی زندگی میں معاشرے کی رضا شامل ہو جائے۔
(۲) کم سے کم تنگی اور تکلیف میں تخفیف کا اہتمام کرنا تاکہ احکام پر آسانی سے عمل ہو سکے۔
(۳) غلط عادات کی اصلاح کے لئے تدریجی عمل کا لائحہ اختیار کرنا۔
چنانچہ علامہ الخضری نے اہل السنت اور شیعی مسالک کے بڑے بڑے فقہا کی فہرست بھی دی ہے اہل سنت میں صحابہؓ کے بعد فقہ میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن جنبل کے نام دیئے ہیں جبکہ شیعی مسلک کے ائمہ میں حضرت علیؓ کے بعد امام محمد باقر اور امام جعفر صادقؒ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی ابتداء: مدینہ منورہ سے ہوئی، آپؐ نے الخلق کلھم عیال اللہ (ابو یعلی والبزاز) یعنی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے کہہ کر انسانی وحدت کی نشاندہی فرمائی ہے، قرآن حکیم میں، رب العالمین کے تصور میں جہاں انسانی وحدت کا پیغام دیا گیا ہے وہاں حضور علیہ السلام کو بھی رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے گویا آپ کائنات کے ذرے ذرے کے حق میں رحمت ہیں، اسلام کے معاشرتی تصور کی یہ عالم گیریت ایک عظیم معاشرے کی اساس بنتی ہے، چنانچہ اسلامی معاشرتی اخلاق میں یہ اجزا بہت اہم ہیں۔
(۱) مساوات ــ رنگ نسل قبیلہ ذات برادری اور جغرافیائی تعلق کو ترک کر کے سب انسانوں کو برابر قرار دینا اور صرف تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دینا۔

Marfat.com

(۲) بنیادی انسانی ضرورتوں میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا۔

(۳) انسانی حاکمیت کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرتے ہوئے سب انسانوں کو عدل و انصاف کی سہولت فراہم کرنا۔

(۴) مذہبی رواداری برتنا اور ضمیر کی آزادی کی ضمانت دینا، دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری اور ایفائے عہد کا اہتمام کرنا اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا یقین دلانا۔

اخوت اور معاشرہ: اسلام نے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (۴۹-۱۳) کے بعد شعوب و قبائل کے وجود کی وجہ یہ قرار دی ہے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، پھر فرمایا انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون (۴۹-۱۰) یعنی سب مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی نبھاؤ تاکہ تم رحمت باری کے مستحق بن سکو۔

اخوت اور مساوات کی یہ روح اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہے جو اس کے اعمال و مظاہر میں منعکس ہوتی ہے جس کی ایک مثال حج کے موقع پر دیکھی جاسکتی ہے، جہاں ہر رنگ و نسل اور جاہ و جلال و افتخار ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے، اور افراد کی شخصی حیثیت کالعدم ہو جاتی ہے، شام کا ایک امیر جبلہ بن الایہم غسانی عمر فاروقؓ کے دور مسلمان ہوا وہ حج پر آیا تو طواف کعبہ کے دوران اس کی چادر کے گوشے پر ایک بدوی کا پیر آگیا جس پر اس نے بدوی کو تھپڑ مار دیا، عمر فاروقؓ نے بدوی کو حق دیا کہ وہ بھی امیر کو تھپڑ مارے امیر یہ فیصلہ سن کر بولا کہ ہماری تو یہ شان ہے کہ ہم اپنے گستاخوں کو قتل تک کر دیا کرتے ہیں فاروق اعظمؓ نے فرمایا، ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا مگر اسلام نے شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سے حقوق دے کا برابر کر دیا ہے چنانچہ امیر یہ کہہ کر مرتد ہو گیا کہ جس مذہب میں اعلیٰ و ادنیٰ برابر ہوں میں اس سے باز آیا۔ (شبلی، الفاروق ج ۲)

احترام آدمیت: احترام آدمی کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم یعنی ہم بنی آدم کو عزت و بزرگی بخشی ہے، اسلام ایک خاندان سے لے کر قبائل اور قوموں اور مختلف ممالک کے لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کے اصول سمجھاتا ہے اور معاشیات کے میدان میں سود قمار بازی ازلام وغیرہ سے منع کرتا ہے تاکہ ناجائز کمائی اور راتوں رات امیر بننے کا تصور جڑ نہ پکڑ سکے۔

سیاسی اخلاق: کے لحاظ سے عہدہ طلبی اسلام میں منع ہے، کسی عہدے کا طالب ہونا گویا خیانت کی طرف قدم بڑھانا ہے بعض سیاستدان حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال دیتے ہیں کہ آپ نے بادشاہ کو کہا تھا کہ مجھے خزائن الارض کا شعبہ سونپ دیا جائے، لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بادشاہ سے یہ مطالبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصاحبت کے لئے اپنے چناؤ کے بعد کیا تھا نہ کہ پہلے یعنی بادشاہ نے خواب کی تعبیر سن کر آپ کی عظمت کا اعتراف کر لیا اور مصاحبت کی پیش کش کی، جو آپ نے منظور کر لی اور پھر اپنے کام کے بارے میں بتایا کہ میں فلاں کام بہتر طور پر انجام دے سکتا ہوں لہٰذا مجھے موقع دیا جائے اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے چناؤ کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے بطور امیدوار نہ تو کسی کو کہا نہ خود اپنا نام پیش کیا بلکہ

Marfat.com

بحث مباحثہ کے بعد عمر فاروقؓ نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر دوسرے موجود صحابہؓ نے بھی اس پر صاد کر دیا اسی طرح عمر فاروقؓ نے بھی اپنی خلافت کی امیدواری کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر انتخاب نے آپ کو نامزد کر دیا تھا غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی مثال عہد فاروقی میں بھی ملتی ہے کہ بیت المقدس کے عیسائیوں کو آپ نے ان کے ساتھ معاہدۂ امن کی رو سے یہ حقوق دیئے کہ۔

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان مال گرجا، صلیب تندرست بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے، اس لئے نہ ان کے معبدوں نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مالوں میں تخفیف کی جائے گی اور مذہب کے حوالے سے بھی ان پر کوئی جبر نہ کیا جائے گا۔

(الطبری ۱=۲۴۵۸ البلاذری صفحہ ۱۴۵)

اسلامی سیاست کے تین بنیادی ستون یہ ہیں:

(۱) اللہ کی اطاعت۔

(۲) رسول اللہ کی اطاعت۔

(۳) اپنے حکمران کی اطاعت۔

اور اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اپنی اپنی ہانکنے کی بجائے۔

فردوہ الی اللہ والرسول

اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ (نساء=۵۹)

اور حکمران کو حکم دیا۔

وشاورھم فی الامر

یعنی اپنے لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو۔ (العمران=۱۵۹)

اور اہل اسلام کے حکمرانوں کی ایک صفت قرآن نے یہ بتائی ہے۔

وامرھم شوری بینھم

یعنی وہ اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں۔ (شوریٰ=۳۸)

اب مغربی جمہوریت میں جو پارلیمنٹ کی بالادستی کا اصول ہے اسلامی سیاست میں کالعدم ہو جاتا ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دور تھا لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا صحابہؓ کی بڑی تعداد نے مشورہ دیا کہ زکوٰۃ کی وصولی ملتوی کر دی جائے اور نرم رویہ اختیار کیا جائے، لیکن صدیق اکبر نے مشیران کرامؓ کی بات نہ مانی کیونکہ یہ بات اللہ اور اس کے رسول کی بات سے مختلف تھی چنانچہ آپ نے شوریٰ کا مشورہ ایک طرف رکھ دیا اور اللہ اور رسول کی طرف رجوع فرماتے ہوئے اعلان کیا کہ جتنی زکوٰۃ رسول اللہ کے دور میں دی جاتی تھی اگر کوئی اس سے ایک رسی بھی کم دے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا نیز فرمایا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا (یعنی ایک پر عمل پیرا ہو گا اور دوسرے کو چھوڑ دے گا) تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا چنانچہ صحابہؓ نے قرآن کے ارشاد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی کوتاہ بینی کو

Marfat.com

محسوس بھی کر لیا۔

یہی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں بھیجا جانیوالا لشکر روانہ کرنے کا معاملہ پیش تھا بعض صحابہؓ کا مشورہ تھا کہ اسامہ کی بجائے کسی جہاں دیدہ اور بزرگ سپہ سالار کی سرکردگی میں لشکر بھیجا جائے بلکہ بعض تو حالات کی سنگینی کے تحت اس لشکر کو بھیجنے کے حق میں ہی نہ تھے لیکن صدیق اکبرؓ نے فرمایا، کہ جس کو لشکر اسلام کا سربراہ رسول اللہ نے مقرر کیا ہو، اسے معزول کرنے کا حق مجھے ہرگز نہیں، نیز جس لشکر کی روانگی کا حکم حضورؐ نے دیا تھا اور وہ حضورؐ کی علالت کی وجہ سے وقتی طور پر رک گیا تھا اس کو روانہ نہ کرنا حضورؐ کی حکم عدولی ہوگی، پس اسلامی اخلاق کا سیاسی تصور اکثریت و اقلیت پر انحصار کرنے کی بجائے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کے لئے رہنمائی کرتا ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں خلیفہ المسلمین عام حقوق میں سب کے برابر تھا چنانچہ عمر فاروقؓ نے ایک موقع پر فرمایا۔

مجھے تمہارے مال (بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو اس کے مال میں اگر میں (حاکم، سلطان، امیر المومنین) مالدار ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا لوگو! آپ ضرور میرا مواخذہ کریں اگر۔

(۱) میں ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر جمع کروں۔

(۲) جب میرے ہاتھ خراج اور مال غنیمت آئے تو بے جا طور پر اسراف کروں۔

(۳) میں تمہارے وظیفے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ نہ رکھوں۔

(۴) ہر طرح کے خطرات سے تمہاری حفاظت نہ کروں اور تمہیں کسی خطرے میں ڈالوں۔ (ابو یوسف کتاب الخراج صفحہ ۶۷)

عوام کے مال و جان کی حفاظت نبھا نہ سکنے والے حکمران کو مستعفی ہو جانا چاہئے امت کے حقوق پر دست درازی کرنے والے حاکم کے لئے کسی رعائت کی گنجائش نہیں، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت اپنے ایک گورنر کو جو آپ کا قریبی رشتہ دار بھی تھا لکھا مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے بیت المال میں خیانت کی ہے، اسے وہ شخص جسے ہم عقل مند سمجھا کرتے تھے تیرے جی کو کھانا پینا کیسے لگتا ہے، جب کہ تجھے معلوم بھی ہے کہ تو حرام کھا رہا ہے، حرام پی رہا ہے، تو کنیزیں خریدتا ہے، عورتوں سے نکاح کرتا ہے لیکن کس مال سے؟ یتیموں مسکینوں مومنوں اور مجاہدوں کے مال سے؟ اس مال سے جو خدا نے مومنوں اور مجاہدین کو غنیمت میں دیا تھا؟ اور جس سے اس ملک کی حفاظت کرنا مقصود تھا؟ تو اللہ سے ڈر اور امت کا مال واپس کر دے ورنہ بحکم الٰہی میری تلوار تجھے جہنم رسید کر دے گی، خدا کی قسم اگر حسن اور حسین بھی وہ کرتے جو تو نے کیا ہے تو مجھ سے کوئی رعائت اور نرمی نہ پاتے یہاں تک کہ میں اللہ کا حق ان سے اگلوا لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا شدہ باطل کو مٹا کے دم لیتا۔ (نہج البلاغت ج ۲ صفحہ ۶۶-۶۷ مطبوعہ مصر)

معاشی اخلاقیات: اس بارے میں پچھلے صفحات میں قرآنی احکام کا حوالہ آ چکا ہے، حلال و حرام کی تمیز اسلام نے سکھائی، رزائل اخلاق کی قباحت کا ذکر بھی آ چکا ہے، اور فضائل اخلاق کے ضمن میں بھی بھرپور

Marfat.com

بات ہو چکی ہے، مختصراً معاشی پہلو میں غریبوں یتیموں بیواؤں مسکینوں ناداروں اور سفید پوشوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے زکوٰۃ کا سسٹم اسلامی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اگر یہ نظام صحیح طور پر اہل اسلام خود پر لاگو کرلیں اور نام نہاد نادار اس کی طلب سے کنارہ کش رہیں تو صحیح معنوں میں مستحق افراد اور خاندانوں کی کفالت زکوٰۃ کی مد سے بطریق احسن ہو سکتی ہے، اگر ہر شخص اپنے حصے کا پورا ٹیکس ادا کرے اور حکمران حضرات عوامی خدمات کے لئے انہیں صرف کریں تو ملک میں نہ کوئی بھوکا ننگا اور مفلس رہے گا اور نہ نادار و بیکس۔

لیکن خود حکمران حضرات طوائفوں اور ایکٹروں وغیرہ کی وفات پر ان کے لواحقین کو خزانہ عامرہ سے لاکھوں روپے بطور بخشش وامداد عطا کر کے سرخرو ہونے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے لواحقین سے زیادہ بے بس مفلس اور نادار لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں اور انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں کیا حکمرانوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ عوامی دولت کو لٹانے سے گریز کیا کریں۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے مکہ میں حج کے موقعہ پر وقت کے خلیفہ سے فرمایا تھا کہ لوگوں کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا ورنہ اس کا انجام بھیانک ہوگا۔

اسلامی معاشیات میں ناجائز ذرائع سے دولت کا حصول حرام قرار دیا گیا ہے ارشاد نبوی ہے کہ حرام مال سے پرورش پانے والا بدن جنت نہیں جائے گا اب ذرا سوچئے کس کو یہ ہوش ہے کہ حلال و حرام میں تمیز کرے ہر کوئی (الا ماشاء اللہ) حصول دولت کی ہوڑ میں مگن ہے حلال و حرام سے کسی کو سروکار نہیں۔

یہ صورت حالات اس عدم تربیت کی غماز ہے جو ہمیں حکومتی سطح پر یا معاشرتی سطح پر یا قومی اداروں کی جانب سے حاصل نہیں ہو رہی ہیں۔

ادارے اور معاشرہ: کسی بھی معاشرے میں ادارے بنیادی ستون ہوتے ہیں حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا اہم ذریعہ بھی ادارے ہی ہوتے ہیں، ادارے حق و انصاف اور انسانی اقدار کے حسن و قبح کے ناقد و امین اور علمبردار ہوتے ہیں، حکومت وقت جب کوئی زیادتی کرتی ہے تو عوام اداروں کے پاس انصاف کے لئے جاتے ہیں اور ادارے اپنے محکمانہ قوانین اور دائرہ اختیار کے تحت انصاف کے مد نظر فیصلہ کرتے ہیں لیکن اگر حکومت اداروں پر دباؤ کو اپنا شعار بنا لے یا اداروں کے سربراہوں کو عضو معطل بنا کر ان سے اپنی مرضی کے کام لینے شروع کر دے اور طریقہ بھی ایسا اختیار کرے کہ انہیں کے ہاتھوں سے اپنے مطلوبہ ناجائز کام نکلوانے لگے تا کہ عوامی یا عدالتی بازپرس کی صورت میں بھی وہی سربراہ جواب دہ بھی ہوں تو یہ صورت اداروں کی تباہی اور ملکی سطح پر عوام کی حقوق غصب کرنے اور حق و انصاف کا خون کرنے اور ظلم و تعدی کی انتہا پر منتج ہوگی جس سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوگا جب لوگوں کو کسی ادارے سے انصاف نہ ملے گا اور حکومت کی غیر منصفانہ روش مایوسی کے سوا کچھ نہ دے گی تو قدرتی طور پر عوام حق و انصاف کا حصول ذاتی سطح پر ممکن بنانے کے لئے کوشاں ہوں گے خواہ اس میں انہیں کتنے ہی خطرات درپیش ہوں اور آخر یہ صورت خانہ جنگی پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔

پس چاہئے کہ اخلاقی تربیت کے دینی اور قومی ادارے ہر سطح کے لوگوں کی اخلاقی تربیت کا فریضہ

غماز

Marfat.com

نبھاتے رہیں اعیان سلطنت کے بیٹے بیٹیوں کو بھی اخلاقی حسن و قبح سے آگاہ کیا جائے اور عوامی سطح پر بھی یہ اخلاقی تربیت جاری رہنی چاہیے، اسی طرح تعلیمی اداروں میں بھی ہر سطح پر تربیت اخلاق حسنہ کا اہتمام لازمی ہونا چاہیے اور اخلاق رذیلہ کی بھیانک صورت کو کسی بھی حالات میں کسی بھی سطح پر اخلاق حسنہ کا سرٹیفکیٹ نہیں ملنا چاہیے اور نہ اخلاق رذیلہ کی عملی صورت اس قدر منافع بخش ہونی چاہیے کہ اخلاق حسنہ کے حامل لوگ اخلاقی حسنہ کو اپنانے پر شرمندگی محسوس کرنے لگیں، جیسے آج کل کی کمائی پر بسر اوقات کرنے والا حرام خوروں کے مقابلے میں خود کو ہیٹا محسوس کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اسی طرح انتظامی اور سیاسی اداروں میں بھی حق و انصاف کا بول بالا ہونا چاہیے، حکومت وقت کے کارنامے بھی حق و انصاف کے مظہر ہونے چاہئیں کیونکہ کسی بھی سطح پر اخلاق گراوٹ معاشرے کو بگاڑنے کا باعث ہوگی۔

حقوق و فرائض میں توازن عملی زندگی میں نکھار پیدا کرتا ہے جب ایک خوشحال شخص زندہ رہنے کا حق اپنے لئے تو طلب کرے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرکے یا ان کی زندگیوں سے کھیل کر اپنی زندگی کا یہ چراغ روشن رکھے، کیونکہ یہ سوچ اخلاق رذیلہ کے زمرہ کی چیز ہے، جسے بقا نہیں۔

قانون اور رضا بطنہ اخلاق: عملی زندگی میں دو قسم کی قدغنیں ہمارا راستہ روکتی ہیں، ایک قانونی اور دوسری اخلاقی قانون کی خلاف ورزی جرم ہے اور اخلاق حسنہ کی خلاف ورزی پر گناہ ہوتا ہے، جرم و گناہ کی بس یہی حقیقت ہے ایک بات اہم ہے کہ اخلاقی جرائم سب کے سب قانون کے دائرہ میں نہیں آتے اور سارے جرائم اخلاق حسنہ کے دائرہ میں آکر گناہ کی لوازمت کے متقضی نہیں ہوتے، سوائے ان کے جن کو قانون میں جرم قرار دے دیا گیا ہو، مثلاً زنا ایک اخلاقی جرم ہے جس پر گناہ مرتب ہوتا ہے، لیکن اگر ملکی قانون میں بالغ و مختار مرد اور عورت کو بلا نکاح تخلیہ میں برضا و رغبت جنسی تعلق قائم کرنے پر مواخذہ کی کوئی دفعہ موجود نہ ہو تو قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، البتہ اخلاقی سطح پر ان کا جنازہ نکل سکتا ہے، بشرطیکہ یہ اخلاقی قدر اس معاشرے میں قبیح شمار ہوتی ہو۔

لیکن جن اخلاقیات کا دائرہ دین فطرت نے مقرر کیا ہے، اس کی خلاف ورزی پر گناہ اور سزا کا خدائی ضابطہ ضرور نافذ ہو کر رہے گا چاہے معاشرہ اس پر کوئی ایکشن نہ لے کیونکہ اس دنیا کے بعد مابعد الطبیعاتی امور کے ساتھ پالا بھی پڑتا ہے۔

اخلاق کا دائرہ دنیا اور اس کے بعد والی زندگی کو بھی محیط ہے: انسان روح و بدن کا مجموعہ ہے، روح اس دنیا کی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین

یعنی جب میں انسان کو (صورت انسانیہ دے کر) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح (روحانیت) پھونک دوں تو (اے فرشتو! تم) اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ (چنانچہ سب کے سب فرشتے سجدے

Marfat.com

میں گر گئے، مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ نہ کیا اور اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت سے انکار کر دیا) (حجر ۳۰-۱۳) یہ قصہ اور بھی کئی مقامات پر آیا ہے اور سورہ حجر میں بھی ہے کہ ہم نے انسانکو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا (۱۵/۲۹) اور اس سے پہلے جنات کو بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا (۱۵-۳۰) پھر روح پھونکنے اور سجدہ والا واقعہ اور ابلیس کا انکار سامنے آیا تو ابلیس سے خود اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تونے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ وہ بولا کہ میں گلی سڑی مٹی کے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنا درست نہیں سمجھتا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یوم قیامت تک مردود قرار دے کر اپنی بارگاہ سے نکال دیا اب ابلیس نے گزارش کی کہ مجھے یوم قیامت تک مہلت دے کہ اپنا کام جس طرح چاہوں کرتا رہوں، چنانچہ اسے یہ مہلت دے دی گئی، اب ابلیس نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ۔

قال رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض ولا غوینهم اجمعین○ الا عبادک منهم المخلصین○

اے اللہ! جس طرح تونے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے گناہوں کو آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو سیدھے راستے سے بھٹکادوں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے جو ان میں ہوں گے۔

یہی بات چیت سورہ ص (آیت ۸۱ تا ۸۵) میں بیان کی گئی ہے اور انکار سجدہ کے بعد اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور کہا ان علیک لعنتی الی یوم الدین○ پھر اسے جب قیامت تک کے لئے نوع انسانی کو گمراہی کے لئے کوشش کرنے کی اجازت مل گئی تو اس نے کہا۔

قال فبعزتک لاغوینهم اجمعین○ الا عبادک منهم المخلصین

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، چل ٹھیک ہے، اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو لوگ تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا (ص-۸۵)

تو گویا انسان کا ازلی دشمن ابلیس ہر وقت انسانوں کو گمراہی کی طرف راغب کرنے میں کوشاں رہتا ہے وہ لوگوں کو طرح طرح کے معاملات مزین کر کے ان میں گمراہی کا پہلو اس طرح چھپا دیتا ہے جس طرح ایک شکاری جال کے نیچے دانہ دنکا بکھیر دیتا ہے اور بھولے بھالے پنچھی اس دانے دنکے کے لالچ میں اس میں پھنس جاتے ہیں (العیاذ باللہ) سوائے اللہ کے پر خلوص بندوں کے کہ وہ اللہ کی خصوصی کرم نوازی اور اپنے دل میں ہدایت کے لئے خلوص طلب کی وجہ سے اس کے نرغے میں آنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

حسن اخلاق اور حیات بعد الموت: اللہ تعالیٰ نے خلق الموت والحیاہ لیبلوکم ایکم احسن عملا موت اور زندگی کو تخلیق فرمایا تا کہ وہ لوگوں کو آزمائے کہ ان میں کون اچھے اعمال کا کردار نبھاتا ہے یہی احسن عملاً اخلاق حسنہ کا دوسرا نام ہے اس احسن عملاً کا ثمرہ یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد آخرت کی زندگی شروع ہونے والی ہے اس میں اچھے عمل کا پھل

Marfat.com

ملے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی بھی ہے چنانچہ نیک لوگوں کے لئے فرمایا۔

نحن اولیاکم فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرہ

یعنی ہم اس دنیا میں اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار اور دوست ہیں۔

دنیا کی زندگی کے بارے میں فرمایا۔

انما الحیاۃ الدنیا لعب ولھو

یعنی دنیا کی زندگی تو بس کھیل کود اور سجاوٹ ہی سجاوٹ ہے۔

سورہ عنکبوت میں فرمایا۔

وان دار الاخرہ لھی الحیوان لو کانو الیعلمون

اور حقیقت میں آخرت کا گھر ہی صحیح اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام ہے کاش لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا آخرت کی زندگی پر یقین نہ رکھنے والوں کو کافر کہتے ہیں چنانچہ ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین

اور کافر حضرات کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہ دنیا کی زندگی ہی ہے اور ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ کوئی زندگی نہیں ملے گی۔

یہی بات سورہ مومنون (آیت ۳۷) میں کہی گئی ہے اور سورہ فجر میں اہل کفر کی آرزو کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

یقول یالیتنی قدمت لحیاتی

(آخرت میں) وہ کہے گا کہ کاش میں نے بھی دنیا کی زندگی میں اپنی آخرت کی زندگی کے لئے کچھ کمایا ہوتا۔

اور فرمایا۔

(۱) فاما من طغی واثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی

پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا (اور آخرت کی زندگی کو اہمیت نہ دی) تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(۲) واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی○ فان الجنہ ھی الماوی

اور جو اپنے رب کی سامنے اکڑنے سے ڈرا اور اپنی نفسانی خواہشوں سے بچتا رہا تو اس کا ٹھکانا واقعی جنت ہے۔

قرآن حکیم میں دنیا کی زندگی کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کا عقیدہ بھی ملتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے الدنیا مزرعہ الآخرہ یعنی یہ دنیا آخرت کی

Marfat.com

کھیتی ہے۔

تو انسان کو صرف اس دنیا کے کاروبار سے ہی غرض نہیں رکھنی چاہئے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جو ہدایات ملی ہیں ان کو ذہن میں جگہ دے کر آخرت کی زندگی کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔

دنیاوی فلاح کے لئے کوشش: ہم دنیا میں فلاح و بہبود پانے کے لئے ایک بچے کو پندرہ سال تک تعلیم دلواتے ہیں تا کہ وہ دنیوی علوم میں مہارت حاصل کر کے اپنی یہ زندگی بطریق احسن گزار سکے، اس زندگی کا ہمیں اتنا زیادہ خیال ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے، اور فنا نہیں ہوتا مثلاً بیج درخت بنا اسکی لکڑی سے میز کرسیاں بنائی گئیں پھر فرسودہ ہونے پر اسے کوڑے میں پھینک دیا گیا یا جلا کر راکھ اڑا دی گویا بیج کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا اسی طرح زندگی کا عمل جاری رہتا ہے۔

زندگی　مرتی　نہیں　مر　کر　بھی

اور دنیا کی زندگی کے اثرات اتنے قوی زندہ تر اور بقا پذیر ہیں کہ اچھے اعمال کا بدلہ اخروی زندگی میں ہمیشہ کی فلاح سے اور برے اعمال کی سزا ہمیشہ کا عذاب ہو گا یہ سزا اور جزا ایکشن اور ری ایکشن کے سوا کچھ نہیں جب دنیا میں ہر ایکشن کا ایک ری ایکشن بھی ہوتا ہے تو انسانی زندگی میں سرزد ہونے والے اچھے یا برے اعمال "ری ایکشن" سے معرا کیسے ہو سکتے ہیں لہٰذا اسلامی اخلاقیات نہ صرف اس دنیا کی فلاح و اصلاح کا سامان بہم پہنچانے کا ذریعہ ہیں بلکہ یہ ہمیشہ کی زندگی (آخرت) کو بھی باغ و بہار بناتی ہیں۔

اسلامی اخلاق کی معراج: جب آدمی کے اخلاق اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی متابعت میں ڈھل جاتے ہیں اور انسانیت اپنا وہ مقام حاصل کر لیتی ہے جو اسے تخلیق آدم کے وقت عطا ہوا تھا کہ جس کی بنا پر ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ آدم کی عظمت کے آگے جھک جاؤ، تو اس مقام کو دوبارہ حاصل کرنا ہی انسانیت کی معراج ہے، اور جس شخص کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے اس کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں گویا وہ حسن اخلاق کی معراج کو پالیتا ہے اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، حسن اچھائی ہے، زندگی کی معراج اللہ کے نزدیک یہ ہے۔

(۱) ذالک متاع الحیاہ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب

یہ تو دنیا کی زندگی کی متاع ہے اور اللہ کے پاس ہے بہت اچھا ٹھکانا۔ (العمران-۱۴)

(۲) والذین امنوا وعملو الصلحت طوبی لھم وحسن ماب

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کر گئے ان کے لئے خوشحالی اور نہایت اچھا ٹھکانا ہے۔ (رعد=۲۹)

ان کو آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی انعامات ربی سے نوازا جاتا ہے۔

فاتھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرہ

تو اللہ کو دنیا کا ثواب بھی دے گا اور آخرت میں بھی بہت اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔ (العمران=۱۴۸)

اور یہی انسانیت کی معراج ہے انسانیت کا کمال ہے اور جس قدر کوئی اس باب میں اپنے مقصد سے

Marfat.com

دور رہا وہ اسی قدر گھاٹے میں رہے گا پس ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ فقد خسرانا مبینا

اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان سے یاری نبھائی تو اس نے گویا کھلا کھلا گھاٹا کھایا۔ (نساء=۱۱۹)

(۲) قد خسر الذین کذبوا بلقا اللہ

جنہوں نے اللہ کے حضور حاضری کو جھوٹ جانا وہ گھاٹا کھا گئے۔ (انعام=۳۱)

(۳) الاان حزب الشیطن ھم الخسرون

خبردار ہو کہ شیطان کے ساتھی ہی گھاٹے میں رہیں گے۔ (مجادلہ۔۱۹)

یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ہر کوئی یہاں مزدور ہے، اگر ایک مزدور کو مزدوری کی بجائے آخر میں جرمانہ دینا پڑ جائے تو اس کا کیا حشر ہو گا جبکہ اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہ ہو، اور سب چیزیں مانگے تانگے کی ہوں اور صرف مزدوری کا ثمرہ ہی اس کی متاع ہو پس ہمیں چاہیے اپنے ظاہری و باطنی اخلاق اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیں تا کہ خسران مبین سے محفوظ رہ سکیں۔ وباللہ توفیق ولا حول ولاقوہ الاباللہ

Marfat.com

حصہ دوم

اسلامی تصوف

تصوف کی تعریف

(آغاز وارتقاء، تصوف کی اہمیت اور علم تصوف کے مقاصد)

سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کشف المحجوب کے باب تصوف میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:- رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں-

من سمع صوت اهل التصوف فلا يومن على دعائهم كتب عند الله من الغافلين

یعنی جو اہل تصوف کی آواز سنے پھر ان کی دعوت کو قبول نہ کرے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا- (کشف المحجوب نسخہ سمرقند- نوری بک ڈپو لاہور مطبوعہ ۱۹۷۸ء (اردو ترجمہ) صف۶۹)

اس حدیث شریف کے بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ تعر۔مفا اصول محدثین کے طریق پر ثابت نہیں ہے لیکن بطریق صوفیا مستند ہے- نیز اس کا آیات قرآن اور دیگر احادیث سے متعارض نہ ہونا اور دیگر مصادر اسلام سے اس کی تائید ہو جانا اس کو شرعاً و عقلاً قابل قبول بنا دیتا ہے- پھر اس حدیث کا معناً اسلام کے روحانی مزاج سے مطابقت رکھنا بھی اس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ اولیاء و عرفاء کاملین بالعموم جو کچھ بیان کرتے ہیں بالخصوص وہ اقوال جن کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو- وہ معنی کے اعتبار سے قرآن وسنت کے تابع اور درست ہوتا ہے- اس لئے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ) ان کا جو روحانی و قلبی تعلق ہوتا ہے- اس بناء پر محال ہے کہ وہ کوئی غلط بات (اس) ذات اقدس ؐ سے منسوب کریں- گویا وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں حضورؐ سے پوچھ کر کرتے ہیں- (حقیقت تصوف صفحہ ۹۷) اس حدیث کی تصدیق کے لئے ڈاکٹر طاہر القادری ایران کے ایک بزرگ شیخ روض لسان بقلی شیرازی کا تذکرہ کرتے ہیں کہ آپ نے عرائس البیان کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی ہے- آپ اتنے بلند پایہ محدث تھے کہ بڑے بڑے محدثین اور علماء حاضر خدمت ہو کر آپ سے درس حدیث لیتے تھے- ان کا معمول تھا کہ درس میں سر جھکائے خاموشی سے حدیث سنتے رہتے جس کا مطلب یہ لیا جاتا کہ حدیث صحیح ہے- اور جہاں وہ ٹوک دیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ حدیث مرفوع نہیں ہے- کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی محدث نے ایک حدیث پڑھی جس کا مرفوع ہونا کتابوں میں درج تھا مگر شیخ روض

Marfat.com

نے فرمایا کہ وہ حدیث حضور سے ثابت نہیں ہے۔ محدث نے چند کتابوں کا حوالہ دیا اور اس کی تصحیح کا جواز پیش کیا تو شیخ بقلیؒ فرمانے لگے کہ "میں تیری کتابوں کو دیکھوں یا صاحب بیان کو دیکھوں--- وہ دیکھو! سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اے روض! یہ حدیث میری نہیں ہے بلکہ میری طرف غلط منسوب کی گئی ہے۔ اسی طرح امام جلال الدین سیوطیؒ نے عالم بیداری میں ستر مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور جب بھی کوئی الجھن اور لاینحل مسئلہ پیش آجاتا تو وہ مراقبے میں جاکر پوچھ لیتے اور عالم بیداری میں آپ کا دیدار ہوجاتا اور مسئلہ حل ہوجاتا---- (حقیقت تصوف صفحہ ۱۹۸)۔ ایسی ہی روایت امی بزرگ عبدالعزیزؒ دباغ کے بارے میں "ابریز" میں بھی ملتی ہے۔

صوفی کی وجہ اشتقاق و تسمیہ　سید علی ہجویریؒ کے بقول:

۱۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوف یعنی پشمینہ پہننے کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے۔

۲۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی چونکہ صف اول میں ہوتا ہے اس لئے اسے صوفی کہتے ہیں۔

۳۔ ایک اور جماعت کے نزدیک اسے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی قائم مقامی کرنے کی بناء پر صوفی کہا جاتا ہے۔

۴۔ بعض کے نزدیک یہ اسم "صفا" سے مشتق ہے اور اہل صفاء کو صوفی کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ذهب صفو الدنيا وبقى كدرها---- یعنی دنیا کی پاکیزگی جاتی رہی اور اس کی کدورت و خرابی باقی رہ گئی---- گویا صفائے باطن و ظاہر محمود و پسندیدہ ہے اور اس کی ضد کدورت و ظلمت ہے۔ چونکہ صوفیاء اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب اور پاکیزہ بناکر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں لہٰذا انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ (اس کی بعض تفصیلات آگے آئیں گی)

پہلے صوفی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ　سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

انا الصفا صفته الصديق ان اردت صوفيا على تحقيق

یعنی حق و صداقت کی راہ میں صوفی ہونا چاہو تو ہو جاؤ کہ درحقیقت صوفی ہونا حضرت صدیقؓ اکبر کی (کشف المحجوب صفحہ ۷۰)

سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

صفائے باطن کی اصل---- اغیار سے دل کو جدا کرنا اور اس کی فرع مکر و فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کرنا ہے۔ اور یہ دونوں صفات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ کا وصال ہوا۔ اور عمر فاروقؓ شکستہ دل ہو کر تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور بولے کہ جس نے بھی یہ کہا کہ رسول اللہ مرگئے ہیں میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ اس وقت صدیق اکبرؓ آئے اور بلند آواز سے فرمایا:۔

الا من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن عبد

Marfat.com

رب محمد فانہ حی لایموت---
خبردار جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ پر موت وارد ہو چکی اور جو محمد کے رب کی عبادت کرتا تھا تو بیشک رب محمدؐ زندہ ہے جسے موت نہیں، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ---- تلاوت فرمائی۔
وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم۔
ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے۔ تو کیا اگر وہؐ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پیچھے کو پلٹ جاؤ گے---؟ چنانچہ عمر فاروق سکر کی حالت سے باہر آ گئے۔ اور دنیائے دوں سے صدیق اکبرؓ کے دل کا خالی ہونا۔ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ نے صحابہ کرامؓ کو اللہ کی راہ میں مال دینے کے لئے فرمایا۔ سب نے حسب توفیق دیا۔ حتیٰ کہ عمرؓ اور فاروقؓ آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اور صدیق اکبرؓ ایک کمبل اوڑھے سب کچھ لے کر حاضر ہو گئے۔ فرمایاؐ
ماخلفت لعیالک---فقال اللہ ورسولہ
اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا---؟ عرض کیا--- "اللہ اور اس کا رسولؐ"
یعنی اللہ کی محبت اور رسولؐ کی محبت و متابعت۔
صفا کدورت کی ضد ہے، کدورت بشری صفات میں سے ہے۔ اور صفا--- نورانی صفت ہے۔ اور نور اللہ کی ایک صفت ہے--- (اللہ نور السموات والارض) کوئی جس قدر کدورت سے خلاصی پا کر صفا کی دولت کے مرکز (نور حقیقی) سے رشتہ مضبوط کر لے گا۔ وہ اسی قدر اس نور ازل سے فیضیاب ہو سکے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلے میں تمام مخلوقات کے رہبر اعظم ہیں۔
انسانی بدن کی تخلیق، مادہ (میٹرل) سے ہوئی۔ اور روح--- کا چراغ اس میں "امر اللہ" کا نقیب ہے۔ (قل الروح من امر ربی) --- ذات باری تعالیٰ انسانوں کے لئے من الظلمات الی النور کی طرف ھادی ہے جبکہ شیطانی اور طاغوتی قوتیں--- ظلمات در ظلمات کی طرف رہبری کرتی ہیں۔
حضور علیہ السلام کی بعثت--- اسی--- مقصد عظیم--- من الظلمات الی النور کے بول بالا کے لئے تھی کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے ساتھ تعلق بھی رکھے اور بے تعلق بھی رہے اور ساتھ ساتھ اپنا تعلق اس نور ازل سے مستحکم تر کرتا چلا جائے تاکہ آئندہ والی ابدی زندگی میں اسے ظلمت سے نجات اور نورانیت سے بہرہ مل سکے۔
جملہ انبیائے علیہم السلام بھی انسانیت کو اسی راہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور کافہ للناس بشیرا و نذیرا--- اور نذیر للعالمین یہ فرض بطریق احسن--- اکمل طور پر نبھایا۔
پس جو لوگ صفا کے حامل ہوں گے۔ ان کے حق میں فرمایا:
وجوہ یومئذ ناظرہ الی ربہا ناظرہ ....اس دن بعض چہرے

تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور اہل کدورت کے حق میں فرمایا--- کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ہاں ہاں ان کو یعنی اہل کدر--- کو اس دن اپنے رب کی زیارت نہ ہو سکے گی۔
مشائخ طریقت رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ لیس الصفا من صفات البشر لان البشر مدر والمدر لایخلو من الکدر

یعنی صفا بشری صفات میں سے نہیں کیونکہ بشر تو مٹی کا ایک تودہ ہے اور مٹی کا تودہ کدورت سے پاک نہیں ہوتا۔ سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے حضرت حارثہؓ کے بارے میں فرمایا عبد نور اللہ قلبہ بالایمان-- یعنی وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ نے نور ایمان سے منور فرما دیا ہے۔ (کشف المحجوب صفحہ ۴۷)

حضرت حارثہؓ کا واقعہ: "چنانچہ جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تو ان سے حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ کیف اصبحت یا حارثہ قال اصبحت مومنا باللہ حقا۔ فقال انظر ما تقول یا حارثہ۔ ان کل شئی حقیقتہ فما حقیقتہ ایمانک فقال عرفت نفسی من الدنیا فاستوی عندی حجرھا وذھبھا وفضتھا ومدرھا فاسھرت لیلی واظمات نھاری حتی صرت کانی انظر الی اھل النار یتصار عون وفی روایتہ یتعادرون (الحدیث) اے حارث تم نے صبح کیسے کی؟ عرض کیا میں نے اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے صبح کی۔ آپ نے فرمایا غور کرو اے حارث تم کیا کہہ رہے ہو کیونکہ ہر شئے کے لئے ایک حقیقت ہوتی تو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت و برہان ہے انہوں نے عرض کیا میں نے دنیا سے اپنی جان نکال کر رب کو پہنچانا اس کی علامت یہ ہے کہ پتھر، سونا چاندی اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ دنیا بیزار ہو کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے اب رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو پیاسا۔ یہاں تک کہ اب میری حالت ہو گئی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ جنتیوں کو باہم ملاقات کرتے جنت میں دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ جہنمیوں کو آگ میں ایک دوسرے سے کشتی لڑتے اور ایک روایت میں ہے شرمسار ہوتے دیکھ رہا ہوں۔" الحدیث۔

اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فالزم قالھا ثلاثا اے حارثہ تم نے پہچان لیا اس پر قائم رہو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: کاملین اولیاء اور محققین عرفاء کا نام صوفی ہے۔ یہ گروہ باصفا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ من صفا الحب فھو صاف ومن صفا الحبیب فھو صوفی۔ "جس کی محبت مصفی ہو گی وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو اور دوست کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔" لہٰذا لغت کے اعتبار

Marfat.com

سے اس کے مشتقات کے معنی کسی چیز سے صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس کے یہ معنی اس سے بہت بلند و ارفع ہیں کہ اس کا کوئی جنس ہو جس سے کہ وہ مشتق ہوا ہو۔ اس لئے کہ کسی چیز کا کسی چیز سے مشتق ہونا جنسیت کا متقاضی ہوتا ہے اور جس دل میں گدلا پن اور کدورت ہو وہ صاف و شفاف کی ضد و مخالف ہوتی ہے اور کسی چیز کو ضد سے مشتق نہیں کرتے۔ پس یہ معنی عرفاء کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس کے لئے نہ تو کسی عبارت کی حاجت ہے اور نہ کسی اشارہ کی ضرورت۔

لان الصوفی ممنوع عن العبارہ والاشارہ "اس لئے کہ "صوفی" کے معنے کے لئے کسی عبارت و اشارہ کی ممانعت ہے۔"

اب جبکہ یہ بات متحقق ہوگئی کہ عبارات سے "صوفی" کی تعریف کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شئے اس کی تعبیرات ہیں، خواہ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو لہٰذا حصول معنے کے لئے اس نام کی لفظوں میں تعریف کی اصلا ضرورت نہیں ہے۔ اب فہم و ادراک کے لئے (اتنا جان لو کہ) مشائخ طریقت عارفان راہ حق کو "صوفی" کہتے ہیں اور متعلقین و سالکین معرفت کو متصوف۔

کلمہ "تصوف" باب تفعل سے ہے۔ جس کا خاصہ یہ ہے کہ یہ تکلف فعل کا متقاضی ہو اور یہ اصل کی فرع ہے۔ لغوی حکم اور ظاہری معنی میں اس لفظ کی تعریف کا فرق ظاہر ہے۔

الصفاولایہ ولھاایہ وروایہ والتصوف حکایہ للصفابلاشکایہ

صفا ولایت کی منزل ہے اس کے لئے نشانات اور علامات ہیں اور تصوف صفا کی ایسی حرکات و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔

"پس صفاء کے معنے ظاہر و آبدار ہیں اور تصوف اس معنی و مفہوم کی تعبیر و حکایت ہے۔"

(کشف المحجوب (اردو ترجمہ -- صفحہ ۷۴-۷۵)

صوفی، متصوف اور مستصوف کی تعریف: "صوفی" وہ ہے جو خود کو فناء کر کے حق کے ساتھ باقی ہو جائے اور طبائع یعنی خواہش نفسانیہ سے نکل کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

"متصوف" وہ ہے جو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے اس مقام کی جستجو کرے اور اس مقام کی طلب و حصول میں صادق اور مخلص ہو۔

"مستصوف" وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنالے جیسے صوفی ہوتے ہیں لیکن اسے مذکورہ بالا دونوں مقامات کی خبر نہ ہو، نہ ان سے ان کا کوئی تعلق قائم ہو سکے۔ گویا مستصوف نقلی صوفی ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں بزرگ فرماتے ہیں۔

المستصوف عند الصوفیہ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب -- یعنی صوفیاء کے نزدیک مستصوف مکھیوں کی طرح ذلیل و حقیر ہے کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لئے صوفی پن اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے حق میں ایسا شخص بے لگام بھیڑیئے کی مثل ہے۔ دوسرے لفظوں میں صوفی اللہ سے واصل ہوتا ہے متصوف اس کی خواہش

Marfat.com

میں راستباز ہوتا ہے جبکہ مستصوف صاحب فضول ہے۔ (کشف المحجوب۔۔ صفحہ ۷۵۔ ۷۴۔ اردو ترجمہ)

صوفیاء کے بارے میں مشہور اہل حق و صفاء کی رائے اور اقوال

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: الصوفی اذا نطق بان نطقه عن الحقائق وان سکت نطقت عن الجوارح بقطع العلائق۔۔۔۔ یعنی صوفی جب بات کرتا ہے تو اس کا بیان اپنے حقائق کے اظہار میں ہوتا ہے۔ اور جب خاموش رہتا ہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرتا ہے اور حالات سے کنارہ کشی کرنا اس کے حال پر ناطق ہوتا ہے۔ یعنی اس کا کلام کرنا اظہار حق اور اس کا خاموش رہنا اس کے فقر کا حال ظاہر کر دیتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں التصوف نعت اقیم العبد فیه۔۔ یعنی تصوف ایک صفت ہے جس میں کہ آدمی کو قائم کیا گیا ہے۔

ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں۔ التصوف ترک کل حظ للنفس۔۔ یعنی تصوف نفسانی حظوظ ولذائذ سے دستکش ہونا ہے۔ اس کی دو قسم ہیں۔ (۱) رسم یعنی مجازا (۲) حقیقت۔ یعنی ترک لذات اگر تصوف ہے تو ترک لذت بھی ایک لذت ہے۔ اسی کو رسم کہا جاتا ہے اگر کوئی اس کا بھی تارک ہے تو یہ حالت فنائے لذت و حظ کہلائے گی۔ اس معنی کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ پس ترک لذت و حظ بندہ کا فعل ہے اور فنائے لذت و حظ فعل خداوندی ہے۔ (کشف المحجوب صفحہ ۷۷) پس بندہ کا فعل رسم و مجاز اور خدا کا فعل حقیقت کہلائے گا۔

(۲) ابوالحسن نوری کا یہ بھی ارشاد ہے۔ الصوفیه هم الذین صفت ارواحهم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق صوفیا وہ لوگ ہیں کہ ان کی ارواح (جانیں) کدورت بشریہ اور آفات نفسانیہ سے آزاد و پاک ہو کر بارگاہ حق میں پہلی صف میں متمکن ہیں۔

۳۔ ابوالحسن نوری کا تیسرا قول یہ ہے کہ الصوفی لایملک ولا یملک یعنی صوفی کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی (شئے) کا مملوک ہی ہوتا ہے یعنی وہ نہ قابض ہوتا ہے نہ مقبوضہ۔ ابو عمر الدمشقیؒ فرماتے ہیں۔ التصوف رویه الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون یعنی تصوف جہاں کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نام ہے۔ بلکہ تصوف یہ ہے کہ جہان کی طرف سے آنکھ بند کر لی جائے۔

Marfat.com

کیونکہ جس وقت جہان پر نظر ہوگی تو جب جہان نہیں رہے گا نظر بھی نہیں رہے گی اور جو خود سے نابینا ہوگا- وہ حق بین ہوگا- محمد بن علی بن امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے نزدیک:

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف--

تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے پس جس کے اخلاق جتنے زیادہ پاکیزہ ہوں گے وہ اتنا زیادہ (بلند درجہ کا) صوفی ہوگا- ابوبکر شبلیؒ کا قول ہے کہ: الصوفی لایری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ- یعنی صوفی وہ ہے جو دونوں عالم میں ذات الٰہی کے سوا کچھ نہ دیکھے-

تصوف کی بنیاد حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:

التصوف مبنی علی ثمان خصال السخا والرضا والصبر والاشارہ والغربہ ولبس الصوف والسیاحہ والفقر --- اما السخا فلابراہیمؑ واما الرضا فلاسماعیلؑ واما الصبر فلایوبؑ واما الاشارہ فلذکریاؑ واما الغربہ فلیحییؑ واما لبس الصوف فلموسیؑ واما السیاحہ فلعیسیؑ واما الفقر فلمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین----

یعنی تصوف کی بنیاد آٹھ (پیغمبرانہ) خصلتوں پر ہے- (۱) سخا (۲) رضا (۳) صبر (۴) اشارہ (۵) غربت یعنی مسافری (۶) صوف کے کپڑے پہننا (۷) سیاحت اور (۸) فقر--- یہ آٹھ خصلتیں آٹھ اوالعزم انبیاء علیہم السلام کی اقتداء میں ہیں- یعنی سخاوت حضرت ابراہیم کی رضا حضرت اسماعیل کی صبر حضرت ایوب اشارہ حضرت زکریاؑ، غربت حضرت یحیٰؑ کی اور لباس صوف حضرت موسیٰؑ اور سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہم السلام اجمعین کی اقتدا سے متعلق ہے- (کشف المحجوب ۸۲-۸۰)

تصوف حسن خلق کا نام ہے: حضرت ابو حفص حداد نیشاپوریؒ کا قول ہے: التصوف کل اداب لکل وقت ولکل مقام وادب لکل حال ادب فمن لز اداب الاوقات بلغ مبلغ الرجال ومن ضیع الاداب فھو بعید من حیث بظن القول -- یعنی تصوف سراسر ادب یعنی ہر وقت و مقام اور حالی کے لئے ادب ہے- جس نے آداب کو اس کے اوقات میں لازم رکھا وہ مردان خدا کے درجہ پر فائز ہوا- اور جس نے آداب کو ضائع کیا وہ نزدیکی کے خیال سے دور ہوا اور قبول حق کے گمان سے باہر ہو کر مردود ہوگیا- (کشف المحجوب)

حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف حسن الخلق یعنی تصوف نیک

Marfat.com

خصلت کا نام ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں اور اس کی اصل قرآن وحدیث میں ہے:۔

ا۔ اللہ کے احکام (امرونواہی) کو بغیر ریاء کے ادا کرنا۔

۲۔ بڑوں کی عزت و تکریم و تعظیم کرنا۔ چھوٹوں پہ شفقت کرنا اور برابر والوں سے بلا خواستگاری معاوضہ وغیرہ حق وانصاف برتنے کی محافظت کرنا۔

۳۔ نفس وشیطان کی پیروی سے باز رہنا۔

حضرت ابو علی قربنیؒ فرماتے ہیں کہ:

التصوف ھو الاخلاق الرضیہ --- یعنی تصوف پسندیدہ و محمودہ اخلاق کو کردار کا نام ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش رہے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ کے نزدیک:

التصوف ھو الحریہ والفتوۃ وترک التکلف والسخاو بذل الدنیا یعنی تصوف نام ہے ہوائے نفسانی سے آزاد ہونے کا فتوت (نوعمر سے دور اور مجرد رہنا فتوت ہے) سے دور رہنے کا اور ترک تکلفات کا اور سخاوت کا اور دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دینے کا۔ (کشف المحجوب (اردو) صفحہ ۸۵)

حضرت ابوالحسنؒ فرماتے ہیں۔ لیس التصوف رسوما ولاعلوما ولکن اخلاق

یعنی تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ وہ اخلاق ہے (کشف المحجوب) یعنی رسوم ہوتے تو ریاضت سے علوم ہوتے تو تعلیم سے حاصل ہو جاتے۔ لیکن تصوف تو نرا اخلاق حسنہ ہے جو عمل سے حاصل ہوتا ہے۔

ابو محمد جریری کے بقول "تصوف ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل اخلاق سے نکلنے کا نام ہے۔ محمدؒ بن علی الکتانی فرماتے ہیں۔ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ (ایضاً)

محمد بن احمد المقریؒ فرماتے ہیں۔

التصوف استقامہ الاحوال معہ الحق ---- یعنی حق کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام تصوف ہے۔ حق قرآن وفرقان ہے۔ جو اخلاق حسنہ کا منبع ہے۔ اس سے لمحہ بھر کے لئے مہجوری --- تصوف کے مقام سے گرا دیتی ہے۔ لہٰذا حق کے ساتھ استقامت تصوف کا لازمی جز ہے۔

حضرت حضریؒ فرماتے ہیں۔ الصوفی لایوجد بعد عدم ولایعدم بعد وجودہ یعنی صوفی وہ ہے جو معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے کی خواہش نہیں کرتا۔ دوسرے لفظوں میں جو کچھ وہ پاتا ہے اسے کسی حال میں گم نہیں کرتا اور جو گم ہو جائے اسے کسی حال میں پانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ اس کی یافت نایافت نہیں ہوگی اور نایافت کسی طرح یافت نہیں ہوگی۔ تاکہ اثبات، بغیر نفی کے اور نفی بغیر اثبات کے ہو جائے۔ سید علی ہجویری اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"اس کلام کا مفہوم و مقصد یہ ہے تاکہ اس کی بشریت پورے طور پر ساقط ہو کر جسمانی مشاہدات حق تعالیٰ میں مستغرق ہو جائیں اور اس کا علاقہ تمام علائق سے منقطع ہو جائے تاکہ بشریٰ اسرار کسی کے حق میں ظاہر نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے تمام متفرقات اپنی ذات میں جمع ہو جائیں اور وہ خود بخود قیام پالے۔ یہ صورت حال دو نبیوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

ا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وجود میں عدم نہ تھا یہاں تک کہ دعا کی:۔ رب شرح لی صدری ویسرلی امری ---- اے اللہ! مجھے شرح صدر عطا فرما اور میرا معاملہ مجھ پر آسان فرمادے۔

۲۔ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عدم میں وجود نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ الم نشرح لک صدرک ---- اے نبی! کیا ہم نے آپ کا شرح صدر نہ فرمایا؟---- یعنی ---- ایک نبی نے تو آرائش چاہی اور زینت طلب کی اور دوسرے کو حق تعالیٰ نے خود آرائش و زینت بخشنا چاہی مگر انہوں نے پسند نہ فرمائی۔ (کشف المحجوب صفحہ ۸۲-۸۱)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں تصوف کو قرآن و سنت پر مبنی قرار دینے کے دلائل دے کر---- فرماتے ہیں۔

"اور جان لیجئے کہ جو احوال بلند اس کتاب (عوارف المعارف) میں ہم صوفیہ کی طرف منسوب کریں وہ احوال مقربین ہیں اور اصل صوفی مقرب ہے۔ اور قرآن میں اسم صوفی نہیں ہے اور صوفی کا اسم ترک ہے اور رکھا گیا ہے مقرب کے لئے---- یہ نام اہل قرب کے لئے بلاد اسلام کے مشرق و مغرب میں نہیں جانا اور پہچانا جاتا---- بلکہ یہ (نام صوفی) اہل رسم کے لئے معروف ہے۔ اور بہت سے حضرات مقربین بلاد عرب، ترکستان اور ماوراء النہر میں موجود ہیں مگر وہ صوفیہ نہیں کہلاتے تو معلوم رہنا چاہئے کہ صوفیہ سے ہماری مراد مقربین الٰہی ہیں۔

تصوف اور اخلاق رذیلہ: تصوف اخلاق رذیلہ کی تہذیب و اصلاح کرتا ہے۔ جس طرح مادی دنیا میں کسی صاحب اقتدار کی پیشانی پر بل دیکھ کر بہت سے دل دہل جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی سچے صوفی کے دل سے اٹھنے والے ارادے کی لہریں اپنے مفعول کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ بدکرداری کے ارادہ سے بڑھنے والے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور پھر رک جاتے ہیں۔ ایسے صاحب تصرف صوفیاء دنیا میں اصلاح احوال و کردار کا باعث بنتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ظاہری ذرائع کچھ اور ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے ان بزرگوں کے قوی ارادے کی لہر ہوتی ہے جو حالات اور اسباب کے تانے بانے بنتی چلی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ذریعے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ بارش برستی ہے۔ برکتیں نازل ہوتی ہیں وغیرہ (مفہوم) بعض صوفیاء اپنے ارادتمندوں کی اصلاح اپنے تصرف سے فرماتے ہیں۔ میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے ایک مرید کی شادی ہوئی تو وہ عشاء کی نماز ادا کئے بغیر سو گیا۔ تو تھوڑی دیر بعد وہ چارپائی سے اچھل کر نیچے گر پڑا۔ فوراً اٹھا اور مسجد کو بھاگا۔ گھر والوں کو بتایا کہ میاں صاحب نے خواب میں مجھے دو ٹھمڈمار کر اٹھایا اور نماز ترک کرنے پر مجھے برا بھلا کہا۔ (خزینہ معرفت)

Marfat.com

امام غزالی اور تصوف

امام غزالیؒ کے حوالہ سے مولانا شبلی نعمانی تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

علمی حیثیت سے تصوف کو امام صاحب سے وہی نسبت ہی جو منطق کو ارسطو سے ہے۔ تصوف کی ابتداء اگرچہ قرن اول میں ہو چکی تھی لیکن امام صاحب کے زمانہ تک اس کی جو حالت تھی۔ وہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوگی۔

امام قشیری اپنے مشہور رسالے میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود باجود تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین، اور پھر تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ یہ زمانہ بھی ہو چکا۔ تو بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقہ کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا۔ اس لئے جو لوگ خاص اہل سنت و جماعت میں سے زاہد اور اہل دل تھے۔ وہ صوفی کہلائے۔

صوفی کا لقب کب سے شروع ہوا؟ یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔ صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم صوفی کو ملا۔ جنہوں نے ۱۹۵ء میں وفات پائی۔ (بحوالہ رسالہ قشیریہ ذکر مشائخ طریقت)

امام صاحب موصوف نے ایک دوسرے موقعہ پر تصوف کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ کہ اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں بعض کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے یہ ان کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفاء ہے۔ بعض کے نزدیک صف، لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ صوف سے ماخوذ ہو۔ جس کے معنی پشمینہ کے ہیں۔ لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی خصوصیت نہیں۔

تصوف کی حقیقت یہ تو لفظی بحث تھی۔ تصوف کی حقیقت اور ماہیت میں بھی نہایت اختلاف ہے، امام قشیری نے اپنے رسالے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ حضرت ذوالنون مصری "صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کو لیا ہے۔"

۲۔ حضرت جنید بغدادیؒ "جس کا جینا مرنا محض خدا تعالیٰ پر ہو۔"

۳۔ ابو بکر حریریؒ "تمام اخلاق حسنہ کا جامع، اور تمام اخلاق رذیلہ سے بری۔"

۴۔ منصور حلاج۔ "جو شخص کہ نہ اس کو کوئی پسند کرے نہ وہ کسی کو پسند کرے۔"

۵۔ ردیم "جو شخص اپنے آپ کو بالکل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں دے دے۔"

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں اسی قسم کے بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ "ان میں سے کوئی تعریف جامع و مانع نہیں ہے۔ بلکہ ہر بزرگ نے اپنے ذوق کی بناء پر تصوف کے

Marfat.com

مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کی ہے اور بعض حضرات نے زہد و فقر و تصوف تینوں کو خلط ملط کر دیا ہے، حالانکہ یہ تینوں مختلف چیزیں ہیں۔ تصوف درحقیقت زہد و فقر اور بعض اور اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتداء میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا۔ زہد جس قدر بڑھتا گیا۔ روحانی اوصاف یعنی صبر و شکر توکل و رضاء انس و محبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوتے گئے۔ عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا۔ تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف والہام اور بعض قسم کے خرق عادت کا ظہور ہوا۔ غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا۔ لیکن یہ امر صاف طور سے طے نہ ہوا۔ کہ ان میں سے تصوف کا اصلی حصہ کس قدر ہے اسی بناء پر قدماء میں سے ہر شخص نے تصوف کی نئی تعریف بیان کی یعنی مجموعہ میں سے صرف ایک حصہ کو لے لیا۔

امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور عملی پیرایہ میں جو کتاب لکھی گئی تھی۔ وہ امام قشیری کا رسالہ تھا۔ تاہم اس رسالہ میں صرف ورع، تقویٰ، صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کئے ہیں اور ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکایتیں لکھ دی ہیں کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی اور مکاشفات اور روحانی ادراکات کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں امام غزالی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمی طور پر اس فن کو مرتب کیا۔ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں سب سے پہلے امام صاحب نے تصوف کو علمی حیثیت سے مدون کیا۔

"امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ ورع اور اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔"

قلبی واردات اور مکاشفہ اور ان کی حقیقت

تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ علم و عمل لیکن فرق یہ ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے۔ تصوف میں بخلاف اس کے عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

انسان کو اشیاء کا جو ادراک ہوتا ہے اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ استنباط، استدلال، تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غور و فکر کے بغیر دفعتاً ایک شئے کا ادراک ہو جاتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ہوا۔ کیونکر ہوا۔ اصطلاح تصوف میں اس کا نام الہام ہے۔

اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو یعنی اہل و عیال دوست و احباب، جاہ و دولت کسی چیز سے وابستگی باقی نہ رہے۔ اس کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ کسی چیز کا مطلقاً خیال نہ آنے پائے۔ اس کے ساتھ زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے۔ رفتہ رفتہ یہ مشق اس قدر بڑھے کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور تصور میں زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا جائے۔ پھر یہ تصور جمایا جائے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے۔ یہ تصور

Marfat.com

اس حد تک پہنچائے کہ حرف و صورت کا خیال جاتا رہے۔ اور اللہ کا تصور دل میں اس طرح اثر کر جائے۔ کہ کسی وقت جدا نہ ہونے پائے۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائے گی۔ تو مکاشفہ شروع ہو گا۔ ابتداء میں برق خاطف کی طرح آ کر نکل جائے گی۔ پھر ترقی ہوتی جائے گی۔ اور ثبات و دوام حاصل ہو گا۔ (احیاء العلوم بیان الفرق بین الالہام و دالتعلم۔)

مکاشفہ سے ان تمام اشیاء کی حقیقت کھل جاتی ہے جن کا تصور محض تقلیدی اور اجمالی طور پر تھا۔ مثلاً نبوت، وحی، ملائکہ، شیطان، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب ان اشیاء کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ بعض ان تمام چیزوں کو تمثلات خیالی قرار دیتے ہیں بعض ان کو بالکل ظاہری معنوں پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن جب مکاشفہ حاصل ہوتا ہے تو ان اشیاء کی جو کچھ حقیقت ہے وہ گویا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

احیاء العلوم جلد اول- بیان العلوم الذی ہو فرض کفایہ-زکر علم مکاشفہ)

ظاہر بینوں کو یہاں یہ شبہ پیدا ہو گا کہ انسان کو جو ادراک ہوتا ہے وہ صرف حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے یہ ناممکن محض ہے کہ حواس معطل ہو جائیں اور دل کے ذریعہ سے ادراک ہو۔ دل اول تو محل ادراک نہیں اور ہو بھی تو اس کا ادراک انہیں چیزوں پر متفرع ہو گا جو حواس خمسہ نے اس کے سامنے پیش کئے ہوں۔

امام صاحب اس شبہ سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے احیاء العلوم جلد دوم، میں خود اس شبہ کو ذکر کیا ہے، لیکن اس شبہ کا جواب قال نہیں بلکہ حال ہے۔ امام صاحب صرف یہ کہہ کر گئے ہیں۔

یہ اسرار قلب کے عجائبات ہیں جن کے ظاہر کرنے کی علم معاملہ میں اجازت نہیں۔

امام صاحب نے اس کو مثال میں یوں سمجھایا ہے۔

"ایک دفعہ روم و چین کے نقاشوں میں مقابلہ ہوا۔ دونوں اپنی اپنی فضیلت کے مدعی تھے۔ بادشاہ وقت نے آمنے سامنے کی دو دیواریں دونوں گروہوں کے لئے مقرر کر دیں۔ کہ ہر ایک اپنے حصہ کی دیوار پر اپنی صنعت کاری کا نمونہ دکھائے۔ بیچ میں پردہ ڈال دیا گیا۔ تاکہ ایک دوسرے کی نقل نہ اتارنے پائے۔ چند روز کے بعد رومی مصوروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے۔ چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہو چکے۔ پردہ اٹھایا گیا تو دونوں میں سر مو فرق نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ رومیوں نے بجائے نقاشی کے صرف یہ کیا تھا کہ دیوار کو صیقل کر کے آئینہ بنا دیا تھا۔ پردہ اٹھا تو سامنے کی دیوار کے تمام نقش اس میں اتر آئے۔

امام صاحب اس مثال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ "صوفیہ کے علوم کی یہی مثال ہے وہ قلب کو اس قدر صاف اور مجلا کر دیتے ہیں کہ تمام معلومات خود اس میں منقش ہو جاتے ہیں۔"

مولانا روم نے بھی یہی تمثیل پیش کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

رومیاں آں صوفیا نند اے پسر نے تکرار کتاب و تر ہنر

Marfat.com

لیک صیقل کردہ اند آں سینہ ہا پاک ز آز و حرص و بخل و کینہ ہا
آں صفائے آئینہ وصف دل است موت بے منتہا را قابل است
صورتے بیصورتے بیحد و عیب زآئینہ دل تافت برموسی رجیب
عقل اینجا ساکت آید یا مضل زانکہ دل با اوست یا خود داشت دل
عکس ہر نقشے نہ تابد تا ابد جز بہ دل ہم بے عدد ہم با عدد
تا ابد نو نو صور کاید برو سے نماید بے حجابی اندرو
اہل صیقل رستہ اند زبوئے ورنگ ہر دے نیند خوبی بے درنگ
نقش و قشر علم را بگذاشتند رایت عین الیقین افراشتند
برتر اند عرش و کرسی وخلاء ساکنان مقعد صدق خدا

اگرچہ ظاہر پرستوں کو اس مثال سے بھی تسلی نہ ہوگی۔ لیکن یہ مسئلہ کہ حواس ظاہری کے سوا ادراک کا کوئی اور ذریعہ بھی ہے۔ بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا گروہ مانتا آتا ہے۔ حکمائے اشراق جن کا سرخیل افلاطون تھا۔ عموماً اس مسئلے کے قائل تھے۔ اور اسی بناء پر وہ اور فرقوں سے ممتاز تھے۔ یورپ سے بڑھ کر کون مادہ پرست ہو سکتا ہے تاہم وہاں بھی ایک گروہ موجود ہے جو روحانی ادراک کا قائل ہے جو اسپریچولیزم یعنی روحانیت کے لقب سے مشہور ہے۔

بہرحال تصفیہ قلب سے اس قسم کا ادراک ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے لیکن چونکہ تصفیہ قلب کے لئے انسان کا اخلاق ردیہ سے بری ہونا ضروری ہے۔ اس لئے پہلے ابتداء اخلاق سے ہوتی ہے اخلاق کا یہ حال ہے کہ ظاہری اور محسوس صورتوں میں تو ہر شخص ان کو سمجھ سکتا ہے لیکن دقائق اخلاق کا سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ذمائم اخلاق میں مبتلا ہیں۔ لیکن سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے کہ ان میں یہ ذمائم پائے جاتے ہیں۔

امام غزالی سے پہلے جو کتابیں تصوف میں لکھی گئی تھیں۔ مثلاً قوت القلوب، رسالہ قشیریہ وغیرہ سب میں ان اخلاق کا ذکر ہے۔ لیکن صرف نام لکھ دیئے ہیں۔ ان کی حد و حقیقت نہیں بیان کی۔ جس سے ان کی اشتباہ انگیز اور مبہم صورتیں خیال میں آجائیں۔ امام صاحب نے احیاء العلوم میں ایک ایک پر مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ اور اس توضیح دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے ان کی حقیقت بیان کی ہے۔ کہ آج تک اس پر اضافہ نہ ہو سکا۔ اسی بناء پر علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے تصوف کو فن بنادیا۔

صوفیانہ اصطلاحات مجاہدہ و ریاضت میں قلب پر بہت سے حالات اور کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ ان کے سینکڑوں انواع اور مدارج ہیں اور جس قدر فن تصوف کو ترقی ہوتی گئی ہے۔ ان گوناگوں کیفیتوں کے لئے خاص خاص اصطلاحیں قائم ہوتی گئی ہیں۔ امام قشیری کے زمانے تک جو اصطلاحات قائم ہو چکی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ وقت، مقام، حال، قبض و بسط، ہیبت، انس، تواجد، جمع، فرق، جمع الجمع، فنا و بقاء، غیبت و حضر، صحو و سکر، ذوق و شرب، محو و اثبات، ستر و تجلی، محاضرہ و مکاشفہ، لوائح و طوالع، ولوامع، بوادہ وہجوم، تلوین و تمکین، قرب و بعد خواطر، علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین، لطیفہ سر وغیرہ۔

Marfat.com

امام غزالی نے اپنے رسالہ ابلاء عن مشکلات الاحیاء میں اصطلاحات مذکور پر مصطلحات ذیل اضافہ کئے ہیں۔

سفر، سالک، مکان، شطح، ذہاب، وصل، فصل، ادب، تجلی، تخلی، علت، انزعاج، غیرت، حریت، فتوح، وسم، رسم، زوائد، ارادہ، ہمت، غربت، مکر، اصطلام، رغبت، وجد۔

امام صاحب نے ان اصطلاحات کی شرح بھی کی ہے کسی کو شوق ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

تصوف اگرچہ (جیسا کہ بیان ہوا) درحقیقت صرف ایک قسم کا علم ہے۔ یعنی علم باطن، اس کے نتائج عجیب و غریب ہیں جو مقامات سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ چونکہ عقائد اسلام میں داخل ہے۔ عالم و جاہل، عام و خاص، سب اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کو چونکہ اس مسئلے کا علم تقلید یا استدلال سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی خاص حالت نہیں پیدا ہوتی اور افعال و اعمال پر اس کا چنداں اثر نہیں پڑتا۔

بخلاف اس کے تصوف میں اس مسئلے کا علم مشاہدہ اور کشف کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ یعنی صوفی کو درحقیقت چاروں طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر خضوع و خشوع ہیبت و خوف، ادب انقیاد کی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی طرح علم ظاہری سے نہیں پیدا ہو سکتی۔

یا مثلاً خدا کا رزاق ہونا سب مانتے ہیں لیکن طلب معاش میں لوگوں کو جو بے قراری رہتی ہے۔ اس سے اس اعتقاد کا پتہ بھی نہیں چلتا بخلاف اس کے صوفیہ میں سے جو لوگ اس مقام تک پہنچتے ہیں ان کو وہ اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ ایک ویران اور سنسان جنگل میں پہنچ جائیں۔ جہاں سینکڑوں کوس تک آب و دانہ کا پتہ نہ ہو۔ تب بھی ان کو کھانے پینے کی ذرا فکر نہ ہوگی۔ (جیسے ابراہیم علیہم السلام اسماعیل اور ہاجرہ کو مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔)

اسی طرح صبر و شکر، توکل و رضاء، قناعت و تواضع وغیرہ کی حقیقی کیفیت صوفی پر طاری ہوتی ہے۔ اور وہ سراپا حال بن جاتا ہے۔

صوفیہ کے مدارج میں اختلاف ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنے ذوق کے موافق کوئی خاص مقام اختیار کرلیتا ہے اور اس میں ترقی کرتا ہے۔ مثلاً کسی پر توکل کی کیفیت طاری ہوتی ہے کوئی جمد کے مقام میں ہے کوئی محو کے عالم میں ہے۔ کسی پر اثبات کا غلبہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

تصوف کے لفظ کی تحقیق: اس بحث کے خاتمہ میں یہ راز بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں سنسے تھا۔ اور اس کا مادہ سوف تھا۔ جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے ان کو سوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا۔ یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے۔ چنانچہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ۔ حکمائے اشراقیہ مشرب اور

Marfat.com

اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے، اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ (بحوالہ الغزالی صفحہ ۲۶۵ تا ۲۷۸)

لیکن نولڈکہ (Noldeke) نے اس اشتقاق کو اس بناء پر رد کیا ہے کہ یونانی میں صرف "Sigma" عربی میں ہمیشہ "س" کی صورت میں آتا ہے نہ کہ "ص" کی صورت میں۔ نیز آرامی زبان میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جسے سوفوس اور صوفی کی درمیانی صورت سمجھا جاسکے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۱۸)

لہٰذا "سوف" والی بات درست نہیں۔ اسلامی محققین نے تصوف کو صوف (اون) سے مشتق مانا ہے اور اسے باب تفعل کا مصدر کہا ہے۔ جیسے قمیص سے تقمص۔۔۔۔ جو لبس الصوف (معانی) کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلام کے آغاز میں ہی متصوفانہ زندگی کے خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آنے لگے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اللہ کے ساتھ سچی وابستگی اور دنیائے دوں کو غیر اہم ثابت کرنے پر منحصر رہی اسلام کی پہلی دو صدیوں کے بارے میں جاحظ اور ابن الجوزی (قصاص) نے اس دور کے چالیس سے زیادہ متحد زہاد کے نام محفوظ کر دیئے ہیں۔ اور انہوں نے ظواہر عبادات کی روحانی معنویت کو بڑی اہمیت دی ہے جس سے صوفیانہ زندگی کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔

تصوف کا ارتقاء: صحابہ کرامؓ میں ابو ذر غفاریؓ اور حذیفہؓ وغیرہ اس مسلک میں منفرد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی دنیاوی تعیش کی خواہش سے معرا تھی۔ آپؐ نے دنیا کو مردار اور اس کے طالب کو کتے سے تشبیہ دی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص استطاعت کے باوجود کسی نفسی اور تواضع کے لئے زیب و زینت کے لباس کو ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ اسے عظمت و بزرگی کا لباس پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ مترجم جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۸۶ بحوالہ ابو داؤد)

چنانچہ ابراہیم ادھم شاہانہ زندگی چھوڑ کر صوفی ہو گئے۔ فرمایاؐ ۔۔۔۔ جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس (جس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہو) پہنے اسے قیامت کو اللہ تعالیٰ ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (ایضاً۔۔ بحوالہ ترمذی۔ احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی عن ابن عمرؓ)

فرمایاؐ ۔۔۔۔ یاد رکھو! کپڑے کا پرانا ہونا اور زینت دنیا کا ترک کرنا ایمان کی علامت ہے۔ اور ایمان کا اخلاق پرانے کپڑے پہننے میں ہے۔ (ایضاً بحوالہ ابو داؤد عن ابی امامہؓ)

یہ ارشادات تکبر اور غرور کو مٹانے کی ترغیبات ہیں۔ تکبر نے عزازیل کو لعنت کا طوق پہنا دیا حالانکہ وہ بڑا عابد اور توحید پرست تھا۔۔۔۔۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے بسلسلہ معراج وغیرہ فرمایا۔ کہ جنت میں زیادہ تعداد غرباء کی تھی۔ اور دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اہل بیت نے کبھی دو روز مسلسل جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے وفات پائی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں شام کو نہ تو ایک صاع گیہوں رہتے تھے اور نہ کوئی اور غلہ (یعنی صبح کے لئے کسی قسم کا سامان نہ رکھتے تھے) حالانکہ آپ کی نو

Marfat.com

بیویاں تھیں (بخاری)

حضور علیہ السلام نے ہمیشہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ عمر فاروقؓ نے آپ کو کھجور کے پتوں کی چٹائی پر لیٹے دیکھا اس کے بدن پر نشان پڑ گئے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فارس و روم کے لوگ تو خوشحال ہیں حالانکہ وہ عبادت نہیں کرتے۔ دعا فرمایئے کہ آپ کی امت کو خوشحالی نصیب ہو۔ فرمایاؐ --- کیا تو ابھی دنیا میں ہی گم ہے؟--- یاد رکھ اولیک عجلت لھم طیباتھم فی الحیوہ الدنیا۔--- یعنی ان کو دنیا کی زندگی میں ہی سب کچھ عطا کر دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا--- اما ترضی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاخرہ (بخاری و مسلم مفہوم و تلخیص)

اصحاب صفہ کی زندگی صحیح معنوں میں صوفیانہ طرز کی حامل تھی۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر آدمی، اصحاب صفہ میں ایسے دیکھے کہ ان میں کسی کے پاس بھی چادر نہ تھی۔ صرف ایک تہمد تھا یا کملی---- جن کو انہوں نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھا تھا۔ ان میں سے بعض کے تہمد آدھی پنڈلیوں تک تھے۔ بعض کے ٹخنوں تک اور وہ نماز میں اسے ہاتھ سے پکڑ کر رکھتے تاکہ ستر نہ کھلیں۔ (بخاری، مفہوم و تلخیص) ابو ہریرہؓ کو حضورؐ نے فرمایا کہ فقرا جنت میں دولتمندوں سے آدھا دن پہلے جائیں گے جو ہمارے پانچ سو سالوں کے برابر ہے۔ (ترمذی)

آپؐ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرہ المساکین (ترمذی و بیہقی عن انسؓ)

یعنی اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی میں ہی موت دینا اور مسکینوں کے زمرہ میں میرا حشر فرمانا۔ مساکین کا صدقہ ہی سب کو روزی اور مدد ملتی ہے۔ فرمایاؐ

الغوفی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم (ابوداؤد)

یعنی میری رضامندی اپنے مسکینوں میں تلاش کرو کیونکہ ان کے صدقے میں تمہیں رزق دیا جاتا ہے یا (دشمن کے خلاف یا بوقت ضرورت) تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

دنیا کو مومن کے لئے قید خانہ اور قحط کہا گیا ہے کہ موت کے بعد ہی اس سے خلاصی ہوتی ہے۔ (شرح السنتہ عن عبداللہ بن عمرو)

فرمایاؐ --- جب اللہ تعالیٰ کسی کو محبوب بناتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو--- (احمد و ترمذی عن قتادہ بن نعمان)

عبداللہ بن مغفل کے سامنے ایک صحابیؓ نے حضورؐ کو اپنی محبت کا تین دفعہ بتکرار یقین دلایا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔

Marfat.com

ان كنت صادقا فاعد للفقر تجفا فالفقر اسرع الى من يحبنى من السيل الى منتهاه (ترمذی، ہذا حدیث غریب) یعنی اگر تو سچا ہے تو فقر کا پاکھر (جہاد کی زین) تیار کر لے۔ کیونکہ میرے محبوبوں کو فقر و افلاس اس پانی سے بھی جلدی پہنچتا ہے جو اپنے منتہا کی طرف رواں ہو۔ جنگ خندق کے موقع پر صحابہؓ نے حضور کو پیٹ پر پتھر بندھے دکھائے تو حضورؐ نے اپنا پیٹ دکھایا جس پر دو پتھر بندھے تھے۔ مائی عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو تین پسندیدہ چیزوں خوشبو، عورتیں اور کھانا میں سے پہلی دو تو ملیں لیکن تیسری یعنی کھانا--- زیادہ نہ ملا۔ (احمد)

فرمایاؐ --- جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر راضی رہے۔ اللہ اس کے تھوڑے عمل سے ہی راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ما شبعنا من تمر حتی فتحنا خیبر (بخاری) (بیہقی عن علیؓ ابن ابی طالب) یعنی ہم نے کبھی پیٹ بھر کر کھجوریں نہ کھائیں حتی کہ خیبر کو فتح کر لیا۔

فرمایاؐ ---- اگر آدمی کے پاس مال سے بھرے ہوئے دو جنگل ہوں تو بھی اسے تیسرے کی تلاش رہتی ہے۔ (بخاری و مسلم عن ابن عباسؓ)

ابن عمرؓ کو آپؐ نے مونڈھوں وغیرہ سے پکڑ کر فرمایاؐ۔

كن فى الدنيا كانك غريب اوممابر سبيل وعد نفسك من اهل القبور (بخاری)

یعنی تو دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی بسر کر۔ اور اپنے آپ کو فوت شدہ لوگوں میں شمار کر۔

واتلائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہر آن اللہ کی معیت حاصل تھی اور آپؐ پر اسرار و انوار منکشف ہوتے رہتے تھے۔ ابو ہریرہؓ کے سامنے آپؐ نے فرمایا۔

والذى نفسى بيده لو تعلمون ما اعلم لبكيتم كثيرا ولضحكتم قليلا۝

یعنی بخدا اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ اور کم کم ہنسو۔

فرمایاؐ ---- لا يدخل الجنه جسد غذى الحرام (بیہقی عن ابو بکر صدیقؓ)

وہ بدن جنت میں داخل نہ ہو گا جس کی پرورش رزق حرام سے ہوئی ہو۔

راہ سلوک میں یہ حدیث شریف بڑی اہم ہے ---- حضرت عطیہ سعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع مالا باس به حذر المابه باس (ترمذی و ابن ماجہ)۔ (مشکوۃ مترجم جلد ۲ صفحہ ۱۴)

کوئی بندہ اس وقت تک اہل تقوی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ان چیزوں سے بچا رہ

Marfat.com

سکے جن میں کہ برائی ہے۔ اس کی مثال یہ کہ ایک شخص سڑک کے کنارے چل رہا ہے۔ دوسرا کنارے سے دور رہ کر چل رہا ہے۔ اور تیسرا مزید دور رہ کر چل رہا ہے تاکہ ٹریفک کی لپیٹ میں نہ آسکے پس یہ تقویٰ کے درجات ہیں۔

صوفیاء بعض جائز باتوں کو بھی ترک کر دیتے ہیں تاکہ ناجائز سے بہت زیادہ دوری پاسکیں۔ یہی باتیں صحابہؓ کو حضورؐ نے ارشاد فرمائیں اور حکم دیا کہ بلغوا عنی ولو ایہ چنانچہ سارے صحابہ حضور کے امر سے مبلغ تھے۔ اخلاق رذیلہ سے بچنے کا حکم قرآن حکیم میں جگہ جگہ آیا ہے۔ اور اخلاق حسنہ اختیار کرنے کا حکم بھی ملا ہے۔ یہ پاکیزگی اور خلوص و محبت ہی اسلام کی جان ہے۔ حضورؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں صحابہ کی زندگی ہر طرح کی ریاکاریوں سے پاک تھی۔ اور ہر عمل اخلاص کا مرقع ہوتا تھا۔ علمائے حق کے نزدیک صدیقؓ و عمرؓ اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اخلاص عمل کے علمبردار و موید تھے۔ یزید کے دور میں حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے کلمہ حق بلند کیا اور روح اسلام کیمطابقملمیں ظہور پرستی کے غلبہ کی چادر کو تار تار کر دیا۔ اور شہادت عظمیٰ پا کر زندہ جاوید ہو گئے۔ پس وہ اہل حق کےامام ٹھہرے۔ یہ صحابہؓ کا آخری دور تھا۔

پھر خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ ملکی نظام قائم کرنے کے لئے منہاج نبوت کو مثال بنانا ان حکمرانوں کے لئے کسی قدر ناممکن تھا۔ لہٰذا انہوں نے بادشاہت اختیار کر لی۔ اور علمائے حق نے قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا قرآن کے حکم کے مطابق کہ---- تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں کا قلع قمع کرے----" اہل حق نے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اس پر عملدر شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک طرف حدیث و فقہ کے مکتب کھلے اور دوسری طرف زہد و اتقاء کے علمبردار دنیاوی آلائشوں سے کنارہ کش ہو کر اللہ کیراہ میں جت گئے۔ ہمارے فقہاء اور محدثین بیک وقت حق و صداقت کے علمبردار اور متقی اور زاہد و عابد بھی تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیادار لوگ بھی غالب آتے گئے۔ چنانچہ ایک طبقہ صفائے باطن اور روح اسلام کی تازگی کے لئے وقف ہو کر رہ گیا۔ کوفے کی آبادی یمنی الاصل تھی۔ جبکہ بصرے کے نو آباد کار تمیمی الاصل تھے۔

اہل بصرہ میں سے حسن بصریؒ (م-۱۱۰ھ) مالک بن دینار، فضل رقاشی، رباح بن عمرو قیسی، صالح بن مری اور عبدالواحد بن زید (م-۱۷۷ھ) نے تصوف کی وادی میں نام پایا۔ اور اہل کوفہ میں سے ربیع بن خثیم (م-۶۷) ابو اسرائیل ملائی (م-۱۴۰ھ) جابر بن حیان کلیب صیداوی، منصور بن عمار، ابو لعتاھیہ اور عبدک نے زیادہ شہرت پائی۔

بغداد ۲۵۰ھ کے بعد اسلامی تصوف کا مرکز بن گیا تھا۔ اس دور میں مذہبی مناظروں کا آغاز ہوا۔ اور مساجد میں تصوف پر درس دیئے جانے لگے۔

اسی دور میں پہلے پہل اہل تصوف اور فقہاء میں کھلم کھلا تصادم ہوا اور بغداد کے قاضیوں کی عدالت میں ابو الفیض ذوالنون بن ابراہیم مصری، ابو الحسن احمد بن محمدؒ نوری اور ابو حمزہ (البغدادی البزاز) اور حلاج پر مقدمات چلائے گئے۔

Marfat.com

ابن الجوزی (تلبیس صفحہ ۱۸۳) کے مطابق یہ زمانہ ۲۶۲ھ سے ۲۶۹ھ کو محیط ہے۔

صوفیہ دانستہ طور پر فقر و فاقہ کی زندگی کو محض اس لئے ترجیح دیتے تھے تاکہ وہ قرآن میں مزید تدبر کر سکیں۔ (تقرا۔۔۔ تصوف کا پرانا مرادف ہے) اور عبادت میں تقریب الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تصوف سب سے پہلے اپنی کوتاہیوں کے خلاف عمل جہاد کا نام ہے۔ جس کا دائرہ بعد میں وسیع ہو کر لوگوں کی اصلاح کا موجب بھی بنتا ہے۔ جس میں وقت کے بادشاہ تک شامل تھے۔ شریعت کا مدار ظاہری اعمال پر ہے۔ اسی لئے قرآن میں منافقت کی کوئی سزا مقرر نہیں۔ اگرچہ اس کی علامات بتادی گئی ہیں۔ لیکن منافقین کو پکڑنا آسان نہیں۔ (البقرہ۔ رکوع۔ ۲) چنانچہ فقہاء نے صوفیہ پر الزام لگایا کہ وہ نیت کو عمل سے مقدم قرار دیتے ہیں اور سنت کو فرض سے لہٰذا ان کے اعمال کا انجام گمراہی ہوگا۔

تصوف کے اولین منکرین سب سے پہلے خارجیوں نے امام حسن بصری کے معاملے میں تصوف سے عداوت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد امامیہ (اثناء عشری، زیدی، غلاۃ) نے تیسری صدی ہجری میں تصوف کی ہر صورت کو اس لئے قابل مذمت ٹھہرایا کہ ان کے نزدیک تصوف مومنین کے سامنے ایک طرح کی غیر معمولی زندگی (صوف۔ خانقاہ) کی کیفیات پیش کرتا ہے اور اہل تصوف بارہ اماموں سے توسل جوئی اور تمسک بامامت کی بجائے حالت تسلیم و رضا کی جستجو میں لگ جاتے ہیں۔

اہل سنت اور تصوف اہل سنت و جماعت نے صوفیاء کے خلاف اپنا طرز عمل کافی آہستگی سے ظاہر کیا۔ نیز وہ کبھی ان کو مطعون کرنے میں متفق رائے نہیں ہوئے۔ سینوں کے صرف دو گروہوں نے تصوف پر تنقید کی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے تصوف پر یہ تنقید کی کہ وہ ظاہر عبادات کے مقابلے میں مراقبے پر زور دیتا ہے۔ اور روح کے لئے ذات خداوندی سے براہ راست تقرب کی راہ نکالتا ہے۔ اور بعد ازاں ایک مسلمان کو شرعی فرائض کی پابندی سے براہ راست تقرب کی راہ نکالتا ہے۔ اور بعد ازاں ایک مسلمان کو شرعی فرائض کی پابندی سے آزاد کر دیتا ہے۔ چنانچہ آپ کے خاص شاگرد خشیش اور ابوزرعہ نے تصوف کو زنادقہ کے کفر و الحاد کی ایک شاخ "الروحانیہ" میں شامل کیا ہے۔

ان کا دوسرا گروہ وہ تھا جو معتزلہ اور ظاہریوں پر مشتمل تھا۔ یہ عشق کے ذریعے خالق و مخلوق کے تقرب کو لایعنی سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ نظریاتی طور پر تشبیہ اور عملی لحاظ سے ملامت اور حلول کے مرادف ہے۔

لیکن اہل سنت کے معتدل طبقہ نے معتدل تصوف کو کبھی اسلام سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ وہ اخلاق و عبادات کے معاملہ میں ابن ابی الدنیا (م۔ ۲۸۱ھ) کے چھوٹے چھوٹے مقبول رسائل اور ابو طالب مکی (م۔ ۳۸۶ھ) کی قوت القلوب اور خصوصاً امام غزالی کی احیاء العلوم وغیرہ سے رہنمائی اور ہدایت طلب کرتے رہے ہیں اور غزالی کی اخلاقیات کو اس میدان میں بطور صحت تعلیم کرتے ہیں۔ ابن الجوزی اہل سنت میں ایسے شخص ہیں جنہوں نے تصوف پر تنقید بھی کی ہے۔ اور ان کے ساتھی ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی ہیں لیکن یہ حضرات امام غزالی کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں، جنہوں نے اس میدان میں اپنے شہکار چھوڑے ہیں۔ پھر ابن العربی کے وحدت الوجود نے بعض سنی علماء کو پر غضب کر دیا۔ لیکن وہ زیادہ کامیاب

Marfat.com

نہ ہو سکے۔ اسی طرح فرقہ وہابیہ کے بانی (عبدالوہاب) اگرچہ تصوف کے خلاف تھے (کیونکہ وہ جنبلی تھے) تاہم انہوں نے صوفی شقیق کی وصیت بنام حاتم الاصم کی شرح بھی لکھی تھی۔

صوفیاء کے نزدیک علم القلوب میں ایک محرک قوت موجود ہے۔ یہ علم قلوب کے سفر الی اللہ کی منزلوں کا پتہ دیتا ہے اور اس سفر کے بارہ مقامات متعین کرتا ہے جن کو احوال بھی کہا جاتا ہے۔ ان مقامات کے ناموں میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کی تفصیلات میں تقریباً توبہ، صبر، توکل اور رضا جیسی اصطلاحیں ملتی ہیں اور اس کی مقصدیت یہ ہے کہ روح علائق جسمانی پر غالب آکر ذات حق کو پالیتی ہے جس کی وہ مشتاق تھی۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے۔ لیکن اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہ تھے لہٰذا اس سلسلے میں مختلف اصطلاحات وجود میں آئیں۔ جو ان احوال کو بیان کرنے میں معاون ثابت ہونے لگیں۔ چنانچہ اس وقت سے صوفیاء۔ اپنے زمانے کی مروجہ دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے پر مجبور ہوگئے مثلاً شقیق نے توکل، مصری، اور ابن کرام نے معرفت، ذوالنون مصری اور بسطامی نے فناء۔ فراز نے عین الجمع اور ترمذی نے ولایت وغیرہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ جن سے ہر دور میں مختلف نزاع بھی پھوٹے۔ کئی گروہوں نے جنم لیا۔ جن کے مناظرے اور مجادلے کتابوں میں ملتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں یونانی فلسفہ کے تراجم نے اسلامی فکر کو متاثر کیا روح اور بدن کا تعلق مسئلہ لاینحل بن کر سامنے آیا۔ کسی نے روح کو مخلوق اور کسی نے غیر مخلوق قرار دیا۔ کسی نے عقل کو فیض الٰہی کا وسیلہ کہا اور قرامطہ اور سالیہ کے نزدیک فیض الٰہی نور محمدیؐ ہی ہے۔

نظریہ تصوف کے ارتقاء کا آخری دور ساتویں صدی ہجری کا آغاز ہے۔ اور اس کے حریفوں نے وحدت الوجود کی آڑ میں تصوف پر حملے کئے۔ جبکہ وجودیوں نے بعض قرآنی آیات ----- (بقرہ-۱۰۹ قصص-۸۸، ق-۱۰) کی تاویل اپنے حق میں کرلی۔ ابن العربی پہلا شخص ہے جس نے وحدت الوجود کے نظریہ کے اصولوں کو منضبط کیا۔ اور مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود کو بوضاحت بیان کیا۔

رجال الغیب اور صوفیہ صوفیہ کے نزدیک یہ دنیا اولیاء اللہ کے مستور نظام کی وجہ سے قائم ہے جن کی تعداد مقرر ہے جب ایک ولی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا ولی لے لیتا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ نقباء ---- تین صد
۲۔ ابدال ---- چالیس
۳۔ امنا ---- سات
۴۔ عمود ---- چار اور ان کا
۵۔ قطب ---- (یعنی وہ محور جس کے گرد دنیا کا سارا نظام گردش کرتا ہے۔ غوث)

نوٹ: اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے۔

تصوف غیر اسلامی نہیں تصوف کو بعض یورپی محققین نے غیر اسلامی ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ شاید یہ رہبانیت سے ماخوذ ہے۔ (Merx) مرکس کا یہی خیال تھا۔ بعض اسے یونانی فلسفہ الشراق سے

Marfat.com

ماخوذ کہتے ہیں کوئی ایران کے زرتشتی مذہب کے ساتھ اس کے ڈانڈے ملاتا ہے اور کوئی ہندوستان کے فلسفہ ویدانت میں اس کی جڑیں تلاش کرتا ہے۔ لیکن نکلسن کی تحقیق کی رو سے یہ سب مفروضات غلط ہیں۔ اور اسلام کے آغاز سے ہی یہ بات نظر آتی ہے کہ صوفیاء اسلام کے خصوصی نظریات کی تشکیل خود ان کے اذہان میں تلاوت قرآن وحدیث کی مداومت اور مسلسل تفکر و تدبر کے نتیجے میں اندر ہی اندر وجود پذیر ہوتی رہی۔ یعنی اسلامی تصوف کا ابتدائی ڈھانچہ خالصتاً اسلامی اور عربی تھا۔ لیکن بعد ازاں اس پر بیرونی رنگ چڑھتے گئے۔ جن کو ہر دور کے بزرگوں نے تنقید کا نشانہ بنایا اور پھر مجدد الف ثانیؒ نے اس کی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جس کا اثر دنیا بھر میں جاری اسلامی سلسلوں نے قبول کیا۔

تصوف اس کی اصل اور غرض وغایت

اس عنوان کے تحت محترم جناب سید انور علی ایڈووکیٹ اپنے مقالہ میں----(جو ماہنامہ نور السلام شرقپور شریف کے اولیائے نقشبند نمبر حصہ اول بابت مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء میں طبع ہوا) لکھتے ہیں۔

۱۔ **تصوف مادی ہے یا غیر مادی:** یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تصوف غیر مادی ہے اور اس کا تعلق روحانی دنیا سے ہے انسان روح وبدن کا مجموعہ ہے۔ تصوف بدن میں روحانی غلبہ کا نام ہے۔

۲۔ **مسئلہ خیر و شر:** اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی شر نہیں اس کی تمام مخلوق خالی از حکمت نہیں۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا (اے اللہ تو نے کوئی چیز عبث نہیں بنائی)

۳۔ **مسئلہ زمان ومکان:** زمانہ بھی اسی کا ہے جو کہ ازل سے ابد تک اسی طرح ہے اور اسی طرح رہے گا۔ ہاں خیر القرون قرنی سے یہ ثابت ہو چکا کہ وہ معاشرہ بہترین تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ اس کا مکان انسانیت کے اندر ہے لہٰذا یہ متقین کے لئے مشعل راہ ہے۔ جو اس کو نہیں اپناتا وہ اس کی لذت نہیں پاتا۔

۴۔ **مخلوق سے واسطہ:** چونکہ تصوف کی روح اللہ کے بندوں سے پیار کرنا ہے اس لئے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق مان کر اس سے محبت لازم ہے پس وہی شخص صوفی کہلا سکتا ہے جس کے دل میں مخلوق خدا سے پیار ہو (اور اس بناء پر اس کے خالق سے بھی محبت رکھے گا)

۵۔ **غرض وغایت:** (اس مادی دنیا میں) انسان اگر نجات کی راہ میں کوئی گوشہ عافیت پائے گا تو وہ ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (خبردار اطمینان قلب اللہ کی یاد میں ہے) پس یہی وہ حقیقت ہے جسے (صوفیائے کرام) اولیاء عظام نے اللہ کے بندوں کے سامنے رکھا۔

اسلام دین فطرت ہے اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسے دین کامل کا نام دیا ہے۔ تصوف اسلام کی حقیقی روح کا نام ہے جب مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ عمل کی روح کمزور ہو گئی تو اللہ کے نیک بندوں نے ذکر و فکر، صفائی باطن اور تقویٰ کی تعلیم پر زور دیا اور اس کا نام تصوف رکھا۔

Marfat.com

تصوف کی ابتداء: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تصوف عجمی ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس کا نشان تک نہ تھا۔ صحابہ کرام کے دور میں بھی اس کا نام نہیں ملتا۔ پھر یہ کہاں سے وجود میں آیا۔

ایسا کہنے میں وہ حق بجانب ہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شارع تھے آپ کی زندگی اس وقت اسوۂ حسنہ تھی۔ اس لئے اس اصطلاح کی ضرورت پیش نہ آئی۔

ہادی برحق کے صحابہ شمع رسالت کے پروانے تھے ان کی زندگی اسلام کی صحیح تصویر تھی وہ آپ کی اتباع میں ہی اپنی نجات جانتے تھے اور عملاً اس کا ثبوت دیتے تھے۔

جب خیر القرون قرنی (بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے) "حدیث" کا دور گزر گیا صحابہ کرام کے دور میں سلطنت کی حدود وسیع ہو گئیں اسلام عرب سے نکل کر عجم پر بھی محیط ہوا۔ مسلمان قیصر و کسریٰ کے وارث بنے تو عمل برائے نام رہ گیا۔ سیرت طیبہ اور صحابہ کی تعلیم سے انحراف ہونے لگا تو اللہ کے بندوں نے مخلوق خدا اور مسلمانوں کو دعوت الی الحق دی۔ اسوۂ حسنہ کی مثال عملاً پیش کی۔ دوسروں کو اسے اپنانے کی تلقین کی، اس دار فنا کو عارضی سمجھا اور توشہ آخرت کو ہمیشہ مقدم رکھا۔

یہی تقویٰ کی منزل ہے۔ صادقین کا شعار ہے۔ سیرت طیبہ اور صحابہ کی زندگیوں کا نچوڑ ہے اور یہی اسلام کی حقیقی روح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین ○ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ) یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور انعام یافتہ لوگوں کی نشاندہی یوں فرمائی۔

انعم اللہ علی النبین والصدیقین والشھداء والصالحین○

(اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر، صدیقین پر، شہداء پر اور صالحین پر انعام کیا) اس خالص اسلامی طریق زندگی اور اشد حباللہ والے سلوک کا نام تصوف ہے۔

تصوف پر لغوی بحث: بعض محققین نے اسے صوف سے مشتق بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ صوفیہ کا لباس موٹا اور کھردرا صوف کا ہوتا تھا اس لئے موٹے اور کھردرے لباس پہننے والے کو صوفی کہا گیا ہے۔

یہ قرین قیاس اس لئے نہیں کہ تمام صوفیہ کا لباس صوف کا نہیں تھا بلکہ صوفیہ میں سے سلاطین زمانہ بھی ہو گزرے ہیں۔

بعض فلاسفہ اسے یونانی لفظ (Sophist) سے لیتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ تصوف اسلامی کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

بعض لوگوں نے اسے اصحاب صفہ کے چبوترہ سے نسبت دی جو کہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ تصوف کا لفظ عجمی ہے اور صحابہ کے دور کے بعد وجود میں آیا اس لئے صحابہ کے صفہ سے اسے نسبت دینا قرین قیاس نہیں۔

امام عبدالکریم قیشری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفی لفظ صوفانہ سے مشتق ہے جو کہ ایک قسم کی

Marfat.com

گھاس ہے۔ صوفیہ کی زندگی چونکہ دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی پر مشتمل ہے اور وہ جنگلوں میں زندگی بسر کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ صوفیہ سلاطین بھی ہوئے ہیں جو محلوں میں زندگی بسر کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ، حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ عبیداللہ رحمتہ اللہ علیہ سب صوفیہ تھے۔

بعض محققین نے اسے صفاء سے بنایا ہے جو کہ زیادہ موزوں ہے کیونکہ تصوف کا تعلق صفائی باطن سے ہے۔

مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم کو ملا۔ صوفیہ کے طریق کی وضاحت اور تشریح سب سے پہلے ذوالنون مصری نے کی۔ پھر جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے طریقت کو وسعت دی اور اسے ضبط تحریر میں لائے۔ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے طریقت کی باقاعدہ نشرواشاعت کی۔ یحییٰ بن معاذ نے سب سے پہلے اپنے نام کے ساتھ صوفی لکھا۔

حقیقت اصل میں یہ ہے کہ کائنات اور اس کی اشیاء کے جاننے کی آرزو انسان کے دل میں ہمیشہ چٹکیاں لیتی رہی ہے۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے اسے پانے کی کوشش کی ہے کسی نے فلسفی بن کر اس حقیقت کو جاننا چاہا۔ کسی نے صوفی بن کر افلاطون، ارسطو، اور خیام ورازی کے فلسفے کی مدد سے حقیقت کائنات کے ادراک کی کوشش کی۔

حقیقت مطلق کا جاننا تو ناممکن ہے ہاں البتہ نفسی کیفیت سے ہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ بعض نے اسے (Intution) اور بعض نے عشق کا نام دیا ہے۔ اس عشق اور وجدان کے ذریعے حقیقت کو پانے کی کوشش دنیا بھر میں کی گئی ہے۔

آ تانکہ محیط جمع آداب شدند در کشف دقیقہ شمع اصحاب شدند

"یعنی وہ لوگ جو علم کا سمندر تھے اور تحقیق و تجسّس میں شمع اصحاب تھے اس دقیق مسئلہ کو کھولتے رہے اور اپنی ہمت کے مطابق کام کر سکے۔"

تصوف ایرانی تحریک نہیں: تاریخ تصوف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی تصوف کی مذہبی تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ صوفیہ کرام کے نظریہ کے مطابق تصوف ایک خالص اسلامی تحریک ہے۔ جو ۸۵۰ء کے قریب عراق میں ظہور پذیر ہوئی اور وہاں سے ایران پہنچی للذا ایرانی مورخین کا یہ خیال غلط ہے کہ تصوف خالص ایرانی تحریک ہے وہ اس کے ثبوت میں مانی کی دینی تعلیم کا حوالہ دیتے ہیں جس نے ۲۱۵ء میں ساسانی بادشاہ شاہ پور کے زمانہ میں ایران کو ایک نئے مذہب سے روشناس کرایا۔

تصوف ہندی فلسفہ نہیں: بعض محققین کا کہنا ہے کہ تصوف اہل ہند کے قدیم فلسفہ ویدانت کا پرتو ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ ان کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کو ترک کرو جسم کو مسلسل ایذائیں دو۔ عالم بالا سے لو لگانا اس کے بغیر ممکن نہیں۔" اس کے برعکس تصوف کی حیثیت مثبت فلسفہ کی ہے۔ کہ حق کی جستجو کرو۔ نفس کی تربیت کے لئے جدوجہد کرو۔ دنیا کے معاشرہ میں رہتے ہوئے اہل دنیا کے حقوق و فرائض پورے کرو۔

Marfat.com

تصوف اور اشراقی تعلیم: تصوف اور اشراقی تعلیم میں مشابہت ضرور ہے لیکن اسے نو فلاطونیت قرار دے دینا بھی سراسر زیادتی ہے۔

فلسفہ افلاطون یہ ہے "جو کچھ ہے نفس مدرکہ کے اندر ہے۔ خارج میں کسی چیز کا وجود نہیں۔ نفس مدرکہ خارجی مظاہر کو وجود دیتا ہے۔ وجود مطلق خدا کی ذات ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مثالی ہے۔ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ خدا کو جاننا ہو تو اپنے نفس کا مطالعہ کرو۔" امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی۔ دور حاضر میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اسے اقوام کے لئے زہر قاتل قرار دیا۔

راہب دیرینہ افلاطون حکیم　از گروہ گوسفندان قدیم
بر تخیل ہائے مافرما نروا است　جام او خواب آور گیتی رباست

"یعنی وہ قدیم راہب افلاطون حکیم، پرانی بھیڑوں میں ہے جو کہ ہمارے تخیل پر فرمانروا ہے اس کا فلسفہ خواب آور اور دنیا کو برباد کرنے والا ہے۔"

اسلامی تصوف کے اہم نکات: اس کے برعکس تصوف کے اہم نکات یہ ہیں۔

"خدا حسن مطلق ہے اس کی جستجو انسان کا مقصود اولین ہے۔ اس جستجو کے لئے مجاہدہ نفس اور ریاضت ضروری ہیں۔ صفائی قلب، تزکیہ نفس، سادگی اور صلح کل اس تحریک کے اجزاء ہیں۔" بلکہ اسلام کے اندر اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک تصوف کا صرف یہی مفہوم ہے کہ اتباع کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوہ رسول اللہ اسوۂ اصحابہ کو دلیل راہ بنایا جائے اور امر و نواہی کی پورے طور پر تعمیل کی جائے۔ قلب کا تعلق ماسوا اللہ سے الگ کیا جائے۔ نفس امارہ کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے۔" ابن خلدون لکھتے ہیں کہ "تصوف اپنی ابتداء میں کسی فلسفیانہ نظریہ کا نام نہ تھا بلکہ ایک دستور العمل تھا۔"

اسلام تو سراسر ایک پیغام عمل ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خدمت خلق کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔

تصوف اسلام میں شروع سے موجود ہے یہ سچ ہے کہ صوفی اور تصوف کی اصطلاح زمانہ نبوی میں رائج نہیں تھی کیونکہ صحابی کا لقب سب سے زیادہ وقیع تھا۔ تابعین میں سے حضرات حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بو ہاشم کوفی رحمتہ اللہ علیہ، ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ، معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جیسے لوگ نہ فلسفہ یونان سے باخبر تھے۔ نہ فلسفہ اشراق سے وہ تو خدا اور مطالعہ قرآن میں محو رہتے تھے۔ یہ سب لوگ پابند شرع تھے اگر نویں صدی میں اسلامی تصوف کی صورت مسخ ہوگئی تو نہ اس کی ذمہ داری ان بزرگوں پر عائد ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تصوف کا ماخذ بجائے قرآن و حدیث کے وہ غیر اسلامی عناصر ہیں جو اس میں رفتہ رفتہ داخل ہوئے۔

تصوف اسلام ان روحانی اور صوفیانہ عناصر کی ارتقائی صورت ہے جو قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہیں جن کی تصریح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے طرز عمل

Marfat.com

سے فرمائی ہے ابن خلدون رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "تصوف ان مذہبی علوم سے ہے جو اسلام کی بدولت ظہور میں آئے صوفیانہ طریقوں کو صحابہ رضی اللہ عنھم اور تابعین نے ہمیشہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔

صوفیہ کی زبانی تصوف: عبدالکریم قشیری رحمتہ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں۔ تصوف صفاء سے بنایا گیا ہے۔ اور یہ کدورت (جس کے معنی میلا ہونا ہے) کی ضد ہے۔ صفا محمود ہے اور کدورۃ مذموم، اس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ "دنیا کی صفائی چلی گئی اور اس کی میل رہ گئی جو لوگ شرعی تعلیم سے اور تزکیہ باطن کے ساتھ اس میل اور گندگی کو صاف کر لیتے ہیں ان کو صوفی کہتے ہیں اور جو لوگ علم تصوف کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ان کو متصوفہ کہتے ہیں۔

ابو محمد جویری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "ہر بلند مرتبہ میں داخل ہونے اور ہر خسیس اور گھٹیا چیز سے نکلنے کا نام ہے۔" اس ضمن میں قرآن مجید کی آیتہ شریفہ بھی دلالت کرتی ہے۔ قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعلی من لدنک سلطنا نصیرا۔

اے رب مجھے حقیقی مقام میں داخل فرما اور مجھے نکلنے کی جگہ سے نکال لے اور میرے لئے ایسی دلیل بنا جو مددگار ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے اوصاف سے مار کر اوصاف کے ساتھ تجھ کو زندہ کرے۔"

ایک حدیث شریف بھی اس کی تائید میں پیش کی ہے۔ المرء مع من احب اس چیز سے انسان کو محبت ہوگی اسی کے ساتھ اسے اٹھایا جائے گا۔

حسین بن منصور رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صوفی وہ ہے جو تنہائی پسند ہو اس حد تک نہ ہو کہ اس کو کوئی قبول نہ کرے اور نہ وہ کسی کو پسند کرے۔ ابو حمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ صوفی صادق کی علامت یہ ہے کہ غنا کے بعد محتاج ہو اور عزت کے بعد ذلت کو پسند کرے اور شہرت کے بعد مخفی ہو۔

عمر بن عثمانی مکی نے فرمایا۔ "صوفی وہ ہے جو ہر وقت میں وہی کام کرے جو اولیٰ و افضل ہے۔"

محمد بن علی قصاب نے فرمایا "تصوف اخلاق کریمہ کا نام ہے جو کریم وقت میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوں۔" سمنون رحمتہ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "تو چیز (نفس) کا مالک ہو۔ تیری مالک کوئی چیز نہ ہو۔ رویم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تصوف کیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ "اپنے نفس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز میں چھوڑنا جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔"

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری اتباع کی جائے آپ کے افعال اوامر اور سنن سب میں۔"

حضرت ابو علی فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "اگر دنیا اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ مجھے دے دی جائے اور اس پر کسی محاسبہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تب بھی میں اسے ایسا ہی ناپاک سمجھوں گا جیسے تم مردار کو ناپاک سمجھتے ہو۔" بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "او بایزید! تو اپنے پندار انا سے اسی وقت نکل سکتا

Marfat.com

ہے جب میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور اس مٹی کو جس پر ان کے نقوش پا مرتسم ہیں۔ اپنے لئے سرمہ چشم قرار دے۔"

ابو سلیمان الدارائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "بھوک یا گرسنگی خزائن آخرت کی کلید ہے۔ اور شکم سیری دنیا کی کلید ہے۔"

شہنشاہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سلوک ما بر جادۂ مصطفویہ ومتابعت سنت باشد و حق از باطل متمیز گردد۔" (ہمارا سلوک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور ان کی سنت کی اتباع ہے اور حق کو باطل سے الگ کرتا ہے)

گزشتہ تعریفات سے اہل علم ایک حد تک تصوف سے متعارف ہو چکے ہوں گے مشائخ صوفیہ کے حالات و سیرے اور ان کی متداول اصطلاحات سے مسئلہ کا صرف ایک ہی رخ نظر کے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جانبازوں کا یہ گروہ اپنے خیالات و افکار کے لحاظ سے اونچا ہے سیرت کے لحاظ سے بلند ہے اور اس کا زندگی کے بارے میں خاص زاویہ نظر ہے اور ان بزرگوں کی تگ و دو اور توجہات کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسلامی تصوف مندرجہ ذیل رجحانات سے ترتیب پاتا ہے۔ یہ عناصر کل چھ ہیں۔

(۱) انفرادیت، اس سے مراد خلوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سالک معرفت اپنی تمام تر توجہات کو اللہ تعالیٰ پر مرکوز کردے۔

(۲) تخصیص۔ اس سے مراد صوفیہ کی امتیازی خصوصیت ہے جس میں انہیں مرتبہ اختصاص حاصل ہوتا ہے۔

(۳) اخلاص۔ اعمال وحسنات میں یہ خوبی تصوف کی جان ہے۔

(۴) معرفت۔ اس کے تین درجے ہیں۔

۱۔ اپنے گردوپیش کی جزئیات کا جزوی علم۔

۲۔ منطقی قضایا کو ترتیب دینا اور جزئیات سے بطور استقراء کے نتائج مستنبط کرنا۔

۳۔ بغیر ترتیب قضایا کے ذہن انسانی پر بعض حقائق کا دفعتاً انکشاف۔

(۵) ترجیح آخرت یہ حضرات آخرت کو اس درجہ اہم ضروری اور حقیقی سمجھتے ہیں اور اس کے ہموم وافکار میں اس درجہ مستغرق اور مشغول رہتے ہیں کہ دنیا کی جھوٹی اور عارضی رعنائیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور نہ ہی ان کو دیکھنے کی فرصت ہوتی ہے۔

(۶) ترجیح معانی۔ یہ وہ ہمہ گیر عنصر ہے جو دنیا بھر کے متصوفانہ ادب میں پایا جاتا ہے اس کا تعلق ان کے مخصوص انداز تعبیر سے ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی جناب شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوب نمبر ۳۸ میں فرماتے ہیں۔ "خدا تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو یا

Marfat.com

اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو۔

اسلامی تصوف کے ماخذ: اب قرآن مجید سے وہ آیات دیکھئے جو تصوف کی تعلیم دیتی ہیں۔ تصوف کا متعلق اور مقصود تقویٰ ہے اس بارے میں قرآن مجید نے بار بار متقین کی تعریف ان کے لئے جزائے خیر اور درجات اعلیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اسی کو بہترین زاد راہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

خیر الزاد التقوی۔ (بہترین توشہ (آخرت) تقویٰ ہے) متقین کے بارے میں قرآن یوں گویا ہے۔

ان للمتقین مفازا (بے شک متقین کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے۔ اسی طرح متعدد آیات متقین، صالحین، صادقین اور زاہدین کے بارے میں قرآن مجید میں جابجا ملتی ہیں جو کہ صوفیاء کے احوال کو ظاہر کرتی ہیں۔

صوفیہ ذکر الٰہی کو اول مقام دیتے ہیں یہاں تک کہ جو دم غافل سو دم کافر، اس کے تحت قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولاتکفرون (تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو صوفیہ اللہ تعالیٰ کو شہ رگ سے بھی نزدیک جانتے ہیں جو کہ ایک قرآنی حقیقت ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی نزدیک تر ہیں) صوفیہ بیعت کرتے ہیں اور اسے خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیعت بتاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم

(بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔)

صوفیہ کے نزدیک نیکی وہی قابل قبول ہے جس میں خلوص ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ○ (تم ہرگز نیکی کو نہیں پاسکتے، جب تک اس چیز سے خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت پسند ہو۔)

صوفیہ توبہ پر زور دیتے ہیں جس کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔ یایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبتہ نصوحاہ (اے ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو)

صوفیہ دنیا کو ہیچ جانتے ہیں اس بارے میں قرآنی ارشاد ملاحظہ ہو۔ وما الحیواہ الدنیا الامتاع الغرورہ (دنیا کی حیاتی سامان دھوکہ و فریب ہے۔)

صوفیہ شب بیداری کو اپنا شعار سمجھتے ہیں اس بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ تتجافی اجزبھم عن المضاجع ○ (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں) اس طرح ومن الیل فتھجد بہ نافلتہ لک (اور رات تہجد پڑھیں جو آپ کے

Marfat.com

لئے نفع بخش ہے)

صوفیہ محبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی اصل ایمان جانتے ہیں اور یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آپ فرمادیں کہ اگر تم چاہتے ہو اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا) درود شریف کو اپنا حرز جان بناتے ہیں۔ اور آیتہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما پیش کرتے ہیں (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود اور سلام بھیجا کرو۔)

دوسرا ماخذ حدیث شریف ہے۔ بقول ابن العربی حضور کا ارشاد ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

ذکر کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے لاتزال لسانک رطبا من ذکر اللہ (اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو ہمیشہ تر رکھو)

ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق آپ نے بھی ذکر خفی کو ترجیح دی۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ (خیر الذکر الخفی) بہترین ذکر ذکر خفی ہے۔ ذکر سے متعلق آپ نے فرمایا الذکر خیر من الصدقہ (ذکر صدقہ سے بھی بہتر ہے) نماز کے بارے میں فرمودہ رسول درج ذیل ہے۔ الصلوہ عماد الدین من اقامھا فاقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین۔" (نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا۔ جس نے اسے گرادیا اس نے دین کو گرادیا۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم۔

تصوف، اس کی اصل اور غرض وغایت کے عنوان سے ہی جناب بہاؤ الحق ایم اے (نور السلام کے اولیاء نقشبند نمبر حصہ اول) میں لکھتے ہیں۔

انسان بظاہر جسم و روح کا مرکب ہے مگر درحقیقت وجود اصلی اور دائمی محض روح کا ہے۔ جسم کا نہیں۔ جسم ایک عارضی مادی اور فانی چیز ہے۔ چنانچہ انسانیت کے تمام خواص مثلاً عقل و فہم، اخلاق و عمل

Marfat.com

اور علم و ہنر اور ان کی اچھائی برائی کا تعلق روح سے ہے۔ جسم سے نہیں۔ چنانچہ روحانی زندگی ہی دراصل انسانی زندگی ہے اور روحانی زندگی کو سمجھنے اور اس کو بہتر بنانے میں نہ تو فلسفہ مددگار ہو سکتا ہے نہ سائنس یا کوئی اور علم بلکہ یہاں صرف مذہب اور مذہب بھی وہ جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہو کامل رہنما ہوتا ہے۔

مذہب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کے لئے وضع کردہ آئین حیات ہے اور انسانی زندگی کی فلاح و بہبود اور کامیابی اسی آئین پر عمل کرنے میں ہے۔ اس آئین میں انسانی عقل اور عمل دونوں کے لئے رہنمائی موجود ہے اور اس آئین کا عملی نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کی کامیابی صرف آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کامل اطاعت میں ہے۔ آپ کی حیات طیبہ میں تین چیزیں نمایاں ہیں۔ ایک قول دوسری فعل اور تیسری حال۔ آپ نے فرمایا کہ

"الشریعت اقوالی والطریقت افعالی والحقیقت حالی"

یعنی شریعت میرے اقوال، طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال ہیں۔

شریعت، طریقت اور حقیقت: چنانچہ اہل تصوف کے نزدیک جس نے فرمودۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قبول کیا وہ اہل شریعت ہے جس نے کردہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیا وہ اہل طریقت ہے اور جس نے وہ کچھ دیکھا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا وہ اہل حقیقت ہے۔

انسانی زندگی کے عناصر ترکیبی تین چیزوں پر مشتمل ہیں۔ ایک عقیدہ دوسری عبادت اور تیسری اخلاق اور ان تینوں عناصر سے متعلق جو احکامات اسلام نے دیئے ہیں وہ شریعت کہلاتے ہیں۔ اور ان کا اتباع ہر اہل ایمان پر فرض ہے اور محض ان کے کامل اور پر خلوص خلوص اتباع سے ہی زندگی کی کامیابی اور دنیا و عقبیٰ کی فلاح حاصل کی جا سکتی ہے۔

مگر انسانی ذہنوں میں ایک دو نہیں بیسیوں ذہن اپنی فطری صلاحیتوں اور ذوق تجسس کے سبب احکامات شریعت کی حقیقت کو بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں اور کائنات کی اصل کو بھی سمجھنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ عرفان حق حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔ مگر عرفان حق کوئی مادی یا ظاہری چیز نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر روح سے ہے اور اس کے لئے شرط اول تزکیہ نفس اور صفائے قلب ہے اور تزکیہ نفس اور صفائے قلب کے لئے ایک مخصوص علم ہے جس کو ہم علم تصوف کہتے ہیں اور اس علم کے ذریعہ عرفان حق کے حصول کو ہی طریقت کہا جاتا ہے اور عرفان حق جن لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وہی اہل حقیقت کہلاتے ہیں۔

راہ طریقت اور عوام: اگرچہ طریقت کا راستہ کسی کے لئے بند نہیں ہے مگر اصل میں نہ یہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے اور نہ ہر انسان اس کا مکلف ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ صدیوں کے تجربہ، علم اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیاس کی تسکین پانی سے اور بھوک کی سیری خوراک سے اور مرض کا علاج دواء سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اب ہر انسان آنکھ بند کر کے اور بلا مزید تحقیق یا تجربہ کے پیاس کی تسکین پانی پی کر کر سکتا ہے اور بھوک کی سیری خوراک کھا کر کر سکتا ہے۔ اور مرض کا علاج دواء استعمال

Marfat.com

کر کے کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہی مثال شریعت کی ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے جو اصول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مقرر فرما دیئے ہیں ہر انسان ان پر بلا جھجک اور بغیر کسی تامل، فکر و تردد اور مزید تحقیق و تفہیم کے عمل کر کے فلاح دارین حاصل کر سکتا ہے۔

لیکن اگر آج بھی کوئی شخص پانی، خوراک اور دواء کی اصلیت معلوم کرنا چاہئے تو اس کے لئے اس کی راہ بند نہیں ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان علوم کو حاصل کرے جو ان سے متعلق ہیں۔ مثلاً علم کیمیاء، علم طب وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ان علوم کو ان کے اپنے مخصوص طریقوں اور ان کے ماہر اساتذہ کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی مثال طریقت کی ہے جو شخص بھی شریعت کے احکامات کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اور عرفان حق کا اس مادی زندگی میں بھی متمنی ہے تو اس کے لئے علم تصوف کا حصول ضروری ہے۔

تصوف علم سینہ ہے: تصوف ایک مخصوص، وسیع اور مشکل ترین علم ہے۔ اس کی بنیاد تمام تر احساس اور مشاہدہ پر ہے اور احساس اور مشاہدہ کا تعلق عمل اور تجربہ سے ہے اور عمل اور تجربہ کے لئے بنیادی طور پر عملی ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض تحریری بات سے کام نہیں بنتا۔ چنانچہ یہ علم، علم سفینہ نہیں بلکہ علم سینہ کی تعریف میں آتا ہے۔ یعنی بات سینہ بہ سینہ چلتی ہے۔ اور انتہائی رازداری اور پوری احتیاط کے ساتھ حقائق پیر کے قلب سے مرید کے قلب کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس میں استاد کامل یعنی پیر طریقت کی رہنمائی اور اس کا کامل اتباع نہایت ضروری ہے اور اس کے لئے برسوں کی کٹھن، صبر آزما اور مسلسل ریاضت، لگن اور یکسوئی درکار ہے۔ بقول مشہور، پیر کامل ہو مرید عامل ہو اور فضل خدا شامل حال ہو تو تزکیہ نفس اور صفائے قلب کا حصول ممکن ہوتا ہے اور یہ تصوف کی خشت اول ہے۔

شریعت اور طریقت: دراصل اس کائنات میں ہر ایک چیز کی مانند بندگی کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک ظاہر دوسرا باطن ظاہر میں بندگی، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے پوری ہو جاتی ہے مگر باطن میں بندگی کا تعلق ان ارکان کی حقیقت سے ہے۔ اس میں ایمان، محبت، خلو، خوف خدا، رضائے الٰہی، توکل، اور اسرار غیب و شہود کی تعلیم و تربیت اور اس پر عمل سے واسطہ پڑتا ہے اور بندگی ظاہر و باطن تکمیل کو پہنچتی ہے اور یہی منزل طریقت کی منزل کہلاتی ہے۔

اس بات کو ایک اور مثال سے سمجھئے۔ نماز شریعت کا ایک حکم ہے اور اس کے لئے نیت، قیام، قرات، رکوع و سجود، جلسہ وقعدہ وغیرہ سے متعلق تفصیلی اصول بتا دیئے ہیں چنانچہ جو شخص بھی نماز پڑھنا چاہے وہ ان تمام ارکان کو ادا کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت بشرط خلوص نماز ادا ہو جائے گی اور اس کے جو بھی دنیا اور عقبیٰ کے فوائد ہیں وہ بھی ضرور حاصل ہوں گے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور ایک حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا کہ نماز کا اس طرح پڑھنا گویا نمازی بچشم خود باری تعالیٰ کا دیدار کر رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس احساس کو قائم رکھنا کہ باری تعالیٰ خود اس کو دیکھ رہے ہیں احسان کی منزل ہے اور یہ ایمان

Marfat.com

و عمل یا بندگی کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔ اور نماز میں باری تعالیٰ کا دیدار ہی مومن کی معراج ہے۔ مگر نماز میں اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے تزکیہ نفس اور صفائے قلب کی ضرورت ہے اور یہ نعمت طریقت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ ہی تصوف کی غرض و غایت ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کو خالق و مالک، بزرگ و برتر قاضی الحاجات اور قادر مطلق ماننا ہر اہل ایمان کے لئے ضروری ہے مگر اس ایمان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کے لئے جس اولوالعزمی، عالی ہمتی اور بے خوفی و بیباکی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لئے بڑی ریاضت اور مجاہدہ درکار ہے۔ اور یہ ریاضت اور مجاہدہ اصول طریقت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح باوجود آب و تاب حرص و طمع اور عام رجحانات کے دنیا اور اس کی زیب و زینت کو عارضی، بے سود اور لاحاصل تصور کرنا اور اپنے عمل سے اس تصور کو صحیح ثابت کرنا بڑے ایثار اور صبر و تحمل کا متقاضی ہے اور اس صبر و تحمل اور ایثار کی تعلیم طریقت ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور یہ چیز ہمیں جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد ہر دور کے اولیاء اللہ کی مبارک زندگیوں میں ملتی ہے اور اسی کا نام تصوف ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روحانی اور پھر نبوی زندگی کا آغاز غار حرا کی تنہائیوں سے ہوا جہاں آپ دنیاوی آرام و راحت سے دور برسوں شب و روز یاد الٰہی میں مصروف رہے اور جہاں سب سے پہلے وحی الٰہی کا نزول ہوا۔ اور اس کے بعد بھی زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ دنیاوی زیب و زینت اور عیش و آرام سے دور رہی حالانکہ پورے عرب کی دولت و امارت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قدموں پر تھی۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرام حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب کے سب دنیاوی لذتوں اور نام و نمود سے دور رہ کر خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرتے اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہتے تھے۔ ان کا جینا اور مرنا عملاً صرف خدا کے لئے تھا۔ ان کے بعد ان کی یہ میراث تابعین اور تبع تابعین کو ملی اور ان سے ہر دور کے اولیاء اللہ نے پائی۔

تصوف کا ماخذ حقیقی دراصل قرآن ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں طلب مغفرت، صبر و رضا، مجاہدہ، توکل، عبادت، دنیا کی بے ثباتی، اسرار و معارف کا تجسس کائنات اور اس کی ابتداء و انتہاء کا علم تحقیق اور اس کے مقاصد کی تفہیم اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ واذکر اسم ربک یعنی اللہ کے نام کا ذکر کر۔

ولذکر اللہ اکبر یعنی اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئین القلوب یعنی اللہ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور فرمایا کہ

وابتغوا الیہ الواسیلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

اہل علم کی نشانی یہ بتائی کہ

Marfat.com

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لایت لاولی الالباب ؕالذین یذکرون اللہ قیاما وقعود وعلی جنوبھم ۰ تفکرو فی خلق السموات والارض۔

یعنی زمین و آسمان کی پیدائش میں، لیل و نہار کے اختلاف میں صاحب عقل کے لئے نشانیاں ہیں وہ کھڑے بیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین یعنی اپنے رب کی عبادت کر جب تک موت نہ آجائے۔

اور فرمایا کہ

اعلموا انما الحیوہ الدنیا لعب ولھو یعنی جان لو کہ دنیا کی زندگی لہو و لعب ہے۔

وما الحیاہ الدنیا الا متاع الغرور یعنی حیات و دینوی کی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔

فرمایا کہ :- لہٰذا خبردار۔

فلا تغرنکم الحیاہ الدنیا یعنی دنیا کی زندگی تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے۔

فرمایا کہ:

استغفرو ربکم ثم توبو الیہ یعنی اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس سے توبہ کرو۔

وتوبو الی اللہ جمیعا ایھا المومنین لعلکم تفلحون یعنی اللہ سے توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ

یایھا الذین امنو اصبروا وصابروا ورابطوا یعنی اے ایمان والو صبر سیکھو، صبر کرو اور اللہ سے رشتہ استوار کرو۔

ومن صبر وغفر ان ذالک من عزم الامور یعنی جو شخص صبر کرے اور توبہ کرے تو بے شک یہ عزم کا کام ہے----- مزید ارشاد ہوا کہ۔

وتوکل علی الحی الذی لایموت یعنی اللہ پر بھروسہ رکھ جو زندہ ہے اور جسے موت نہیں۔

وعلی اللہ فلیتوکل المومنون یعنی وہ اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکل کرتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ کے وہ بندے جو ان احکامات پر پوری مستعدی اور خلوص کے ساتھ عمل کرتے ہیں وہ صالحین کہلاتے ہیں اور ان کے لئے ارشاد ہے کہ وھو یتولی الصالحین یعنی اللہ صالحین کا دوست ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے کہا گیا کہ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

قرآن حکیم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات اور آپ کا عمل مبارک طریقت کے اصولوں کو مرتب کرنے میں سنگ میل ثابت ہوا۔ آپ نے توحید اور رجوع الی اللہ کے بعد سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا وہ تصفیہ نفس ہے اور اس کے لئے ریاضت کے اصول اور آئین مقرر کئے۔ تفکر اور عبادات کے آداب سکھائے۔ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو برتتے ہوئے، دنیا سے الگ رہنے اور اس سے بے نیازی کی تعلیم دی۔ آپ نے فرمایا۔

ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زھرہ الدنیا وزینتہا (بخاری و مسلم)

یعنی اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ

الدنیا سجن المومن وجنتہ الکافر (ابن ماجہ) یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔

آپ نے متعدد مواقع پر لوگوں کو زہد کی ترغیب دی۔ ذکر، توکل، صبر، توبہ اور نوافل کے ذریعہ قرب الی اللہ حاصل کرنے کی تعلیم دی ایک موقعہ پر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور دنیا کی نفرت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور دنیا کے عیوب اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ (بیہقی)

آپ نے فرمایا "دنیا سے نفرت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔" (ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی) ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ

"جب تم کسی آدمی کو دیکھو جو دنیا سے نفرت کرتا ہے تو اس کا قرب حاصل کرو وہ تمہیں حکمت بتائے گا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

آپ نے فرمایا۔ صلاۃ نور ہے۔ صدقہ برہان ہے اور صبر ضبط ہے۔" (مسلم)

آپ دعا فرماتے تھے کہ :-

"اے اللہ علم سے میری مدد کر، علم سے مجھے مزین کر، تقویٰ سے مجھے سرفراز کر اور صحت سے مجھے ہمکنار کر۔" (کنزل العمال جلد اول صفحہ ۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ساری ساری رات قیام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ دن میں ستر ستر بار

Marfat.com

توبہ و استغفار فرماتے تھے اور رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں پرورش پانے والے صحابہ کرام میں بھی زہد وورع اور تقویٰ بدرجہ اتم موجود تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے معرفت الٰہی کا مزہ چکھ لیا وہ ماسوائے اللہ سے بے پرواہو جاتا ہے اور لوگوں سے اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی اور فقر و غنا ان کی دنیا سے بے نیازی کا واضح ثبوت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زیادہ وقت عبادت میں ریاضت میں گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ شہادت کے وقت بھی تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔

حضرت علی کی پوری زندگی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت سے عبارت تھی۔ اصحاب صفہ جن کی زندگیوں نے اسلام کی روحانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے وہ سب دنیا و مافیہا سے بے پرواہو کر اپنا سارا وقت عبادت و ریاضت، طلب علم اور مجاہدہ نفس میں گزارا کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بقول ابو نعیم اصبہانی۔

"اپنے آپ کو اہل و عیال اور مال و زر میں نہ پھنسایا نہ خدا کے ذکر سے انہیں کاروبار روک سکا اور دنیا میں اگر یہ کچھ کھوتے تھے تو انہیں ذرا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی اکثر صحابہ کرام وقت کا بڑا حصہ عبادت اور ریاضت میں بسر کرتے تھے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کثرت سے تہجد کے لئے مشہور تھے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ دن رات کا بڑا حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے اور ایک پیسہ پاس رکھنے کے روادار نہیں تھے مالداروں اور دولت مندوں سے چڑتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین میں بہت سے بزرگ زہد و عبادت، ریاضت و مجاہدہ اور دنیا سے بے تعلقی میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ مثلاً اویس قرنی رضی اللہ عنہ، خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ وغیرھم ان کا تمام تر وقت ذکر الٰہی حب دنیا سے بیزاری، کائنات کے مسائل پر غور و فکر اہل دنیا سے استغنا اور انابت الی اللہ میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ہم صوفیائے کرام کے گروہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان تمام بزرگوں کا بھی مسلک ہے یعنی دنیا سے بے رغبتی اور رجوع الی اللہ۔

پھر جب اسلامی فتوحات نے دنیاوی دولت اور جاہ و حشم کو مسلمانوں کے قدموں میں لا ڈالا تو دنیا پرستی نے اپنا اثر دکھایا اور نفس کی پوجا شروع ہو گئی۔ فساد کے اس دور میں پھر اہل اللہ کی ایک جماعت سرگرم عمل ہوئی اور خالص دین کا جھنڈا بلند کیا۔ یہ جماعت صوفیہ اور اولیاء اللہ ہی کی جماعت تھی اور یہی جماعت ہر دور میں دنیا پرستی اور جاہ پسندی کے خلاف صف آراء رہی ہے۔ اسی جماعت کے بوریہ نشینوں نے محض اپنی قوت ایمانی کے بل بوتے پر بڑے بڑے جابر بادشاہان وقت کو للکارا ہے اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانہ میں اپنے عمل سے ثابت کرکے دکھایا کہ اسلام صرف ملک گیری یا ملک رانی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اصلاح و تربیت کا ایک مکمل نظام ہے جو انسان کو ارتقائے روحانی کا راستہ دکھاتا ہے یہی گروہ ہے جس نے ہمیشہ مسلمان فرمانرواؤں کو اسلام کے احکام کو فراموش کر دینے سے روکا اور ایسے مواقع پر بھی نہ چوکے جب حاکمان وقت اپنے خوشامدیوں کے غول میں بیٹھ کر داد عیش دیتے تھے اور کسی کو ان کے مزاج

Marfat.com

کے خلاف بات کہنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ یہ ہی وہ اولوالعزم لوگ ہیں کہ جنہوں نے اہل اقتدار کی گم کردہ راہی کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور اسلامی تعلیمات کو اپنی پاکیزہ زندگیوں کے ذریعہ قائم رکھا خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر کے ساتھ جب باوجود اجازت نہ ملنے کے خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے مکان میں داخل ہوئے تو انہوں نے چراغ گل کر دیا۔ مگر اس کے باوجود جب خلیفہ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے مس ہوا تو فرمایا کہ کتنا نرم ہاتھ ہے کاش دوزخ کی آگ سے بچ سکے۔ ہدایت کی مزید درخواست پر فرمایا کہ ملک تیرا گھر ہے۔ رعایا تیری اولاد ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی کر اگر مفلس بڑھیا بھی رات کو بھوکی سوجائے گی تو قیامت کے دن تجھے اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حج کے موقع پر منی کے میدان میں خلیفہ منصور کے پکڑ کر کہا کہ تو نے امت محمدیہ کا بے شمار مال اس کی اجازت کے بغیر صرف کر دیا ہے تو اس کا اللہ کو کیا جواب دے گا۔ منصور نے اپنی حکومت کی ملازمت دینی چاہی تو روپوش ہو گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور کو حکم کے خلاف قاضی القضاۃ کا عہدہ لینے سے انکار کر دیا اور اس پر قائم رہے۔ کوڑوں کی سزا بھگتی اور اسی حال میں وصال کیا۔ حضرات بایزید بسطامی، ذوالنون مصری اور جنید بغدادی نے عقلیت اور وضعیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور عشق الٰہی پر زور دیا۔ امام غزالی نے یونانی فلسفہ اور علم کلام کے مباحث کو غلط اور لاحاصل ثابت کیا۔۔۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نجیب الدین سہروردی، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ علیہم اور دیگر صوفیائے کرام نے تبلیغ دین اور اصلاح و تربیت کے کام بہت بڑے پیمانے پر انجام دیئے۔

(ماہنامہ نور السلام شرقپور شریف اولیائے نقشبند نمبر جلد اول ماہ مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء) صفحہ ۵۴ تا ۶۲

۔۔از بہاؤ الحق، ایم اے)

ولایت اور اصطلاحات تصوف

ولی اور ولایت: ولایت ولی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قرب خداوندی اور ولایت گویا خدا تعالیٰ کے قرب کی منزل یا مقام ہے۔ اللہ کی محبت ہے یا اللہ کے ساتھیوں کا ساتھ دینے کا نام ہے۔

وُلایت عامہ: یہ تمام مومنین کو مشترک ہے۔ گویا ہر مسلمان اللہ کا ولی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اللہ ولی

الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور (بقرہ۔۲۵۷)

یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ساتھی اور مددگار اور ان سے محبت کرنے والا ہے۔ جو ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

ولایت خاصہ: یہ اہل سلوک اور واصلان حق کے لئے مخصوص ہے اسے کہتے ہیں افناء العبد فی الحق وبقاء۔ حضرت ابو علی جرجانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی ہو اور حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے ساتھ باقی ہو۔ اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنی خبر دے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے بغیر آرام نہیں پاتا۔ الا بذکر اللہ تطمئین القلوب قرآن حکیم میں ہے۔ الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون یاد رکھو اللہ کے ولیوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ حزن وملال۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو اپنے نفس کو اللہ کے لئے فارغ کرلے وہ ولی اللہ ہے۔

معرفت: عوارف المعارف (باب ۳) میں ہے کہ معرفت ہے "معلوم کو نہ پہچاننا مگر تفاصیل کی صورت میں، یعنی ذات وصفات الٰہی کو دوبارہ پہچاننا مختلف تفصیلی صورتوں میں اور ان کے حال میں اور بدلتے ہوئے احوال میں کہ اصلی ذات موجود اور فاعل مطلق ذات سبحانہ ہی ہے۔ اس کے تین درجے ہیں۔

عارف: جس کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ توحید علمی کو عملی صورتوں اور واقعات اور بدلتے (احوال میں) فوراً پہچان سکے۔ اور غلطی نہ کرے وہ عارف ہے۔

متعرف: جس کی معرفت ابھی کامل نہ ہو۔

جاہل: جو فاعل حقیقی کی فاعلیت اور فعالی کو دیکھنے اور پہچاننے سے قاصر ہو۔ وہ جاہل ہے اور اسے مشرک خفی بھی کہتے ہیں۔

توحید کی اقسام: پانچ ہیں۔ (۱) توحید ایمانی (۲) توحید علمی (۳) توحید رسمی (۴) توحید حالی (۵) توحید الٰہی۔ (صفحہ ۸۸ تا ۹۱)

توحید ایمانی: اللہ کی وحدانیت اس کے اوصاف اور حق معبودیت کے اشارون، آیتوں اور واضح خبروں کی بناء پر دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا یہ توحید علوم ظاہری سے حاصل ہوتی ہے۔

توحید علمی: یہ توحید باطنی علم سے حاصل ہوتی ہے جسے علم یقین کہتے ہیں کہ بندہ یقین سے جان لیتا ہے کہ موجود حقیقی اور پورے طور پر موثر قوت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جگہ علم، قدرت، ارادہ، سماعت اور بصارت حق تعالیٰ کے اثر سے ہی موثر اور موجود ہے یہ توحید متصوفین کو حاصل ہوتی ہے۔

توحید رسمی: یہ ہے کہ بندہ اپنی ذکاوت طبع مطالعہ یا سماع کی بناء پر تصور کرے کہ توحید کے معنی اور رسم اس کے ضمیر میں رچ بس گئے ہیں۔ اور توحید پر وہ بحث یا گفتگو رسما کرتا ہے حالانکہ توحید کے اصل حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے۔

توحید حالی: یہ ہے کہ توحید کامل بندہ کی ذات کا لازمی وصف ہو جائے پس رسوم کے اندھیرے، نور توحید کے اشراق اور اس کی تلاش میں ختم ہو جاتے ہیں یا وہ معمولی سے باقی رہ جاتے ہیں۔ اور اس کے نور میں توحید کا نور چھا جاتا ہے۔ جیسے ستاروں کا نور آفتاب میں معدوم یا مدھم ہوتا ہے اور اس مقام پر سالک (بندہ۔ موحد۔) کا وجود واحد کے وجود کے جمال میں اس طرح غرق ہو کر عین میں جمع ہو جاتا ہے کہ سوائے ذات و صفات اللہ واحدہ کے۔ اس کی نظر میں کچھ باقی نہیں رہتا حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ توحید حالی رسموں کو فناء کردیتی ہے۔ علوم کو درج کرتی ہے۔ اور کمالات نازل کرتی ہے اور اس توحید کا منشا مشاہدہ ہے

Marfat.com

جبکہ توحید علمی مراقبہ کا نور ہے۔

بعض سالک توحید حالی کے مقام سے گر جاتے ہیں لیکن خود کو اسی مقام میں سمجھتے ہیں اور خوش رہتے ہیں اور حق کا راستہ بند کر دیتے ہیں اور کفر و شرک میں پھنس جاتے ہیں۔

بعض کو توحید حالی نصیب نہیں ہوتی۔ وہ گفتگو میں ہمہ اوست سے اپنی نیست ظاہر کرتے ہیں اور گناہوں کی ملامت سے بچنے کے لئے "اللہ کے ارادہ" کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ایسی قرآنی آیتوں کو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔ لیکن جب ان اشکالات سے گزر جاتے ہیں تو مکاشفہ کے مقام وسط سے گزر کر مکاشفہ کی انتہاء کو پہنچتے ہیں۔ پھر اپنی سابقہ خطائیں ان پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

توحید الٰہی: یہ ہے کہ حق تعالیٰ ازل سے اس توحید کے وصف وحدانیت اور نعت و فردانیت سے موصوف ہے اور کل شئی ھالک الاوجھہ اس کی نعت و صفت ہے۔ اور تمام اشیاء کا وجود اس کے وجود میں آج بھی ہلاک و معدوم ہے جسے صرف اخیار اصحاب ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اولیاء اللہ کے مراتب اور مقامات: کشف المجوب میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے نبوت کی برہان کو بقاء سے نوازا ہے جس کے اظہار کا ذریعہ اولیاء اللہ ہیں تاکہ حق کی نشانیاں اور مصطفوی نبوت کی سچائی ظاہر رہے۔ اولیاء اللہ کو دنیا کا والی بنایا ہے، وہ سنت کے پیروکار ہیں اور نفسانی خواہشوں پر غالب۔ ان کے قدموں کی برکت سے بارش برستی ہے۔ ان کے حال کی صفائی سے زمین سے نباتات اگتی ہے اور کفار پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کے تصرف سے ہو۔ بلکہ ان کے لئے ان باتوں کا علم ہونا بھی ضروری نہیں۔ یہ چار ہزار نفوس ہیں۔ جو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں۔ اور اپنے مقامات سے آگاہ بھی نہیں ہوتے۔ ان کے احوال خود ان سے، اور مخلوق سے مخفی ہوتے ہیں سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے حق تعالیٰ کے لشکری ہیں--- ان چار ہزار کے علاوہ--- تین سو اخیار ہیں۔ اور چالیس ابدال ہیں اور سات ایسے ہیں جن کو ابرار کہتے ہیں اور چار اوتاد ہیں۔ جن کے مقام مشرق، مغرب، شمال اور جنوب چاروں سمتیں ہیں اور مرکز اس کا کعبتہ اللہ ہے۔ ان کی برکتوں سے دنیا کی سمتیں قائم ہیں۔ اسی لئے ان کو اوتاد کہتے ہیں کہ انہی سے دنیا قائم ہے۔ ان کے علاوہ تین نقباء ہیں اور ایک وہ جسے قطب و غوث کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور حکم دینے میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس پر احادیث گواہ ہیں اور اہل حقیقت کا اس بارے میں اجماع ہے۔

کائنات کا باطنی نظام

ظاہری نظام کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی نظام بھی مقرر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں اسی نظام کا سراغ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ (سورۃ کہف) سے ملتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام وقت کے

Marfat.com

پیغمبر تھے۔ لیکن وہ اللہ کی مشیت سے چلنے والے باطنی نظام سے حجاب میں تھے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر خضر علیہ السلام سے ان کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ اور ان کے ہر فعل کی حقیقت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں شریعت مطہرہ کے خلاف تھی۔ اور بادی النظر میں ایسا ہی تھا لیکن جب ان کے اسرار سے پردہ اٹھا تو اللہ کی مشیت پر حق الیقین اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ کشف المحجوب میں اس نظام کے اجمالی خاکہ کا بیان آ چکا ہے احادیث اور صوفیاء کی کتابوں میں اس نظام کے نقباء وغیرہ کی تفصیل بھی درج ہے۔ راقم (قدر آفاقی) نے یہ تفصیل ایک کتاب "جواہر شکر گنج و سلاسل انوار فی سیر الابرار" سے لی ہے جسے حضرت میر محمد یوسف الحسینی الواسطی بلگرامی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر کیا اور جس کا ترجمہ شیخ حشمت علی نشاط صاحب کیا ہے اور اسے صاحبزادہ محمد سلیم شامی نقشبندی خلیفہ مجاز تاج العارفین قطب الاقطاب حضرت عبد النبی شامی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ نے ۲۴۴۔جی گلشن راوی لاہور سے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔

قطبوں کا بیان: اقطاب میں قطب مدار اور غوث بھی ہوتا ہے۔ تمام قطبوں اور اولیاء سے افضل قطب حقیقی ہوتا ہے۔ قطب مدار ایک شخص ہوتا ہے۔ تمام زمانوں اور وقتوں میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نظر کا موضع ہے اور اس کا مرتبہ حضرت اسرافیل علیہ السلام جیسا ہے قطب کبریٰ کا مرتبہ قطب الاقطاب کا ہوتا ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے باطن پر ہوتا ہے اور وہ خاتم ولایت ہوتا ہے جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبوۃ تھے۔ چند اور نام بھی ان کی ہوتے ہیں جیسے قطب دائرہ یا غوث الاعظم اور یہ حق تعالیٰ کے اسرار کا مظہر کلی ہوتا ہے۔ اگر اس کا وجود ایک پلک جھپکنے کو مفقود ہو جائے تو دنیا نیست و نابود ہو جائے۔ حضرت شیخ ابو العباس رحمتہ اللہ علیہ مرتبہ غوث پر شرف یافتہ تھے۔ جسم غوث ہر چیز سے لطیف تر ہوتا ہے اور غوث کی دعا سے دوسرے ولی کو غوث کا منصب مل سکتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی دعا میں یہ تاثیر تھی۔

شیخ داؤد قدس سرہ نے لکھا ہے کہ

قطب عالم زمانے میں اور دور میں ایک ہی ہوتا ہے اور دنیا کی تمام علوی اور سفلی مخلوق قطب عالم کے وجود سے قائم ہوتی ہے اور اس پر حق تعالیٰ کا فیض بے واسطہ ہوتا ہے اس کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں ہاتھ اس کا نام عبد الرب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں ہاتھ جس کا نام عبد الملک ہوتا ہے۔ وزیر عبد الرب قطب عالم کی روح سے فیض لے کر علوی عالم کو فیض پہنچاتا ہے اور وزیر عبد الملک قطب عالم کے جسم سے فیض لے کر سفلی عالم کو فیض پہنچاتا ہے اور اگر قطب عالم دنیا سے عالم عقبیٰ کو چلا جائے تو بائیں ہاتھ والا وزیر عبد الملک اس کی جگہ قائم مقام قطب عالم ہو جاتا ہے اور نام عبد اللہ ہو جاتا ہے کیونکہ قطب عالم کا اصلی نام خواہ کچھ ہو آسمانوں اور زمینوں میں عبد اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پھر دائیں طرف کے وزیر عبد الرب کو بائیں طرف منتقل کر کے عبد الملک نام کر دیتے ہیں اور عبد الرب کی جگہ ابدال میں سے کسی کو ترقی دے کر لگا دیتے ہیں اور ابدال بھی قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام پر ہوتے ہیں۔

قطب عالم کے عہدہ کی مدت: اس بارے میں مختلف خبریں ہیں۔ بعض کے مطابق یہ مدت ۳۳ سال چار ماہ اور بقول بعض ۲۸ سال اور تین ماہ دو دن ہوتی ہے۔ بعض کو پچیس سال اور کسی کو بائیس سال

Marfat.com

گیارہ ماہ بیس دن مل جاتے ہیں۔ بعض کو انیس سال پانچ ماہ دو دن لیکن کسی کو تیتیس سال چار ماہ سے زیادہ مدت اس منصب پر نہیں ملتی اور انیس سال پانچ ماہ سے کم نہیں ہوتی۔ اگر قطبیت کے عہدہ کے درمیان دنیا سے رحلت نہ ہو جائے تو ترقی پاکر مقام فرد پر ممتکن ہو جاتا ہے۔ رہائش قطب مدار کی کعبہ اللہ میں اس لئے ہوتی ہے کہ اکثر مجاور کعبہ ہوتا ہے لیکن کعبہ شریف کی مجاوری اس کے لئے لازمی شرط نہیں اور اکمل اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ نے قوت دی ہے کہ طرفۃ العین میں مختلف ملکوں اور شہروں میں ظہور کر سکتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ، بغداد شریف میں غوث (قطب مدار) تھے۔

قطب مدار اور فرد میں فرق: قطب مدار کو تہہ زمین سے عرش تک تصرف حاصل ہے جبکہ فرد کو تہہ زمین سے عرش تک تحقیق حاصل ہے۔ قطب مدار ہمیشہ صفات کی تجلی میں ہوتا ہے جبکہ فرد کامل ہمیشہ تجلی ذات میں ہوتے ہیں۔ فرد اخص ہوتے ہیں جبکہ قطب مدار خاص ہوتا ہے۔ قطب مدار جبرو کسر مخلوق پر چھ طرفوں میں تصرف رکھتا ہے اور مقام جبروت میں ہے جبکہ فرد مقام لاہوت میں ہوتا ہے۔

بارہ قطبوں کا بیان کہ ہر اقلیم میں ہوتے ہیں: تمام دنیا سات، اقلیم پر منقسم ہے اور ہر اقلیم کا ایک قطب ہوتا ہے جس کو قطب اقلیم کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ قطب اور ہوتے ہیں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔ اقلیم کے قطب سے فیض قطب ولایت پر آتا ہے اور قطب ولایت سے عام اولیاء اللہ پر فیض ودیعت ہوتا ہے۔

یہ اقطاب مختلف انبیاء علیہ السلام کے قلوب پر ہوتے ہیں۔ یعنی

(۱) حضرت نوح نجی اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔
(۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔
(۳) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔
(۴) حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔
(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر۔
(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر۔
(۷) حضرت ایوب علیہ السلام کے قلب پر۔
(۸) حضرت الیاس علیہ السلام کے قلب پر۔
(۹) حضرت لوط علیہ السلام کے قلب پر انوار پر۔
(۱۰) حضرت ھود علیہ السلام کے قلب پر۔
(۱۱) حضرت صالح علیہ السلام کے قلب پر۔
(۱۲) حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔

قطبوں کے اوراد (واحد۔ورد):

(۱) قطب اول کا ورد سورۃ "یٰسین" ہے۔
(۲) قطب دوم کا ورد سورۃ "اخلاص" ہے۔

Marfat.com

(۳) قطب سوم کا ورد سورۃ "اذا جاء" ہے۔
(۴) قطب چہارم کا ورد سورۃ "فتح" ہے۔
(۵) قطب پنجم کا ورد سورۃ "اذا زلزلت" ہے۔
(۶) قطب ششم کا ورد سورۃ "واقعہ" ہے۔
(۷) قطب ہفتم کا ورد سورۃ "بقرۃ" ہے۔
(۸) قطب ہشتم کا ورد سورۃ "کہف" ہے۔
(۹) قطب نہم کا ورد سورۃ "النمل" ہے۔
(۱۰) قطب دہم کا ورد سورۃ "انعام" ہے۔
(۱۱) قطب یازدہم کا ورد سورۃ "طٰہٰ" ہے۔
(۱۲) قطب دوازدہم کا ورد سورۃ "ملک" ہے۔

قطب مدار اور دیگر قطبوں کے مراتب: قطبوں میں سے اگر کوئی چاہے کہ کسی ولی کو ولایت سے معزول کر کے اور کسی کو اس کی جگہ تعینات کر لے تو کر سکتے ہیں۔ قطب عالم چاہے تو کسی قطب کو معزول کر سکتا ہے۔ قطب مدار فرشتہ کو اپنے کام سے روک سکتا ہے۔ اور لوح محفوظ کے احکام کو بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ مردہ کو زندہ کرنا اور عرش و کرسی تک کی تمام مخلوقات کا ہر کام ان کی تصرف میں ہے۔ اور جب قطب مدار سے ترقی پا کر فرد ہو جاتا ہے۔ تو تصرفات نہیں رہتے کیونکہ فردانیت خوشی اور موانست کا مقام ہے پس اس کی مراد سوائے حق سبحانہ کے اور کچھ نہیں رہتی۔ فرد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قلب پر ہوتے ہیں اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر ہیں افراد دائمی تجلی کے سرور سے سہو میں ہوتے ہیں جبکہ مخلوق ان کو صحو میں سمجھتے ہیں لیکن یہ سہو ایک بہت عظیم مقام ہے کہ وہ ذات میں صحو ہیں نہ وہاں مکان ہے نہ زماں اور صفات اور اسماء کی تجلی والوں کو افراد کی تجلیات کا کوئی پتہ نہیں۔

افراد تجلی ذات میں نور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین ۝ المائدہ: ۱۵

پس حضور سرور دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کا جسم نور تھا اور اسی وجہ سے سایہ نہ تھا۔ اگر آپ کا جسم دوسرے انسانوں کے جسم کی طرح ہوتا تو ظاہر بینوں کو یہ فرمان الٰہی نہ ہوتا کہ تم ان کی طرف نظر کرتے ہو لیکن ان کو دیکھتے نہیں ہو (قرآن) اور افراد کا یہ مقام ہے کہ تجلی ذات نزول کرتی ہے تو ان کا وجود نور ہو جاتا ہے۔ پس اس حالت میں اس ملک اور زمین میں ان کے وجود کا سایہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ صفات اسماء اور افعال کی تجلی والے ان کی طرف نظر کرتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے۔ افراد کی کوئی مقررہ تعداد نہیں ہوتی۔ بہت ہوتے ہیں اور مخلوق کی نظر سے چھپے ہوتے ہیں۔ لیکن قطب مدار اور دوسرے قطب ان کو جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں فرد کامل جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تفرد میں ہیں سلوک میں اور ترقی کرتے ہیں اور حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب سے مشرف ہوتے ہیں اور ترقی کر کے

Marfat.com

قطب حقیقی کے رتبہ پر پہنچتے ہیں جو مقام معشوقی ہے اور قطب وحدت کہلاتا ہے یعنی مشرب احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے اور مقام معشوقی غیرت ہے اللہ تعالیٰ کی غیرتوں میں سے ایک غیرت ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ غیور ہے اور اس کی غیرت یہ ہے۔

"انہ لم یحل اللہ طریق سواء"

غیرت بندہ کو غیرت حق تعالیٰ سے ایک شمہ کی نسبت ہے۔ اس مقام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ جس میں کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کو دخل نہیں۔ مرتبہ معشوق یہ ہے کہ جو کچھ معشوق کرتا ہے حق تعالیٰ وہی کرتا ہے معشوق کے لئے کسی خاص مقام پر رہنا ضروری نہیں افراد کے منصب کی عمر یعنی مدت ۵۵ سال ہوتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اگر اس مدت میں سلوک اور ترقی کرے قطب حقیقی کے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں اور قطب حقیقی کی مدت ۲۳ سال دس دن ہوتی ہے اس کے بعد مقام معشوق ہے یعنی قطب وحدت اور یہ جمع الجمع ہے۔ بعض کو فردیت کے مقام میں بھی ولایت کے فرائض و تفویض ہوسکتے ہیں۔

ابدالوں کا بیان: ابدالوں میں سے سات مخصوص ہیں یہ سفر میں رہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے قلب پر ہوتے ہیں فلک کے خیمہ کی رسیوں کے لئے ابدال سات میخیں ہیں اور ان میں سے ایک قطب ہوتا ہے جب کسی ابدال خاص کی موت ہوجاتی ہے تو جو چھ سو عام ابدال ہیں۔ ان میں سے ایک کو یہاں ترقی دے دی جاتی ہے اور چھ سو کا عدد صالح مومنین میں سے ایک کو ترقی دے کر پورا کر دیا جاتا ہے۔ کچھ ابدال صورت بدل لیتے ہیں اور وقت ضرورت صورت جسمانیہ پر متمثل ہوجاتے ہیں۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادائیگی فرض کے لئے دو دو حصص کئے ہیں شرقی اور غربی عراق نصف شرقی میں ہے اور شام نصف غربی میں پس عراق اور اس کے علاوہ خراسان ہندوپاکستان، ترکستان اور تمام شرقی شہر اقلیم عراق میں داخل ہیں اور شام اور مصر کے شہر اور تمام ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہیں اقلیم شام میں داخل ہیں حضرت خواجہ خواجگان قطب الدین یحییٰ جامی رحمتہ اللہ علیہ ان بارہ میں سے ہیں جو عراق میں ہیں۔ اہل حقیقت کے علاوہ دوسرے عام لوگ ابدالوں کو نہیں جانتے اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

وہ جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سات ابدال ہیں ان سے سات اقلیم کے سات ابدال مراد ہیں ہر اقلیم کا ایک ابدال ذمہ دار ہے جو اس اقلیم کی نگہداشت کرتا ہے اور فرمایا۔

وہ حرم پاک مکہ معظمہ میں میرے پاس جمع ہوتے ہیں سلام کرتے ہیں اور گفتگو ہوتی ہے یہ سات ابدال مختلف انبیاء کے مشرب پر ہیں ان کے نام اور مشرب یہ ہیں۔

(۱) پہلا ابدال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالحی" ہے۔

Marfat.com

(۲) دوسری اقلیم کا ابدال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالحلیم" ہے۔

(۳) تیسری اقلیم کا ابدال حضرت ہارون علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالمجید ہے۔"

(۴) چوتھی اقلیم کا ابدال حضرت ادریس علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالقادر" ہے۔

(۵) پانچویں اقلیم کا ابدال حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالقاہر" ہے۔

(۶) چھٹی اقلیم کا ابدال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام "عبدالسمیع" ہے۔

(۷) ساتویں اقلیم کا ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہے اور ابدالوں میں اس کو "عبدالنصیر" کہتے ہیں اور یہ ساتویں ابدال حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

ہر ایک ابدال عارف ہے۔ عرفان و لطائف الٰہیہ اور ساتوں ستاروں کے بھید اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھے ہیں اور ان میں وہی تاثیر بھی ہے اور ان میں سے عبدالقاہر نام اس ولایت اور قوم کے لئے نامزد ہوتا ہے جہاں قہر مطلوب ہے جیسے ستاروں میں سعد اور نحس کی تاثیر ہے وہ ابدالوں میں بھی ہے۔

تین سو پچاس ابدال درج بالا سات کے علاوہ ہیں۔ ان میں سے تین سو حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور ان سے ایک بزرگ کی ملاقات نیل کے منبع پر ایک پہاڑ میں ہوئی اور یہ ساڑھے تین سو پہاڑوں میں رہتے ہیں اور ان کی خوراک درختوں کے پتے اور بیابان کی ٹڈی ہے۔ معرفت کے کمال میں مقید ہیں۔ کہیں باہر نہیں جاتے۔

جو تین سو ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا ورد حضرت آدم علیہ السلام والا ہے یعنی ربنا ظلمنا انفسنا کا ورد کرتے رہتے ہیں اور چالیس ابدال کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والا انی ظلمت نفسی فاغفرلی ہے اور سات ابدال جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا ورد حضرت ابراہیم علیہ السلام والا رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین (اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکو کاروں میں شامل کر۔) ہے اور پانچ ابدال جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا علم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علم سے نہیں بڑھتا اور تین ابدال جو حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا علم حضرت میکائیل علیہ السلام سے نہیں بڑھتا اور جو ایک ابدال حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا علم ان کے علم سے نہیں بڑھتا مگر یہ ابدال ترقی کر کے مقام عبدالرب پر پہنچتا ہے جس کا وزیر قطب عالم کے طور پر ذکر ہو چکا ہے۔

جو تین سو ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا اصلی نام قائم رہتا ہے جو چالیس ابدال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام "موسیٰ" ہو جاتا ہے۔ جو سات ابدال حضرت

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ ان کا نام "ابراہیم" ہو جاتا ہے جو پانچ ابدال حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام "محمد" ہو جاتا ہے اور ایک ابدال جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے وہ قطب مدار کا دائیں طرف کا وزیر عبدالرب نام سے ہو جاتا ہے۔

اخیار کا بیان: شیخ حمید الدین سوالی رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ تین سو ہیں اور یہ غوث کے سپاہی ہوتے ہیں اور بعض مشائخ نے سات یا اٹھارہ کہے ہیں جو حق تعالیٰ کی درگاہ کے حجاب کے دربان ہیں۔ ابرار یہ سات آدمی ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ چھ ہوتے ہیں۔

نقباء و نجبا کا بیان: نقیب وہ لوگ ہیں جن پر اسم باطن محقق ہوا ہے اور لوگوں کے باطن پر شرف رکھتے ہیں اور ان کے دلوں کے حال پر مطلع ہوتے ہیں۔ یہ تعداد میں تین سو ہیں اور کشف المحجوب شریف جو درس توحید کی ایک مثالی کتاب ہے، میں صرف تین کا عدد ہے ان میں صالح عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور نجیب بھی لوگوں کی اصلاح و درستی پر مامور ہیں اور تعداد میں چالیس ہیں۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ:

ابدال چالیس مرد ہیں شام میں اور اٹھائیس عراق میں اور ان کا نام "احمد" ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو زاہدوں میں سے کسی کو اس کی جگہ پر لگا دیتے ہیں۔

اہل مراتب کے اسماء گرامی: سب نقیبوں کا نام "علی" ہوتا ہے اور نجیبوں کا "حسن" اور سات اخیار کا نام "حسین" ہوتا ہے اور عمائد چار ہیں ان کا نام "محمد" ہوتا ہے ایک غوث ہوتا ہے اس کا نام "عبداللہ" ہوتا ہے۔ جب غوث فوت ہوتا ہے تو عمائد میں سے کسی کو غوث کا مقام مل جاتا ہے اور جب کوئی عمائد سے فوت ہو جائے اس کی جگہ "نجیب" لے لیتا ہے اور نجیب کے فوت ہونے پر کسی "نقیب" کو ترقی مل جاتی ہے۔

اویسیہ کا بیان: حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ، نے فرمایا کہ بعض اولیاء ایسے ہیں ان کو ظاہر پیر کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ ان کو حضور پر نور شافع یوم النشور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی واسطے کے خود اپنے حجرہ میں پرورش کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ کی تربیت فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں بعض اولیاء طالبوں کو غائبانہ تربیت دیتے ہیں اور ان کا ظاہرہ پیر نہیں ہوتا اور بہت سے بزرگ سلوک کے شروع میں اس قسم کے فیض سے شرف یافتہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ، سلوک کے شروع میں اویسی فیض سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی آخری بیماری میں ہم نشینوں سے کہا کہ۔

میرے جانے کا غم نہ کرنا حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ نے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ، پر تجلی فرمائی اور ان کے اویسی مرشد ہوئے۔ تم بھی مجھے یاد کرتے رہنا میں تمہیں فیض رساں ہوں گا۔ جس لباس میں بھی ہوں۔ پس اویسی اس کو کہتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کی روحانیت سے تربیت پائے یا کسی ولی کی روحانیت سے غائبانہ فیض یاب ہو خواہ وہ ولی زندہ ہو یا وصال کر چکا ہو۔

معجزہ، کرامت اور استدراج کے فرق کے بارے میں: معجزہ وہ ہے کہ عادت کے خلاف ہو یعنی ظاہر دنیا میں جو رسم جاری ہو اس کو توڑ دے اور وہ کسی نبی علیہ السلام سے ظاہر ہو۔ کرامت وہ ہے کہ خارق عادت ولی سے ظاہر ہو اور استدراج وہ خوارق عادت ہے جو ہندو یا دیگر مذاہب کے راہبوں جادوگروں یا جوگیوں وغیرہ سے ظاہر ہو۔ معجزہ کو "معجزہ" اس لئے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف اس طرح کی خوارق عادت دکھانے سے عاجز ہوں کرامت کے معنی بزرگی کا ظہور ہے اور یہ ناقص کو دکھانی منع ہے کہ وصول حق کے راستہ میں مانع ہو جاتی ہے۔ استدراج کا معنی ہے نزدیک کرنا کہ دکھانے والا اپنے آپ کو شقاوت اور اس کے اسباب سے نزدیک کرتا ہے کیونکہ استدراج جادو اور شیاطین کی امداد سے ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی کرامت: کرامت سے مراد خرق عادت ہے خواہ اس میں تصرف پایا جائے یا نہ۔ دوسری قسم کی مثال ہے حضرت بی بی مریم کے پاس میوہ (پھل فروٹ) آنے اور اصحاب کہف کی حفاظت فسادیوں سے۔ دو کام بغیر ان کے اپنے تصرف کے تھے۔ منجانب اللہ ذات سبحانہ، تھے اور پہلی قسم کی کرامت آصف بن برخیاء سے ظاہر ہوئی کہ تخت ملکہ بلقیس کو چشم زدن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دیا اور یہ معجزہ نہیں تھا کیونکہ آصف بن برخیا پیغمبر نہیں تھا اور کرامت کے اثبات میں وہ حدیث پاک بھی ہے کہ پہلی امتوں میں سے تین شخص سفر میں تھے۔ جب رات آئی ایک غار میں آرام کیا۔ دوران شب ایک چٹان گری اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ آپس میں کہا اور کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی۔ جو کام ہر ایک نے بے ریا کیا ہو حق تعالیٰ کے آگے شفیع لائے۔

(۱) ایک نے کہا میرے پاس کوئی مال دنیا کا نہ تھا سوائے ایک بھیڑ کے جس کا دودھ ماں باپ کو دیتا تھا اور ہر روز لکڑیوں کا گٹھا لا کر اپنے کھانے کا بندوبست کرتا تھا۔ ایک شام واپس آکر جب والدین کو دودھ دینے گیا تو وہ سو چکے تھے۔ میں دودھ لے کر تمام شب کھڑا رہا کہ جب بیدار ہوں پی لیں صبح ہوئی تو وہ اٹھے اور پیا اے خدا اگر یہ عمل صدق سے تھا تو غار سے رہائی دے۔ وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا۔

(۲) دوسرے نے کہا میرے چچا کی لڑکی نہایت حسین اور جمیل تھی اور اس کی مجھے بڑی رغبت تھی لیکن وہ ملنے کو تیار نہ ہوتی آخر میں نے اس کو سرخ دیناروں کے چند پیالے بھر کر بھیجے ایک شب اس نے خلوت دی جب میں نزدیک ہوا خدا کا خوف آیا۔ میں اس سے دست بردار ہو گیا۔ اگر یہ صدق سے تھا تو اے خدا اس پتھر کو دور کر دے۔ وہ پتھر ہلا اور تھوڑا سا راستہ اور بن گیا مگر ابھی نکل نہ سکتے تھے۔

(۳) تیسرے نے کہا ایک مرتبہ کام کے لئے کچھ مزدور رکھے تھے۔ جب کام ختم ہوا تو سب کو مزدوری دے دی مگر ایک کسی طرف چلا گیا۔ اس کی مزدوری رہ گئی میں نے اس کی مزدوری کی رقم سے اس کے نام سے ایک بکری خریدی۔ وہ مرد چالیس سال بعد آیا اور اپنی مزدوری طلب کی۔ میں نے اس بکری سے پیدا شدہ تمام گلہ اس کی حوالے کر دیا۔ اے خدا اگر یہ صدق سے تھا تو پتھر دور کر دے۔ وہ پتھر ایک دم غار

Marfat.com

سے ہٹ گیا اور وہ تینوں باہر نکلے۔ اب پتھر کا ہٹنا یہ خوارق عادت تھا۔

ایک اور مثال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور سپہ سالار عراق میں لڑ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو اچانک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے ساریہ پہاڑ کی جانب (یا ساریہ الی الجبل)۔ پہاڑ کی جانب ساریہ کے کانوں میں فضاء سے یہ آواز آئی تو انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو غنیم نے ان کی پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی چال چلی تھی۔ ساریہ نے فوراً ایک دستہ ادھر بھیجا اور فتح یاب ہوئے اور اس واقعہ کی سند مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

اس زمانہ میں ایسے جاہل اور شیطانی اندھیروں میں گم لوگ آگئے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام کے معجزات اور اولیاء کاملین کی کرامات سے انکاری ہیں۔ یہ لوگ اولیاء اللہ کی کرامات سے اس وجہ سے انکاری ہیں کہ اپنے آپ کو ولایت کے اعلیٰ مراتب پر فائز سمجھتے ہیں اور خود کوئی کرامت دکھانے کے قابل نہیں۔

بعض صوفیانہ اصطلاحات اور احوال کا بیان

نفس کی حقیقت اور ہوا کے معنی: بقول سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نفس کے لغوی معنی وجود شئے اور حقیقت و ذات کے ہیں اور لوگوں کی عادت و استعمال میں اس کے معنی بہت ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہیں اور باہم متضاد معنی مستعمل ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے معنی روح ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنی مروت ہیں۔ اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنی جسم کے ہیں اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنی خون کے ہیں لیکن طریقت کے محققین کے نزدیک اس لفظ کے ان میں سے کوئی معنی مراد نہیں ہے۔ یہ حضرات اس پر متفق ہیں کہ درحقیقت نفس شر اور برائی کا منبع ہے جو برا امام و قائد ہے لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ شئے ہے جو قالب میں بطور امانت رکھا گیا ہے جس طرح روح ہے اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب کی ہی ایک صفت ہے جس طرح کہ حیات یعنی زندگانی ہے۔ مگر اس میں سب سے متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اسی سے ظاہر ہوتی ہیں اور برے افعال اسی کے سبب سے ہیں۔

افعال نفس کی دو قسمیں ہیں ایک معصیت نافرمانی۔ دوسرے کمینہ خصلت جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ اور اس کے سواء وہ باتیں جو شریعت اور عقل میں مذموم و بری ہیں۔ لہٰذا ریاضتوں کے ذریعہ ان بری خصلتوں کو اپنے سے دور کر سکتے ہیں جس طرح توبہ سے معصیت کو، اور یہ کہ معاصی ظاہری اوصاف میں سے ہے اور یہ کمینہ خصائل باطنی اوصاف میں سے۔ اور یہ کہ ریاضت ظاہری افعال سے ہے اور توبہ باطنی افعال سے، اور یہ کہ کمینہ خصائل سے جو کچھ باطن میں کدورت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہری اوصاف کے ذریعہ پاک و صاف ہو جاتی ہے اور جو کدورت ظاہری افعال بد سے پیدا ہوتی ہیں وہ باطن کی صفائی سے جاتی رہتی ہیں اور یہ کہ نفس و روح دونوں قالب میں اتنی ہی لطیف ہیں جتنی عالم میں شیاطین و فرشتے اور جنت و

Marfat.com

دوزخ لیکن ایک محل خیر ہے اور ایک محل شر، جس طرح آنکھ محل بصر ہے اور کان محل سماعت اور زبان محل ذائقہ۔ اسی طرح کچھ اعیان و اوصاف انسان کے قالب میں بطور امانت رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی بنیاد اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ بندہ اس کے بغیر راہ حق کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت ہے اور اس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔ ونھی النفس عن الھوی فان الجنتہ ھی الماوی "جنہوں نے نفس کو خواہش سے روکا بے شک جنت انہیں کا ٹھکانہ ہے۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ للہ علیہ فرماتے ہیں کہ اساس الکفر قیامک علی مراد نفسک یعنی کفر کی بنیاد تیرا اپنے نفس کی خواہش پر قائم رہنا ہے۔ گویا بندے کے کفر کی بنیاد نفس کی مراد میں قائم رہنے میں ہے کیونکہ نفس کو اسلام کی لطافت کے ساتھ لگاؤ نہیں ہے۔ لامحالہ اعراض میں کوشش کرنی چاہئے اور اس سے روگردانی کرنے والا منکر ہے اور منکر حق سے بیگانہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ النفس خائنہ بالامانہ ومانعہ من الرضاء وافضل الاعمال خلافھا یعنی نفس امانت میں خیانت کرنے والا، اور طلب رضائے الٰہی سے روکنے والا ہے اور سب سے بہتر عمل نفس کی خلاف ورزی ہے۔

مجاہدہ نفس: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی "جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا یقیناً ہم نے انہیں اپنا راستہ دکھایا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ المجاھد من جاھد نفسہ فی اللہ یعنی مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اور ارشاد ہے وجعلنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر قیلہ یارسول اللہ ما الجھاد الاکبر قال الاوھی مجاہدہ النفس "اب ہم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا سن لو! وہ نفس سے مجاہدہ ہے۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدہ نفس کو جہاد یعنی غزوہ پر فضیلت دی ہے اس لئے کہ اس کا رنج زیادہ ہے کیونکہ اس میں پائمال کرنا واجب ہے۔

پس جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے نیز انبیائے کرام علیہم السلام کا آنا، شریعت کا قیام کتابوں کا نزول اور تمام احکام تکلیفہ مجاہدہ ہی تو ہیں۔ اگر مجاہدہ، مشاہدہ کی علت نہ ہو تو ان سب کا حکم باطل قرار پاتا ہے۔

ناپاک کتے کو سدھا کر اس منزل تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ اس کا شکار حلال ہو جاتا ہے حالانکہ آدمی کی بے ریاضت و تعلیم اس کا شکار حرام ہے اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ لہٰذا تمام شریعت اور اس کے

Marfat.com

احکام کا مدار مجاہدہ پر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود حصول قرب، وصول مقصود، عافیت عقبیٰ اور عصمت پر برقراری کے بکثرت مجاہد سے فرمائے، بھوکے رہے، طویل مدت تک صوم وصال رکھے اور راتوں کو شب بیداری فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ طٰہٰ ○ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی "اے محبوب ہم نے قرآن آپ پر اس لئے نازل نہ فرمایا کہ آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینٹیں اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ حضور کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اینٹوں کا کام مجھے سپرد فرما دیں میں آپ کی جگہ کام کروں گا۔ حضور نے فرمایا - یا اباھریرہ خذ غیرھا فانہ لاعیش الاعیش الآخرہ اے ابو ہریرہ تو کوئی اور اینٹ پکڑ لا------ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ (کشف المحجوب)

سکر و صحو: ایک جماعت سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت صحو کو سکر پر برتری دیتی ہے۔ حضرت ابو یزید بسطامی اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ صحو آدمیت کی صفت پر اعتدال اور استقامت کی شکل بناتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے مشاہدے میں بہت بڑا حجاب ہے اور سکر آفت کے زائل ہونے، صفات بشریت کے گم ہونے بندے کے تدابیر واختیار کے چلے جانے معنوی بقاء کے ساتھ حق تعالیٰ میں بندے کے تصرفات کے فناء ہونے اور اس قوت کے فناء ہونے سے جو بندے میں اس کی جنس کے خلاف ہے حاصل ہوتا ہے اور یہ حالت صحو کے مقابلہ میں ابلغ واتم اور زیادہ کمل ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے حالت صحو میں جب وہ فعل صدور میں آیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ان کے اس فعل کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا وقتل داؤد جالوت یعنی داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سکر پر فائز تھے۔ حضور سے جب فعل وجود میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی چنانچہ فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ "جب آپ نے پھینکا تھا تو وہ آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔ (کشف المحجوب)

اور وہ جماعت جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتی ہے ان میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سکر محل آفت ہے اس لئے کہ سکر میں احوال پریشان صحت غائب اور بندے کے تمام علائق گم ہوتے ہیں۔ اور جب تمام معانی کے قاعدوں کا طالب ہو خواہ اس کی فناء کی صورت یا اس کی بقاء کی شکل میں، خواہ اس کے نابود کرنے کی صورت میں یا اس کے اثبات کی شکل میں، اگر وہ صحیح الحال نہیں ہوگا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ اہل حق کا دل ہر موجودات سے خالی ہونا چاہئے اور بینائی کی بنیاد چیزوں کی قید میں کبھی راحت نہیں پاتی اور اس کی آفت سے ہرگز نہیں چھوٹتی۔ اور لوگوں کا حق تعالیٰ کے سوا چیزوں میں رہ جانا اسی لئے ہے کہ وہ چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں (کہ وہ ناپید وفنا ہونے والی ہیں) نہیں دیکھتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا کی حالت میں کہا اللھم ارنا

Marfat.com

الاشیاء کما ھی "یعنی اے خدا مجھے چیزوں کی ماہیت جیسی کہ وہ ہیں دیکھا۔" یہ اس لئے کہ جس نے انہیں ان کی ماہیت کے ساتھ دیکھا وہ آسودہ رہا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فاعتبروا یااولی الابصار اے دیکھنے والو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔

جب تک انسان دیکھتا نہیں ہے تو عبرت کیسے پکڑ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ساری باتیں حالت صحو کے سوا کیسے درست آ سکتی ہیں۔ اہل سکر کو اس معنی کی کچھ خبر نہیں ہوتی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے وہ ایک تجلی ربانی کے ظہور کو برداشت نہ کر سکے اور ہوش جاتے رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وخر موسی صعقا "موسیٰ چیخ مار کر زمین پر آ رہے۔"

اور ہمارے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صحو میں ہیں چنانچہ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی ربانی میں ہمہ وقت ہوشیار اور بیدار تر رہے۔

شربت الراح کاسا بعد کاس فما نفذ الشراب وما رویت

یعنی میں نے پیالے بھر کے شراب راحت پی۔ مگر شراب نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور نہ میں سیراب ہوا۔

میرے شیخ نے فرمایا وہ جنیدی مذہب کے تھے کہ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو مردوں کے فنا کا میدان۔ (حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ للہ علیہ بھی سکر پر صحو کو فضیلت دیتے ہیں۔)

اور میں علی بن عثمانی جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمتہ اللہ) اپنے شیخ کی موافقت میں کہتا ہوں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہے۔ اور صحو میں کم سے کم درجہ بشری حالت میں دیدار سے رہ جاتا ہے۔ لہٰذا وہ صحو جو آفت دکھائے اس سکر سے بہتر ہے جو سراسر آفت ہے۔

لیکن سکر کی دو قسمیں ہیں ایک دوستی کی شراب سے دوسرے محبت کے پیالہ سے۔ سکر مودت (یعنی دوستی کی شراب سے) معلول ہے یعنی علت و سبب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ مستی نعمت کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے اور سکر محبت بے علت و بغیر سبب کے ہے کیونکہ یہ مستی منعم یعنی حق تعالیٰ کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا جس نے نعمت کو دیکھا وہ اپنے پر دیکھتا ہے اور خود کو دیکھتا ہے۔ اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اس کے ساتھ دیکھا اور اپنے آپ کو نہ دیکھا اگرچہ وہ حالت سکر میں ہے مگر اس کا سکر صحو ہے۔

صحو کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صحو بر غفلت، دوسری صحو بر محبت، غفلت والا صحو بہت بڑا حجاب ہے۔ اور محبت والا صحو روشن دواضح کشف و مشاہدہ ہے۔ لہٰذا جو صحو غفلت پر ہوتا ہے اگرچہ صحو میں ہو۔ گر سکر پر ہے اور جو محبت میں واصل ہو جائے اگرچہ سکر میں ہو مگر صحو ہے جب اصل و بنیاد مضبوط و مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی مانند اور سکر صحو کی مانند ہوتی ہے اور جب بے اصل و بنیاد ہو تو دونوں بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحو اور سکر مردان خدا کی جائے اقامت میں اختلاف سبب کی وجہ سے معلول ہوتا ہے لیکن جب سلطان حقیقت یعنی اللہ رب العزۃ جل و علی اپنا جمال دکھادے تو صحو و سکر دونوں طفیلی اور وسیلہ رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کے کنارے اور سرحدیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور

Marfat.com

ایک کی انتہاء میں دوسرے کی ابتداء شامل ہے۔ اور ابتداء و انتہاء سوائے تفرقہ کے کچھ نہیں ہے چونکہ ان کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہے تو حکم میں دونوں برابر ہوں گے اور نفیسوں کا جمع کرنا سراسر تفرقہ ہی ہوگا۔

نبی کریم علیہ التحیتہ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ اجیعوا بطونکم دعوا الحرص واھروا اجسادکم قصروا الامل واظمائو اکبارکم دعوا الدنیا لعککم ترون اللہ بقلوبکم اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، لالچ کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، امیدوں کو کم کرو، جگروں کو پیاسا رکھو دنیا سے کنارہ کشی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب کا مشاہدہ کرے۔

نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام کے احسان کے بارے میں ان کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک "تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ یا داو داتدری ما معرفتی قال لاقال ھی حیات نقلب فی مشھدتی اے داؤد تم جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا وہ دل کی زندگی، میرے مشاہدہ میں ہے۔

مشائخ طریقت رحمہم اللہ کے نزدیک عبادت سے مراد دل کی آنکھوں سے مشاہدہ الٰہی کرنا ہے یعنی وہ بے کیف و کم، خلوت و جلوت میں دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار و مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت ابو العباس بن عطا رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ بالمجاھدہ ثم استقاموا علی بساط المشاھدہ بلاشبہ جنہوں نے مجاہدے میں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ مشاہدہ کے فرش پر کھڑے ہوئے۔

حقیقتاً مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک صحت یقین دوسرا ایسا غلبہ محبت جس سے ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ مکمل طور پر دوست کی ہربات میں وہی نظر آئے اور اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارایت شیا قط الا مادایت اللہ فی ای بصحہ الیقین یعنی میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا مگر یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ صحت یقین کے ساتھ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا تو آپ نے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مازاغ البصر وماطغی (نہ آنکھ بھٹکی اور نہ آنکھ بے راہ ہوئی) مازاغ البصر ای برویت الدنیا (یعنی دنیا کے دیکھنے میں آنکھ نہ بھٹکی) وماطغی ای برویت العقبی (یعنی آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ نہ ہوئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان للہ عبادلو حجبوا عن اللہ فی الدنیا والاخرہ لارتدوا یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ کے لئے بھی محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو دائمی مشاہدہ میں پرورش فرماتا اور اپنی محبت کی حیات میں ان کو زندہ رکھتا ہے، لامحالہ جب صاحب مشاہدہ محجوب ہو جائے تو وہ مردود ہو جاتا ہے۔

صاحب کشف المحجوب ایک شبہ کا ازالہ کے طور پر فرماتے ہیں۔

ارباب مشاہدہ کے بارے میں ایک قوم کو غلطی لاحق ہوئی ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ دلوں کی رویت اور ان کا مشاہدہ دل میں کوئی صورت بناتی ہے جسے ذکر یا فکر کی حالت میں وہم برقرار ثابت کرتی ہے حالانکہ یہ تشبیہ محض اور کھلی گمراہی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ دل جس کا وہم کے ذریعہ اندازہ کرلے اور عقل اس کی کیفیت کے ساتھ باخبر ہو جائے۔ اور جو چیز موہوم ہوتی ہے وہ بھی وہم کے جنس و قبیل سے ہوتی ہے اور جو چیز عقل میں سما سکے وہ بھی عقل کے جنس سے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے لئے کسی جنس کی ہم جنسی نہیں ہے اور لطافت و کثافت دونوں جنس کے قبیل سے ہیں۔ جو محل میں ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کی جنس ہیں اس لئے کہ توحید کی تحقیق میں اور قدیم کے پہلو میں ضد جنس ہے کیونکہ تمام اضداد محدث ہیں اور تمام حوادث یک جنس ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالک عما یصفہ الملاحدہ علوا کبیرا

لہٰذا دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کے مانند ہے۔ اور جبکہ تمام اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ عقبیٰ میں دیدار جائز ہے تو لامحالہ دنیا میں بھی مشاہدہ جائز ہے۔ (کشف المحجوب)

بقاء اور فناء کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے ما عندکم ینفدو ما عند اللہ باق "جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔" دوسری جگہ فرماتا ہے کل من علیھا فان یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

"زمین پر جو کچھ ہے وہ فناء ہونے والا ہے اور تمہارے رب کی عزت و جلال والی ذات باقی رہنے والی ہے۔

فنا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقاء کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا کہ آخرت باقی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والاخرہ خیر وابقی (آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس آیت میں ابقی کا کلمہ مبالغہ کے لئے ارشاد ہوا۔ کیونکہ آخرت کی عمر کے لئے اس جہان میں فنا نہیں ہے---- لیکن بقائے حال اور فنائے حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لئے یقیناً فنا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ معصیت فانی ہے اور اطاعت باقی۔ بندہ جب اپنی اطاعت کا علم حاصل کر لیتا ہے تو غفلت و جہالت معدوم ہو کر بقاء کے ذکر میں باقی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ عالم و

Marfat.com

دانا بن جاتا ہے تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

سید علی ہجویری فرماتے ہیں۔ "لیکن خواص اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقاء سے متصف وہ حضرات ہیں جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہو چکے ہیں اور مقامات کی قید اور احوال کے تغیر سے رستگاری کر کے طلب مقصود میں فائز المرام ہو چکے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں حق تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے سننے کی تمام صلاحیتیں کلام الٰہی کے سننے میں پیوست ہیں اور دل سے جاننے کی تمام استعدادیں اسرار الٰہی کے حصول میں منہمک ہو چکی ہیں۔ یہ حضرات اہل ولایت اپنے اسرار کے حصول میں خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ وہ سب سے کنارہ کش ہو کر مراد میں ان کے ارادے فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ واصل بحق ہو کر ہر دعویٰ سے بیزار اور ہر لحاظ سے منقطع کراموں سے محجوب اور مقامات کو دیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ عین مراد میں آفتوں کا لباس پہنے ہوئے مراد سے بے مراد ہوتے ہیں۔ وہ ہر مشرب سے جدا ہو کر ہر شئے مانوس کی انسیت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیھلک من ھلک عن بینتہ ویحی من حی عن بینہ تاکہ ہلاک ہوں تو مشاہدہ سے ہلاک ہوں اور زندہ ہو تو مشاہدے سے زندہ ہو۔

اسی معنی میں، میں کہتا ہوں۔

فنیت فنای بفقد ھوای
فصار ھوائی فی الامور ھواک
فاذا فنی العبد عن اوصافہ
ادرک البقاء بتمامہ

یعنی میں نے فنا کو اپنی خواہش کو ناپید کر کے فنا کیا۔ ہر امر میں میری خواہش صرف تیری ہی محبت ہے۔

لہٰذا جب بندہ اپنے بشری اوصاف کو فناء کر دیتا ہے تو اس وقت بقاء کے معنی پورے طور پر جان لیتا ہے۔

جمع و تفرقہ کا بیان: اللہ تعالیٰ نے ایک اپنی دعوت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے فرمایا۔ واللہ یدعوالی دارالسلام اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔" پھر دوسری جگہ انہیں ہدایت حق میں فرق کر کے بیان فرمایا۔ ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔----- دعوت میں تو اللہ تعالیٰ نے سب کو پکارا اور ایک گروہ کو اظہار مشیت کے حکم میں نکال دیا اور سب کو جمع کر کے حکم فرمایا، اور ایک گروہ کو مردود و رسوا کر کے فرق کر دیا یعنی جدا کر دیا۔ اور کچھ کو توفیق دے کر مقبول بنایا اور کچھ کو ممانعت و نہی کے ذریعہ جمع کیا اور نکال دیا۔ ایک گروہ کو عصمت دی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف میلان دیا۔ لہٰذا اس معنی میں حقیقت و اسرار اور حق تعالیٰ کی معلوم و مراد میں لفظ جمع ہے اور امر و نہی کے اظہار میں لفظ تفرقہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند اسمٰعیل کو قربان کریں۔ اور معیشت الٰہی یہ

Marfat.com

تھی کہ ایسا واقع نہ ہو اور ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے اور مشیت یہ تھی کہ سجدہ نہ کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ گندم نہ کھانا اور مشیت یہ تھی کہ وہ کھائیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ لہٰذا الجمع ماجمع باوصافہ والتفرقہ مافرق بافعالہ یعنی جمع وہ ہے جو اس کے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال سے جدا ہو۔ بعض صوفیاء کے نزدیک جمع حق کی صفت ہے اور تفرقہ اس کا فعل ہے۔ یعنی اللہ کی ذات کے سوا جمع کا استعمال کسی پر جائز نہیں۔

کامل تر انسان: واضح رہنا چاہئے کہ محققین کے نزدیک باعتبار ترکیب، کامل تر انسان تین معنی سے ہے ایک روح دوسرے نفس، تیسرے جسم، اور اس کے ہر ذات و وجود کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے روح کے لئے عقل، نفس کے لئے خواہش اور جسم کے لئے احساس انسان سارے عالم کا نمونہ ہے اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ انسان میں دونوں جہان کی علامت و نشانی ہے۔ اس جہان کی نشانی پانی، مٹی، ہوا اور آگ ہے۔ اسی سے بلغم، خون، صفرا اور سودا کی ترکیب ہے اور اس جہان کی نشانی جنت، دوزخ اور میدان قیامت ہے۔ انسان میں بہشت کلی لطافت کے قائم مقام روح ہے۔ دوزخ کی آفت و وحشت کے قائم مقام نفس ہے اور عرصات یعنی میدان قیامت کے قائم مقام جسم ہے۔ ان دونوں معنی کا جمال قہر و محبت ہے۔ لہٰذا جنت خدا کی رضا کی تاثیر اور دوزخ اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مومن کی روح، معرفت کی راحت اور اس کا نفس حجاب و ضلالت سے ہے۔ جب تک مومن قیامت میں دوزخ سے نجات حاصل کر کے جنت میں نہ پہنچے وہ دیدار الٰہی کی حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مراد کے تحقق میں نہیں پہنچ سکتا۔ اور حقیقت قربت و معرفت جو کہ روح کی اصل ہے حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے اور دوسروں سے منہ موڑ کر راہ شریعت پر قائم رہتا ہے وہ قیامت میں دوزخ اور پل صراط کو نہ دیکھے گا۔

خلاصہ یہ کہ مومن کی روح اسے جنت کی طرف بلانے والی ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں جنت کا نمونہ ہے اور نفس دوزخ کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے۔ اس مومن و عارف ربانی کے لئے عقل مدبر کامل ہے اور جاہل و نادان کے لئے نفس کی خواہش، ناقص قائد ہے عارف کے عقل کی تدبیر درست و صواب اور دوسرے کی خطاء لہٰذا طالبان حق پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کی مخالفت کی راہ پر جمے رہیں تاکہ اس کی مخالفت پر عقل و روح مدد کرتی رہے کیونکہ وہ اسرار الٰہی کا مقام ہے۔ واللہ علم بالصواب (کشف المحجوب۔ مترجم صفحہ ۲۶۸-۷۰)

حال اور وقت کا فرق

سید علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ وقت اور حال کی وضاحت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقت اسے کہتے: ہیں کہ بندہ اس کے سبب ماضی و حال و مستقبل سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ بندے

Marfat.com

کے دل پر حق تعالیٰ کی جانب سے جو واردات ہوں وہ انؔ کے اسرار کو دل میں محفوظ و جمع رکھے جس طرح کہ کشف و مجاہدے میں ہوتا ہے اسے نہ گذشتہ کی کچھ یاد ہو اور نہ آئندہ کی فکر۔ لہٰذا تمام خلق کی اس میں دسترس نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتے کہ ماضی میں ہم پر کیا گزری اور مستقبل میں کیا ہوگا اور صاحبان وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم ماضی و مستقبل کا ادراک نہیں کرسکتا ہم تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش کیونکہ اگر ہم کل کی فکر میں مشغول ہوں اور آئندہ کے اندیشہ کو دل میں جگہ نہ دیں تو ہم وقت سے محجوب ہو جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میرے دل پر اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی کا بھی گزر نہیں ہوتا اور نہ میری آنکھ میں کسی کی قدر و منزل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر شب معراج جبکہ زمین و آسمان کے ملک کی زینت آپ پر پیش کی گئی تو آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مازاغ البصر وما طغی (نہ آنکھ ادھر ادھر ہوئی اور نہ بھٹکی) اس لئے کہ مصطفیٰ کامل عزیز تھے اور عزیز کو بجز عزیز کے شغل نہیں ہوتا۔ لہٰذا موحد کے اوقات کے دو وقت ہیں۔ ایک گم ہونے کا وقت دوسرے وجد یعنی پانے کا وقت۔ ایک وصال کا وقت دوسرا فراق کا وقت دونوں حالتوں میں اسی کا وقت مغلوب ہوتا ہے اس لئے کہ وصل میں اس کا وصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور فص میں اس کا فصل بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بندہ کا اختیار اور اس کا کسب ان دونوں وقت میں ثابت نہیں رہتا جس کی بندہ کے ساتھ صفت کی جائے۔ چونکہ بندہ کا اختیار اس کے حالات سے جدا کر دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وقت کی زیبائش ہوتی ہے۔

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ الوقت سیف قاطع یعنی وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ اس لئے کہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اور وقت کا بھی کام کاٹنا ہے۔ کیونکہ وقت ماضی و مستقبل کی جڑ کاٹتا اور دل سے ماضی و مستقبل کے غموں کو مٹاتا ہے۔ لہٰذا تلوار یعنی وقت کی صحبت خطرناک ہوتی ہے۔ اما ھلک واما ملک یا تو ہلاک کردے گا یا مالک بنادے گا اگر کوئی شخص ہزار برس تلوار کی خدمت کرے اور اپنے کاندھوں پر لٹکائے پھرے جب اس کے کاٹنے کا وقت آئے گا تو تلوار نہ اپنے مالک کو دیکھے گی نہ غیر کو۔ دونوں کو یکساں کاٹے گی۔ کیونکہ اس کا کام ہی قہر ہے تو اس کے مالک کے اسے پسند کرنے کی وجہ سے تلوار کا قہر جاتا نہ رہے گا۔

اور حال وقت پر ایک آنے والی چیز ہے جو وقت کو مزین بناتی ہے جس طرح روح جسم کو مزین بناتی ہے لامحالہ وقت حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا صاحب وقت صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے وہ اپنے احوال میں مستقیم و مستحکم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال جائز و ممکن ہے اور جب حال اس سے مل جاتا ہے تو اس کے تمام احوال وقت بن جاتے ہیں۔ ان پر زوال جائز نہیں ہوتا۔ جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ ظہور دور دور ہوتا

Marfat.com

ہے برقرار و مستحکم رہتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت کے لئے وقت کا نزول تھا اور متمکن کے لئے غفلت جائز تھی۔ اور صاحب غفلت پر اب حال نازل ہے اور وہ وقت متمکن ہے اس لئے کہ صاحب وقت پر غفلت جائز تھی اور صاحب حال پر نہیں ہے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ الحال سکوت اللسان فی فنون البیان یعنی صاحب حال کی زبان اپنا حال بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقق و ثبوت میں گویا ہوتا ہے۔ اسی بناء پر ایک بزرگ فرماتے ہیں السوال عن الحال محال یعنی حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے کیونکہ حال کی تعبیر ناممکن ہے اس لئے کہ حال ہوتا ہی وہ ہی جہاں گفتگو فنا ہو جائے۔

استاد ابو علی وقاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں آخرت میں خوشی و ناخوشی وقت کا نصیبہ ہے اور حال ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حال ایک ایسی کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر وارد ہوتی ہے اور جب اس کا درود ہوتا ہے تو دل سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے کیونکہ وہ صاحب وقت تھے ایک وقت میں تو فراق میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی دوسرے وقت میں وصال سے بینائی لوٹ آئی کبھی رونے سے بال سے باریک ہوتے اور کبھی وصال سے تندرست و توانا بنتے اور کبھی خوفزدہ ہوتے اور کبھی مسرت و خوشی میں رہتے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے وہ نہ فراق سے مغموم ہوتے اور نہ وصال سے مسرور ہوتے اور چاند ستارے اور سورج ان کے حوال کی مدد کرتے اور خود ہر چیز کے دیکھنے سے فارغ تھے اور جو کچھ نظر آتا اس میں حق تعالیٰ کا جلوہ ہی نظر آتا اور فرماتے لاحب الافلین (میں چھپنے والوں کو پسند نہیں کرتا) لہٰذا صاحب وقت کے لئے کبھی سارا جہان دوزخ ہو جاتا ہے کیونکہ مشاہدہ میں غیبت ہو جاتی ہے اور اپنے دل سے حبیب کا روپوش ہو جانا موجب وحشت بن جاتا ہے اور کبھی اس کا دل مسرت و خوشی میں ہوتا ہے اور سارا جہاں جنت کی مانند بن جاتا ہے اور کبھی اس کا دل مسرت و خوشی میں ہوتا ہے اور سارا جہاں جنت کی مانند بن جاتا ہے کیونکہ نعمتوں میں ہر آن حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ نعمت اس کا تحفہ و بشارت بن جاتی ہے پھر یہ کہ صاحب حال کے لئے حجاب ہو یا نعمت و بلا کشف ہو یکساں ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر مقام میں صاحب حال ہوتا ہے لہٰذا حال مراد کی صفت ہے اور وقت مرید کا درجہ۔ ایک فی نفسہ وقت کی راحت میں ہوتا ہے ایک حال کی مسرت میں خدا کے ساتھ ہوتا ہے دونوں منزلوں کے درمیان یہ فرق ہے واللہ اعلم بالصواب (کشف المحجوب از سید علی ہجویری)

مقام و تمکین کا فرق

سید علی ہجویری لکھتے ہیں: "مقام نام ہے طالب کا صدق نیت اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا اور ہر ادارۂ حق والے کا ایک مقام ہے جو بوقت طلب بارگاہ حق

Marfat.com

سے ابتداء میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جب بھی طالب کسی مقام کو عبور کرے گا اور پچھلے مقام کو چھوڑے گا تو وہ لازمی کسی ایک مقام پر قائم ہو گا۔ اس لئے کہ اس کے واردات کا مقام مرکب اور مخلوق کی قسم ہے روش اور معاملہ کے قبیل سے نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بتایا کہ وما منا الا لہ مقام معلوم یعنی ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی مقام معلوم ہے۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زہد تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم و رضا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام انابت تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا مقام حزن و غم تھا اور حضرت عیسیٰ کا مقام امید و رجا تھا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف و خشیت تھا اور ہمارے نبی مکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ذکر ہے۔ ہر ایک کو ہر مقام میں خواہ کتنا ہی عبور ہو بالآخر اس کا رجوع اس کے اپنے اصلی مقام کے ہی طرف ہو گا۔ میں نے اس کا کچھ تذکرہ محاسبیوں کے مذہب میں بیان کر دیا ہے اور حال و مقام کا فرق بھی بتا دیا ہے اس جگہ اتنا ہی کافی ہے۔ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے راہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک مقام دوسرا حال تیسرا تمکین اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو اپنی راہ بتانے کے لئے ہی بھیجا تاکہ وہ مقامات کے حکم کو بیان کریں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اتنے ہی مقامات وہ طے کر آئے اور ہمارے نبی مکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ہر مقام والے کے لئے ایک حال ظاہر ہوا۔ اور حال کو مقام سے ملایا اور مخلوق کا کسب و اختیار اس سے جدا کیا یہاں تک کہ مخلوق پر دین کو تمام فرمایا اور نعمت کو انتہاء تک پہنچایا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (الایہ) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعتیں پوری کر دیں۔ اس کے بعد اہل تمکین کے لئے قرار کا ظہور ہوا۔

تمکین کی تعریف یہ ہے کہ محققین کا کمال کے درجہ اعلیٰ میں اقامت گزیں ہونا ہے۔ لہٰذا صاحبان مقامات کے لئے عبور ممکن ہے اور تمکین کے درجہ سے گزر جانا محال ہے۔ اس لئے کہ "مقام" مبتدیوں کا درجہ ہے۔ اور "تمکین" منتہیوں کی اقامت گاہ ہے اور ابتداء سے انتہاء کی طرف جانا ہے اور نہایت سے گزرنے کی صورت نہیں ہے کیونکہ تمکین بارگاہ قدس میں برقرار ہونا ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت بھی یہی بیان فرمائی چنانچہ وہ جب منزلوں کو طے کر کے اور مقامات کو عبور کر کے تمکین کے محل میں پہنچے اور اسباب تغیران سے جدا ہو گئے تب حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا فاخلع نعلیک والق عصاک یعنی نعلین کو اتاریئے اور اپنے عصا کو ڈال دیجئے کیونکہ یہ سفر کا سامان ہے اور بارگاہ قدس میں حضوری کے بعد سفر کا خطرہ محال ہے۔

تلوین: ایک بزرگ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ التمکین رفع التلوین تمکین یہ ہے کہ تغیر و تبدل جاتا رہے اور لفظ تلوین بھی حال و مقام کی مانند اہل طریقت کی عبارتوں میں ایک اصطلاحی لفظ ہے اور معنی میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اور یہاں تلوین کے معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے ہیں۔ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ متمکن متردد نہیں اور اپنا سارا سامان بارگاہ

Marfat.com

قدس میں لے گیا ہوتا ہے اور دل سے غیر کا اندیشہ دور ہو چکا ہوتا ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا معاملہ آتا ہے جس سے اس کا ظاہر بدل جائے اور نہ کوئی ایسا حال گزرتا ہے جس سے اس کا باطن متغیر ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام متلون یعنی متغیر ہونے والے تھے جب طور پر حق تعالیٰ نے ایک تجلی دکھائی تو ان کے ہوش رہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے وخر موسی صعقا موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہے۔ اور ہمارے رسول مکرم سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم متمکن تھے جب آپ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں تھے تو آپ ایک ہی حال میں رہے اور کسی دوسرے حال کی طرف متغیر نہ ہوئے یہ اعلیٰ درجہ تھا واللہ اعلم بالصواب

لہٰذا تمکین کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو دوسرے یہ کہ اس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو۔ وہ شخص جس کے تمکین کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو وہ باقی الصفت ہوتا ہے اور جس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے اور فانی الصفت کے لئے محو، صحو، لحق، محق، فنا، بقا، وجود اور عدم کا استعمال درست نہیں ہوتا اس لئے کہ ان اوصاف کے قیام کے لئے موصوف کی ضرورت ہوتی ہے اور جب موصوف شہود حق میں مستغرق ہو جائے تو وصف کے قیام کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

محاضرہ و مکاشفہ: محاضرہ آیات کے شواہد میں ہے اور مکاشفہ مشاہدات کے شواہد ہیں۔ اور محاضرہ کی علامت آیت کے دیکھنے میں ہمیشہ فکر مند رہنا ہی اور مکاشفہ کی علامت عظمت کی کنہ میں ہمیشہ حیرت زدہ رہنا ہے۔ جو افعال میں فکر مند ہو اور جو جلال میں حیرت زدہ ہو۔ ان میں فرق یہ ہے کہ ایک خلت کے ہم معنی ہے اور دوسرا محبت کے قریب قریب تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوت سماوات میں نگاہ ڈالی تو اس کے وجود کی حقیقت میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل اس میں حاضر ہوا تو فعل کی دید میں فاعل کو دیکھا یہاں تک کہ ان کے حضور نے فعل کو فاعل کی دلیل بنا دیا اور کمال معرفت میں گویا ہوئے کہ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا یعنی میں اپنے چہرہ کو اس ذات کی طرف یکسو ہو کر متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

اور جب حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو ملکوت سماوی میں لے جایا گیا تو آپ نے سارے عالم کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ تو فعل دیکھا اور نہ مخلوق دیکھی حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھا فاعل کے ساتھ مکاشف ہو گئے۔ لہٰذا کشف میں شوق پر شوق کا اضافہ ہوا اور بے قراری پر بے قراری زیادہ ہوئی دیدار کی طلب ہوئی تو رخ کی رویت نہ ہوئی۔ قرب کو چاہا، قربت ممکن نہ ہوئی۔ وصل کا ارادہ کیا۔ وصل کی صورت نہ بنی، دل پر جتنا بھی دوست کی تنزیہہ وپاکی کا ظہور زیادہ ہوتا جاتا اتنا ہی شوق پر شوق بڑھتا جاتا۔ نہ تو ہٹ سکتے تھے نہ سامنے ہو سکتے تھے، متحیر ہو کر رہ گئے کیونکہ جہاں خلت تھی وہاں حیرت، کفر معلوم ہوئی اور جہاں محبت تھی وہاں وصل، شرک نظر آیا۔ حیرت ہی سرمایہ بن کے رہ گئی۔ اس لئے کہ مقام خلت میں حیرت زدہ ہونا اس کے وجود میں ہوتا ہے اور یہ شرک ہے اور مقام محبت میں حیرت زدہ ہونا کیفیت میں ہوتا

Marfat.com

ہے یہ توحید کا مرتبہ ہے۔ اسی واسطے حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے یادلیل المتحیرین زدنی تحیرا (یعنی اسے لوگوں کو متحیر کرنے والی ذات میری حیرت کو اور زیادہ کر۔ کیونکہ مشاہدہ میں حیرت کی زیادتی سے درجہ زیادہ ہوتا ہے۔

قبض و بسط: قبض و بسط دو حالت ہیں جو بندہ کی طاقت سے باہر ہے نہ اس کے آنے پر بندہ قادر ہے نہ اس کے جانے پر بندہ کا اختیار۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یقبض و یبسط (اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتا اور بسط فرماتا ہے) قبض اس حالت کا نام ہے جو حجاب کی حالت میں دل پر چھائے اور بسط اس حالت کا نام ہے جو حجاب کے اٹھ جانے پر دل پر گزرے یہ دونوں حق ہیں اس میں بندہ کا اختیار نہیں۔ قبض عارفوں کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں خوف اور بسط اہل معرفت کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں رجا یعنی امید یہ تعریف اسی گروہ کے موافق ہے جو قبض و بسط کے یہ معنی کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ قبض کا مرتبہ بسط کے مرتبہ سے زیادہ بلند ہے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ چونکہ کتاب الٰہی میں قبض کا ذکر بسط سے پہلے ہے دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے اور بسط میں نوازش و مہربانی ہے لامحالہ بشریت کے اوصاف کو فناء کرنا اور نفس کو مغلوب کرنا پرورش اور مہربانی سے افضل کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بسط کا مرتبہ قبض کے مرتبہ سے بلند تر ہے اس لئے کہ کتاب الٰہی میں قبض سے پہلے ذکر کرنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے کیونکہ اہل عرب کا دستور و عادت ہے کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں جو فضیلت میں بعد میں ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ یعنی بعض بندے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور بعض بندے میانہ رو ہیں اور بعض بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں۔

نیز مشائخ فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف اور عارفوں کا سرور وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اپنی تکلیف فصل کے بغیر دیکھتے نہیں۔ لہٰذا وصل میں ٹھہرنا فراق میں ٹھہرنے سے بہتر ہے۔

میرے شیخ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبض و بسط دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو شامل ہوتے ہیں کیونکہ جب ان کے معانی ان کے دل پر اثر کرتے ہیں تو اس وقت بندہ کا باطن یا تو مسرور ہوتا ہے یا نفس مغلوب یا باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس مسرور ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہوتی ہے اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہوتا ہے جو اس کے سوا اور کچھ بیان کرتا ہے اور وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبض القلوب فی بسط النفوس وبسط القلوب فی قبض النفوس یعنی

Marfat.com

دلوں کا قبض نفسوں کی کشادگی میں ہے۔ اور دلوں کی کشادگی نفسوں کے قبض میں ہے۔ لہٰذا قبض شدہ نفس خلل سے محفوظ ہے اور بسط شدہ باطن زوال سے مضبوط ہے۔ اس لئے کہ محبت میں غیرت بری ہے اور قبض غیرت الٰہی کی علامت ہے محب کو محبت کے ساتھ ساتھ عتاب کرنا شرط ہے اور بسط معاتبت کی علامت۔ احادیث میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبض کو قبول کرنے کی وجہ سے تازندگی روتے رہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسط کو قبول کئے ہوئے تھے چنانچہ وہ ہنستے رہتے تھے۔ (کشف المحجوب از سید علی ہجویری)

انس اور ہیبت

ہیبت و انس راہ خدا میں چلنے والوں کے احوال میں سے دو حالت کا نام ہے چنانچہ جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدۂ جلال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے پھر جب حق تعالیٰ مشاہدۂ جمال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر محبت و انس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اہل محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور متعجب ہو جاتے ہیں اور اہل انس و محبت اس کے جمال سے خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو دل جلال الٰہی کی محبت کی آگ میں جلتے ہیں اور وہ دل جو اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں ہیں کے درمیان نہ فرق ہے۔

مشائخ کرام کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اور انس مریدوں کا درجہ ہے اس لئے کہ بارگاہ قدس کی تنزیہہ اور اس کے قدیم اوصاف میں جتنا کمال حاصل کرے گا اتنی ہی اس کے دل پر اس کی ہیبت کرے گی۔ اور انس سے اس کی طبیعت زیادہ دور ہو گی۔

پھر ہیبت عظمت کے مشاہدہ کی قبیل سے ہے اور عظمت حق تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا جس بندہ کا کام اپنے فعل کے ساتھ ہو اور جس بندہ کا کام اپنے افعال کو فنا کر کے بقائے حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اس کے انس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ تک اس گمان میں رہا کہ میں محبت میں خوش رہتا اور مشاہدۂ الٰہی سے انس پکڑتا ہوں اب میں نے جانا ہے کہ انس اپنے ہی ہم جنس سے ہو سکتا ہے۔

سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ ہیبت کا غلبہ

نفس اور اس کی خواہش کے ساتھ ہوتا ہے اور اس ہیبت کے ذریعہ اپنے اوصاف بشریت کو فنا کرنے، باطن میں انس کو غالب کرنے اور باطن میں معرفت کی پرورش کرنے کی مدد ملتی ہے اور حق تعالیٰ کی تجلی جلال سے دوستوں کا نفس فنا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم کہتے ہیں اور جو ارباب بقاء ہیں وہ انس کو فضیلت دیتے ہیں۔

Marfat.com

قہرولطف

بقول سید علی ہجویری رحمتہ علیہ

"قہر و لطف یہ ایسے دو لفظ ہیں جن سے مشائخ طریقت اپنے حالات کی تعبیر کرتے ہیں، قہر سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فناء کریں اور اس کی خواہشوں سے نفس کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ اس میں ان کا کوئی مطلب ہو اور لطف سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدہ میں مشغول رہیں اور حال درجہ استقامت میں انتہاء تک برقرار رہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت و اعزاز یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے وہ مراد حاصل کرے یہ اہل لطف ہیں اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کو اپنی اور اس کی مراد دونوں سے بچائے رکھے اور اسے بے مرادی کے ساتھ مغلوب و مقہور کرے مثلاً اگر دریا میں جائے تو پیاس کی حالت میں دریا خشک ہو جائے۔

بیان کرتے ہیں کہ بغداد میں صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے ایک صاحب قہر و غلبہ تھے دوسرے صاحب لطف و کرم ہمیشہ ایک دوسرے سے نونک جھونک رہتی۔ اور ہر ایک اپنے حالات کو بہتر بتاتا تھا ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف بندہ پر بہت بزرگ شیئی ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے اللہ لطیف بعبادہ (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے) اور دوسرا کہتا کہ حق تعالیٰ کا قہر و غلبہ بندہ پر بہت زیادہ مکمل شئی ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے وھو القاھر فوق عبادہ (وہ اپنے بندوں پر غالب ہے)۔

سید علی ہجویری رحمتہ للہ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

"میرے شیخ رحمتہ للہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا میرے مرشد حضرت حضری رحمتہ للہ علیہ مجھے وہاں لے گئے۔ میں نے وہاں ایک گروہ دیکھا جو تخت کے نیچے آرہا تھا اور ایک گروہ تخت پر بیٹھا ہوا آرہا تھا اور کوئی اڑتا آرہا تھا اور کوئی کسی طریق سے میرے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ ایک جوان کو میں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئی، عصا ٹوٹا ہوا، پاؤں ننگے، سر ننگا بدن جھلسا ہوا، جسم کمزور لاغر تھا جب وہ ظاہر ہوا تو حضرت حضری رحمتہ للہ علیہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند جگہ پر بٹھایا، فرماتے ہیں کہ میں حیرت زدہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے شیخ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ بندہ ایسا ولی ہے کہ وہ ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

غرض کہ جو کچھ ہم از خود تیار کریں وہ بلا ہوتی ہے اور میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ باعتبار اصول یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں جو اپنے جاننے کے ساتھ ہے اور اپنے جاننے کے بیان کی صحت پر غیر یقینی علم، علم نہیں ہوتا۔ اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غیب و خفاء دور ہو کر مشاہدہ عینی کے مانند بن جاتا ہے اس لئے کہ کل قیامت میں ہر مسلمان جب دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہو گا تو وہ ابھی اسی صفت پر دیکھے گا جس صفت میں آج جانتا ہے۔ اگر وہ دید اس کے برخلاف ہو تو کل کی رویت یا تو صحیح نہ ہوگی یا اس کا درست نہیں ہو گا۔ حالانکہ یہ دونوں صورتیں توحید کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ آج مخلوق کو جو اس کا علم ہے وہ اسی طرف سے درست ہے۔ کل اس کی رویت بھی اسی کی طرف سے درست ہوگی۔ للہذا علم الیقین، عین الیقین کی مانند اور حق الیقین، علم الیقین کی مانند ہو گا۔ وہ حضرات جو عین الیقین کے بارے میں کہتے ہیں کہ رویت میں علم کا استغراق ہوتا ہے۔ یہ خالی ہے اس لئے کہ رویت حصول علم کے لئے ایک ذریعہ اور آلہ ہے جیسے کہ سننا جبکہ علم کا استغراق سننے میں محال ہے۔ تو رویت بھی محال ہے۔ للہذا اہل طریقت کے نزدیک علم الیقین سے مراد دنیاوی معاملات میں احکام اوامر کا جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد جانکنی اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کا علم ہے اور حق الیقین سے مراد جنت میں رویت کا کشف اور اس کی احوال کے کیفیت ہے۔ للہذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام و داد امر پر استقامت رکھتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور حق الیقین محبوبان خدا کی فناء کا مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ للہذا علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے اور عین الیقین انس و محبت سے ہوتا ہے اور حق الیقین مشاہدے سے ہوتا ہے اور یہ کہ ایک عام ہے دوسرا خاص ہے تیسرا خاص الخاص ہے۔ واللہ اعلم (کشف المحجوب صفحہ ۴۹۹)

نفی اور اثبات

مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے تائید حق کے ساتھ صفت بشریت کے محو کرنے کو نفی و اثبات کے نام سے موسوم کیا ہے اور صفت بشریت کی نفی کو نفی سے اور غلبہ حقیقت کے اثبات کو اثبات کہا ہے اس لئے کہ محو کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں اور کل کی نفی بجز صفات کے ذات پر ممکن نہیں۔ کیونکہ بشریت کی بقاء کی حالت میں ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ للہذا لازم ہے کہ مذموم صفات کی نفی خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے۔ یعنی اثبات معنی کے لئے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت میں دعویٰ کی نفی سے ہو۔ کیونکہ دعویٰ کرنا نفس کے غرور کی قسم سے ہے جو انسان کی عام عادت ہے۔ جب غلبہ حقیقت میں اوصاف مغلوب و مقہور ہو جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا ہے کہ صفات بشریت کی نفی، حق تعالیٰ کی بقاء کے اثبات کے ساتھ ہوگی۔

مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس نفی سے مراد حق تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں، بندے کے اختیار کی نفی ہے۔ اسی بناء پر اس کے موافق ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اختیار الحق لعبده مع علمه لعبده خیر من اختیار عبده لنفسه مع

جهلہ بربہ "یعنی حق تعالیٰ کے اختیار اپنے بندے کے لئے بندے پر اپنے علم کے ساتھ بہتر ہے۔ اس سے جو بندے کے نفس کو اپنے نفس کے لئے خدا سے غافل رہ کر اختیار پایا جائے۔ اس لئے کہ محبت میں محب کے اختیار کی نفی محبوب کے اختیار کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے۔"

مشائخ فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے لہٰذا حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں اور بندہ کا اختیار عارضی ہے اس کی نفی جائز ہے۔ لازم ہے، کہ عارضی اختیار کو پامال کیا جائے تاکہ ازلی اختیار برقرار و باقی رہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر مسرور ہوئے تو اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کا اظہار کیا اور خدا سے عرض کیا رب ارنی (اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا) حق تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا دیدار تو حق ہے اور میں اس کا مستحق بھی ہوں پھر کیوں منع فرماتا ہے ارشاد باری ہوا کہ دیدار تو حق ہے لیکن محبت میں اپنا اختیار باقی رکھنا باطل ہے۔"

مسامرہ و محادثہ

مسامرہ اور محادثہ دونوں الفاظ کاملان طریقت کے احوال کے دو حالتیں ہیں اور محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت سے متعلق ہے جہاں زبان کو خاموش رکھنا ہے اور مسامرہ کی حقیقت باطنی کیفیت کے چھپانے کے ساتھ ہمیشہ خوش رہنا ہے ان کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مسامرہ وہ ایک وقت ہے جبکہ بندہ رات میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور محادثہ وہ وقت جو دن میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ دن کے وقت بندہ حق تعالیٰ سے ظاہری و باطنی سوال و جواب کرتا ہے۔ اسی بناء پر رات کی مناجات کو مسامرہ کہتے ہیں اور دن کی دعاؤں کو محادثہ، لہٰذا دن کا حال کشف پر مبنی ہوتا ہے اور رات کا حال خفاء پر اور محبت میں مسامرہ محادثہ سے کامل تر ہوتا ہے اور مسامرہ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کے ساتھ ہے لہٰذا جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ حضور کو ایک وقت اپنے قرب خاص سے نوازا تو حضرت جبرئیل کو براق دے کر آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ رات میں مکہ سے قاب قوسین تک لے جائے اور حق تعالیٰ سے ہمراز ہوں۔ آپ نے خدا سے باتیں سنیں اور جب انتہاء تک رسائی ہوئی تو آپ کی زبان مبارک ظہور جلال باری میں سرخ ہوگئی اور آپ کا دل عظمت کی کنہ میں متحیر ہوگیا اور آپ کا علم ادراک سے رہ گیا اور آپ کی زبان مبارک عبارت سے عاجز ہوگئی۔ تب کہا لااحصی ثناء علیک (تیری حمد و ثناء شمار کرنے سے عاجز ہوں۔)

اور محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے کہ جب چاہا ان کا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہو تو چالیس دن وعدہ و انتظار کے بعد دن میں کوہ طور پر آئے اور خدا کا کلام سنا تو مسرور ہوگئے۔ دیدار کی خواہش کی مراد سے رہ گئے اور ہوش جاتے رہے جب ہوش آیا تو عرض کرنے لگے تبت

Marfat.com

الیک (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) تاکہ فرق ظاہر ہو جائے کہ ایک وہ ہے جو آتا ہے اور ایک وہ ہے جو لے جایا گیا ہے۔ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا (پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات بندے کو لے گیا) یہ وہ بندہ ہے جو لے جایا گیا اور وہ بندہ جو خود آتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے ولما جاء موسی لمیقاتنا (جب موسیٰ ہماری مقررہ جگہوں میں آئے)

لہٰذا رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور دن بندوں کی خدمت کرنے کا وقت لامحالہ جب بندہ محدود و حد سے تجاوز کرجاتا ہے تو اسے تنبیہہ کی جاتی ہے پھر دوست و محبوب کی کوئی حد نہیں ہوتی جس سے تجاوز ممکن ہو اور مستحق ملامت بنے۔ محبوب جو بھی کچھ کرے محب کا پسندیدہ ہوتا ہے۔

شریعت و حقیقت

شریعت و حقیقت مشائخ کرام کے دو اصلاحی لفظ ہیں جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے۔ ان کی تعریف میں وہ دو گروہ غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدوں کا ہے جو کہ ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ یہ نظریہ مشبہ، قرامطہ، مشع اور موسان کا ہے اور اس بات کی دلیل کہ حکم میں شریعت، حقیقت سے جدا ہے یہ دیتے ہیں کہ تصدیق بغیر اقرار کے ایمان دار نہیں بناتا اور نہ اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے اور قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

لہٰذا حقیقت اس معنی کی عبارت ہے جس پر نسخ جائز ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے فنائے عالم تک اس کا حکم برابر و یکساں ہے مثلاً معرفت حق اور خلوص نیت کے ساتھ اپنے معاملہ کی صحت وغیرہ اور شریعت اس معنی کی عبارت ہے جس پر نسخ و تبدیل جائز ہے۔ مثلاً احکام داوامر وغیرہ لہٰذا شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت و تنزیہہ ہے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کی اقامت حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کی اقامت شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک اس کے ساتھ ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہوتی ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوافینا لنھدینھم سبلنا (جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا) مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک تو بندہ کے اپنے اوپر ظاہر احکام کی حفاظت ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کی حفاظت بندہ پر باطنی احوال میں ہے۔ لہٰذا شریعت کسب کے قبیل سے ہے اور حقیقت عطایائے ربانی کے زمرہ سے۔

Marfat.com

علم اور معرفت

علمائے اصول، علم و معرفت کے درمیان فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ حق تعالیٰ کو عالم تو کہہ سکتے ہیں مگر عارف نہ کہنا چاہیئے۔ عدم توفیق کی بناء پر۔ لیکن مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے۔ معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنی ہی ہوں اور وہ معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔ للغذا وہ شخص جو صرف عبادت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ اس کا نام عالم ہے یہ طبقہ جب ان معنوں کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر بیان کرتا ہے تو ان کا تخفاف کرتا ہے ان کو دانش مند بتاتا ہے اور عوام کو منکران کی مراد ان کے حصول علم کی بناء پر مذمت کرتا نہیں ہے بلکہ ان کی مراد معاملہ کو ترک کرنے کی برائی ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ لان العالم قائم بنفسہ والعارف قائم بربہ اس لئے کہ عالم اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے رب سے قائم ہوتا ہے۔"

کشف المحجوب میں ذکر کردہ بعض دیگر صوفیانہ اصطلاحیں اور احوال

(۱) **الخاطر:** اہل طریقت لفظ خاطر سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو دل میں حاصل ہوں اور جلدی ہی دل سے دوسرے خطرۂ دل کے آنے پر دور ہو جائیں اور صاحب خاطر اس کو دل سے دور کرنے پر قدرت رکھے۔ اہل خاطر پہلے خاطر کے پیروکار ہوتے ہیں اپنے تمام امور میں کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سے بندے پر بغیر علت کے ظاہر ہوتا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت خیر النساج رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں یہ خطرہ ظاہر ہوا کہ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ اس خطرے کو دل سے دور کریں تو ایک اور خطرہ دل میں نمودار ہو گیا وہ اس کے دفع کرنے میں مشغول ہوئے تو تیسرا خطرہ دل میں پیدا ہو گیا۔ انہوں نے حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں فرما رہے ہیں، اے خیر النساج اگر تم اپنے پہلے ہی خطرے کے پیروکار ہو جاتے اور مشائخ رحمھم اللہ کی سیرت پر عمل کرتے تو مجھے اتنی دیر دروازہ پر کھڑا رہنا نہ پڑتا مشائخ رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو حضرت خیر النساج کو اول سے نمودار ہوا۔ اس میں حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں نظر آئے؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت خیر النساج کے مرشد تھے، لامحالہ مرشد اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے۔

(۲) **الواقع:** اس کے معنی یہ ہیں کہ خاطر کے برخلاف دل میں ایسے معنی ظاہر ہوں جو باقی رہ جائیں اور طالب کسی حال میں کسی ذریعہ سے اسے دور کرنے پر قدرت نہ رکھے چنانچہ فرماتے ہیں خطر

Marfat.com

علی قلبی و وقع فی قلبی یعنی خطر تو میرے دل پر ہے اور وقع میرے دل میں۔ لہٰذا ہر دل خطر کی جگہ ہے لیکن وقع اسی دل میں ہوتا ہے جس میں حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے کلام کی گنجائش نہ ہو۔ اسی بناء پر جب مرید کو حق تعالیٰ کی راہ میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اسے قید کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے فلاں پر واقعہ پیش آیا۔ اور اہل زبان واقعہ سے مسائل میں مشکل بات مراد لیتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے دیتا ہے اور اس کال کو اٹھا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ واقعہ حل ہو گیا۔ لیکن اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل جائز نہ ہو اور جو حل ہو جائے وہ خطر ہوتا ہے واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اہل تحقیق کی قید کسی حقیر چیز میں نہیں ہوتی۔ جس کا حکم ہر لحظہ بدلتا رہے اور ایک حال سے دوسرے حال پر ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۳) الاختیار: اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کے اختیار کو اختیار کریں مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے جو کچھ اختیار فرمایا ہے خواہ وہ شر ہو یا خیر۔ وہ اس پر راضی رہے۔ اور بندہ کا حق تعالیٰ کو اختیار کرنا بھی حق تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اسے بے اختیار کر کے ہرگز اپنے اختیار میں نہ لیتا۔

(۴) الامتحان: اس لفظ سے اولیاء کے دل کا امتحان مراد لیتے ہیں جو ان کے دل پر قسم قسم کی بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے پہنچتی ہیں۔ مثلاً خوف، غم، قبض اور ہیبت وغیرہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک الذین متحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرہ واجر عظیم یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے دلوں کا امتحان کیا ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

یہ بلند بہت بلند درجہ ہے واللہ اعلم

(۵) البلاء: دوستوں کے جسموں کا بلاؤں کے ساتھ امتحان لینا مراد لیتے ہیں اور طرح طرح کی مشقوں، بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں جس قدر بندہ پر سختی کے ساتھ بلائیں ظاہر ہوتی ہیں اتنی ہی قربت میں ان کا مرتبہ بڑھتا ہے۔ اولیاء کے لئے بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے بلائیں ہونا ہے اور اصفیاء کا گہوارہ۔ اور انبیاء علیہم السلام کی غذاء تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاء "یعنی ہم نبیوں کی جماعت پر لوگوں سے سخت سخت بلاء ہوتی ہے۔" نیز فرمایا اشد الناس بلاء الانبیاء ثم اولیاء ثم الامثل فالامثل نزول بلاء کے لحاظ سے سب سے زیادہ شدید بلاء انبیاء پر ہوتی ہے اس کے بعد اولیاء پر اس کے بعد جو ان کے قریب قریب ہوں۔

غرضیکہ بلاء رنج و تکلیف کا نام ہے جو بندۂ مومن کے دل اور جسم پر پہنچتا ہے۔ درحقیقت وہ نعمت ہوتی ہے کیونکہ اس کا باطنی حکم بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس بلاء کے برداشت کی بناء پر اسے ثواب ملتا ہے۔ پھر وہ کافروں پر ہوتا ہے۔ وہ بلاء نہیں ہے بلکہ شقاوت و بدبختی ہے وہ کسی حال میں بھی شقاوت سے نجات نہیں پاسکتے۔ لہٰذا بلاء کا مرتبہ امتحان سے بہت بلند ہے کیونکہ امتحان سے بہت بلند ہے کیونکہ امتحان کا

Marfat.com

اثر جسم پر ہوتا ہے اور اس کا اثر دل اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۶) **التحلی:** یہ ہے کہ کسی قابل تعریف پسندیدہ جماعت کے قول و فعل کی مشابہت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے لیس الایمان بالتحلی والتمنی لکن ما وقرنی القلوب وصدق العمل تحلی اور تمنی کا نام ایمان ہے بلکہ جو دلوں میں جمے اور عمل سے تصدیق کرے اس کا نام ایمان ہے۔ لہٰذا بغیر حقیقت کے کسی گروہ کا ظاہری اعمال کو بجا لانا اسی کا نام تحلی ہے جو لوگ صرف نمائش کرتے ہیں اور ان میں حقیقت نہیں ہوتی ہے وہ بہت جلد ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں اور ان کا بھید کھل جاتا ہے۔

(۷) **التجلی:** یہ ہے کہ مقبولان بارگاہ حق کی توجہ کے وقت ان کے دل میں حق تعالیٰ کے انوار کا ظہور ہو۔ اور وہ اس سے منور ہو جائیں۔ کیونکہ وہ دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے اور سر کی آنکھ سے دیکھنے کا کھلا فرق یہ ہے کہ صاحب تجلی اگر چاہئے تو دیدار کرلے اور اگر نہ چاہئے تو نہ دیکھے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ دیکھے۔ اس لئے کہ تجلی پر پردہ جائز ہوتا ہے اور رویت پر حجاب جائز نہیں۔ واللہ اعلم

(۸) **التخلی:** یہ ہے کہ بندہ ایسے اشغال سے بچے جو خدا تعالیٰ سے اسے روکے۔ ایک دنیا سے جس سے ہاتھ خالی رکھے دوسری عاقبت ہے کہ اس سے اپنے دل کو اس کے ارادہ سے خالی رکھے۔ تیسرے نفسانی خواہش ہے کہ اپنے باطن کو اس کی پیروی سے خالی رکھے، چوتھے لوگوں کی صحبت ہے کہ اپنے آپ کو اس سے خالی رکھے اور اپنے دل میں ان کا اندیشہ نہ لائے۔

(۹) **الشرود:** یہ ہے کہ طالب آفات و حجابات سے خلاصی کے ساتھ حق تعالیٰ کی جستجو و طلب اور اس میں بے قرار ہوتا ہے کیونکہ طالب کے لئے سب سے بڑی بلاء حجاب ہے لہٰذا طلباء کی جماعت حجاب کو کھولنے، اس کا سفر اختیار کرنے اور ہر چیز سے اسی کی طرف جانے میں مشغول ہوتی ہے اسی کا نام شرود ہے کیونکہ شروع میں وہ جستجو و طلب میں بے قرار اور بہت بے چین ہوتے ہیں اور آخر میں وصل سے بہت زیادہ متمکن و اقامت گزیں ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) **القصود:** اس سے مراد حقیقت مقصود کی طلب میں عزم و ارادہ کی درستگی و صحت ہے اور اس طبقہ کا قصود حرکت و سکون سے وابستہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ محب، محبت میں اگرچہ ساکن ہو مگر وہ قاصد ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے اس لئے کہ قاصدوں کا قصد یا تو اپنے ظاہر پر قصد کا کوئی نشان بناتا ہے یا اپنے باطن میں کوئی علامت رکھتا ہے لیکن محبوبان خدا بغیر علت کے طلب کرتے اور بغیر اپنی حرکات کے قاصد ہوتے ہیں اور ان کی تمام صفتیں خود قصد کرتی ہیں کہ قصد انتہاء کو پہنچے جب دوستی و محبت ہو جاتی ہے تو سراپا قصد بن جاتے ہیں۔

(۱۱) **الاصطناع:** اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو، اس کے تمام نصیبوں کو فنا کرکے اور اس کی تمام نفسانی لذتوں اور اس کی صفتوں کو زائل کرکے ایسا مہذب بنائے کہ اس میں سب کچھ تبدیل ہو جائے یہاں تک کہ صفتیں زائل ہو جائیں نفسانی اوصاف بدل جائیں اور خود سے بے خود ہو جائے۔ یہ

Marfat.com

درجہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اس میں اولیاء شامل نہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء کے لئے بھی اس معنی کو جائز رکھتے ہیں۔

(۱۲) الاصطفا: اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ کردے یہاں تک کہ اپنی معرفت کی پاکیزگی اس کے دل نشیں کردے۔ اس درجہ میں خاص اور عام مومن سب برابر ہیں خواہ گنہگار ہو یا فرمانبردار۔ ولی ہو یا نبی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات پھر ہم نے اس کتاب کا انہیں وارث بنایا جن کو ہم نے بندوں میں سے برگزیدہ کیا لہٰذا کچھ ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور کچھ ان میں سے اعتدال پسند ہیں اور کچھ ان میں سے نیکیوں پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

(۱۳) الاصطلام: اس سے مراد حق تعالیٰ کی تجلیات ہیں جس سے بندہ مکمل طور پر اپنے ارادہ کی نفی کے لطیف امتحان میں اپنے آپ کو مغلوب و مقہور بنالے۔ امتحان والے کا دل اور اصطلام والے کا دل دونوں ایک ہی معنی میں ہیں بجزاس کے کہ اصطلام امتحان کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور خاص ہے۔ اہل طریقت کے کلام و عبارات میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۴) الرین: اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو ایمان ہی کے ساتھ کھلتا ہے وہ حجاب کفرو ضلالت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کفار کے دلوں کی صفت بیان فرمائی کہ وکلا بل ران علی قلوبہم ماکانوا یکسبون ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر رین یعنی حجاب ہے جس سے وہ کفر کماتے ہیں۔

مشائخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ رین ایسا حجاب ہے جسے اپنے سے کسی طور پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا اسی بناء پر کافروں کا دل اسلام قبول کرنے والا نہیں ہوتا اور جو لوگ اسلام لے آتے ہیں وہ علم الٰہی میں مومن ہوتے ہیں۔

(۱۵) العین: اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خفیف دوسرا غلیظ، غلیظ حجاب اہل غفلت اور مرتکب کبیر کے لئے ہے اور خفیف حجاب سب کے لئے ہے خواہ نبی ہو یا ولی۔ تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہ لیغان علی قلبی وانی الاستغفر اللہ فی کل یوم مائہ مرہ بلاشبہ کسی وقت میرے دل پر خفیف ابر ہوتا ہے اس وقت میں روزانہ سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ لہٰذا حجاب غلیظ کے لئے مکمل توبہ شرط ہے اور حجاب خفیف کے لئے حق تعالیٰ سے صادق رجوع درکار ہے۔ توبہ آئندہ معصیت نہ کرنے کا عہد کرنے کے بعد طاعت میں مشغول رہنے کا نام ہے اور رجوع از خود خدا کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے۔ لہٰذا توبہ جرم سے کی جاتی ہے اور بندوں کا جرم امر الٰہی کی مخالفت کرنے میں ہے۔ اور محبوبوں کا جرم ارادۂ الٰہی کی مخالفت میں ہے۔ اسی لئے بندوں کا جرم معصیت

Marfat.com

ہے اور محبوبوں کا جرم اپنے آپ کو دیکھنا ہے جو خطاء سے درستگی کی طرف لوٹے اس کا نام تائب ہے اور جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف متوجہ ہو اس کا نام راجع ہے۔

(۱۶) **التلبیس:** حقیقت کے خلاف کسی چیز کو ظاہر کرنا۔ لوگوں کے دکھانے کے لئے اسے تلبیس کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولبسنا علیھم ما یلبسون یقیناً ہم نے ان کو پہنایا جو وہ پہنتے ہیں۔

غیر خدا کے لئے یہ صفت محال ہے اس لئے کہ کافر کو نعمت سے مومن دکھاتا ہے اور مومن کو نعمت سے کافر دکھاتا ہے تاکہ اظہار کے وقت اس کا حکم ہو اور اس کی حقیقت ہر ایک میں آجائے اور جب صوفیوں میں سے کوئی نیک خصلتوں کو بری صفتوں سے چھپاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تلبیس کرتا ہے اس کے سوا اور کوئی ان کی مراد نہیں ہوتی اور نفاق درریاء کو وہ تلبیس نہیں کہتے اگرچہ اصل میں تلبیس ہی ہے اس لئے کہ تلبیس اقامت میں فصل حق کے سوا مستعمل نہیں ہے۔

(۱۷) **الشرب:** اس سے مراد طاعت کی حلاوت کرامت کی لذت اور الفت کی راحت ہے۔ کوئی شخص بغیر لذت کے صاحب شرب نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ جسم کا شرب پانی ہے ایسے ہی دل کا شرب، طاعت کی راحت و حلاوت ہے۔

میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ارادہ و معرفت میں بے مشرب مرید اور بے مشرب عارف بیگانہ ہیں اس لئے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے افعال سے صاحب شرب بنے تاکہ حق تعالیٰ ارادہ کی طلب کو پورا فرمائے۔ لیکن عارف کو نہیں چاہئے کہ حق تعالیٰ کے غیر سے صاحب مشرب بنے یا یہ کہ اپنے نفس کا صاحب شرب بنے اور وہ نفس کی طرف لوٹے وہ غیر خدا سے راحت نہ پائے۔

(۱۸) **الذوق:** ذوق شرب کی مانند ہے لیکن شرب راحتوں کے سوا غیر میں مستعمل نہیں ہے اور ذوق رنج و راحت کے لئے خوب مستعمل ہے جیسا کہ کسی نے کہا۔ ذقت الحلاوہ و ذقت البلاء و ذقت الراحہ "حلاوت بھی چکھی، بلاء کو بھی چکھا اور راحت کو بھی چکھا۔"

اور شرب کے بارے میں کسی نے کہا شربت بکاس الوصل اوبکاس الودو میں نے وصل کا پیالہ یا محبت کا جام پیا۔"

اور اس لئے بھی کہ حق تعالیٰ نے جب شرب کی بات یاد دلائی تو فرمایا کلوا وشربوا ھنیا "یعنی کھاؤ اور خوب سیر ہو کر پیئو۔" اور جب ذوق کو یاد فرمایا تو فرمایا ذق انک انت العزیز الحکیم اب چکھو تم تو عزت والے اور حکمت والے بنتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا ذوقوا مس سقر "اب جہنم کو چھونے کا مزہ چکھو۔"

نوع آخری: یہ آخری نوع ان عبارات کی تعریف میں ہے جو مشائخ کرام کے کلام میں بطور استعارہ مستعمل ہیں جن کی تفصیل و شرح اور ان کا حکم زیادہ دشوار ہے اس نوع میں اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

الحق اس سے ان کی مراد رب العزت کی ذات پاک ہے اس لئے اسماء میں سے حق بھی

Marfat.com

ایک اس کا نام ہے جیسا کہ فرمایا ذالک بان اللہ ھو الحق (وہ یقیناً اللہ وہی حق ہے) الحقیقہ اس سے مراد وصل الٰہی کے محل میں بندے کی اقامت ہے اور محل تنزیہہ پر بندے کے باطن کا ٹھہرنا ہے۔ الخطرات اس سے مراد وہ تفریق کے احکام ہیں جو دل پر گزرتے ہیں۔ الوطنات وہ ہیں جو معانی الٰہی متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔ الطمس یعنی عین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔ الرمس یعنی اس کی ایسی نفی کہ دل سے اس کا اثر بھی زائل ہو جائے۔ العلائق یعنی ایسے اسباب جن سے طالب تعلق رکھنے کی وجہ سے مراد مقصود سے رہ جائے۔ الوسائط یعنی اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود و مراد کو پالے۔ الزوائد یعنی دل میں انوار کی زیادتی الغوائد یعنی اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔ الملجاء یعنی اپنی مراد کے حصول میں دل کا اعتماد کرنا۔ المنجاء یعنی آفت کے محل سے دل کا نجات پا جانا۔ الکلیہ یعنی پورے طور پر بشری اوصاف میں مستغرق ہونا۔ اللوایح یعنی اثبات مراد اور اپنے واردات کی نفی۔ اللوامع یعنی دل کا نور اس کے فوائد کے باقی رہنے کے ساتھ الطوالع دل پر معرفت کے انوار کا طلوع۔ الطوارق دل پر وہ واردات ہو جو رات کو مناجات میں تنبیہہ یا بشارت کے طور پر ہو۔ اللطائف دل کے ایسے اشارات جو حال کی تاریکیوں میں سے ہوں۔ الستر محبت کے مخفی حالات۔ النجوی غیر کی اطلاع سے وقت کی آفتوں کو چھپانا الاشارہ مراد کی خبر غیر کو دینا بغیر زبان کی تعبیر کے الایماء یعنی بغیر الفاظ و اشارہ کے مخاطب کو سمجھانا۔ الورد دل میں معانی کا جم جانا۔ الانتباہ دل سے غفلت کو زائل کرنا الاشتباہ حق و باطل کے درمیان حالی کا مشکل ہو جانا۔ القرار حقیقت حال سے شک و تردد کا زائل کرنا۔ الانزعاج وحدانیت کی حالت میں دل کو حرکت دینا اختصار کے طور پر ان کے بعض الفاظ کے معنی یہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

نوع دیگر: ان الفاظ کی تعریف جو توحید باری تعالیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور حقائق کی تعبیر کے وقت بغیر استعارہ کے اپنے اعتقاد کے بیان میں لاتے ہیں ان میں سے پہلا لفظ ہے العالم اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ہے۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور پچاس ہزار عالم فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف دو عالم ہیں ایک نچلا عالم اور ایک بالائی عالم۔ اور علمائے اصول کہتے ہیں کہ عرش سے لے کر تحت الثری تک جو کچھ ہے وہ ایک عالم ہے اور تمام عالم میں مختلف اقسام کا اجتماع ہے اور اہل طریقت بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کہتے ہیں اور ان کی مراد وہ نہیں ہے جو فلاسفہ مراد لیتے ہیں بلکہ ان کی مراد ارواح اور نفوس کا اجتماع ہے۔ المحدث جس کا وجود بعد میں ہو یعنی پہلے نہ ہو بعد کو موجود ہو۔ القدیم جس کا وجود سابق اور دائمی ہو اور وہ ذات جس کی ہستی سب سے پہلے ہو یہ بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ الازل وہ ہے جس کی ابتداء نہ ہو۔ الابد وہ ہے جس کی انتہاء نہ ہو۔ الذات کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت الصفت جو موصوف بن سکے اس لئے کہ وہ از خود قائم نہیں ہے الاسم مسمے کا علم التسمیہ مسمے کی خبر۔ النفی جو منفی کے نہ ہونے کا تقاضا کرے، الاثبات جو مثبت کے وجود کا اقتضاء کرے

Marfat.com

الشیئان وہ ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ جائز ہو۔ الضدان ایک حال میں کسی ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے ساتھ جائز نہ ہو۔ الغیران وہ ہے کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر جائز ہو۔ الجوھر کسی چیز کی اصل جو کہ خود بخود قائم ہو۔ العرض وہ چیز ہے جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔ الجسم جو مختلف اجزاء سے مرکب ہو السوال کسی حقیقت کا طلب کرنا۔ الجواب سوال کے مضمون کی خبر دینا۔ الحسن وہ کہ حکم کے موافق نہ ہو۔ القبح وہ کہ حکم کے موافق ہو۔ السفہ حکم کو چھوڑنا۔ الظلم غیر محل میں کسی چیز کو رکھنا۔ العدل اس کے اپنے محل میں چیز کو رکھنا۔ الملک جو کچھ وہ کرے اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ یہ وہ حدود ہیں جو کہ طالب کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اختصار کے طور پر بیان کر دیا۔

(کشف المحجوب صفحہ ۴۹۰ تا ۵۰۹) تلخیص و اقتباس و مفہوم (ترجمہ از مفتی غلام معین الدین نعیمی مرحوم)

روح کے مقامات

روح کی حقیقت "امر ربی" ہے قل الروح من امر ربی (قرآن)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الارواح جنود مجندہ فما تعارف منھا ائتلف وتناکر منھا اختلف یعنی روحیں صف بستہ اور پیوستہ لشکر ہیں جو آپس میں شناسا ہیں وہ ملتے ہیں اور جو ناواقف ہیں، الگ اور مختلف رہتے ہیں۔ روح ایک عرض ہے۔ لیکن ملحد اسے قدیم کہتے ہیں۔ سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق و مشاہدہ کی رو سے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ان اللہ تعالی خلق الارواح قبل الاجساد بالف عام یعنی بیشک اللہ تعالی نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ گویا روح مخلوق ہے۔ جو بدن میں منزلہ حیات کے ہے۔ اور قرآن میں ارشاد ہے۔ خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک ع ا) گویا حیات اور موت دونوں مخلوق ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تمہیں جانچا جائے کہ کون اچھے عمل انجام دیتا ہے۔

انسانی بدن اور روح: سید علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ

الروح فی الجسد کالنار فی الحطب فالنار مخلوقہ والفحم مصنوعہ "جسم میں روح مانند لکڑی میں آگ کے ہے۔ لہٰذا آگ مخلوق اور کوئلہ مصنوع ہے۔ (ایک بزرگ کا قول)

"اور قدیم ہونا سوائے ذات و صفات باری تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں اور مشائخ میں سے حضرت ابو بکر واسطی نے ہی روح کے بارے میں زیادہ بحث فرمائی ہے۔ ان سے منقول ہے کہ فرمایا

Marfat.com

الارواح علی عشر مقامات (دس مقام پر روحیں قائم ہیں۔)

اول: مفسدوں کی روح تاریکی اور ظلمت میں مقید ہے اور نہیں جانتی کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

دوم: نیک و متقی لوگوں کی جانوں میں روح ہے جو دنیاوی آسمانوں کے نیچے اعمال کے باعث خوش اور طاعت میں مسرور ہو کر اس کی طاقت سے چلتی ہیں۔

سوم: محسنین کی جانوں کی ارواح نورانی قندیلوں میں عرش الٰہی سے آویزاں ہیں جن کی غذا محبت اور ان کا پانی شراب لطف و قربت ہے۔

چہارم: مریدین کی جانوں کی ارواح کا چوتھے آسمان پر مسکن ہے وہاں وہ صدق کی لذت اور اپنے اعمال کے سایہ میں فرشتوں کے ساتھ ہیں۔

پنجم: اہل وفاء کی جانوں کی ارواح حجاب صفا اور مقام اصطفا میں خوش ہیں۔

ششم: شہداء کی جانوں کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں بہشت اور اس کے باغوں میں رہتی ہیں وہ جہاں اور جب چاہیں جائیں۔

ہفتم: مشتاقوں کی جانوں میں ارواح ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں قیام کرتی ہیں۔

ہشتم: عارفوں کی جانوں کی ارواح قدس کے توشک میں صبح و شام خدا کی باتیں سنتی ہیں اور دنیا و جنت میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھتی ہیں۔

نہم: محبوبوں اور دوستوں کی جانوں کی ارواح مشاہدہ جمال الٰہی اور مقام کشف میں محو ہیں۔ اس کے سواء وہ کچھ جانتی ہی نہیں اور نہ کسی سے انہیں بجز اس کے راحت ملتی ہے۔

دہم: درویشوں کی جانوں کی ارواح محل فنا میں مقرب ہو کر اور اپنی صفتیں بدل کر احوال متغیر کر چکی ہیں۔

مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر ایک کو ان کی جداگانہ صورتوں میں دیکھا ہے اور بقول سید علی ہجویری یہ جائز ہے اس لئے کہ وہ موجود ہیں اور ان کا جسم لطیف ہے اور ان کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اور جب چاہے اللہ تعالیٰ ہر بندہ کو جیسا چاہے دکھا دیتا ہے۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۶۲۔ ۳۶۳)

اور میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سید نا داتا گنج بخش رحمتہ اللہ) کہتا ہوں کہ میری زندگانی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور قیام اسی سے ہے اور ہمارا زندہ رکھنا حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو ہم میں موجود ہے ہم اس کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اس کی ذات و صفات سے نہیں اور روحوں یعنی حلولیوں کا قول سراسر باطل ہے جو لوگوں میں بہت بڑی گمراہی، ان کا ایک باطل قول یہ ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی عبارتیں مختلف ہیں اور ایک گروہ نفس و ہیولیٰ کہتا ہے اور ایک گروہ نور و ظلمت کہتا ہے اور اس طریقت کو باطل ٹھہرانے والے یا تو فنا و بقاء کہتے ہیں یا جمع و تفرقہ وغیرہ قسم کی بیہودہ باتیں گھڑ رکھی ہیں اور وہ اپنے کفر کی تحسین میں لگے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تصوف پر ابن الجوزی کی تنقید

پروفیسر محمد یحییٰ ایم اے [شعبہ عربی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور) نے اس سلسلے میں ایک مضمون (ماہنامہ میثاق لاہور - فروری ۱۹۶۶ء) میں پیش کیا تھا۔ جس میں وہ ابن الجوزی کی تنقید کو تعصب سے پاک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"علماء اور صوفیاء کی مناقشت قدیم سے ایک روایت چلی آتی ہے۔ جس کے قصے دونوں گروہ بڑی شدومد سے بیان کرتے آئے ہیں۔ اور اب تک کرتے ہیں۔ حلاج اور شہاب الدین مقتول کے فتوے نے اس روایتی مناقشت کو اور ہوا دی، اور اس موقع پر کہا گیا کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ صوفیاء کی طرف سے اس مخاصمت کی بناء پر فریق ثانی کے بارے میں بعض اوقات بڑی تلخ باتیں بھی کہی گئیں۔ بہرحال اس مناقشت کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں۔ دیکھنا محض یہ ہے کہ صوفیاء پر تنقید کرتے ہوئے ابن الجوزی کس حد تک اس مناقشت کے زیر آئے۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگرچہ ابن الجوزی نے صوفیاء پر بہت سخت تنقید کی ہے بلکہ انہوں نے کھل کر تصوف کے بعض پہلوؤں کی تنقیص بھی کی ہے، لیکن اس کی بنیاد تصوف یا صوفیاء سے بغض و عناد پر نہیں ہے۔ وہ تصوف اور صوفیاء کے فضائل کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ وہ اس سلسلے میں پورے عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی کا قول ہے کہ "تصوف برے اخلاق سے نکلنے اور اچھے اخلاق میں داخل ہونے کا نام ہے۔" اور رذیم کا قول ہے کہ تمام مخلوق نے رسوم پر ڈیرہ ڈالا۔ لیکن صوفیا نے حقائق پر قیام کیا۔ اور سب مخلوق نے ظاہری شرع کی درستی کا مطالبہ کیا اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ، اور مداومت صدق کا مطالبہ کیا، نقل کر کے کہتے ہیں وعلی ھذا کان اوائک القوم" (اوائل صوفیاء کا طرز عمل یہی تھا)

وہ صوفیاء کی زندگی کی افراط و تفریط کو ظاہر کرنے کے لئے ان کا موازنہ اسلام کی مثالی نمونہ و زندگی سے کرتے ہیں۔ ان کا یہ مثالی نمونہ جن عظیم ہستیوں کی سیرت سے ماخوذ ہے۔ ان میں خود کبار صوفیاء بھی شامل ہیں۔ اور جہاں وہ حضور علیہ السلام کے اسوہ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ائمہ محدثین کی سیرتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہاں صوفیاء کی سیرتوں کا حوالہ بھی پوری عقیدت مندی اور انتہائی تحسین آمیز انداز میں دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ تصوف کے مخالف ہیں، اور نہ صوفیاء سے انہیں کوئی کد ہے۔ وہ تو محض تصوف کے ان پہلوؤں اور صوفیاء کی اس طرز زندگی پر تنقید کرتے ہیں۔ جو خود تصوف کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں انہوں نے تصوف پر تنقید کے سلسلے میں اپنا نقطہ نظر صراحت سے بیان کر دیا ہے۔

"نحن نذکر بعض ما بلغنا من اغلاط القوم - واللہ یعلم اننا لم نقصد بیان غلط الغالط الا تنزیہ الشریعہ والغیرہ علیہا من الدخل وما علینا

Marfat.com

من القائد والفاعل وانما نووی بذات امانته العلم"

"ہم اس گروہ کی بعض ایسی غلطیوں کا تذکرہ کریں گے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ خدا جانتا ہے۔ کہ غلطی کرنے والوں کی غلطی بیان کرنے کا ارادہ ہم محض شریعت کی تنزیہ اور اس میں کسی طرح کی ملاوٹ کو قبول نہ کرنے کی خاطر کیا ہے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کہنے یا کرنے والا کون ہے۔ ہماری نیت تو محض علم کی امانتداری (کی حفاظت) ہے۔"

ابن الجوزی کی تنقید کی حدود: ابن الجوزی سے تھوڑا ہی عرصہ بعد امام ابن تیمیہ نے بھی تصوف کو ہدف تنقید بنایا۔ لیکن ان کی تنقید فلسفہ تصوف اور تصوف کی فکری اور نظری اساسوں پر تھی۔ ان کے مقابلے میں ابن الجوزی نے تصوف کا ایک معاشرتی ادارے اور ایک مخصوص طرز زندگی کی حیثیت سے جائزہ لیا۔ امام ابن تیمیہ کا رول ایک فلسفی اور مفکر کا ساتھا' اور ابن الجوزی کا ایک معاشرتی مصلح کا سا۔

ابن الجوزی نے صوفیاء کو ایک ایسے طبقے کی حیثیت سے دیکھا جن کا ایک مخصوص انداز فکر ہے زندگی بسر کرنے کی ایک جداگانہ طرز ہے۔ ان کے اعمال و افعال، اپنے آپ پر نافذ کردہ ذمہ داریاں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا طریقہ عام لوگوں سے سراسر مختلف ہے۔ اس طرز عمل کے پیچھے افکار و نظریات کا ایک مخصوص مجموعہ ہے جن میں ان کی صدیوں پرانی روایات جھلکتی ہیں۔ ابن الجوزی نے صوفیاء کے حال اور ماضی کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔ ہم عصر صوفیاء کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ برسوں ان کے ساتھ پھرے ہیں۔ ان کے ماضی کے ورثے کو ان کے طرز عمل میں کارفرما بھی دیکھا ہے۔ اور ان کے علمی ذخیرے میں بھی تلاش کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے تصوف پر جو کچھ لکھا ہے اس میں انہوں نے تصوف اور صوفیاء کے صحیح خدوخال واضح کئے ہیں اور اگرچہ ان کا مقصد تنقید تھا۔ لیکن اپنی تحریروں میں انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف اور حاملین تصوف کی ایک جامع فکری، عملی اور معاشرتی تصویر بھی پیش کردی ہے۔ جس میں ہم انکے زمانے کے صوفی کو سوچتا اور عمل کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے لباس، طرز زندگی، اذکار و اعمال اور روزمرہ معمولات کی پوری تفصیل ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

صوفیاء کے مطابق تصوف کا مقصود حقیقت تک پہنچنا ہے۔ یعنی تصوف ایک ایسا نظام عمل ہے جس پر چل کر حقیقت تک رسائی ہوئی ہے اسی مفہوم کو ملحوظ رکھ کر تصوف کے لئے "طریقت" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور اس رعایت سے سلوک، سالک، مرشد، دلیل اور مقامات جیسی اصطلاحیں مروج ہیں۔ "طریقت" کے مختلف مراحل ہیں جن کو تصوف کی زبان میں مقامات کہا جاتا ہے۔ تصوف کی قدیم ترین کتاب "اللمع" کے مطابق مقامات طریقت یہ سات ہیں۔ توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل، رضاء۔ (تاریخ تصوف از قاسم غنی صفحہ ۲۱۲)

مقامات کے بارے میں صوفیاء کے ہاں اختلاف بھی ہے کچھ لوگ مندرجہ بالا تقسیم سے مختلف تقسیم کرتے ہیں۔ کچھ صوفیاء کے ہاں اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔ بہرحال یہ مقامات تصوف کے نظام عمل کی بنیاد ہیں۔ مقامات کے تصور سے قطع نظر یہ تمام اصطلاحیں اسلام میں اپنا اپنا مفہوم رکھتی ہیں۔ اور اسلامی نظام عمل میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ صوفیاء نے اپنے فلسفے کے مطابق ان کو مخصوص مفہوم دیا

Marfat.com

ہے۔ اور ان کے حوالے سے ایک نظام عمل تعمیر کیا ہے۔

صوفیاء کا عدم توازن اور اس کا سبب: ابن الجوزی نے ان ہی اصطلاحات کے حوالے سے قرون وسطی کے صوفیاء کے فکر و عمل کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اس کے علاوہ صوفیاء کے مخصوص تصورات اور اعمال مثلاً "سماع، وجد" وغیرہ پر بھی بحث کی ہے۔ اور اس طرح سے جادۂ اعتدال سے ان کے انحرافات کو واضح کیا ہے۔

ابن الجوزی کے نزدیک صوفیاء کے عدم توازن کا اصل سبب علم دین سے ان کی غفلت ہے۔ تنقید کے آغاز میں ہی رقم طراز ہیں۔

ترجمہ: ابلیس نے صوفیاء پر بنیادی طور پر اس طرح اپنا جادو چلایا کہ علم سے انہیں روک دیا اور انہیں باور کرایا کہ مقصود اصلی تو عمل ہے۔ پھر جب علم کا چراغ بجھ گیا۔ تو وہ اندھیرے میں خبط مارنے لگے۔ (تلبیس ابلیس صفحہ ۲۵۲)

صوفیاء کی ایک جماعت نے تو اس سلسلے میں اس حد تک غلو کیا کہ علم شریعت اور طریقت و تصوف کو جدا جدا بلکہ متضاد و قرار دیا۔ یہاں تک کہ اپنی کتابیں جو علم کا خزانہ تھیں۔ دفن کر دیں یا دریا برد کر دیں یا جلا ڈالیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک جب مقصود اصلی عمل ہے تو علم بے کار ہے۔ ان لوگوں میں احمد بن ابی الجواری، ابوالحسین بن الخلال اور موسیٰ بن ہارون زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے خیال میں علم صرف بے کار چیز ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت پرستوں کے لئے یہ باعث ننگ و عار ہے۔ ابو سعید کندی جب حصول علم کے لئے کسی شہر میں جاتے تو مقصد ظاہر کئے بغیر کسی رباط میں ٹھہر جاتے تھے۔ ایک دن ایک رباط میں ان کی دوات گٹھڑی میں سے نکل کر گر پڑی۔ تو ایک صوفی نے کہا کہ استر عورتک (اپنی شرم گاہ چھپالو) ان کے نزدیک علم اصل میں وہ چیز ہے جو طویل عبادت و ریاضت کے نتیجے میں دل کو حاصل ہوتی ہے اس کا نام ان کے نزدیک علم الباطن، یا علم الخرق ہے۔ وہ طالبان علم پر تعریض کرتے ہوئے کہتے تھے۔ تدع علم الفرق و تاخذ علم الورق (تو خرقوں کے علم کو چھوڑ کر ورقوں کے علم کو حاصل کرتا ہے۔ (تلبیس ابلیس صفحہ ۵۷-۴۵۶-۴۶۱)

اس علم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف اسلام کے مفہوم کی حقیقی تعبیر بننے کی بجائے ایک متوازی نظام زندگی بن گیا۔ اس حقیقت کو ابن الجوزی نے تصوف کے مقامات و احوال کے حوالے سے تصوف اور متصوفین کا تجزیہ کر کے واضح کیا انہوں نے مشہور مقامات اور احوال کے ناموں سے عنوان باندھے ہیں۔

کیونکہ یہی ایک صوفی کی زندگی کا محور ہیں اور یہی ان کے لئے بنیادی رہنما اصولوں کی علامت ہیں ان عنوانات کی ذیل میں ابن الجوزی نے صوفیاء کے افکار اور اعمال کا تلخ مگر قریب حقیقت نقشہ کھینچا ہے اور اسلام کے توازن نظام زندگی کو سامنے رکھ کر تجزیہ کیا ہے۔

زہد: اسلام میں حب دنیا سے پرہیز کی تلقین تو کی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مال و دولت سے مکمل طور پر اجتناب برتا جائے لیکن صوفیا کے ہاں زہد یہی ہے وہ سمجھتے ہیں خواہ کوئی حلال طریقہ سے مال کمائے۔ اور خواہ نیک راہ میں خرچ کرے فقراء کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا۔ (ایضاً صفحہ ۲۷۲) ان کے

Marfat.com

نزدیک مال جمع کرنا خواہ وہ نیک مقاصد کے لئے ہی کیوں نہ ہو خلاف توکل ہے۔ ایضاً (صفحہ ۲۷۴) بلکہ خدا کے ساتھ سوظن ہے۔ ابن الجوزی اس تصور زہد کی تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جو لوگ اس نظریہ کے مطابق اپنے پاک مالوں سے دستبردار ہوگئے۔ انہیں گزارے کے لئے صدقات پر بھروسہ کرنا پڑا۔ جو لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل ہوتے ہیں۔ وہ ابنا شاذان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ کہ شبلی کے پاس چند صوفی مہمان آئے۔ تو انہوں نے اپنا ایک مرید ایک مالدار آدمی کے پاس بھیجا تاکہ اس سے کچھ کھانے کے لئے مانگ لائے۔ اس نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابو بکر تم تو خدا کے عارف ہو اس سے کیوں نہیں مانگ لیتے۔ شبلی نے کہا اسے جا کر کہو دینار ایک سفلہ چیز ہے۔ اسے تجھ جیسے سفلہ ہی سے مانگتا ہوں، اور حق سے حق کا طلب گار ہوں۔ یہ سن کر اس نے سو دینار بھیج دیئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں، کہ اگر وہ مالدار آدمی شروع ہی میں کچھ دے دیتا تو ٹھیک تھا۔ اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ (بلیس ابلیس صفحہ ۲۸۱) ابن الجوزی کہتے ہیں کہ پہلے صوفی اگرچہ غلط طور پر ہی اپنے مالوں سے الگ ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کا مقصود نیک تھا۔ اب تو صوفیاء کمانے کی طاقت کے باوجود مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مالدار صدقہ لے کر آئے اور دستک دے۔ یہ لوگ رسم زہد کی جان کاہیوں کا بری طرح شکار ہیں۔ تصوف کی رسم بھی نبھانی ہے، اور مال بھی جمع کرنا ہے اس لئے خود نہیں کماتے لیکن مالداروں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان صدقات کے لئے کچھ خفیہ نام مقرر کر رکھے ہیں۔ جیسے "فتوح" وغیرہ ایسے صدقات ظالموں کے ہاں سے آئیں تو بھی رد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ خدا کا بھیجا ہوا عطیہ ہیں۔ انہیں رد نہیں کرنا چاہئے۔ (ایضاً صفحہ ۲۸۳) یہ ان عطایا سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ مثلاً ابو الحسن منتظم جو رباط ابن اللحیان کے سطامی تھے، اور زندگی بھر صوف پوش رہے مرے تو چار ہزار دینار ترکہ چھوڑا۔ صوفیاء کی یہ روش سراسر خلاف اسلام ہے۔ اللہ نے خود مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

لاتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما

(اپنے مال بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو، مال کو اللہ نے تمہارے لئے قوت (کا موجب) بنایا ہے)

حضور علیہ السلام نے حضرت سعد سے فرمایا کہ "تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کے لئے مال دار ہونے کی دعا بھی فرمائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیاء نے اس سلسلے میں غلط روش اختیار کی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۷۸)

لباس کے معاملے میں بھی صوفیاء کا مسلک اسی قسم کا ہے۔ اسلاف تنگ دستی کی بناء پر پیوند لگے ہوئے معمولی اور بعض اوقات ایک جوڑا ہونے کی وجہ سے میلے کپڑے پہنتے۔ لیکن اب صوفیاء مختلف رنگوں کے کپڑے لے لیتے ہیں۔ اور ان کے ٹکڑوں کو جوڑ کر لباس بنا لیتے ہیں۔ تاکہ پیوند لگا ہوا معلوم ہو (ایضاً صفحہ ۲۸۶) ایسے بھی صوفیاء ہیں جو صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ تو جبے سے اس کی آستینیں ظاہر کر دیتے ہیں یا اندر تو نرم لباس پہنتے ہیں اور اس کے اوپر دکھانے کے لئے صوف کا جبہ ڈال لیتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ

Marfat.com

۲۸۶) اس کو اسلام نے لباس شہرت کہا ہے جس سے ریاکاری جھلکتی ہے۔ ابوالحسن ابن الجباب جو ابن فکرینی کے مصاحب تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ "ابن الکرینی نے مجھے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کر مرقعہ (پیوند لگا ہوا جبہ) میں لے لوں۔ میں نے وہ مرقعہ تولا تو گیارہ رطل کا تھا۔ جعفر کہتے ہیں کہ صوفی مرقعوں کا نام "وزن" سے لیتی ہیں۔ ابن الجوزی صوفیاء کے طرز عمل کا نقشہ کھینچ کر تفصیل سے حضور علیہ السلام، صحابہ، اور اسلاف کی طرز زندگی پیش کرتے ہیں کہ کس طرح وہ لباس کے معاملے میں اعتدال کی روش رکھتے تھے۔ خود بزرگ ترین صوفی، حسن بصری قیمتی لباس پہنا کرتے تھے (تلبیس ابلیس صفحہ ۲۹۸)

کھانے کے معاملے میں بھی زہد کے اس مخصوص مفہوم نے صوفیاء کو مضحکہ خیز حد تک سخت اور انتہاء پسند بنا دیا ہے۔ مثلاً کئی کئی دن تک نہ کھانا جب کھانا تو بہت کم مقدار میں کھانا۔ تصوف کا لازمہ سمجھا جاتا ہے سہل بن عبداللہ کے متعلق کہا جاتا ہے۔ "کہ کچھ مدت تک بیری کے پتے کھاتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بھوسے پر گزارہ کیا" ابراہیم سنا کہتے ہیں۔ "ایک سفر میں، میں ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ مصری کے ہمراہ تھا۔ افطار کے وقت میں نے روٹی اور نمک نکالا اور انہیں دعوت شرکت دی۔ انہوں نے پوچھا نمک پسا ہوا ہے میں نے کہا ہاں، کیا تم کو نجات نہ ملے گی۔ پھر توشہ دان سے تھوڑا سا ستو نکالا اور اسے پھانکنے لگے (ایضاً صفحہ ۳۱۲) علی رودباری کا قول ہے۔ "اگر صوفی پانچ روز کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اس سے کہو بازار میں رہے اور کوئی دھندا کرے، وہ تصوف کے لائق نہیں۔" حالانکہ یہ سب چیزیں کسی طور پر بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام خود شہد اور مکھن ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی اور چھوہارے ملا کر کھانے کو پسند فرماتے تھے۔ بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا۔ من احبابہ جھد فی رمضان فلم یفطر دخل النار جس شخص کو رمضان میں سخت تکلیف محسوس ہوئی پھر بھی اس نے افطار نہ کیا تو وہ جنہم میں جائے گا۔ (ایضاً صفحہ ۳۱۴)

صوفیاء میں سے حسن بصری روزانہ گوشت خریدتے تھے۔ ابن الجوزی احادیث اور آثار سے واضح کرتے ہیں کہ نفس کا بھی انسان پر حق ہے۔ اور اگر حقدار کا حق ادا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے اور اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس انتہاء پسندی کا ذکر کرنے کے بعد ابن الجوزی اپنے زمانے کے صوفیاء کے ہاں برعکس انتہاء پسندی کا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔ "ہمارے زمانے کے صوفیاء کا معاملہ برعکس ہے۔ ان کی مستیوں کی جولانیاں کھانے پینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ناشتے کھانے اور شیرینی کی قسم کی لذائذ کام دھن سے خوب متمتع ہوتے ہیں اور مزیدار بات یہ ہے کہ خود کمانے اور جدوجہد کرنے سے بھی بچے رہتے ہیں۔ ان کا کام کھانا ہے یا خوش فعلیاں کرنا۔ (ایضاً صفحہ ۳۱۴)

توکل: صوفیاء نے توکل کو جو مفہوم عطا کیا ہے اس میں بھی ان کی روایتی انتہا پسندی پوری طرح کارفرما ہے۔ ابو سلیمان دارانی کا قول ہے۔ اگر ہم اللہ پر توکل کرتے تو دیواریں تعمیر نہ کرتے اور نہ ہی چوروں کے ڈر سے گھر کے دروازوں کے لئے تالے بناتے۔ ذوالنون مصری کا قول ہے میں نے برسوں سفر کیا لیکن ایک موقعہ کے علاوہ میرا توکل کبھی درست نہیں رہا۔ اس موقعہ پر ہوا یوں کہ کشتی دریا کے درمیان میں آکر ٹوٹ گئی۔ پہلے تو میں نے ایک تختے کا سہارا لیا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر اللہ نے میرے ڈوب جانے کا حکم دیا

Marfat.com

ہے۔ تو یہ تختہ مجھے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ میں نے تختہ چھوڑ دیا۔ اور تیر کر کنارے آ پہنچا۔ (ایضاً صفحہ ۴۰۰) اسی طرح عبداللہ بن سالم کی رائے میں کمانا توکل کے خلاف ہے (ایضاً صفحہ ۴۰۵) بعض صوفیاء تو علاج کو بھی توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اسلام میں توکل کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو توکل اعتماد القلب علی اللہ (دل کا اللہ پر بھروسہ کرنے) کا نام ہے۔ یہ بھروسہ اسباب کے حصول سے نہیں روکتا۔ اونٹنی والے کو حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا اعقد فتوکل (اس کا گھٹنا باندھ پھر بھروسہ کر) آپ کا غار ثور میں پوشیدہ ہو جانا۔ طبیبوں سے مشورہ لینا اور گھروں کے دروازے بند کرنے کی ہدایت فرمانا اسلامی توکل کے معنی کو متعین کرتے ہیں۔ خود قرآن اسباب کے حصول کی تلقین کرتا ہے۔

واعدولھم ما استطعتم (تم ان کے مقابلے میں جتنا کر سکتے ہو تیاری کرو) صوفیاء کے ہاں توکل کے عجیب و غریب مفہوم سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ توکل کو باقاعدہ آزماتے ہیں۔ آزمانے کے یہ واقعات سیر و سفر کے موقعوں پر اکثر پیش آئے۔ اس بارے میں ابن الجوزی اپنے مخصوص تیز و تند لہجے میں یوں لکھتے ہیں، اکثر صوفیاء کو شیطان نے اس طرح فریب دیا کہ ان کا نہ تو کسی خاص مقام پر جانے کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ ہی غرض طلب علم کی ہوتی ہے، بلا مقصد تنہا سفر پر نکلتے ہیں۔ اپنے ساتھ زاد سفر نہیں لیتے اور اس سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بعض تنہاء ویرانوں اور جنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ علی بن سہل نے اپنے سفر کا قصہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے بزعم خویش توکل کا مفہوم سمجھا۔ وہ کہتے ہیں میں ایک خوفناک جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک چھوٹے بچے کو بھی تنہاء سفر میں دیکھا۔ وہ حج کے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اسے بغیر زاد راہ تن تنہاء سفر کرنے پر ٹوکا تو اس نے جواب دیا۔ "اگر تیرا کوئی بھائی یا دوست تجھے اپنے گھر بلائے تو کیا تو مناسب سمجھے گا کہ اپنے ساتھ کھانا لے جائے۔ اور اس کے گھر جا کر وہی کھانا کھائے؟" ابن الجوزی نے توکل کو آزمانے کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں۔ "میں شیراز سے چلا جنگل میں تنہاء سویا، بھوک اور پیاس کی تکلیف سہی اور اس حد تک مصیبتیں اٹھائیں کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے۔" محمد بن سلیمین بیان کرتے ہیں۔ "کوفے کے راستے میں، میں نے دیکھا کہ سر راہ ایک اونٹ مرا پڑا تھا۔ آٹھ نو درندے اسے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ وہ گاہے گاہے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے۔ پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو دل مضطرب ہوا۔ دل چاہا کہ دائیں بائیں مڑ کر چلا جاؤں لیکن میں نے نفس کی یہ بات نہ مانی، چلتا ہوا ان درندوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پھر اتنا قریب ہو گیا کہ ان میں شامل نظر آتا تھا۔ میں اس وقت اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے خوف و ہراس میں پایا۔ اس لئے وہیں جما رہا۔ پھر بھی خوف محسوس ہوا۔ تو وہیں لیٹ گیا۔ آخر مجھے وہیں نیند آ گئی۔ اٹھا تو دیکھا کہ وہ درندے جا چکے تھے۔ (تلبیس ابلیس ۴۲۳)

ابن الجوزی ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تو فرماتے ہیں: جذام زدہ آدمی سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ اور حضرت موسیٰ سفر پر روانہ ہوئے تو

Marfat.com

زاد راہ ساتھ لیا۔ پھر یہ صوفیاء کا توکل آخر کیسا ہے؟ جو انبیاء کے توکل سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

سماع اور وجد: ابن الجوزی نے سماع کے بارے میں صوفیاء کے مسلک پر کافی لمبی بحث کی ہے اور ان کے دلائل کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ "ہم ایسی حالت میں پہنچ گئے ہیں کہ اب احوال کا اختلاف ہم پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ لہٰذا ہمارے لئے موسیقی حرام نہیں رہی پھر مشہور صوفی، ابو علی روباری کی تنقید نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ قول سنا تو کہا۔ ہاں وہ پہنچ گئے ہیں لیکن کسی درجے پر نہیں بلکہ جہنم میں۔ کیونکہ سرشت کے اعتبار سے انسان سبھی ایک جیسے ہیں اس لئے یہ لوگ یا تو فرشتے ہوگئے ہیں یا غلط دعویٰ کرتے ہیں۔ موسیقی کے بعد وجد آتا ہے بعض صوفیاء تو وجد میں باقاعدہ رقص کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ گانے کو طبیعت کی روانی اور رقت قلب کا سبب گردانتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے حیرت انگیز واقعہ یوسف بن حسین کا ہے۔ ایک بار ابو الحسین مدارج ان کی ملاقات کو گئے۔ یوسف آس پاس کے لوگوں میں زندیق مشہور تھے۔ جب وہ ان سے ملے تو وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابو الحسین سے کچھ گانا سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے ایک قطعہ سنایا۔ جس میں یہ شعر بھی تھا۔

رایتک تبغی دائما فی قطیعتی ---- ولو کنت
داخر مالھدمت ماتینی

یوسف بن الحسین نے قرآن مجید بند کر دیا اور اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور کپڑے بھیگ گئے پھر کہا کوفے کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ میں نماز کے وقت سے یہاں بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں۔ اور ایک قطرہ بھی میری آنکھ سے نہیں ٹپکا۔ مگر تمہارے شعر سن کر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

راگ سن کر رقص کرنا اور کپڑے پھاڑنا ان لوگوں میں عام ہے اور اس سلسلے میں قرآن مجید سے دلائل دیتے ہیں۔ مثلاً ارکض رجلک اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر ماریئے۔ (تلبیس ابلیس صفحہ ۳۶۳)

(ان کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں سے چشمہ نکلا اور اس سے غسل کر کے ایوب علیہ السلام شفایاب ہو گئے۔)

صوفیاء اس کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ زمین پر پاؤں مارنا رقص کے مترادف ہے۔ بعض اصحاب وجد میں زیادہ سرور میں آجاتے ہیں اور کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں۔ اور بعض جاہل اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور اس قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو شدت غم والم سے توراۃ کی تختیاں پھینک دی تھیں۔ اس لئے ہم شدت جذبات میں اس طرح کرتے ہیں تو ہم پر کیسی ملامت؟

شطحیات: ابن الجوزی نے صوفیاء کے بعض انوکھے شطحیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً ابو یزید کا قول ہے "میں چاہتا ہوں کہ قیامت جلد قائم ہو۔ تاکہ میں اپنا خیمہ جہنم پر نصب کروں۔ لوگوں نے پوچھا کس لئے؟ کہا اس لئے تاکہ اس سے ثابت ہو جائے کہ خدا کا فضل و کرم اس کے دوستوں پر دوزخ میں بھی ہوتا

Marfat.com

ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۷۴)

ممنون صوفی اپنا نام کذاب رکھتے تھے۔ اور اس طرح کے اشعار کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

ولیس لی فی سواک حظ
فکیف ماشئت فامتحنی
تیرے بغیر کسی میں میرا کوئی حصہ نہیں
اس لئے تو جیسے چاہے مجھے امتحان میں ڈال

شطحیات سے پہلے زہد اور توکل وغیرہ کے متعلق میں صوفیاء کے نظریات اور عمل کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سلسلے میں جادہ فطرت سے انحراف کی صحیح ترین مثالیں وہ ہیں جن کو ابن الجوزی نے "الافعال المنکرہ" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ دوسرے عنوانوں سے جو کچھ بیان ہوا وہ بھی عدم توازن اور انحراف کی ذیل میں آتا ہے اور یہ سب کچھ اگرچہ تصوف کے بعض اصولوں میں ضرورت سے زیادہ شدت پیدا کرنے کے سبب ہوا۔ لیکن نیچے بیان کئے جانے والے واقعات میں یہ انحراف اس قدر نمایاں ہے کہ کسی تاویل کو بھی قبول نہیں کرتا۔ مثلاً ابوالکرینی کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہیں غسل کی ضرورت پیش آئی تو دجلہ کے کنارے آئے۔ سخت سردی کی وجہ سے طبیعت فوراً غسل پر آمادہ ---- معلوم نہ ہوئی تو خرقے سمیت دجلہ میں کود پڑے اور خوب غوطے لگائے۔ پھر عہد کیا کہ جب تک خرقہ خشک نہ ہوگا۔ اسے بدن سے نہیں اتاروں گا۔ وہ خرقہ مہینہ بھر خشک نہ ہو سکا۔ اور اس طرح سے انہوں نے طبیعت کو سزا دی۔

کچھ لوگ ایسے اشخاص کو اجرت پر مقرر کرتے تھے جو ان کو گالیاں دیں تاکہ ان کا نفس حلم اور بردباری سیکھے۔ حسن بن علی دامغانی سے ایک شخص نے کہا۔ میں تیس برس سے روزانہ دن کو روزہ رکھتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں لیکن جو باتیں آپ کہتےہیں مجھے اپنے دل میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ انہوں نے کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے۔ اور اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ فوراً جا کر حجام سے سر اور داڑھی منڈھوا ڈالو۔ لباس اتار کر ایک چادر باندھ لو اور گلے میں ایک جھولی اخروٹوں کی بھر کر اپنے گرد لڑکوں کو جمع کرو اور اعلان کرو کہ جو کوئی مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ الحمدللہ ہماری شریعت میں ایسی چیزیں نہیں ہیں بلکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لیس للمومن ان یذل نفسہ یعنی مومن کو جائز نہیں کہ وہ اپنی آپ کو ذلت میں ڈالے۔

ابو علی رودباری نے ابوبکر الدقاق کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک عرب قبیلے کے مہمان ہوئے۔ تو ایک خوبصورت لڑکی کی طرف یونہی نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور جب ندامت ہوئی تو اپنی وہ آنکھ نکال ڈالی جس سے اس کی طرف نظر کی تھی۔

شعرانہ نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک نیک اور صوفیہ رہا کرتی تھی ایک روز وہ

Marfat.com

بازار گئی کسی آدمی نے اسے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا اس عورت نے اس سے پوچھا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا میں تجھ پر مفتون ہوگیا ہوں۔ اس نے پوچھا تجھے میری کونسی چیز پسند آئی؟ مرد نے جواب دیا، تیری یہ دونوں آنکھیں، تو وہ گھر کے اندر گئی اپنی دونوں آنکھیں نکالیں اور دروازے کی اوٹ میں آکر اس کی طرف پھینک دیں اور کہا انہیں لے جاؤ خدا تمہیں برکت نہ دے۔ (تلبیس ابلیس)

ابن الجوزی نے ان انحرافات کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ مختصر طور پر ان کا تذکرہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

(الف) سخت ریاضتوں اور خصوصاً بھوک برداشت کرنے سے انسانی مزاج اعتدال پر نہیں رہتا۔ فاقے اور سختیاں جھیلنے کی وجہ سے صوفیاء ایک قسم کی مراقی کیفیت کا شکار ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں توازن سے محروم ہوگئے۔

(ب) علوم شریعت سے صوفیاء کی دلچسپی کا خاتمہ بھی اس کا ایک سبب بنا۔ اس سے غلط اور صحیح کی پہچان ختم ہوگئی اور انتہاء پسندانہ رجحانات کو تقویت ملی۔

(ج) غلط یا صحیح کی تمیز کئے بغیر مرشد کی پیروی، تصوف میں مرشد کی اطاعت، مرشد پرستی کی حد تک جا پہنچی۔ ان کی غلطی، غلطی نہیں سمجھی جاتی۔ نتیجتاً مرشد کی ساری غلطیاں مریدوں کو منتقل ہو جاتی ہیں اس طرح یہ نہ صرف آئندہ نسلوں تک پہنچتی ہیں بلکہ ہر عہد میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

ابن الجوزی کی تنقید کو یحییٰ صاحب نے بہت سخت قرار دیا ہے۔ تاہم ابن تیمیہ کے بعد ابن الجوزی نے تصوف پر کڑی تنقید کی ہے۔ لیکن بعض معاملات میں اہل حال اور اہل قال کا فرق کرنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور تصوف کے منفی رجحان کی مخالف اور اس کی اصلاح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے بھی خوب فرمائی ہے۔ آخر میں یحییٰ صاحب نے بات ایسے ختم کی ہے۔

"مجدد صاحب کی تحریک، تصوف اور عام عقائد کی اصلاح کی عظیم تحریک تھی موجودہ دور کے صوفیاء ان کی تعلیمات کے براہ راست زیر اثر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تصوف کے وہ سلسلے زیادہ مقبول ہیں۔ جن میں پیروی شرع و سنت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور ایک اچھا صوفی وہی سمجھا جاتا ہے جو اسلامی اصولوں پر صحیح معنی میں کاربند رہے۔ اب طریقت اور شریعت کی دوئی مٹ گئی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ تصوف کو اعتدال کی اس منزل تک پہنچانے میں ابن الجوزی کی تنقید نے ایک اہم کردار ادا نہیں کیا؟

(ماہنامہ میثاق لاہور صفحہ ۵۱ تا ۶۱ بابت ماہ فروری ۱۹۶۶ء)

ابن الجوزی پر ناقدانہ نظر: ابن الجوزی کی صوفیاء پر تنقید کو ڈاکٹر پیر محمد حسن (سابقہ صدر شعبہ عربی جامعہ اسلامیہ بہاولپور) نے بے جا قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی "اشعۃ اللمعات" کے مقدمہ میں ابن الجوزی کی تنقید کو صلحاء کے بارے میں سوئے ظن قرار دیا ہے نیز احمد رزوق (م-۸۹۹ھ) کے حوالہ سے بھی ابن الجوزی کی تنقید کو تصوف کے بارے میں افراط و تفریط کی حامل کہا ہے۔ کیونکہ اثنائے سلوک میں بعض نارواپابندیاں نظریہ ضرورت کے تحت ہوتی ہیں نہ کہ مستقل

Marfat.com

شیخ عبدالحق نے ابن الجوزی کو عالم فاضل لیکن اپنے علم وفضل پر مغرور بھی قرار دیا اور اسے جوانی کی حوالہ سے "متعسف غلیظ فاحش" بھی کہا ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی (م-۵۶۱ھ) کے ساتھ محبت اور حسن عقیدت تک سے محروم تھے۔ حالانکہ ان کے ہم عصر تھے۔ عارف کامل خواجہ محمد پارسا کی تالیف فصول ستہ کے حوالہ سے ابن الجوزی کے بارے میں خواجہ صاحب کی رائے لکھی ہے کہ ابن الجوزی کو شیخ عبدالقادر جیلانی کی بزرگی اور دیگر صلحاء کے انکار پر پانچ سال قید کاٹنا پڑی۔ کیونکہ وہ شیطان کے ہتھے چڑھ گیا تھا تاہم شیخ محقق کے مطابق بعض بزرگوں نے ابن الجوزی کو شیخ عبدالقادر کی خدمت میں عفو و درگزر کے لئے پیش کیا اور ان کو معافی ولائی ڈاکٹر پیر محمد حسن لکھتے ہیں کہ ذہبی (م-۷۴۸ھ) ابن رجب (م-۷۹۵ھ) ابن العماد (م-۱۰۸۹ھ) اور سیوطی (م-۹۱۱ھ) نے بھی ابن جوزی کے تکبر، خود ستائی اور بلند بانگ دعاوی کا ذکر کیا ہے۔ اور بتایا کہ ایک طرف تو وہ صوفیاء کو خوب کوستے ہیں حتیٰ کہ ابو نعیم اصفہانی جیسے محدث کو بھی معاف نہیں کرتے اور دوسری طرف ابو نعیم کی کتاب حلیہ الاولیاء کا خلاصہ لکھتے ہیں جس کا نام صفوہ الصفوہ رکھا۔ اس میں انہی بزرگوں کی شان بیان کی گئی ہے جن کو ابن الجوزی نے خوب کوسا ہے۔ اور معروف کرخی کے بارے میں ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ آپ کا روضہ مبارک تریاق مجرب ہے۔ نیز جن لوگوں پر تلبیس ابلیس میں حملے کئے گئے ہیں وہ سب غیر حنبلی ہیں۔ اور وحدت الوجود کے قائل خواجہ عبداللہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ابن الجوزی نے صوفیاء کی اصطلاحات کو بھی نشانہ تضحیک بنایا ہے۔ حالانکہ اصطلاحات تو ہر فن اور شعبے میں ہوتی ہیں ان کے حوالے سے بات کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ محض اصطلاحات کی تشکیل پر اعتراض بے معنی ہے۔ مثلاً صوفیاء کے "سفر" پر معترض ہیں اور دو احادیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ (۱) السفر قطعہ من العذاب اور (۲) السفر سقر ولو کان میلا (یعنی سفر دکھ اور تکلیف کا حامل ہوتا ہے اور سفر سقر ہے چاہے میل بھر کا ہو۔) اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صوفیہ احادیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں "سیروفی الارض" کا حکم موجود ہے۔ اور سفر کے بغیر زندگی کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ بہرحال ابن الجوزی کے اعتراضات صوفیاء کے معاملات سے قطعی ناآشنائی پر بھی محمول کئے جاسکتے ہیں۔ اگر وہ قرآن و حدیث کی روح سے متصل رہ کر صوفیاء کے معاملات کا جائزہ لیتا تو اسے اپنا تنقیدی رویہ بدلنا پڑتا۔ ایسے ناقدین کے بارے میں اہل حال تو پہلے ہی یہ کہتے ہیں۔

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

سالک کی حیثیت ایک بیمار کی سی ہوتی ہے جو اپنی روحانی تندرستی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور اس کے علاج کے لئے بعض اوقات حلال اور جائز چیزیں ترک کرنا پڑتی ہیں۔ جس کا مطلب کسی مریض نے یہ کبھی نہیں لیا کہ حلال کو حرام کرلیا ہے اور حرام کو حلال۔ بہرحال اللہ یاوری فرمائے آمین۔

فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

Marfat.com

(ابن العربیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولیؒ اللہ کی نظر میں)

شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ کا فلسفہ تصوف

شیخ کے فلسفے یا تصوف کا دارومدار ان اصول پر مبنی ہے۔

(۱) وجود بالذات حق تعالیٰ میں منحصر ہے۔ ماسواء اللہ کا وجود بالعرض ہے۔

(۲) وجود بمعنی مابہ الموجودیتہ عین ذات حق ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا جتنے ہیں سب انتزاعی ہیں۔ ان کا وجود مستقل تو کجا۔ وجود انضمامی بھی نہیں ہے۔

(۳) اسمائے الٰہیہ نیز ممکنات لاعین و لاغیر ہیں۔ یعنی ان کا منشاء ذات حق ہے اور بعد انتزاع و مفہوم ہونے کے غیر ہیں۔

(۴) علم و معلومات حق یعنی اعیان ثابتہ کا مرتبہ قبل قدرت و ارادہ ہے یعنی غیر مخلوق ہیں۔

(۵) اعیان ثابتہ و حقائق اشیاء ظہورات اسمائے الٰہی کے امکانات ہیں۔ جن کو وجود خارجی کی بو تک نہیں پہنچی۔

(۶) کن سے پہلے، مراتب داخلی والٰہی ہیں۔ اور کن کے بعد، مراتب خارجی و مخلوقات ہیں۔

(۷) اعیان ثابتہ مخلوقات، وحقائق کونیہ، وطبائع ممکنات پر اسماء وصفات الٰہی کی تجلی ہوتی ہے یا یوں کہوں، کہ علم کے ساتھ قدرت الٰہی ملتی ہے۔ تو ان دونوں کے ملنے سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے وہ مخلوقات و ممکنات ہیں۔

(۸) اعیان ثابتہ و حقائق ممکنات پر ویسی ہی تجلی ہوتی ہے جیسا ان کا اقتضا ہے۔

(۹) حقیقت کلی پر تجلی کلی، اور حقیقت جزئی پر تجلی جزوی ہوتی ہے۔

(۱۰) اعیان و حقائق کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ ایسے کیوں ہیں؟

(۱۱) تقدیر کیا ہے؟ علم میں جو کچھ نمایاں ہونے والا ہے اس کا نظام العمل یا پروگرام تقدیر ہے۔

(۱۲) استلزام الف سے ب پیدا ہوا ہے۔ ب کا نتیجہ ج ہے۔ ج کو دلازم ہے تو یہ استلزام ہے، نہ کہ جبر، جبر کیا ہے کسی کو اس کے انعال طبعی سے کسی خارجی قوت کا روکنا۔

(۱۳) وجود مطلق، خیر مطلق ہے اور عدم محض، شر محض، وجود اضافی کے ساتھ عدم اضافی لگا رہتا ہے لہٰذا اس سے کچھ خیر کچھ شر ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۴) مرکبات کو جو اعتباری، مگر واقعی ہونے میں مخلوقیت، مجعولیت یعنی پیدا ہونا عارض ہوتا ہے نہ کہ بسایط کو۔

(۱۵) مرکب گو اعتباری ہوتا ہے مگر اس کی بھی اَمکہ طبیعت روح ہوتی ہے اور اس کے لوازم د

Marfat.com

آثار ہوتے ہیں جو اجزاء کے آثار کے سوا ہیں۔

(۱۶) علم معلوم کا تابع ہوتا ہے۔ یعنی جیسی چیز ہوتی ہے ویسا ہی خدائے تعالیٰ کو جانتا ہے۔ نہ یہ کہ چیز کچھ اور ہے اور جانتا کچھ اور طرح ہے۔

(۱۷) انقلاب حقائق جائز نہیں پس عدم، وجود نہیں ہو سکتا نہ وجود عدم ہو سکتا ہے۔

(۱۸) وجود علمی کو ثبوت، اور وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ بعض دفعہ ثبوت و وجود علمی کو عدم بھی کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا اعیان ثابتہ، جو معلومات حق ہیں۔ غیر موجود فی الخارج اور معدوم ہیں۔

(۱۹) عین ثابتہ کی استعداد کلی کے مطابق، عین خارجی کے استعدات پیدا ہوتے ہیں۔

(۲۰) حق تعالیٰ سے ہردم و ہر لحظہ امداد وجود ہے اور ممکن و مخلوق ہر لحظہ اس کی طرف محتاج ہے۔ حق تعالیٰ قیوم السماوات والارض ہے۔

(۲۱) ظہورات و تعلقات کے حدوث سے اصل شئے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

(۲۲) شئے کے دو تعین ہوتے ہیں۔ ایک تعین ذاتی، ذات کے لحاظ سے جو کبھی نہیں بدلا، دوم، تعین اصفی، جو اوصاف کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ اس تعین کے بدلنے سے ذات کی جزئیت و تشخص پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (مقدمہ فصوص الحکم)

عقائد شیخ اکبر

ابن العربیؒ پر بعض متشدد دین الحاد و زندقہ تک کی تہمت لگاتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ابن العربی کے عقائد بھی بیان کردیئے جائیں۔ (قدر آفاقی)

شیخ فتوحات مکہ جلد اول صفحہ (۳۶) میں فرماتے ہیں۔

پہلی شہادت: (لا الہ الا اللہ)

اے میرے برادران و احباب اللہ تعالیٰ تم سے راضی رہے۔ تم کو گواہ بناتا ہے عبد ضعیف مسکین جو ہر آن ہر لحظہ فقیر و محتاج الی اللہ ہے وہ اس کتاب کا مصنف و منشی ہے وہ تم کو اپنے نفس پر گواہ کرتا ہے۔ بعد اس کے، کہ وہ گواہ کرتا ہے، اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اور تمام حاضر مومنین کو، اور جو سنیں ان کو بھی اپنے قول و عقیدے پر شاہد بناتا ہے کہ۔

اللہ ایک ہے۔ الوہیت میں اس کا ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے پاک ہے، منزہ ہے وہ سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہ ہے۔ اس کا کوئی وزیر نہیں، صانع ہے اس کو کوئی تدبیر سکھانے والا نہیں۔ وہ بذاتہ موجود ہے۔ وہ کسی موجود کا محتاج نہیں۔ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں، اپنے وجود میں سب اس کے محتاج ہیں۔ پس تمام عالم اس سے موجود ہے۔ وجود بالذات و بنفسہ سے صرف وہ موصوف ہے۔ وہ عرض نہیں ہے کہ اس کی بقاء مستحیل ہو۔ وہ جسم نہیں ہے، کہ اس کے لئے جہت اور مقابلہ ہو۔ وہ جہات و

Marfat.com

اقطار سے مقدس و پاک ہے۔ اس کا دیدار دل سے بھی ہو سکتا ہے اور آنکھوں سے بھی۔ جب چاہے اپنے عرش پر مستوی جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس استوا سے اللہ کی جو مراد ہو میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ عرش و ماسوائے عرش حق جل و علاہی سے قائم ہے دنیا بھی اسی کی ہے آخرت بھی اسی کی۔ اول آخر سب اسی کا ہی۔ اس کا مثل معقول نہیں۔ اس کی بے نظیری مجہول نہیں۔ زمانہ اس کو محدود نہیں کر سکتا۔ مکان اس کو بلند نہیں کر سکتا۔ وہ اس دم بھی تھا جب مکان نہ تھا وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا اور رہے گا۔ مکان اور متمکن دونوں کو اس نے پیدا فرمایا زمانے کو بھی اس نے پیدا کیا۔ وہ فرماتا ہے میں ایک ہوں، زندہ ہوں، مجھے حفاظت مخلوقات دشوار نہیں۔ اس کی کوئی صفت ایسی نہیں، جو مصنوعات کے پیدا کرنے میں پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ ہے، کہ حوادث اس مین حلول کریں یا اس کے صفات اس کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے پہلے ہو۔ کیونکہ یہ قبل و مابعد زمانے کے لحاظ سے ہیں۔ جو اس کا مخلوق ہے۔ وہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی دوسری شئے نہ تھی۔ وہ قیم ہے۔ اس پر سب کا قیام و دار و مدار ہے۔ وہ کبھی نہیں سوتا۔ وہ قہار ہے۔ اس کی ساحت عزت تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس کا مثل کوئی نہیں۔ اس نے عرش پیدا کیا۔ اور استواء کو سلطنت کی حد بنایا۔ اس نے کرسی پیدا کی۔ پست زمین اور بلند آسمانوں سے اس کو وسیع تر پیدا کیا۔ اس نے لوح و قلم کو پیدا کیا اور روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ اپنے عالم کے مطابق قلم سے لکھوایا۔ اس نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے عالم کو پیدا کیا۔ مخلوقات کو پیدا کیا۔ اور ان کو کہنہ بھی کر دیا۔ ارواح کو اجساد میں امین بنا کر اتارا۔ اور ارواح کو اجساد میں جن میں روح اتری ہے اپنا خلیفہ بنایا۔ آسمان زمین میں جو کچھ ہے اس کو اپنی قدرت سے انسان کا مطیع فرمادیا جو ذرہ حرکت کرتا ہے، اس سے اسی کی طرف حرکت کرتا ہے سب کچھ اس نے پیدا کیا۔ اس کو کسی کی حاجت نہ تھی۔ اس پر ان کے پیدا کرنے کو کسی نے واجب نہیں کیا۔ پیدا کرنے سے پہلے اس کو ان سب کا علم تھا۔ لہٰذا وہی اول ہے وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ سب کو علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ تمام اشیاء کے عدد سے وہ واقف ہے۔ وہ رازوں کو اور خفی تر چیزوں کو جانتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت اور سینے جن چیزوں کو چھپاتے ہیں سب کو جانتا ہے۔ بھلا جس کو اس نے پیدا کیا ہو اس کو کیوں نہ جانے گا۔ کیا خود خالق بھی ہو گا۔ اور پھر مخلوق کو نہ جانے گا۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔ اشیاء کے پہلے ان کو جانتا تھا۔ پھر اپنے علم کے موافق ان کو پیدا کیا۔ جب علم کے مطابق اشیاء مخلوق ہوئے تو اس کا علم متجدد نہ ہوا۔ تمام چیزوں کو اتفاق و ضبط سے پیدا کیا۔ اسی علم کے موافق تمام اشیاء پر حکومت کرتا ہے اور ان پر دوسروں کو حاکم بناتا ہے وہ تمام کلیات کو جانتا ہے جیسے وہ تمام جزئیات کا علم رکھتا ہے۔ اس مسئلے پر تمام عقل سلیم و رائے صحیح رکھنے والوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ سب وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جن چیزوں سے لوگ شرک کرتے ہیں، ان سے وہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کی قدرت کسی شئے سے متعلق ہوتی ہے۔ تو اس سے پہلے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ کسی شئے سے متعلق نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس سے پہلے علم متعلق رہتا ہے۔ یعنی جان کر ارادہ کرتا ہے، ارادہ کر کے کام کرتا ہے عقل محال سمجھتی ہے، کہ بغیر علم کے ارادے کرے اور پھر فاعل مختار صاحب قوت و اقتدار بھی ہو۔ ترک و فعل کی طاقت رکھتا بھی ہو۔ اسی طرح محال ہے کہ صفات بغیر ذات کے قائم رہیں۔ پس پہلے ذات

Marfat.com

کا مرتبہ ہے، پھر صفات کا۔ صفات میں پہلے حیات ہے۔ پھر علم اور پھر ارادہ پھر قدرت و کلام، اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام چیزیں ارادہ الٰہی ہی سے ہیں۔ خواہ طاعت ہو خواہ عصیاں، خواہ فائدہ ہو خواہ نقصان، بندہ ہو یا آزاد، حیات ہو یا موت۔ حصول ہو یا قوت۔ دن ہو یا رات، اعتدال ہو یا میل، بر ہو یا بحر، جفت ہو یا طاق جو ہر ہو یا عرض، صحت ہو یا مرض، خوشی ہو یا غمی، روح ہو یا جسد، روشنی ہو یا تاریکی، زمین ہو یا آسمان، ترکیب ہو یا تحلیل، کثیر ہو یا قلیل، صبح ہو یا شام، سپیدی ہو یا سیاہی، سونا ہو یا جاگنا، ظاہر ہو یا باطن، متحرک ہو یا ساکن، خشک ہو یا تر، پوست ہو یا مغز، یہ نسبتیں جو متضاد بھی ہیں، مختلف بھی، مماثل بھی۔ سب تحت ارادہ حق جل وعلا ہیں۔ یہ تحت ارادہ الٰہی کیونکر نہ ہوں گی جبکہ اللہ ان کا ایجاد کرنے والا ہے۔ کیا بے ارادہ کام کرنے والا مختار بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی اس کے ارادے کو روک نہیں سکتا۔ کوئی اس کے حکم سے پیٹھ نہیں پھیر سکتا۔ جس کو چاہتا ہے ملک حکومت دیتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک و حکومت کو نکال لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے گم راہ کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ جو چاہا ہوا جو نہ چاہا ہوا۔ بغیر اللہ کے ارادے کے کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ بندے کسی کام کا لاکھ ارادہ کریں جب تک خدا نہ چاہے وہ کام نہ ہوگا۔ نہ اس کی کرنے کی استطاعت و قوت ہی پیدا ہوگی۔ پس کفر و ایمان، اطاعت و عصیاں اس کی مشیت و حکمت و ارادت سے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے، عالم، بالذات معدوم ہے۔ غیر موجود فی الخارج ہے۔ اگرچہ ذات الٰہی میں بالذات معدوم ہے۔ غیر موجود فی الخارج ہے۔ اگرچہ ذات الٰہی میں ثابت موجود ذہنی کے طور پر ہے۔ عالم کو خدا نے ایجاد کیا۔ مگر اس نے نہ فکر کی نہ جہل و عدم علم سے تدبیر کیا اور نہ تفکر و تدبر سے علم مجہول حاصل ہوا۔ وہ اس سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اللہ نے عالم کو ایجاد کیا۔ تو اپنے علم سابق کے موافق، اور ارادہ منزہ ازلی کے فیصلے اور تعین کیمطابق، خواہ مکان ہو یا زبان یا اکوان۔ حقیقی و بالذات ارادہ اللہ ہی کا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے علم کے موافق حکم کیا۔ ارادے کے موافق خصوصیتیں عطا کیں۔ اندازہ و تقدیر کے موافق ایجاد کیا۔ جو متحرک و ساکن ہے جو عالم و اعلیٰ و اسفل میں ناطق و گویا ہے۔ سب کو دیکھتا سنتا ہے۔ بعد اس کی سماعت کا حجاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ قریب ہے۔ قرب، اس کی بصارت کا حجاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ بعید ہے۔ دل ہی دل میں جو گفتگو کرو اس کو وہ سنتا ہے۔ ہاتھ کی رگڑ کی خفیف سی آواز سنتا ہے۔ سیاہ چیز کو اندھیری و ظلمت میں پانی کو پانی میں دیکھتا ہے۔ نہ ریزش و امزاج حجاب ہوتا ہے، نہ ظلمات و نور مانع۔ ہو السمیع البصیر اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، مگر اس سے پہلے نہ صامت تھا نہ ساکت۔ جیسا اس کا علم۔ ارادہ اور قدرت قدیم ہیں۔ اسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اپنے کلام کا نام تنزیل و زبور و تورات و انجیل رکھا۔ اس کا کلام نہ انسان کی طرح حرف ہے نہ صوت نہ نغمہ نہ لغات۔ بلکہ وہ خالق اصوات و حروف و لغات ہے۔ اس کے کلام کے لئے نہ زبان کی ضرورت ہے نہ کوے کی حاجت۔ جس طرح کہ اس کی سماعت کے لئے وہ سوراخ گوش کی ضرورت ہے، نہ کان کی۔ جس طرح اس کی بصر کے لئے نہ دیدے کی ضرورت ہے۔ نہ پوٹے کی۔ جیسے اس کے ارادے کا مقام، نہ دل ہے، نہ دماغ۔ اس کا علم نہ اضطرار سے ہے، نہ دلیل و برہان میں غور و فکر سے۔

Marfat.com

نہ اس کی حیات اس بخار سے ہے جو امزاج ارکان سے تجویف قلب سے نکلتا ہے۔ اس کی ذات نہ قابل زیادت ہے، نہ نقصان۔ سبحان اللہ وہ قریب بعید ہے۔ اس کی سلطنت عظیم ہے اس کے احسانات عمیم ہیں۔ اس کا امتنان کثیر ہے۔ ماسواء اللہ کے اس کے جود و سخا سے فایض ہیں۔ اس کا فضل و عدل، باسط ہے، قابض ہے۔ عالم کی پیدائش کو کامل و عجیب و غریب بنایا۔ جبکہ اس کو ایجاد کیا۔ اختراع کیا۔ اس کا اس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کے ملک میں کوئی اس کے ساتھ مدبر ہے نہ مشیر ہے۔ اگر اس نے انعام عطا کیا اور اچھا انعام عطا کیا تو یہ اس کا فضل ہے۔ اگر عذاب میں مبتلا کیا تو اس کا عدل ہے اپنے غیر کے ملک میں اس نے تصرف نہیں کیا کہ جور و ستم کی اس کی طرف نسبت کی جائے۔ کوئی اس پر حکم نہیں لگا سکتا کہ اسے جزع و فزع کرنا پڑے۔ ہر ایک اس کے سلطان قہر کے ماتحت ہے۔ وہ اپنے ارادہ و امر سے متصرف ہے۔ وہ نفوس مکلفین میں تقویٰ و فجور ڈالتا ہے۔ لوگوں کے گناہوں سے جس سے چاہتا ہے تجاوز کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے مواخذہ کرتا ہے۔ یہاں بھی اور روز قیامت میں بھی۔ فضل کے موقع پر عدل نہیں کرتا۔ اور عدل کے موقع پر فضل نہیں کرتا۔ عالم کو دو مٹھیوں سے نکالا۔ اور ان کے دو درجے کئے پھر فرمایا یہ جنت کے لئے ہے، اور مجھے اس کی کیا پروا ہے۔ اور یہ دوزخ کے لئے ہے اور مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ اس وقت اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ کیونکہ اس وقت اس کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔ سب اس کے اسماء کے زیر تصرف ہیں۔ یک مٹھی میں کے تو بلا انگیز اسماء ماتحت ہیں۔ اور ایک مٹھی میں کے انعام و اکرام بخش اسماء کے ماتحت ہیں۔ اللہ سب کو خوش بخت کرنا چاہتا تو ہو سکتا۔ بد نصیب کرنا چاہتا تو کر سکتا۔ مگر اس نے ایسا نہ چاہا۔ ہوا وہی جیسا کہ اس نے چاہا۔ لہٰذا ان میں سے بعض شقی ہیں، بعض سعید، یہاں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے حکم قدیم میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔ نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بظاہر یہ پانچ ہیں اور در حقیقت پچاس ہیں۔

میری بات بدل نہیں سکتی۔ میں بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ میرا تصرف میرے ملک میں ہے اور میری مشیت میری ملک میں ہے۔ اس کی ایک حقیقت ہے، جہاں تک نہ بصارت کی رسائی ہے، نہ بصیرت کی۔ اور نہ فکر و ضمیر کو اس سے واقفیت ہے۔ مگر یہ کہ اللہ کی موہبت اور رحمان کی سخاوت ان بندوں سے متعلق ہو۔ جن پر توجہ خاص مبذول ہے۔ اس کے نظام نامے میں مکتوب ہے ان سب سے معلوم ہو گیا کہ شان الوہیت نے یہ تقسیم کی ہے اور اس میں حکمت قدیم ہے۔ سبحان اللہ اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں خلقکم وما تعملون اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے افعال کو بھی لایسال عما یفعل وھم یسئلون اس کے کام پر کسی کو سوال کرنے کا مقدور نہیں۔ بدنوں سے جواب پرسی کا اس کو حق ہے۔ للہ الحجتہ البالغتہ لو شاء لھدلکم اجمعین اللہ کی حجت تام ہے۔ وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔

دوسری شہادت: (محمد رسول اللہ) میں گواہ بناتا ہوں، نیز اس کے فرشتوں کو اور تمام خلق کو، اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں توحید الٰہی کا قائل و معتقد ہوں۔ نیز اللہ سبحانہ کو گواہ بناتا ہوں اور فرشتوں کو اور تم کو اپنے

Marfat.com

نفس پر کہ میں حضرت مصطفیٰ مختار و مجتبیٰ، برگزیدہ خلائق و موجودات محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپ سراج منیر ہیں۔ شمع روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کچھ اتارا اس کی تبلیغ کی۔ اللہ کی امانت کو آپ نے ادا کیا۔ آپ نے حجتہ الوداع، آخری حج میں تمام حاضرین کے سامنے خطبہ پڑھا۔ آپ نے نصیحت کی، ڈرایا دھمکایا۔ خوشخبری دی۔ وعدہ وعید فرمایا۔ گویا آپ برسے بھی گرجے بھی۔ آپ کی نصیحت کسی سے خاص نہ تھی۔ یہ سب بحکم واحد وصمد تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ دیکھو کیا میں نے تبلیغ نہیں کردی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تبلیغ کی سب کچھ پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا یا اللہ تو گواہ رہ۔ پھر آپ ۔سے کہتا ہوں کہ حضرت جو کچھ عقائد و احکام لائے ہیں، میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ میں اس کا مومن ہوں۔ احکام نبوی میں سے جن کو جانتا ہوں، جن کو نہیں جانتا سب پر ایمان ہے۔ میں ایسا ایمان رکھتا ہوں۔ جس میں نہ شک ہے نہ شبہ۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ وقت مقررہ پر موت حق ہے میں ایمان رکھتا ہوں کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ اجساد کا قبروں سے بعث اور اٹھنا حق ہے۔ اعمال ناموں کا اڑ کر ہاتھوں میں آنا حق ہے۔ صراط پر سے گزرنا حق ہے جنت بھی حق ہے۔ دوزخ بھی حق ہے، بعض لوگوں کا جنت میں جانا اور بعض کا دوزخ میں جانا حق ہے۔ بروز قیامت بعض لوگوں پر کرب و بے قراری بھی حق ہے۔ بعض لوگوں کو اس پریشانی کے وقت حزن و غم نہ ہونا بھی حق ہے۔ انبیاء، ملائکہ اور مومنین کی شفاعت بھی حق ہے۔ ارحم الراحمین کا سب کی شفاعتوں کے بعد بعض کو دوزخ سے نکالنا بھی حق ہے۔ بعض کبیرہ گناہ کرنے والے گناہگاروں کو دوزخ میں ڈالنا پھر نکالنا بھی حق ہے۔ خواہ شفاعت سے خواہ امتنان و احسان سے۔ مومنین و موحدین کا جنت میں دائمی نعمتوں میں ابد تک رہنا بھی حق ہے۔ دوزخیوں کا ابد تک دوزخ میں رہنا بھی حق ہے۔ کتب آسمانی اور انبیاء سے جو کچھ پہنچا ہے حق ہے۔ خواہ ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ یہ میری شہادت ہے میرے نفس پر، یہ میری امانت ہے۔ جس کے پاس یہ امانت پہنچے۔ اگر اس سے کوئی سوال کرے تو وہ اس کو ظاہر کردے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تم کو اس ایمان سے نفع بخشے۔ جب ہم اس دارفانی سے انتقال کریں اس پر ثابت و قائم رکھے۔ (ماخوذ از مقدمہ فصوص الحکم (اردو) صفحہ ۲۱ تا ۲۷ مطبوعہ ۱۹۹۳ء لاہور)

مسئلہ وحدۃ الوجود اور ابن العربیؒ

شیخ اکبر نے یوں تو جگہ جگہ وحدت الوجود کے باب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ یہاں فصوص الحکم کے باب "فص حکمت احدیہ" (بکلمہ ہودیہ) سے مطلوبہ اقتباس ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:)

ہم شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے انسان سے خاص نہیں کیا۔ پس

Marfat.com

اخبار الٰہی میں خدا کے بندے کے ساتھ قریب ہونے میں کوئی خفا و پوشیدگی نہیں اور کوئی قرب اس سے زائد نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہویت و ذات بندے کے اعضاء کی عین ہو۔ بندہ کیا ہے؟ یہی اعضاء اور قویٰ ہے۔ اس کے سوائے دوسری چیز نہیں۔ پس بندہ وجود و منشاء کے لحاظ سے غیر حق نہیں۔ وہی خلق میں، حق مشہور ہے۔ پس خلق معقول ہے۔ سمجھنے کی بات ہے اور حق تعالیٰ محسوس ہے۔ موجود فی الخارج ہے۔

حق مومنین اور اہل کشف و وجدان کے سوا ہیں۔ ان کے پاس حق تعالیٰ معقول ہے اور خلق مشہود ہے۔ پس یہ لوگ یعنی غافلین بمنزلہ آب شور کے ہیں اور جماعت اول یعنی اہل کشف و وجدان بمنزلہ آب شیریں کے ہے جو پیاس بجھاتا ہے اور پینے والے کو گوارا اور پچتا ہے۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو راستے پر چلتے ہیں۔ اور اس کی غایت و مقصد کو جانتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو راستے پر چلتے تو ہیں مگر اس کی غایت و انجام کو نہیں جانتے۔ حالانکہ ان کا راستہ بھی وہی ہے جس کو دوسری قسم نے پہچان لیا ہے۔

پس عارف، اللہ کی طرف بصیرت و بینش کے ساتھ لوگوں کو بلاتا ہے۔ اور غیر عارف اللہ کی طرف تقلید و جہالت سے بلاتا ہے۔ کیونکہ یہ عالم خاص اسفل و سلوک سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ ارجل یعنی پیر شخص سے نیچے ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہے تو وہ اسفل السافلین ہے۔ پیر کے نیچے کیا ہے، راستہ ہی ہے۔

پس جس نے جان لیا کہ حق عین طریق ہے تو اس نے اصل امر کو اصلی طور سے پہچان لیا کیونکہ وہ اسی ذات جل وعلا میں چلا ہے اس وجہ سے کہ وہی معلوم ہے اور وہی عین سالک و مسافر ہے۔ پس کیا عالم کیا معلوم اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

اب اپنی حقیقت کو پہچانو، کہ تم کیا ہو اور تمہارا راستہ کیا ہے کیونکہ اصل امر تم کو ترجمان حق کی زبان سے ظاہر و واضح ہوگیا۔ اگر تم سمجھ گئے ہو اور وہ ترجمان حق کی زبان حق ہے مگر اس کو وہی سمجھے گا جس کو حق تعالیٰ سمجھادے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی بہت سی نسبتیں ہیں۔ اور اس کے مختلف جہات ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ عاد قوم ہود نے کہا ھذا عارض ممطرنا یہ ابرہم لوگوں پر برسنے والا ہے تو انہوں نے حق تعالیٰ سے ظن خیر اور گمان نیک کیا اور حق تعالیٰ بندے کے گمان کے پاس ہے جو وہ حق سے رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس قول سے لفظ بل سے اضطراب کیا اور فرمایا کہ بل ھو ما استعجلتم بہ بلکہ یہ وہی ہے جس کے لئے تم عجلت کر رہے تھے۔ اور ان کو اس خبر سے خبر دی جو قرب میں نہایت ہی تمام و کمال درجے پر ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بھیجی تو وہ زمین کا حصہ اور تخموں کا سیراب کرنا تھا جو اس میں بوئے گئے تھے اور اس بارش کے نتیجے پر کچھ مدت بعد پہنچیں گے۔ اسی لئے اللہ نے ان سے فرمایا۔ بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیھا عذاب الیم بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔ یہ ریح ہے۔ ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی راحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس ریح نے ان کو اس ہیکل تاریک جسمانی اور راستہ دشوار گزار و ناہموار اور حجاب ہائے سیاہ و دیجور سے تقاضائے

Marfat.com

فطرت کے لحاظ سے راحت بخشی ہے۔ اور اس ریخ میں عذاب ہے۔ یعنی ایسی چیز ہے جس کو وہ آئندہ شیریں اور لذیذ سمجھیں گے۔ جب وہ اس کو چکھیں گے۔ مگر یہ بالفعل ان کو ترک مالوفات و مجربات ہونے سے ستائے گی۔ اور تکلیف دے گی پھر عذاب ان کے پاس آگیا۔ اور ان کو ہلاک کیا پھر اس ہوا میں ان کا مطلوب طبعی و مقصود فطری اس سے زیادہ قریب ہو گیا جتنا انہوں نے اس کو خیال کیا تھا۔

فدموت کل شئی بامر ربھا فاصبحوا لا یری الا مساکنھم

پس ہوا نے ہلاک کر دیا۔ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے، پھر وہ قوم ایسی ہو گئی کہ اس کے گھروں کے سوائے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اعتبار: گھروں سے مراد ان کے اجسام ہیں جن کو ان کے ارواح حقیہ نے آباد کیا تھا۔ پھر ان خاص نسبتوں کا وجود باقی نہ رہا۔

اعتبار کیا ہے؟: "اعتبار" کا مطالعہ سے پہلے اعتبار کو سمجھنا چاہئے قرآن کی تفسیر اور ہے تاویل اور ---- جبکہ اعتبار دوسری ہی چیز ہے)

"بعض حضرات نے قرآن مجید سے اعتبار لینے اور عبرت حاصل کرنے کے اصول میں رسالے لکھے ہیں۔ شیخ نے بھی آیات قرآنی سے اعتبارات پیدا کئے ہیں۔ وہ تفسیر قرآن شریف نہیں ہیں۔ تفسیر سمجھنا اور شیخ سے لڑنا ظلم ہے ظلم، "سخن شناس نئی دلبرا خطاء ایں جاست" شیخ اعتبار لیتے ہیں، کہ موسیٰ قلب سلیم اور ہارون عقل مستقیم۔ فرعون نفس لعین کے پاس تبلیغ حق کرنے کو پہنچے۔ توحید الٰہی کی طرف دعوت دی۔ وہ سرکش بھلا کیا مانتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام قلب سلیم نے چند آثار قدرت الٰہی و معجزات پر متوجہ کرایا اور معجزے دکھائے۔ اس نے بھی چند قوت ارادی کے کرتبوں کے ساحروں کو پیش کر دیا۔ موسیٰ قلب سلیم کے عصاء کے سامنے وہ کیا ٹھہر سکتے تھے۔ قوت ارادی کے کرتب بھی روحانیت کی جنس سے تھے۔ انہوں نے آثار قدرت الٰہی، دیکھ کر حق المعبود کے سامنے سر جھکائے۔ فرعون نفس چونکہ روحانیت سے ناآشنا تھا اس نے نہ سمجھا اور نہ مانا۔ موسیٰ قلب سلیم مع متبعین خیالات طیبہ، فرعون نفس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دریائے وحدت حق میں سے پر نکل گئے، اور سرزمین بقاء باللہ میں پہنچ گئے۔ فرعون نفس نے اپنے خطرات واہیہ کے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ دریائے وحدت میں ڈوبنے لگا تو چلا اٹھا کہ میں بھی موسیٰ قلب سلیم ہارون عقل مستقیم کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لہٰذا فرعون نفس ایمان کے ساتھ طاہر و مطہر فنا ہو گیا۔ آگے بقاء باللہ کی سرزمین میں قلب سلیم اور عقل مستقیم تو رہتے ہیں۔ مگر نفس اور اس کے وساوس و خطرات کا بالکل پتا نہیں۔ یہ تفسیر نہیں ہے اعتبار ہے۔

اعتبارات کے مقامات میں، فقیر مترجم، اول تفسیر کرتا ہے۔ پھر اعتبار بتاتا ہے تاکہ کوئی نادان اعتبار کو تفسیر نہ سمجھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اعتبارات بھی جس قدر آیات قرآن مجید سے حاصل ہوتے ہیں کسی اور کلام سے نہیں ہوتے۔ قرآن مجید تو اس حیثیت سے بھی معجزہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

Marfat.com

شیخ جابجا مختلف علوم مثلاً ہیئت، منطق، کلام کے مسائل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ترجمے میں ان مسائل کی توضیح کرنی پڑتی ہے۔ (مقدمہ فصوص الحکم میں مترجم کی گزارشات)

(اب آگے چلئے)

یہاں تک کہ اس نے فرمایا کہ وہ ہمارا عین ہے ظاہر ہے کہ ہم تو محدود ہیں لہٰذا اپنے آپ کو بھی ہمارے لحاظ سے محدود بیان فرمایا۔ لیس کمثلہ شئی بھی محدود ہے اگر کاف زائد ہو اور اس میں صفتی معنی نہ ہوں۔ پس یہ آیت بمنزلہ لیس کمثلہ شئی کے ہوئی یعنی اللہ کے جیسا کوئی نہیں۔ اگر ایک شئے دوسری محدود شئے سے ممتاز و جدا ہو تو وہ بھی محدود ہی ہوئی۔ کیونکہ وہ اس دوسری محدود شئے کے عین نہ ہوئی۔ پس تقید سے مطلق رہنا بھی تقید ہے۔ اور مطلق اطلاق سے مقید ہے۔ مگر اس کو تو ذی فہم سمجھے گا۔ اگر کمثلہ میں کاف بمعنی مثل کے ہو تو بھی تحدید لازم آتی ہے اور اس وقت صورت یہ ہوگی لیس مثلہ شئی یعنی انسان جو صورت الٰہی پر ہے اس کے جیسا کوئی نہیں ظاہر ہے کہ یہ بھی تحدید ہے اور اگر لیس کمثلہ شئی کے معنی یہ لئے جائیں کہ وہ بے مثل ہے یعنی اس کا مثل ہے ہی نہیں۔ تو خود اس سے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حق عین اشیاء ہے۔ اور اشیاء تو محدود ہیں اگرچہ ان کے حدود مختلف ہیں۔ پس حق تعالیٰ ہی ہر حد سے محدود ہے۔ جس شئے کے تحدید کرو حق موجود ہی کی تحدید ہے وہی مسمائے مخلوقات و ذوات مبدعات و ممکنات میں جاری و ساری ہے۔ اگر حق تعالیٰ کا اشیائے مخلوقات میں سریان نہ ہوتا تو اشیاء موجود نہ ہوتے۔ حق تعالیٰ عین وجود ہے۔ وہ ہر شے کا اپنی ذات سے محافظ ہے، اور کسی چیز کی حفاظت اس کو تھکاتی اور اس پر دشوار نہیں۔ حق تعالیٰ کا اشیاء کی حفاظت کرنا کیا ہے۔ اپنی صورت کی حفاظت کرنا ہے کہ وہ کہیں غیر کی صورت نہ ہو جائے۔ اس کے سوا کوئی اور بات ہرگز صحیح نہیں۔ پس وہ ہر شاہد میں سے شاہد ہے اور ہر مشہود میں سے مشہود ہے۔ پس عالم حق کی صورت ہے اور حق روح عالم ہے اور اس کا مدبر ہے۔ وہ مع عالم انسان کبیر ہے۔

فہو الکون کلہ وھو الواحد الذی
قام کونی بکونہ ولذا قلت یختلی
فوجودی غذا وہ وبہ نحن نحتذی

تمام وجود وہی ہے وہ ایک ہی ہے جس کے وجود سے میرا وجد قائم ہے۔ اسی لئے میں نے کہا کہ وہ سب کو غذاء بناتا اور ان کو ہضم کر لیتا ہے۔ میرا وجود اس کی غذاء ہے جو اس میں فنا ہو جاتا اور چھپ جاتا ہے۔ اور اس بات میں ہم بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں یعنی جب ہم اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ہم میں چھپا رہتا ہے۔

فبہ منہ ان نظرت بوجہ تعوذی

جب اس کو دیکھتا ہوں تو وہ ایک طرح سے میری پناہ ہے۔

واضح ہو کہ ذات احدیت میں کثرت کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کے بعد وحدت کا مرتبہ ہے۔ جس میں کثرت بالقوہ ہے اور اس میں تفصیل کی قابلیت ہے۔ ان قابلیات کو شیون الٰہیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد

Marfat.com

اسماء و صفات کی تفصیل کا مرتبہ ہے۔ اس کو واحدیت کہتے ہیں بسیط و اولی صفات تین ہیں جن کو امہات الصفات کہتے ہیں۔ (۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت علم کے دو مددگار ہیں۔ سمع و بصر، قدرت کے بھی دو مددگار ہیں۔ ارادہ و کلام یا یوں کہو کہ امہات الصفات سات ہیں۔ (۱) حیات، (۲) علم، (۳) سمع، (۴) بصر، (۵) قدرت، (۶) ارادہ، (۷) کلام۔ علم میں معلومات ہیں ان کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ اعیان ثابتہ چونکہ علم الٰہی ہیں اس لئے خدائے تعالیٰ کے ساتھ قدیم ہیں اور تحت کن و مخلوق نہیں۔ ورنہ جہل واجب، اور پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آتا ہے جو اضطرار و بے اختیاری ہے۔ اعیان ثابتہ گویا حق تعالیٰ سے طلب و وجود کرتے ہیں اور رحمت حق جوش میں آکر عطائے وجود کرتی ہیں۔ اس کو شیخ نے کرب سے تشبیہ دی ہے۔ حق تعالیٰ اعیان ثابتہ کی طرف توجہ کرتا ہے گویا کہ یہ بصر ہے، اور اعیان کے اقتضا آت و استعداوات کو جانتا ہے۔ گویا کہ یہ سمع ہے۔ اعیان کو موجود کرنے کے لئے اپنے اسماء و تجلیات کو متوجہ کرتا ہے۔ پھر کن فرماتا ہے اور یہ کلام ہے، اس کے ساتھ ہی مخلوق موجود ہو جاتی ہے۔ کن کے بعد جو مخلوق پیدا ہوتی ہے اس کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں۔ آدمی بات کرتا ہے تو سانس اور دم مخارج پر سے گزرتا ہے تو بات بنتی اور کلمہ نکلتا ہے۔ توجہ بسوئے تخلیق بمنزلہ نفس رحمانی اور اسمائے الٰیہ بمنزلہ کلمۃ اللہ کے ہے۔ اسی جوش و کرب کی وجہ سے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تنفس کیا اور سانس لیا۔ اور حق تعالیٰ سے اعیان پر فیض وجود رواں ہوا اور اس کو نفس رحمانی کہا جاتا ہے کیونکہ اس رحمٰن سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے اور نسب الٰیہ یعنی اسماء و صفات و اعیان و حقائق، ایجاد صور عالم کا تقاضا کرتے تھے جس کو اس نے پورا کیا۔ صور عالم ظاہر حق ہیں کیونکہ وہی ظاہر ہے اور صورت عالم میں حق تعالیٰ ہی باطن و پوشیدہ ہے، کیونکہ باطن وہی ہے وہی اول تھا۔ جب حق تعالیٰ تھا اور صور عالم نہ تھے وہی آخر ہے اور عین صور ہے جب صور ظاہر ہوئے۔ پس آخر عین ظاہر ہے اور اول عین باطن ہے۔ وھو بکل شئی علیم وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے کیونکہ وہ اپنا جاننے والا ہے۔ جب حق تعالیٰ نے نفس رحمانی میں صور عالم کو ایجاد فرمایا اور نسبتوں و اضافتوں کا غلبہ اور ان کی سلطنت و حکمت قائم ہوئی۔ نسبتوں سے مراد اسمائے الٰیہ ہیں تو عالم کی نسبت حق تعالیٰ سے صحیح ہوئی اور اہل عالم حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئے۔ پس حدیث قدسی کے ذریعے سے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ میں آج تمہاری نسبتوں کو پست کردوں گا۔ اور اپنی نسبت کو بلند کروں گا۔ یعنی نہ تو تمہارے ذات رہے گی نہ تمہارے صفات و افعال، بلکہ یہ سب نسبتیں میری طرف رجوع ہوں گی۔ پس میری ہی ذات و صفت و فعل رہیں گے این المتقون کہاں ہیں متقی لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کو اپنا محافظ و سپر بنایا۔ اور حق تعالیٰ ان کا ظاہر تھا۔ یعنی ان کے صور ظاہرہ کا عین تھا۔ تمام اہل اللہ کے پاس ایسے لوگ بزرگ تر، سزاوار تر اور قوی تر ہیں۔ کبھی متقی کے معنی لئے جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا سپر بنادے۔ اپنی صورت محسوسہ کے ذریعے یعنی برائی و عیوب کو اپنی طرف لے کیونکہ ذات حق ہی قوائے عبد ہے۔ پس ذات عبد ذات حق کے لئے سپر بن جائے۔ جیسا کہ شہود و کشف اس پر دال ہے۔

تاکہ عالم جاہل سے ممتاز ہو جائے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر واقلو

الالباب کہہ دو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوتے ہیں جس کو عقل خالص ہوتی ہے۔ وہی نصیحت پکڑتا ہے اولی الالباب اور اصحاب عقل خالص سے وہ لوگ مراد ہیں جو مغز شئے میں نظر کریں۔ جو شئے سے مطلوب ہے۔ کوتاہی کرنے والے کوشش کرنے والے کے برابر نہیں، اسی طرح مزدور غلام کی برابری نہیں کر سکتا۔

حق تعالیٰ بندے کا ایک وجہ سے محافظ اور بندہ بھی حق کا ایک طرح سے محافظ ہے۔ پس اے عارف عالم کے متعلق جو چاہو کہو۔ چاہو تو کہو کہ عالم و خلق، مخلوق و حق کا پیدا کیا ہوا ہے تو صحیح ہے۔ چاہو تو کہو کہ عالم باعتبار اصل و حقیقت حقہ کے حق و خلق ہے۔ یعنی حق و خلق باہم ملے ہوئے ہیں۔ چاہو تو یوں کہو کہ عالم ہر وجہ سے حق ہے نہ خلق، اگر چاہو تو عالم کے متعلق کچھ نہ کہو حیران و ششدر بن کر بیٹھے رہو۔

غرضیکہ تعین مراتب سے مطالب ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہو چکے ہیں۔ اگر تجدید و تعین نہ ہوتی تو رسل علیہم السلام ظہور حق کی صور عالم میں خبر نہ دیتے اور نہ اس طرح توصیف کرتے کہ ذات حق واحدیت صور سے پاک ہے۔

فلا تنظر العین الا الیہ ولا یقع الحکم الا علیہ

آنکھ دیکھتی ہے تو اسی کو دیکھتی ہے، حکم لگتا ہے تو اسی پر لگتا ہے کیونکہ معدوم محض پر کوئی حکم نہیں لگ سکتا۔

فنحن لہ وبہ فی یدیہ وفی کلحال فانا لدیہ

ہم اس کے ہیں اس سے قائم ہیں، اسی کے تحت قدرت ہیں اور ہر حال میں اس کے پاس ہیں۔

اسی وجہ سے کوئی تعیین مراتب سے انکار کرتا ہے۔ کوئی اس کی معرفت رکھتا ہے۔ کوئی تنزیہ احدیت ذات کرتا ہے، کوئی توصیف واحدیت کرتا ہے۔ جس نے حق کو حق سے حق میں چشم حق سے دیکھا وہ عارف ہے۔ اور جس نے حق کو حق سے حق میں دیکھا مگر اپنی ذاتی آنکھ سے دیکھا وہ عارف نہیں۔ اور جس نے حق کو نہ دیکھا نہ حق سے نہ حق میں اور انتظار کرتا رہا کہ حق کو اپنی آنکھ سے دیکھے وہ جاہل ہے۔ نادان ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ہر شخص کا حق تعالیٰ کے متعلق ایک عقیدہ ہوتا ہے۔ اسی عقیدے کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور اسی کو طلب کرتا ہے۔ جب اس کے سامنے حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے اور اس کے عقیدے کے موافق ہوتی ہے۔ تو اس کو پہچانتا اس کا اقرار کرتا ہے۔ اگر اس کے عقیدے کے خلاف تجلی ہوتی ہے تو انکار کرتا ہے۔ اور اس سے پناہ مانگتا ہے۔ وہ اپنی دانست میں حق تعالیٰ کا ادب کر رہا ہے۔ مگر حقیقت میں بے ادبی کر رہا ہے۔

کوئی شخص کسی معبود کا معتقد نہیں ہوتا مگر یہ کہ اپنے دل میں پہلے اس کو بنا نہیں لیتا۔ پس جتنے معبود ہیں دل کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہر خدا پرست نے اپنے نفس اور اپنے خیالات کے سوا کچھ نہ دیکھا۔

علم و معرفت حق میں لوگوں کے مراتب پر غور کرو کیونکہ وہی مراتب روز قیامت رویت و دیدار بننے والے ہیں، یعنی علم شہود ہو گا۔ بصیرت بصارت بنے گی۔ اس کی وجہ اور سبب کو تو میں نے بیان ہی کر دیا۔ دیکھو اپنے کو اس بات سے بچاؤ کہ کسی مخصوص قید سے مقید ہو جاؤ اور ماسوا سے انکار کر بیٹھو کہ تم سے

Marfat.com

کثیر فوت ہو جائے۔ بلکہ واقعی نفس الامری ہی فوت ہو جائے۔ تم اپنی ذات میں معتقدات کی صورتوں کو ہیولیٰ بن جاؤ۔ جو صورت آئے قبول کرلو۔ کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ اس سے وسیع تر و عظیم تر ہے۔ کہ کوئی ایک عقیدہ اس کو حرص کرے۔ اور دوسرا اس سے بالکلیہ غیر مربوط ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی تم جدھر منہ پھیرو اس طرف وجہ اللہ ہے۔ یہ نہیں کہ ایک جہت کا ذکر کیا ہو اور دوسری کو چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ ذکر فرمایا کہ اسی طرف وجہ اللہ ہے۔

وجہ شئے سے مراد اس کی حقیقت اور ذات ہے۔ حق تعالیٰ نے اس قول سے عارفین کے قلوب کو متنبہ کر دیا کہ کہیں حیات دنیا کے عوارض ایسے شہود جمال حق سے باز نہ رکھیں۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ کس دم قبض روح ہوتی ہے۔ بعض دفعہ غفلت میں روح قبض ہو جاتی ہے۔ بھلا ایسا غافل، اس شخص کے کیا برابر ہوگا۔ جس کی روح حال حضور میں قبض ہوئی ہو۔ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ عبد کامل آیت فاینما تولوا کے معنی سمجھتا ہو ابھی صورت ظاہر و حال مقیدہ میں لازم سمجھتا ہے کہ مسجد حرام یعنی قبلے کی طرف اپنا منہ کرے اور دل میں اعتقاد رکھتا ہے کہ نماز کی حالت میں حق تعالیٰ جہت قبلہ میں ہے قبلہ بھی اینما تولوا فثم وجہ اللہ میں کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ پس جہت مسجد حرام بھی انہی مراتب میں سے ایک ہے۔ اس جہت میں بھی وجہ اللہ ہے۔ مگر یہ نہ کہو کہ وہ صرف اسی جہت میں ہے بلکہ جہاں پاؤ وہاں ٹھہر جاؤ۔

دیکھو ادب ہمیشہ پیش نظر رکھ کر مسجد حرام کی طرف منہ کرو۔ اس کا بھی ادب کرو کہ کہیں ذات حق کو ان مخصوص مقامات میں محصور کردو۔ وہ مقامات بھی قبلہ ہائے مقصود کے جہات سے ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر قبلہ توجہ میں ہے۔ توجہ اور منہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ عقیدہ و اعتقاد ہے۔ ہر ایک ایک لحاظ سے راست اور صائب الرائے ہے۔ ظاہر ہے کہ صائب الرائے کو اجر ملے گا۔ اور وہ ماجور ہوگا اور ماجور سعید و خوش بخت ہے اور سعید اپنے رب کے پاس مرضی و مقبول ہے۔ اگرچہ آخرت میں تھوڑے زمانے کے لئے مصائب شقاوت اٹھائے۔ یہ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا میں بعض خاصان حق کو امراض بھی آئے، رنج و غم بھی ہوئے۔ حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ وہ سعید ہیں۔ اہل حق ہیں۔ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کو آخرت میں ان کی فطرت کے مطابق دائرہ جہنم میں درد و غم پہنچیں گے۔ حالانکہ ان اہل علم کو یقین ہے جن کو حقائق واحوال واقتضاآت کا کشف صحیح ہے کہ دار آخرت میں ان کے لئے نعمت خاص بھی ہے، کیونکہ بیت الخلاء کے کیڑوں کو بیت الخلاء ہی میں رہنا ضرور ہے وہ گلاب کی خوشبو سے مرجاتے ہیں۔" (فصوص الحکم)

درگراں باری بود آسائش حمال ہا

توحید وجودی اور توحید شہودی

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

(مکتوبات شریف کی روشنی میں)

مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود صوفیاء کرام اور علماء راسخین کے ہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے عرف عام میں توحید وجودی اور توحید شہودی بھی کہتے ہیں۔ توحید وجودی والوں کے مطابق وجود یعنی ہستی حقیقی واحد ہے لیکن ایک ظاہروجود ہے اور ایک باطن--- باطن وجود ایک نور ہے جو جملہ عالم کے لئے بمنزلہ ایک جان کے ہے--- اسی نور باطن کا پرتو ظاہروجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ہر اسم و صفت و فعل کہ عالم ظاہر میں ہے، ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور اس کثرت کی حقیقت وہی وحدت ہے جسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے، یعنی جملہ افراد کائنات، تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا ---- اور اس کثرت اعتباری کا وجود اسی وحدت حقیقی سے ہے۔ الحق محسوس والخلق معقول اور وحدت الشہود کا بیان یہ ہے کہ وجود کائنات اور ظہور وصفات مختلفہ واحد مطلق کی ذات و صفات کا ظل و عکس ہے جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے یہ ظل عین صاحب ظل نہیں بلکہ محض ایک مثال ہے--- یہ معاملہ کشف و وجدان سے تعلق رکھتا ہے۔ سالک جس مقام پر ہو وہ اسی مقام کی خبر دیتا ہے۔ اسی لئے اخبار مختلفہ کے انبار کتب صوفیہ میں ملتے ہیں۔ لیکن متعلقہ بحر کی بات وہی بجھے اور کرے جو اس بحر کا شناور ہو۔

مجددیت کیا ہے؟

اس بارے میں مولانا شبلی نعمانیؒ (الغزالی) میں لکھتے ہیں:

"انسان کتنا ہی بڑا عاقل، عالم، تجربہ کار، دقیق النظر، آزاد طبع ہو لیکن خاندانی روایتیں قومی خیالات، معاصرین کی صحبت، گردو پیش کے حالات ایسی چیزیں ہیں کہ زیادہ تر انسان انہیں چیزوں کے قالب میں ڈھلتا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بلحاظ اغلب انسان کے تمام معتقدات و خیالات اور ارادات انہیں اسباب کے لازمی نتائج ہیں۔ لیکن کبھی کبھی لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک آدھ ایسا جوہر قابل بھی نکل آتا ہے جو ان تمام چیزوں میں سے کسی سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ خود ان چیزوں کو درہم برہم کر کے ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ یہی شخص مجدد، مصلح اور ریفارمر ہوتا ہے۔"

ازاں کہ پیروی خلق گمر ہی آرد نمی رویم بہ راہے کہ کارواں رفتہ است

وحدت الوجود اور وحدت الشہود: اس بارے میں ملک خدا بخش ٹوانہ مرحوم لکھتے ہیں:

وحدت الوجود ایک حال ہے جسے قال پوری طرح احاطہ نہیں کر پاتا پھر بھی بعض شارحین کی

Marfat.com

کوشش کا ثمرہ پیش کئے دیتا ہوں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے دونوں فلسفے ذات باری اور مخلوقات کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے مطالب کے لحاظ سے انہیں توحید عینی اور توحید ظلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف کی ایک مشہور کتاب تذکرہ غوثیہ میں دونوں کا فرق اس طرح سمجھایا گیا ہے۔

وجود یعنی ہستی حقیقی واحد ہے لیکن ایک ظاہر وجود ہے ایک باطن، باطن وجود ایک نور ہے جو عالم کے لئے بمنزلہ ایک جان کے ہے یعنی نور باطن کا پر تو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں تو ہے۔ ہر اسم وصفت و فعل کہ عالم ظاہر میں ہے۔ ان سب کا اصل وہی وصف باطن ہے اور حقیقت اس کثرت کی وہی وحدت صرف ہے جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے، حاصل یہ ہے کہ جملہ افراد کائنات تجلی حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیا وھو عینھا اور اس کثرت اعتباری کا وجود اسی وحدت حقیقی سے ہے۔ الحق محسوس والخلق معقول۔

یہ خلاصہ وحدت الوجود کی تقریر کا ہے اور وحدت الشہود کا بیان یہ ہے کہ وجود کائنات ظہور آثار وصفات مختلفہ واحد مطلق کی ذات وصفات کا ظل اور عکس میں جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے عین صاحب ظل نہیں بلکہ محض ایک مثال ہے۔

نواب سر احمد حسین نظام جنگ بہادر نے اپنی کتاب فلسفہ فقراء میں ان دونوں کے فرق کو ایک نقشے کی مدد سے نمایاں کیا ہے۔

وحدت الوجود (ہوالکل)	وحدت الشہود (ہوالہادی)
نظریہ: ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست۔	نظریہ: ہمہ از وست
رجحان تصوف: سکون کی طرف مائل (میں اور وہ جدا نہیں وہ دریا تو میں قطرہ ہوں۔) وصل	رجحان تصوف: جوش کی طرف مائل (اس کے ساتھ میں اور میرے ساتھ وہ ہے۔) عشق
اعتقاد: میں کون؟ انا الحق (عارف)	اعتقاد: میں کون؟ انا عبدہ (عاشق)

(رود کوثر)

لیکن اس نقشے میں بھی کچھ کمی رہ جاتی ہے، جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ دنیا میں وحدت الوجود کے داعی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ خود بھی عشق کے دعویدار ہیں۔ ان کے ایک شعر کا مفہوم ہے۔

"میں مذہب عشق کا پرستار ہوں۔ عشق کا قافلہ جدھر بھی چاہے مجھے لے جائے۔ میرا دین بھی عشق میرا ایمان بھی عشق۔" (ماہنامہ نور الاسلام اولیائے نقشبند نمبر بابت مارچ اپریل ۱۹۷۹ء)

راقم (قدر آفاقی) نے ماہنامہ نور الاسلام شرقپور شریف مجدد الف ثانی نمبر جلد دوم (۱۹۸۸ء) میں مجدد الف ثانی کے ارشادات بسلسلہ وحدت الوجود و شہود یکجا کر دیئے تھے جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہٗ کی ذات والاصفات محتاج

Marfat.com

تعارف نہیں، آپ وجودی اور شہودی توحید کے صحیح معنوں میں رمزشناس اور عالم تھے۔

اپنے شہرۂ آفاق مکتوبات میں آپ نے جابجا اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور جب ہم ایک ہی جگہ وجود و شہود سے متعلق یہ خیالات یہاں پڑھیں گے تو معلوم ہو گا کہ مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ حتیٰ کہ ابن العربی کا نظریہ وحدت الوجود بھی پوری طرح سامنے آگیا ہے اور پھر وجود و شہود کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(1)

"کم عمری میں فقیر کا اعتقاد بھی توحید وجودی والوں کے مشرب جیسا تھا۔ فقیر کے والد صاحب قدس سرہٗ بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن کی پوری نگرانی کے باوجود، جو بے کیفی کے مرتبہ کی طرف رکھتے تھے، ہمیشہ اسی طریقہ کے مطابق مشغول رہے اور "فقیہ کا بیٹا نصف فقیہ کے مطابق فقیر بھی اس مشرب سے از روئے علم حظ وافر اور لذت عظیم رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے قبلہ محمد الباقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ کی خدمت میں پہنچا دیا انہوں نے فقیر کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی----- اس طریقہ عالیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑی مدت میں ہی توحید وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں غلو پیدا ہو گیا اور اس مقام کے علوم و معارف کثرت سے ظاہر فرمائے گئے اور اس مرتبے کی باریکیوں میں سے کوئی کم ہی باریکی ہو گی جو منکشف نہ کی گئی ہو----- شیخ محی الدین ابن العربی کے معارف کے دقائق پورے طور پر ظاہر اور واضح کئے گئے اور تجلی ذاتی جسے صاحب فصوص (ابن عربی) نے بیان فرمایا ہے اور نہایت عروج اسی کو قرار دیا ہے اور اس تجلی کی شان میں فرماتے ہیں۔

وما بعد ھذا الاعدم المحض ---- اور اس کے بعد کچھ نہیں سوائے عدم محض کے مجھے اس تجلی ذاتی سے بھی مشرف فرمایا اور اس تجلی ذاتی کے علوم و معارف جنہیں شیخ خاتم الولایتہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ تفصیل سے معلوم ہوئے اور سکر وقت اور غلبہ حال اس توحید وجودی میں اس حد تک پہنچ گیا کہ بعض خطوط میں جو حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھے گئے، یہ دو بیت بھی جو سراسر سکر ہیں، لکھ ڈالے۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

یعنی افسوس کہ یہ شریعت نابینوں کی شریعت ہے، ہماری ملت تو کفر اور عیسائیت کی ملت ہے۔ کفر اور ایمان اس پری کی زیبائش کے لئے زلف اور چہرہ ہیں۔ ہمارے مذہب میں کفر و ایمان دونوں کی حیثیت ایک ہے۔

یہ حال مدت دراز تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک پہنچ گیا۔ اچانک حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت بے نہایت غیب کی کھڑکی سے ظہور میں آئی اور بے چون و بے چگون کی روپوشی کے پردہ کو اٹھا دیا۔

Marfat.com

پہلے علوم جو اتحاد اور جدت وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونا شروع ہو گئے اور احاطہ اور ذات حق کا قلب مومن میں سما جانا اور قرب و معیت ذاتی یہ سب کچھ جو اس مقام میں منکشف ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے اور پورے یقین سے معلوم ہو گیا کہ صانع عالم جل شانہ کے لئے عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں، ذات سبحانہ وتعالیٰ کا احاطہ اور قرب ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے۔ جیسا کہ اہل حق شکر اللہ سعیہم کے ہاں قرار پا چکا ہے اور وہ سبحانہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں اور خدا خدا ہے اور عالم عالم ہے وہ سبحانہ و تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے اور عالم سارے کا سارا مثل و مثال سے داغدار ہے بے مثل و بے کیف ذات کو، ذی مثل و ذی کیف کا عین نہیں کہا جا سکتا۔ واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ممتنع العدم ذات، جائز العدم کا عین ہو نہیں سکتی۔ انقلاب حقائق عقلاً اور شرعاً محال ہے۔ ایک کا حمل دوسرے پر بالکل ممتنع ہے۔ تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور اس کے لئے کسی حکم کا ثبوت بھی نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اس کے لئے، احاطہ، قرب اور ذاتی معیت بھی ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی تو ذات واجب تعالیٰ کے لئے حکم ہی کا ثبوت ہے۔--- تو درست اور صواب وہی ہے جو علمائے اہلسنت نے کہا ہے کہ قرب اور احاطہ علمی ہے--- اور جس وقت توحید وجودی کے مشرب کے خلاف علوم و معارف حاصل ہوتے تھے تو فقیر کو بڑا اضطراب اور بے چینی لاحق ہوتی تھی کیونکہ یہ فقیر اس وقت اس توحید وجودی سے بلند تر کچھ اور نہیں جانتا تھا بلکہ بڑے عجزوزاری سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت کہیں زائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ معاملے کے چہرے سے تمام حجابات دور ہو گئے۔ اور حقیقت جس طرح کہ چاہئے تھی ظاہر و منکشف ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ عالم اگرچہ کمالات صفاتی کے آئینے اور اسماء کے اظہار کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر عین ظاہر نہیں اور ظل عین اصل نہیں جس طرح توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

مثال: ایک ماہر عالم نے چاہا کہ اپنے گوناگوں کمالات کو میدان ظہور میں جلوہ گر کرے اور اپنے پسندیدہ مخفی امور کو معرض وضاحت میں لائے اس نے حروف اور آوازوں کو ایجاد کیا، اور حروف و اصوات کے آئینوں میں ان مخفی کمالات کو ظاہر کر دیا اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف آوازیں، جو ان مخفی کمالات کی جلوہ گاہ اور آئینے ہیں وہ اس کے کمالات کا عین ہیں یا بالذات اس کے کمالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں یا بالذات اس کے قریب ہیں یا معیت ذاتی رکھتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان والیت اور مدوالیت والی نسبت ہے۔ حروف و آوازیں ان کمالات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ کمالات خالص مطلق حالت پر موجود ہیں۔ عینیت، اتحاد اور احاطہ وغیرہ کی جو نسبتیں پیدا ہوئی ہیں وہ اوہام اور خیالات کی بناء پر ہیں۔ فی الحقیقت ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔ لیکن چونکہ ان کمالات اور حروف واصوات کے درمیان ظاہریت و مظہریت اور مدلولیت ودالیت متحقق ہے۔ اسی مناسبت کے باعث بعض لوگوں کو بعض عوارض کے باعث وہ وہمی نسبتیں حاصل ہو جاتی ہیں حالانکہ نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے مبرا اور معرا ہیں--- اور جس نسبت سے ہم گفتگو کر رہے ہیں یعنی خالق و مخلوق کے درمیان نسبت تو یہاں والیت و

Marfat.com

بدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے سوا کوئی علاقہ نہیں عالم اپنے صانع تعالیٰ تقدس کے وجود کی علامت ہے اور اس کے کمالات اسمائی و صفاتی کے ظہور کا مظہر ہے اور یہی تعلق بعض لوگوں کے لئے بعض عوارض کے واسطے، بعض احکام وہمیہ کا باعث بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو توحید سے متعلق کثرت مراقبات ان احکام کی طرف کھینچ لاتے ہیں کیونکہ ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں نقش ہو جاتی ہے اور کچھ دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کا تکرار ان احکام کا کسی قدر ذوق عطا کر دیتا ہے لیکن توحید کی یہ دونوں صورتیں ضعیف ہیں اور دائرہ علم میں داخل ہیں اور بعض لوگوں کے لئے ان احکام کا منشاء غلبہ محبت ہے کہ محبوب کے غلبہ محبت کی وجہ سے محب کی نظر سے غیر محبوب ہٹ جاتا ہے اور وہ محبت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا (لیکن اس کا مطلب یہ نہیں) کہ نفس الامر میں محبوب کے سوا کچھ ہے ہی نہیں کیونکہ یہ بات حس، عقل اور شریعت کے خلاف ہے اور بعض اوقات یہی محبت اور قرب ذاتی کے حکم لگانے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ توحید پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور دائرہ حال میں داخل ہے۔ اگرچہ نفس الامر اور شریعت کے مطابق و موافق نہیں اس کی شریعت اور نفس الامر کے ساتھ مطابقت کرنا محض تکلف ہے جس طرح دوسرے بہت سے بیکار فلسفانہ تکلفات ہیں جن کے متعلق فلاسفہ اسلام چاہتے ہیں کہ اپنے فاسد اصولوں کو قوانین شرعیہ کے مطابق کرلیں اخوان الصفاء اور اس طرح کی دوسری کتابیں اسی زمرہ میں آتی ہیں۔

اس باب میں آخری بات اتنی ہے کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ اس پر علامت اور عتاب نہیں بلکہ درجات صواب میں ایک درجہ صواب کا پاتے ہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جو اہل کشف کی تقلید کرتے ہیں کہ یہ معذور قرار نہیں پاتے اور خطاء کی صورت میں درجہ صواب سے محروم رہتے ہیں کیونکہ کشف والہام دوسرے کے لئے حجت نہیں ہو سکتا لیکن مجتہد کا قول دوسرے کے لئے حجت اور دلیل ہوتا ہے لہٰذا اہل کشف کی تقلید احتمال خطاء کی صورت میں جائز نہیں جبکہ مجتہد کی تقلید احتمال خطاء کی صورت میں بھی جائز اور درست بلکہ واجب ولازم ہے۔

"بے چون ذات کو چون کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہئے اور لامکانی ذات کو مکان سے ماوراء میں طلب کرنا چاہئے آفاق والنفس میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ اس سبحانہ تعالیٰ کے نشانات ہیں دائرہ ولایت کے قطب یعنی حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے۔

"جو کچھ سنا گیا دیکھا گیا یا جانا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے۔

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد	در کلبہ گدایاں سلطان چہ کار دارد
صورت کے مقام تنگ میں معنی کیسے سما سکتا ہے	بھلا گداؤں کے حجروں میں بادشاہ کا کیا کام
صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر	کو باجمال جاناں پنہاں چہ کار دارد
صورت کا پجاری معنی کیا جانے	اس کا معشوق کے جمال پوشیدہ سے بھلا کیا تعلق

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اکثر مشائخ کی عبارات میں چاہے وہ نقشبندی ہوں یا غیر نقشبندی صریح

Marfat.com

طور پر وحدت وجود اور احاطہ اور قرب و معیت ذاتی اور شہود وحدت، کثرت اور احدیت در کثرت وارد اور موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شہود و احوال راستے کے وسط میں ان کے سامنے آئے ہیں۔ اسی کے بعد انہیں اس مقام سے آگے گزار لیا گیا جیسا کہ فقیر (مجدد صاحب مرحوم) نے گذشتہ صفات میں اپنے حالات کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کچھ حضرات کو احدیت صرف کی جانب باطن میں پوری نگرانی کے باوجود ان کے ظاہر کو، جو کثرت بین ہے، ان احکام اور اس شہود کے ساتھ مشرف کرتے ہیں باطن میں احدیت کے نگران رہتے ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے کثرت میں مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسا کہ اس فقیر نے اس مکتوب کے ابتداء میں اپنے حال کی خبر دی ہے۔"

"جن احوال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر اس فقیر نے وحدت وجود کو قبول کیا تھا تو وہ کشف کی بناء پر تھا، تقلید کی بناء پر نہیں تھا۔ اب اگر اس کا انکار کر رہا ہوں تو وہ بھی الہام کے باعث اور الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اگرچہ دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں ہے۔"
(مکتوب نمبر ۱۳۱ دفتر اول حصہ اول بنام شیخ صوفی مرحوم و مغفور)

(2)

توحید وجودی اور توحید شہودی: "توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا اور معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا--- پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیلہ سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے--- توحید شہودی اس راہ کے ضروری امور میں سے ہے کیونکہ اس کے بغیر فنا متحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین کی (دولت) بھی اس کے بغیر میسر نہیں آتی۔ کیونکہ ایک ذات کے غلبے کے باعث صرف اسے ہی دیکھنا، اس ماسواء کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے بخلاف توحید وجودی کے کہ وہ اس طرح نہیں--- یعنی ضروری نہیں ہے کیونکہ علم الیقین، توحید وجودی کی معرفت کے بغیر بھی حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس ذات کے سواء کی نفی کو مستلزم نہیں نہایت درجہ یہ ہے کہ اس کے ماسواء کے علم کی نفی کو مستلزم ہے جبکہ اس ایک کے علم کا غلبہ اور زور ہو۔

مثال: ایک شخص کو وجود آفتاب کا یقین ہو۔ اس یقین کا غلبہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت مخفی اور معدوم جانے لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہو گا۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا، اتنا ضرور جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں۔ بلکہ وہ موجود ہیں مگر پوشیدہ ہیں لیکن نور آفتاب کے پرتو کے سامنے مغلوب ہیں۔ یہ شخص اس جماعت کے ساتھ، جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کر رہی ہے۔ مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا غیر واقعی بات ہے--- تو توحید وجود جو ایک ذات تعالیٰ و تقدس کے ماسواء کی نفی پر مبنی ہے، عقل و شرع کے خلاف ہے بخلاف توحید شہودی کے کہ ایک ذات کو دیکھنے میں کچھ

Marfat.com

مخالفت نہیں بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نور آفتاب کے ظہور کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے والے کے ضعف بصارت کی بناء پر ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کے نور سے سرگین ہو جائے اور اپنے اندر قوت واستعداد پیدا کر لے تو عین دن کے وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جدا دیکھے گی اور یہ دید حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔

پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحید وجودی پر محمول کرتے ہیں جیسے ابن منصور الحلاج کا قول "انا الحق" اور ابو یزید بسطامی کا "سبحانی" اور اس طرح کے اور اقوال ---- اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے چونکہ غلبہ حال میں ماسوائے حق سبحانہ، کے ہر شئے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے اور انہوں نے حق سبحانہ کے سوا اور کسی شئے کو ثابت و موجود نہ مانا۔۔۔ انا الحق کا معنی ہے۔ "حق ہے۔ میں نہیں ہوں" جبکہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے آپ کو "حق" کہتا ہے۔ یہ مفہوم تو صریح کفر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ غیر حق کا اثبات نہ کرنا نفی کی طرف ہی لے جاتا ہے اور وہ بعینہ توحید وجودی ہے کیونکہ ہم کہیں گے کہ ثابت نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس مقام میں حیرت ہی حیرت ہے تمام حکام اوہاں ساقط ہو چکے ہیں اور لفظ "سبحانی" میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہہ ہے نہ کہ اپنی تنزیہہ کیونکہ وہ تو مکمل طور پر اس کی نظر سے اٹھ چکی ہے کوئی حکم اس سے متعلق نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو مقام حیرت ہے بعض کو رونما ہوتی ہیں اور جب ان حضرات کو اس مقام سے آگے گزار دیتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچا دیتے ہیں تو پھر ایسے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں اور حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔

ہمارے زمانے میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو صوفیاء کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں توحید وجودی کو عام کرنے میں مصروف ہیں اور اس کو عام کرنے کو ہی کمال سمجھتے ہیں۔ عین الیقین کی بجائے علم میں ہی رکے ہوئے ہیں اور مشائخ کے ان اقوال مذکورہ کو اپنے خیالی معانی پر چسپاں کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو مقتدائے زمانہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنے بے رونق بازار کو ان تخیلات کے ذریعے چمکا رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض مذکورہ بعض مشائخ کی عبارتوں میں ایسے الفاظ ہوں بھی جو توحید وجودی پر صراحتاً دلالت کرتے ہوں تو ان الفاظ کو ابتدائی زمانہ اور علم الیقین کے مقام پر محمول کرنا چاہئے اور یہ تصور کرنا چاہئے کہ یہ کلمات ان سے اس وقت صادر ہوتے ہیں آخر کار ان کو اس مقام سے آگے گزار لیا گیا اور علم سے عین تک پہنچا دیئے گئے۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ توحید وجودی والے بھی جس طرح ایک جانتے ہیں ایک ہی دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی عین الیقین سے کچھ حصہ رکھتے ہیں کیونکہ ہم جواب میں کہیں گے کہ اس توحید والوں نے توحید شہودی کی مثالی صورت کو دیکھا۔ اس توحید شہودی سے متصف نہیں ہوئے۔ توحید شہودی

Marfat.com

کو اپنی اس صورت مثالی کے ساتھ فی الحقیقت کچھ مناسبت نہیں کیونکہ توحید شہودی کے حصول کے وقت صرف حیرت ہی موجود ہوتی ہے۔ اس مقام میں کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور توحید وجودی والا توحید شہودی کی صورت مثالی کے مشاہدے کے باوجود ارباب علم میں سے ہے۔ کیونکہ وہ ماسواء کے وجود کی نفی کرتا ہے اور نفی جنس احکام میں سے ایک حکم ہے۔ حیرت اور علم ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ پس اس تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ توحید وجودی والا عین الیقین کے مقام سے کچھ حصہ نہیں رکھتا۔ ہاں توحید شہودی والے کو مقام حیرت کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو مقام معرفت میں جو حق الیقین کا مقام ہے پہنچا دیتے ہیں اور اس جگہ علم اور حیرت دونوں جمع ہوجاتے ہیں اور وہ علم جو حیرت کے بغیر ہے اور حیرت سے پہلے ہے علم الیقین ہے۔

مثال: ایک شخص خواب میں اس مناسبت کے واسطے سے جو بادشاہت سے رکھتا ہے اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا اور بادشاہ کے لوازمات اپنے اندر دیکھے اور یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ شخص بادشاہ نہیں بن گیا۔ بلکہ بادشاہ کی مثالی صورت کو اپنے اندر دیکھا ہے اور فی الحقیقت بادشاہ کو اس مثالی صورت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ ہاں یہ شہود اگرچہ مثالی صورت میں ہے لیکن اس شخص کے اس صورت کی حقیقت کے ساتھ متصف ہونے کی استعداد کی خبر ضرور دیتا ہے۔ اگر مشقت کرلے اور عنایت خداوندی جل سلطانہ، اس کے شامل ہوجائے تو وہ بادشاہت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ قوت سے فعل تک بڑا فرق ہے۔ بہت سے لوہے شیشہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب تک آئینہ بن نہیں جاتے بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچ سکتے اور ان کے جمال سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔

میں کس طرف چلا گیا مگر ان دقیق علوم کی تحریر کا باعث اور سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بہت سے لوگ، بعض تقلیداً، بعض علم کے باعث اور بعض علم اور کچھ قدرے ذوق کی بناء پر اور بعض الحاد اور زندقہ کے باعث اس توحید وجودی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں اور سب کو حق کی طرف سے جانتے ہیں بلکہ حق جانتے ہیں اور اپنی گردنوں کو تکلیف شرعی کی رسی سے اس بہانے کے ساتھ باہر نکال رہے ہیں اور احکام شرعیہ میں سستیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس حالت پر خوش وقت اور مسرور ہیں اور شرعی احکام کی بجا آوری کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اسے طفیلی جانتے ہیں۔ مقصود اصلی شریعت کے علاوہ کسی اور شئے کو جانتے ہیں۔

حاشا وکلا ثم حاشہ وکلا --- نعوذ باللہ سبحانہ

من ھذا الاعتاد التوا

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال اور کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے مردود ہے۔

کل حقیقتہ ردتہ الشریعتہ فھو زندقہ

ہر حقیقت جسے شریعت رد کردے مردود اور باطل ہے

شریعت کو قائم رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ، ہمیں اور

Marfat.com

تمہیں سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات کی ظاہر وباطن میں متابعت پر استقامت نصیب فرمائے معرفت پناہ قبلہ گاہ ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ صاحب) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب بھی رکھتے تھے اور اپنے رسائل و مکتوبات میں خود اس کا اظہار فرماتے تھے لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انہیں اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور اس توحید وجودی کی معرفت کی تنگی سے کھلی شاہراہ پر ڈال دیا۔

میاں عبدالحق نے جو حضرت خواجہ صاحب کے مخلصین میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اپنے مرض موت سے ایک ہفتہ قبل فرمایا کہ مجھے عین الیقین کے ساتھ معلوم ہوگیا ہے کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے، شاہراہ دوسری ہے۔ اس سے پہلے میں بھی یہی جانتا تھا مگر اب ایک اور یقین حاصل ہوگیا ہے۔ اور یہ حقیر بھی کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہی توحید وجودی کا مشرب رکھتا تھا اور اس توحید کی تائید میں بہت سے کشفی مقدمات ظاہر ہوتے تھے لیکن خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت و مہربانی سے اس مقام سے گزار کر جس مقام سے چاہا مشرف کیا اس سے زیادہ گفتگو طوالت کا موجب ہے۔"

(مکتوب نمبر ۴۳ بنام شیخ فرید بخاری "مکتوبات امام ربانی" دفتر اول حصہ دوئم)

(3)

شہود روح: "جذب وکشش صرف مقام فوق تک معلوم ہوتی ہے۔ فوق فوق تک نہیں ہوتی اور یہی صورت حال شہود وغیرہ مین ہے۔ پس سلوک طے نہ کئے ہوئے مجذوب، جو مقام قلب میں ہیں، ان کا انجذاب صرف مقام روح تک ہے جو قلب سے اوپر مقام ہے۔ ذات حق تک کشش وانجذاب منتہی لوگوں کا جذبہ ہے جس سے اوپر کوئی مقام نہیں اور ابتدائی جذبہ میں صرف انسانی روح کا شہود ہوتا ہے اور چونکہ روح اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ

----اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا----(الحدیث)

لہٰذا روح کے شہود کو حق تعالیٰ وتقدس کا شہود سمجھ لیتے ہیں اور جبکہ روح کے لئے عالم اجسام کے ساتھ ایک گونہ مناسبت ثابت ہے تو کبھی اس شہود کو شہود احدیت در کثرت کہتے ہیں اور کبھی معیت کے قائل ہوتے ہیں حق جل وعلا کا شہود وفنائے مطلق کے حصول کے بغیر جو انتہائے سلوک پر مستحق ہو متصور نہیں۔

ہیچ کس راتا نہ گرد داوفنا نیست راہ درباگاہ کبریا

جب تک کوئی فنا حاصل نہ کرے بارگاہ کبریا تک راستہ نہیں پاسکتا

اور اس شہود کا عالم کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ دونوں شہودوں میں فرق یہ کہ اگر عالم کے ساتھ

Marfat.com

کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہو تو وہ شہود حق تعالیٰ نہیں اور اگر بے مناسب ہے تو شہود الٰہی ہے جل و علا شہود کا اطلاق تنگی عبارت کے باعث ہے۔ ورنہ اس کی طرف نسبت اس کی ذات پاک کی طرح بے کیف و بے مثل ہے۔

چون را بہ بے چون راہ نیست

یعنی مثل کو بے مثل ذات کی طرف راستہ نہیں مل سکتا۔

(مکتوبات نمبر ۱۱۳ بنام جمال الدین حسین کولابی" دفتر اول حصہ دوئم)

(4)

سیر آفاقی وانفسی: جو بلا اور مصیبت بھی آتی ہے وہ اپنے آپ کے ساتھ گرفتاری کے باعث ہی آتی ہے جب انسان اپنے آپ سے نجات پا گیا تو گویا حق سبحانہ وتعالیٰ کے غیر سے بھی نجات پا گیا۔ کوئی اگر بت کر رہا ہے تو فی الحقیقت وہ اپنی پرستش کر رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے۔

ارائیت من اتخذ الھہ ھوا نہ

کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔

از خود چوں گذشتی ھمہ عیش است و خوشی

(ترجمہ) جب تو خود سے گزر گیا تو پھر سب عیش ہی عیش ہے۔

جس طرح اپنے آپ سے گزرنا ضروری ہے اسی طرح اپنے اندر جانا اور سفر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ مقصود کی یافت یہیں ہے۔ اپنے سے باہر مقصود کی یافت نہیں ہے۔

باتو گر زیر گلیم است ہرچہ ہست ہچونا بینا مبر ہر سوئے دست

جو کچھ ہے تیری گوڈری کے نیچے ہی ہے لہٰذا اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ نہ مار

سیر آفاقی میں دوری ہی دوری ہے اور سیر انفسی میں قرب ہی قرب ہے۔ اگر شہود ہے۔ تو اپنے آپ میں ----- اگر معرفت ہے تو وہ اپنے اندر ہی ہے۔ اگر حیرت ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ----- اپنے سے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں ----- بات کدھر چلی گئی ----- کوئی بے عقل یہاں سے حلول اور اتحاد نہ سمجھنا شروع کردے اور گمراہی کے بھنور میں گر پڑے۔

ایں جا حلول کفر بود اتحاد ہم

یعنی یہاں حلول و اتحاد کا اعتقاد کفر ہے

"اس مقام تک پہنچنے سے قبل اس میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں سنت کے پسندیدہ طریقے علی صاحبھا الصلوۃ والسلام والتحیات پر استقامت عطا کرے۔"

(مکتوب نمبر ۱۵۴ بنام میاں مزمل "مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ سوئم)

Marfat.com

(5)

مشائخ طریقت کے تین گروہ: "پہلا اس امر کا قائل ہے کہ کائنات عالم اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے اور اس کے کمالات سب کے سب حق سبحانہ کی ایجاد سے ہیں اور اپنے آپ کو صرف شبح اور مثال کے درجہ میں جانتے ہیں۔ بلکہ اس شبحیت کو بھی حق تعالیٰ کے ہاتھ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات نیستی کے سمندر میں اس طرح گم ہیں کہ نہ انہیں عالم کی خبر ہے اور نہ اپنی۔ برہنہ جسم آدمی کی طرح جس نے کسی سے عاریت کے طور پر کپڑا لے کر پہنا ہو اور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کپڑا عاریتاً میرے پاس ہے اور کپڑے کی عاریت کا تصور اس قدر اس پر غالب ہو جائے کہ اسے پہنے ہونے کے باوجود اس کے اصل مالک کے ہاتھ میں ہی اسے تصور کرے اور اپنے آپ کو برہنہ ہی محسوس کرے اور اگر ایسے شخص کو بے شعوری اور سکر کی حالت سے نکال کر شعور اور صحو کی طرف لائیں اور بقاء بعد الفنا سے مشرف کریں تو وہ اگرچہ کپڑے کو اپنے بدن پر پہنچا ہوا دیکھے گا مگر اس کا یقین یہی ہو گا کہ میرا نہیں دوسرے کا ہے۔ کیونکہ وہ فنا اب درجہ علم میں ہے اور گرفتاری اور تعلق جو اس کپڑے کے ساتھ تھا بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ بعینہ اس طرح اس شخص کا حال ہے جو اپنے اوصاف و کمالات کو کسی سے عاریتاً لئے ہوئے کپڑے کی طرح جانتا ہے۔ صرف اتنا جانتا ہے کہ درجہ وہم میں یہ کپڑا میرے پاس موجود ہے۔ خارج میں میرے پاس کوئی کپڑا نہیں بلکہ میں برہنہ ہوں۔ یہ دید اس حد تک غالب آتی ہے کہ وہ اس وہمی لباس کو پورے طور پر اتار پھینکتا ہے۔ اور اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتا ہے۔ اس حالت میں آفاقے اور صحو کے بعد اس کا وہمی کپڑے کو اپنے ساتھ پاتا ہے۔ لیکن یہ شخص اول کی فنا اتم ہے۔ اور اس پر مرتب ہونے والی بقاء بھی اکمل ہو گی جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

اور یہ بزرگ گروہ ان تمام معتقدات کلامیہ میں جو کتاب و سنت اور اجماع کے موافق ثابت ہیں یہ علمائے اہلسنت و جماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے اور ان میں اور متکلمین میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ متکلمین اس معنی کو علما اور استدلالاً پاتے ہیں اور یہ بزرگ کشف اور ذوق کے طور پر، نیز ان بزرگوں کا گروہ عالم کے حق سبحانہ وتعالیٰ کے نہایت منزہ ہونے کے باعث قطعاً کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا اور تمام نسبتوں کو سلب کرتا ہے۔ تو عالم کے واجب تعالیٰ شانہ کے ساتھ عینیت اور جزئیت کے کیسے قابل ہو سکتے ہیں صرف اس قدر نسبت ثابت مانتے ہیں کہ وہ مولا ہے اور کائنات اس کی عبودیت کی صفت سے موصوف ہے اور وہ صانع ہے اور کائنات اس کی مصنوع ہے۔ بلکہ غلبہ حال میں اس نسبت کو بھی گم کر دیتے ہیں۔ اس وقت فنائے حقیقی سے مشرف ہو کر تجلیات ذاتیہ کو قبول کرتے ہیں اور بے انتہاء تجلیات کا مرکز بن جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہ کا ظل جانتا ہے مگر اس امر کا قائل ہے کہ عالم خارج میں موجود ہے لیکن اصالت کے طریقہ پر نہیں بلکہ ظلیت کے طور پر اور یہ کہ عالم کا وجود حق سبحانہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ قائم ہے۔ جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا سایہ کافی دراز جگہ تک

Marfat.com

پھیل جائے اور وہ شخص اپنے کمال قدرت سے اپنی صفات علم، قدرت، ارادہ وغیر حتی کہ لذت و تکلیف کو بھی اس سائے میں منعکس کردے۔ پس بالفرض وہ سایہ آگ پر گرے اور اس سے تکلیف محسوس کرے تو عقلاً اور عرفاً نہیں کہیں گے کہ اس شخص نے بھی تکلیف محسوس کی ہے۔ جیسا کہ تیسرا گروہ اس امر کا قائل ہے۔ اسی طرح تمام برے افعال جو مخلوقات کے صادر ہوتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حق تعالیٰ کے افعال ہیں جس طرح اگر سایہ اپنے ارادہ سے حرکت کرے تو یہ نہیں کہتے وہ شخص متحرک ہے۔ ہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کی قدرت اور اس کے ارادے کا اثر ہے یعنی اس کا مخلوق ہے اور یہ بات طے ہے کہ قبیح شے پیدا کرنا قبیح نہیں بلکہ قبیح کا فعل اور کسب قبیح ہے۔

تیسرا گروہ وحدت الوجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور بس اور حق سبحانہ کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقق نہیں بلکہ صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں یہ گروہ یوں کہتا ہے۔

الاعیان ماشمت رائحہ& الوجود

اشیاء نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی

اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہ کا ظل ہی کہتی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ اس کا وجود صرف مرتبہ حس میں ہے نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے اور یہ لوگ خدا عزوجل کو صفات وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور مراتب تنزلات ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میں اسی ذات احد کو اس مرتبہ کے لائق احکام کے ساتھ متصف کرتے ہیں اور لذت حاصل کرنے اور تکلیف اٹھانے والی بھی خدائے عزوشانہ کی ذات کو قرار دیتے ہیں لیکن ان وہمی اور محسوس ظلال کے پردہ میں۔

اگرچہ یہ تیسرا گروہ اپنے درجات وصل و کمال میں مختلف اور متفاوت ہونے کے باوجود واصل و کامل ہے لیکن مخلوق کو ان کی ایسی باتوں نے گمراہی اور الحاد میں ڈالا ہے۔

پہلا گروہ سب سے اتم اور اکمل ہے، محفوظ ترین اور کتاب و سنت کے زیادہ موافق بھی کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مناسبت اور آپ کی کمال متابعت کی بناء پر ممکن کے تمام مراتب کو واجب کے (خدا) سے جدا قرار دیا ہے اور سب کی کلمہ "لا" کے نیچے لا کر نفی کردی ہے اور انہوں نے ممکن کی واجب کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں دیکھی اور اس کی طرح کسی نسبت کا اثبات نہیں کیا اور اپنے آپ کو اس کا عبد مخلوق بے قدرت کے سوا کچھ نہیں سمجھا اور اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مولا جانا ہے خود کو مولا سمجھنا یا اس کا ظل قرار دینا ان بزرگوں کے نزدیک سخت دشوار اور گراں ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

دوسرے گروہ نے اگرچہ مراتب کو مبدا سے جدا قرار دیا ہے اور کلمہ "لا" کے نیچے لا کر اس کی نفی بھی کی ہے لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے ایک چیز ان کے بقایا وجود سے ثابت رہی ہے کیونکہ رتبہ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق کا رشتہ بڑا

Marfat.com

قوی ہے یہ نسبت ان کی نظر سے محو نہیں ہو سکی۔

یہ درویش (مجدد صاحب مرحوم و مغفور) اول توحیدی وجود کا معتقد تھا بچپن سے ہی اس توحید کا علم اور پورا یقین رکھتا تھا (اگرچہ حال نہیں رکھتا تھا) پھر اس توحید کا راستہ منکشف ہوا اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے فائض ہوتے رہے اور وہ مشکلات وواردات جو ارباب توحید پر وارد ہوتی ہیں۔ سب کی سب کشوف اور علوم فائضہ کے ذریعہ حل ہو گئیں۔

ایک مدت کے بعد اس درویش پر ایک اور نسبت غالب ہوئی اور توحید وجود میں توقف پیدا ہوا لیکن یہ توقف توحید وجودی والوں کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر پیدا ہوا نہ کہ انکار کی بناء پر -- پس ایک مدت تک اس بارے میں متوقف رہا آخر معاملہ اس کے انکار تک پہنچا اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (توحید وجودی) سب سے پست مرتبہ ہے یہاں سے ظلیت کے مقام پر پہنچا لیکن اس کا انکار بے اختیار تھا نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے کیونکہ بہت سے مشائخ عظام اس مقام میں اقامت پذیر تھے اور جب ظلیت کے مقام میں پہنچا اور خود کو اور عالم کو ظل محسوس کیا جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے تو اس امر کی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اس مقام سے باہر آئے کیونکہ یہ درویش کمال وحدت وجود پاتا تھا اور یہ مقام ظلیت اس سے قدرے مناسبت رکھتا ہے، اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقام عبدیت تک پہنچا دیا، اس وقت اس مقام کا کمال دکھائی دیا اور اس کی بلندی واضح ہوئی۔ اور گذشتہ مقامات سے تائب ہوا اور استغفار کیا۔ اگر درویش کو اس راستے سے نہ لے جاتے اور بعض مراتب کی بعض پر فوقیت نہ دکھاتے تو اس مقام عبدیت میں اپنا تنزل جانتا۔ کیونکہ اس درویش کے نزدیک توحید وجودی سے اوپر کوئی مقام نہ تھا۔ واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل معلوم ہونا چاہئے کہ اس درویش کے مکتوبات و رسائل میں بلکہ ہر سائل کے علوم و معارف میں تفاوت اور فرق کا منشاء یہی مقامات متفاوتہ کا حصول ہے۔ کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف میں تفاوت اور فرق کا منشا یہی مقامات متفاوتہ کا حصول ہے کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف الگ ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے پس فی الحقیقت علوم میں تعارض اور تناقض نہیں جس طرح کہ احکام شرعیہ کے نسخ کا معاملہ ہے۔

صلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد والہ وسلم

(مکتوب نمبر ۱۶۰ بنام یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ سوئم)

(6)

ایمان شہودی: "واضح ہو کہ --- ایمان شہودی عامہ صوفیہ کا حصہ ہے خواہ وہ ارباب عزلت ہوں، یعنی گوشہ نشین ہوں خواہ ارباب عشرت یعنی لوگوں میں رہنے والے ہوں کیونکہ ارباب عشرت اگرچہ

Marfat.com

مرجوع ہیں لیکن پورے طور پر عدم رجوع کی وجہ سے ان کا باطن اسی فوق کی طرف نگران ہے یعنی وہ ظاہر میں خلق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق کے ساتھ ----- اسی لئے ایمان شہودی ہروقت ان کو نصیب ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام چونکہ کلی طور پر مرجوع ہیں اور ظاہر و باطن میں خلق کو دعوت حق دینے پر متوجہ ہیں اس لئے ایمان بالغیب ان کا حصہ ہے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جب مقام دعوت سے فارغ ہوتے ہیں اور عالم بقاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت مکمل ہو جاتی ہے تو بڑے شوق سے الرفیق الاعلیٰ کی ندا لگا کر کلی طور پر حق جل شانہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور قرب پا کر ناز و ادا کی حالت میں آجاتے ہیں۔ ھنیا لارباب النعیم نعیمھا وللعاشق المسکین مایتجرع (ترجمہ) ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور بے چارے عاشق مسکین کے لئے وہی جو وہ درد و غم کے گھونٹ پی رہا ہے۔

ان کی (انبیاء علیہم السلام) دعوت کا مدار اثنینیت یعنی دوئی اور غیر کے وجود اور غیر پر ہے۔ ان عبارتوں کو توحید و اتحاد پر محمول کرنا بے تکلف ہے۔ اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا اس کے ظہورات ہوتے اور اس کے ماسوا کی عبادت اسی (ایک) کی عبادت ہوتی ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا تو پھر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے اور اس عمل پر دائمی عذاب کیوں مرتب کرتے اور ان کے پجاریوں کو خدا کا دشمن کیوں کہتے ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عام لوگوں کے قصور فہم کے باعث توحید وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بناء غیریت اور دوئی پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے۔" ------ یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ کہ واقعی اور نفس الامری ہے، اس کی تبلیغ کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو تو مناسب نہیں کہ حقیقت کو چھپائیں اور غیر حقیقت کو ظاہر کریں خصوصاً وہ امور و احکام جو واجب الوجود کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اظہار کے وہ زیادہ مستحق ہیں کوتاہ نظران کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ----- کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن پاک کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں۔ ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسواء کی عبادت سے اجتناب کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں اور جو ایک وجود کا قائل ہے اسے موحد کہتے ہیں۔ اگرچہ ہزار بتوں کی عبادت کرلے اس خیال سے کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے انصاف لازم ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے؟

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں کی اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا۔ بلکہ ان کی دعوت "وحدت معبود" کی طرف ہے اور انہوں نے ماسواء کی عبادت کو شرک کہا ہے ---- اگر صوفیائے وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کرسکتے کیونکہ ماسواء کو ماسوا ہی جانیں یا (ایسا) نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں

Marfat.com

جانتے بلکہ عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیخ محی الدین (ابن عربی) اور اس کے متعین کے ساتھ انکار سے پیش آتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے بلکہ یہ عالم کو نہ تو حق تعالیٰ کا عین جانتے ہیں نہ غیر----- اور یہ بات بھی صواب سے دور ہے----- کیونکہ الاثنان متغائران یعنی دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں--- قضیہ مقررہ ہے---- اثنینیت یعنی دوئی کا منکر درجہ عقل کا مخالف ہے--- ہاں متکلمین نے صفات واجب تعالیٰ کے بارے میں لاھو ولاغیر ھو کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لے کر اس امر کو مد نظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم جدا اور الگ ہونا جائز ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات حضرت ذات سے الگ نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیمہ کے درمیان "انفکاک" یعنی الگ ہونا جائز ہو سکتا ہے۔ پس لاھو ولاغیر ھو صفات قدیمہ میں صادق ہے برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے۔

کان اللہ ولم یکن معہ شئی اللہ تھا اور کوئی شئے اس کے ساتھ موجود نہ تھی۔

پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دور ہے۔ ان لوگوں نے اپنے حقیقت حال تک نہ پہنچنے کے باعث عالم کو صفات قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کا اس جگہ اطلاق کیا ہے۔ یہ لوگ عینیت عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو لامحالہ انہیں غیریت عالم کا بھی قائل ہونا چاہئے تاکہ توحید وجود والوں کے زمرہ سے نکل آئیں اور عالم کے متعددہ وجودوں کے قائل ہو جائیں۔ اور توحید وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں جیسا کہ شیخ محی الدین اور اس کے تابعین کا قول ہے۔ اور عین کہنا ان معنوں کے اعتبار سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے۔ حاشا و کلا بلکہ ان معنوں میں ہے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب۔

سوال: صوفیہ وجودیہ دو وجود کے قائل کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہ وہ دو بین ہے اور دو بین طریقت کا مشرک ہے؟

جواب: دو بینی جو طریقت کا شرک ہے وہ توحید شہودی سے دور ہو جاتا ہے۔ توحید وجودی اس مقام میں بے کار ہے کیونکہ سالک کا مشہود و ملحوظ ایک ذات مقدس کے سوا کوئی اور امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو اور طریقت کا شرک دور ہو جائے۔

(مثلاً) دن میں جو آفتاب کو تنہاء دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے دو بینی کا دفعیہ حاصل ہے اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں۔ مقصود یہ ہے ایک آفتاب مشہود ہو۔ ستارے خواہ موجود ہوں یا معدوم۔ بلکہ میرا قول یہ ہے کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث، جو وہ اپنے مطلوب حقیقی سے رکھتا ہے، کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اس کے دیدۂ بصیرت میں نہ آئے اور اگر (بالفرض) اشیاء موجود نہ ہوں تو فنا کس سے متحقق ہوگی، یعنی فانی کس سے ہوگا اور فراموش کس کو کرے گا؟

Marfat.com

اہم بات: سب سے اول جس نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن العربی ہے اس سے پہلے (ادوار کے) مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن وہ توحید شہودی پر محمول کرنے کے قابل ہیں کیونکہ جب حق جلشانہ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں---- لیس فی حبتی سوی اللہ یعنی میرے جبہ میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں---- جبکہ بعض سبحانی ما اعظم شانی کی ندا بلند کرتے اور بعض لیس فی الدار غیرہ دیار ---- یعنی گھر میں اس کے سوا کوئی اور رہنے والا نہیں ہے---- کی آواز بلند کرتے ہیں- یہ سب پھول ایک ہی "یک بنی" کی شاخ سے کھلے ہیں- ان عبادتوں میں کوئی بھی وحدت الوجود پر دلالت نہیں کرتی- اور جس کسی نے اس مسئلہ کو ابواب و فصول کی شکل میں لکھا اور صرف و نحو کی طرح جمع کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولائیت سے اخذ کرتا ہے اور خاتم الولایت محمدی اپنے آپ کو جانتا ہے---- اور شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا کہ بادشاہ اگر اپنے خزانچی سے کچھ لے تو اس میں کیا نقصان (احتیاج) ہے- غرض فنا و بقاء اور ولایت کبریٰ حاصل کرنے کے لئے توحید وجودی کی کوئی ضرورت نہیں- توحید شہودی حاصل ہونی چاہئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسویٰ کا نسیان حاصل ہو جائے-

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے- اس میں ان کا مشہود ان کا خیال اور من گھڑت امر ہے- کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ نہیں ہے اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے- اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے اور حق تعالیٰ کے غیر کو خدا نہیں جاننا چاہئے- مانا کہ یہ لوگ خطاکار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کا حشر خدا ہی جانتا ہے- کاش کہ مجتہد مخلی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے- قیاس و اجتہاد اصول شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے برخلاف منکشف اور الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں ہے- اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے جبکہ اجتہاد مقلد پر حجت ہے- پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہئے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے موافق تلاش کرنا چاہئے اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے خلاف کہیں یا کریں اس کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور حسن ظن کے ساتھ ان کے طعن سے لب بند رکھنے چاہئیں- اور ان کی اس طرح کی باتوں کو شطحیات جانتے ہوئے ظاہر کی طرف سے پھرا ہوا خیال کرنا چاہئے-

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں بعض صوفیاء عام لوگوں کو اپنے کشفیہ اور الہامیہ امور مثلاً وحدت الوجود کے ساتھ ایمان لانے پر دلالت کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور ان کے عدم ایمان پر دھمکاتے ہیں- کاش کہ یہ لوگ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور دھمکی فرماتے کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدم انکار چیز دیگر---- ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازم اور

Marfat.com

ضروری نہیں ہے البتہ ان امور کے انکار سے بچنا چاہئے کہ مبادا ان امور کا انکار "اہل امور" کے انکار تک پہنچادے اور اس طرح حق تعالیٰ کے اولیاء کرام کے ساتھ بغض وعداوت پیدا ہو جائے۔ پس علمائے اہل حق کے موافق کام کرنا چاہئے اور صوفیاء کی کشفیہ باتوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہئے اور "لاونعم" یعنی نہ اور ہاں پر جرات نہ کرنی چاہئے۔

هذا هو الحق المتوسط بين الافراط والتفريط والله سبحانه الملهم للصواب

یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۷۳ دفتر اول حصہ پنجم مرقومہ بنام میر سید محب اللہ مانکپوری)

(7)

"جاننا چاہئے کہ ایک گروہ کے لئے توحید وجودی کا منشا مراقبات توحید کی کثرت مشق اور ممارست اور کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ کا سمجھنا اور ورد کرنا ہے۔ توحید کی اس قسم کا ظہور قوت خیالی کے غلبہ کے باعث حیلہ، غور اور تخیل کی وجہ سے ہے کہ اس کے معنی توحید کثرت مزاولت کی وجہ سے متخیلہ میں نقش ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ توحید ایجاد موجد سے وجود میں آئی ہے۔ اس بناء پر وہ علت سے خالی نہیں اس توحید والا ارباب احوال میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ ارباب احوال، ارباب قلوب ہوتے ہیں حالانکہ وہ اس وقت میں مقام قلب میں کچھ خبر نہیں رکھتا۔ یہ توحید خالی نہیں محض علمی ہے۔ لیکن علم کے بھی اوپر نیچے بہت سے درجات ہیں۔

ایک اور گروہ کی توحید وجودی کا منشاء انجذاب اور محبت قلبی ہے جو ابتدا اذکار اللہ کے ساتھ جو معنی توحید کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں، مشغول رہتے ہیں اور جدوجہد یا صرف عنایت ازلی سے مقام قلب میں پہنچے اور جذب پیدا کیا۔ اس مقام پر اگر ان میں توحید وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا۔ جس نے ماسوائے محبوب کے ان کی نظر سے پوشیدہ کردیا اور چھپالیا جبکہ ماسوا محبوب کو نہیں دیکھتے اور انہیں پاتے تو لازماً محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے توحید کی یہ قسم قبیلہ احوال سے ہے اور علت تخیل اور وہم کی ملاوٹ سے پاک اور مبرا ہے۔ اور اگر ارباب قلوب کی اس جماعت کو اس مقام سے واپس عالم کی طرف بھیج دیں تو اپنے محبوب کو عالم کے ذرات میں سے ہر ذرے کے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور جلوہ گاہیں جانتے ہیں یہ جماعت اگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے مقام قلب سے باہر نکل کر جناب قدس کی طرف جو دلوں کو پھیرنے والی ہے متوجہ ہو جائے تو یہ توحیدی معرفت جو مقام قلب میں پیدا ہوئی تھی، زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ عروج کی سیڑھیوں سے چڑھتے جاتے ہیں تاہم اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ بہت بے مناسب پاتے ہیں ان میں سے ایک جماعت تو اس معرفت والوں پر انکار اور اعتراض کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسے رکن

Marfat.com

الدین ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانی (آپ اصل میں شاہاں سمنان سے تھے پندرہ سال کی عمر میں سلطان و قدس کے خادموں میں شامل ہوئے۔ کسی جنگ میں جذبہ پیدا ہوا تو بغداد میں شیخ نور الدین کی خدمت میں حاضر رہ کر آخر دعوت و ارشاد کی اجازت حاصل کی اور خانقاہ کا کیہ میں ۱۵ سال میں ۱۴۰ چلے کاٹے اور دوسرے اوقات میں ۱۳۰ چلے کئے۔ بعمر ۷۷ سال ۷۳۰ھ بروز جمعہ ۲۲/ رجب کو وفات پائی) اور بعض دوسروں کے لئے اس معرفت کے زائل ہونے کے بعد اس کی نفی اور اثبات سے کوئی کام نہیں رہتا۔

راقم السطور (مجدد صاحب) اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان پر اعتراض کرنے سے خود کو دور رکھتا ہے۔ انکار و اعتراض کی گنجائش تب ہوتی ہے جب اس حال والوں کے لئے اس حال کے ظہور میں قصد اور اختیار کا دخل ہو ان کے ارادے کے بغیر ہی ان میں یہ معنی ظاہر ہو جاتا ہے وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں لہٰذا معذور قرار پاتے ہیں۔ اور مجبور و معذور پر کوئی رد اور اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ فقیر انکار سے اجتناب کے باوجود یہ ضرور جانتا ہے کہ اس معرفت سے اوپر بھی ایک دوسری معرفت ہے اور اس حال سے اوپر بھی ایک دوسرا حال ہے۔ اس مقام پر رک جانے والے بہت سے کمالات سے روک دیئے جاتے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم رہتے ہیں اس کم مایہ حقیر کو بغیر اس کے مراقبات اور اذکار کے ضمن میں معنی توحید کے ساتھ مشغول ہوئے بلکہ محنت اور کوشش کے بغیر محض فضل ایزدی سے افاضت پناہ، حقائق و معارف آگاہ پسندیدہ دین کی تائید فرمانے والے ہمارے شیخ و مولا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی ہدایت سے لبریز صحبت میں ذکر سیکھنے اور آپ کی توجہ اور عنایت کے بعد مقام قلب میں لے آئے اور معرفت کا دروازہ کھول دیا اور اس مقام کے بے شمار علوم و معارف عطا فرمائے اور ان معارف کی باریکیوں کو منکشف کیا گیا اور ایک مدت تک مجھے اسی مقام میں رکھا گیا۔ آخر کار کمال بندہ نوازی سے مجھے مقام قلب سے نکالا گیا اس دوران توحید وجودی کی معرفت زوال پذیر ہونا شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ مکمل طور پر معدوم ہو گئی۔ اپنے حالات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ اس مضمون کو میں نے کشف اور ذوق کے تحت تحریر کیا ہے۔ ظن و تقلید سے نہیں لکھا۔ جاننا چاہئے کہ معارف توحیدی جو بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ابتدائی حال اور مقام قلب میں صادر ہوئے ہیں لہٰذا اس راہ سے ان بزرگوں کو کوئی نقص لاحق نہیں ہوتا۔

اس فقیر نے بھی اس وقت معارف توحیدی میں کئی رسالے تحریر فرمائے اور جب ان تحریروں کو بعض دوستوں نے ادھر ادھر منتشر کر دیا تو انہیں جمع کرنا مشکل جانتے ہوئے ان رسائل کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ نقص اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ اس مقام سے آگے نہ لے جائیں۔

ارباب توحید کا ایک گروہ وہ ہے جس نے اپنے مشہود میں پورے طور پر نیستی اور محو ہونا پیدا کیا ہے اور ان کی ہمت یہ ہے کہ مشہود میں ہمیشہ نیست و معدوم رہیں اور ان کے لازم وجود کا کچھ حصہ ظاہر نہ ہو۔ یہ لوگ کلمہ انا کے ٹوٹنے کو اپنے لئے کفر جانتے ہیں اور ان کے نزدیک "نہایت کار" فنا اور نیستی ہے عالم میں شہود حق کو بھی گرفتاری خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں میں ایسا عدم چاہتا ہوں جس کا پھر کبھی وجود نہ ہو۔" یہ لوگ قتیل محبت ہیں اور حدیث قدسی من قتلتہ فانادیتہ

Marfat.com

یعنی جن کو میں قتل کرتا ہوں ان کا خون بہا میں خود ہوتا ہوں۔ انہی لوگوں کی شان میں واقع ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ وجود کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں اور ایک لحہ کے لئے بھی آسائش نہیں پاتے کیونکہ آسائش غفلت کی حالت میں ہوتی ہے ہمیشہ کی نیستی کی صورت میں غفلت کی کوئی گنجائش نہ ہے۔ شیخ الاسلام ہروی (ابو اسماعیل خواجہ عبداللہ بن ابی منصور محمد الانصاری جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے، ان کو بقول ان کے تین ہزار عربی اشعار یاد تھے انہوں نے تین سو افراد سے حدیث لکھی جو سب سنی العقیدہ تھے۔ ان کو تین ہزار احادیث ایک ایک ہزار اسناد کی ساتھ ازبر تھیں۔ ان کو ایسی قوت حافظہ ملی تھی جو کچھ قلم سے تحریر ہو جاتا ازبر ہو جاتا۔ تصوف میں وہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے) فرماتے ہیں۔ جو شخص مجھے ایک گھڑی کے لئے حق سبحانہ سے غافل کرلے امید ہے کہ اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے گی۔

اور وجود بشریت کے لئے غفلت درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل و کرم سے ان میں سے ان امور کی استعداد کے مطابق جو غفلت پیدا کرنے والے ہیں، ان کے ظاہر کو ان امور کے ساتھ مشغول کردیا ہے۔ اس بناء پر کسی قدر ان کا بار وجود ان سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ ایک جماعت کے دل میں سماع اور رقص کی الفت ڈال دی گئی ہے اور ایک جماعت کے لئے کتابوں کی تصنیف اور علوم و معارف کی تحریر کو شعار بنا دیا گیا ہے۔ اور ایک گروہ مباح امور کے ساتھ مشغول کیا گیا ہے۔

عبداللہ اصطخری، کتوں والوں کے ساتھ صحرا میں جا رہا تھا۔ کسی بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا گیا۔ بزرگ نے فرمایا۔ "تاکہ ایک سانس کے لئے ہی "بار وجود" سے نجات حاصل کرے۔" اور بعض کو توحید وجودی کے علوم اور شہود وحدت در کثرت کے ساتھ آرام عطا فرمایا تاکہ اس بوجھ سے (بار وجود سے) ایک گھڑی کے لئے ہی آرام پائیں۔ اسی قبیلہ سے ہے وہ توحید جو بعض اکابر نقشبندیہ قدس اسرار ہم سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے۔ عالم اور شہود و عالم سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ وہ معارف جو ارشاد پناہ معارف دستگاہ، ناصر الدین خواجہ عبید اللہ نے توحید وجودی اور توحید شہودی وحدت در کثرت کے مناسب تحریر فرمائے ہیں توحید کی اسی قسم اخیر سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی کتاب فقرات جو بعض علوم توحید وغیرہ پر مشتمل ہے اس کتاب کے علوم کا منشاء اور ان معارف سے مقصود اس عالم کے ساتھ انس و الفت پیدا کرنا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہیں ہمارے خواجہ حضرت باقی باللہ کے وہ معارف جو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب فقرات کے موافق بعض رسائل میں تحریر فرمائے ہیں۔ ان علوم توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبہ محبت اور ان کے شہود کو عالم کے ساتھ نسبت نہیں۔ جو کچھ انہیں عالم میں دکھاتے ہیں وہ ان کے مشہود حقیقی کا شبہ اور مثال ہے۔

مثلاً ایک شخص نے جمال آفتاب کے عشق میں گرفتار ہو کر کمال محبت سے اپنے آپ کو آفتاب میں گم کر لیا ہو اور اپنا کوئی نشان نہ رہنے دیا ہو۔ ایسے شخص کو اگر چاہیں کہ اسے اپنی طرف واپس لائیں اور اس میں آفتاب کے ماسواء کی انسیت پیدا کریں تاکہ ایک گھڑی کے لئے ہی انوار آفتاب کے غلبہ سے اپنا ایک سانس درست کرے اور آرام پائے تو اسی آفتاب کو عالم کے آئینوں میں اس پر ظاہر کرتے ہیں اور

Marfat.com

اس طرح عالم کے ساتھ اس کی انسیت اور التفات پیدا کرتے ہیں اور اسے بتاتے ہیں کہ سارا عالم عین آفتاب ہے اور آفتاب کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہیں اور کبھی ذرات عالم کے آئینوں میں اسے جمال آفتاب دکھاتے ہیں۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ جب نفس الامر میں عالم آفتاب کا عین نہیں ہی تو پھر عالم کو آفتاب ظاہر کرنا خلاف واقعہ ہے۔ اس لئے کہ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ افراد عالم امر میں آپس میں مشترک ہے۔ اور بعض میں غیر مشترک۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت سے بعض ان امور کو جو امتیاز اور عدم اشتراک کا باعث ہیں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ان کی نظر سے پوشیدہ کردیتا ہے۔ اور فقط اجزائے مشترکہ کا ہی مشاہدہ کراتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے متحد ہونے کا حکم ثابت ہوجاتا ہے تو اس طرح وہ شخص آفتاب کو بھی اس تعلق سے عالم کا عین پاتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ کی اگرچہ فی الحقیقت عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں لیکن اسمی مشابہت اس اتحاد کو درست کردیتی ہے۔ مثلاً عالم بھی موجود ہے اور حق تعالیٰ بھی موجود ہے۔ اگرچہ ان دونوں وجودوں کے درمیان کچھ مناسبت نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم، سمیع، بصیر، حی اور قادر اور مرید ہے اور عالم کے بعض افراد بھی ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ اگرچہ واجب تعالیٰ کی صفات اور ممکن کی صفات ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ لیکن چونکہ وجود امکانی کی خصوصیات اور صفات محدثات کے نقائص کو ان کی نگاہ سے (بعض حکمتوں کے تحت) پوشیدہ کردیتے ہیں لہٰذا واجب اور ممکن کے درمیان اگر اتحاد کا حکم کریں تو گنجائش ہے اور توحید کی یہ قسم، اخیر اقسام توحید میں سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ بلکہ فی الحقیقت اس معرفت والے حال کے مغلوب نہیں ہیں۔ اور اس کا سکر اس معرفت کا باعث نہیں ہوا بلکہ ان پر اس حال کا ورود کسی مصلحت کے لئے کیا گیا ہے اور یہ بات ملحوظ و مطلوب ہے کہ اس معرفت کے وسیلہ سے انہیں سکر سے صحو کی طرف لائیں اور تسلی دیں۔ چنانچہ ایک جماعت کو سماع اور رقص اور ایک کو مباح امور کے ساتھ مشغول کرکے تسلی دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ان مذکورہ گروہوں میں سے بعض کو ان امور کے ساتھ مشغول کرتے ہیں جو ان کے مشہود کے مغائر ہوتے ہیں اور وہ اس طرح تسلی پاتے ہیں۔ بخلاف ان بزرگوں کے کہ جو چیز ان کے مشہود کے مغائر ہوتی ہے۔ یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور اس کے تابع نہیں ہوتے اس لئے ناچار عالم کو ان کے مشہود کا عین ظاہر کرتے ہیں یا عالم کے آئینہ میں جلوہ گر کرتے ہیں تاکہ ایک گھڑی کے لئے (ہی سہی) اس بوجھ سے آرام پائیں۔ اس آخری قسم توحید کا منشاء اس فقیر کو کشف و ذوق کے طریقہ سے معلوم نہ تھا۔ صرف پہلی دو وجہوں کو جانتا تھا۔ اور تیسری قسم کا صرف ظن و گماں تھا۔ اسی لئے اس حقیر نے خطوط اور رسالوں میں ان دو، بلکہ صرف دوسری وجہ کو لکھا ہے۔ اور توحید وجودی کو اس میں منحصر کیا ہے۔ لیکن ارشاد پناہی، قبلہ گاہی (حضرت خواجہ محمد الباقی قدس سرہ) کی رحلت کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف کی تقریب زیارت کے لئے آفات سے محفوظ شہر دہلی میں آنے کا اتفاق ہوا۔ عید کے دن مزار شریف کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا۔ مزار مبارک کی طرف توجہ کے دوران آپ کی روحانیت کی پوری توجہ اس فقیر کی جانب مبذول ہوئی اور کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ جو حضرت خواجہ احرار قدس

Marfat.com

سرہ کی طرف منسوب تھی، عطا فرمائی۔ فقیر نے جب اس نسبت کو اپنے اندر پایا تو بالبداہت ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق پالیا اور معلوم ہوا کہ ان میں توحید وجودی کا منشاء انجذاب قلبی اور غلبہ محبت نہیں ہے، بلکہ اس کا معرفت سے مقصود، اس غلبے کا ہلکا کرنا ہے۔ ایک مدت تک اس معنی کا اظہار مناسب نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب بعض رسائل میں صرف پہلی دو وجہوں کا ذکر ہوا تو کم فہم لوگ اس سے وہم میں پڑ گئے کہ اس بیان سے ان دو بزرگوں (خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ اور باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ) کی تنقیص لازم آتی ہے کہ ان کا طریقہ ارباب توحید کا طریقہ ہے۔ تو لوگوں نے اس فقیر کے حق میں فتنہ انگیزی کی زبان دراز کی یہاں تک کہ اس فقیر کے بعض کم عقیدت مریدوں کے احوال میں سستی کا باعث بن گئی تو ضرورتاً توحید کی اس قسم کے اظہار میں مصلحت دیکھی اور دلیل کے طور پر اس واقعے (یعنی زیارت قبر پیرومرشد) کو بطور دلیل ذکر کرنا مناسب جانتے ہوئے تحریر فرمایا کرتے تھے کہ "لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ارباب توحید کی کتابوں کے مطالعے سے نسبت حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مطالعہ کتب سے تو صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کے لئے ہی سہی، اپنے آپ کو غافل کریں۔" یہ کلام پہلے کلام کی تائید کرتا ہے۔

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق (محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ) جو ہمارے خواجہ (باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ) کے مخلصین میں سے ہیں، نے نقل کیا ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ نے ایام رحلت سے تھوڑے دن پہلے فرمایا تھا اگرچہ ہم اس سے پہلے بھی جانتے تھے لیکن اس قسم کا یقین ابھی ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرکار آپ کا مشرب بھی توحید وجودی سے مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ ابتدائے حال میں اگر اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہو تو کوئی باک نہیں۔ بہت سے مشائخ کے لئے ابتداء میں اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہے لیکن آخرکار وہ اس سے باہر نکل آئے۔"

(مکتوب نمبر ۳۹۱ مکتوبات شریف دفتر اول حصہ پنجم بنام مولانا عبدالحئ مرحوم)

(8)

وجود و عدم: "وجود" ہر چیز و کمال کا مبداء ہے۔ اور "عدم" ہر نقص و شرارت اور زوال کا منشاء ہے۔ پس "وجوب" واجب تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور عدم ممکن کا حصہ ہے تاکہ ہر خیر و کمال واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ہر طرح کا شر و نقص ممکن سے منسوب ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا فی الحقیقت ممکن کو حق جل سلطانہ کی ملک در ملک میں شریک کرنا ہے اور اسی طرح ممکن کو عین واجب تعالیٰ کہنا۔ نیز ممکن کی صفات اور افعال کو اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا عین قرار دینا سوئے ادب اور کج روی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں ایک کمینے جاروب کش کی، جو نقص اور خبث ذاتی سے داغدار ہے، کیا مجال ہے کہ آپ کو اپنے سلطان عظیم الشان کا عین جانے جو خیرات و کمالات کا منشاء ہے۔

Marfat.com

علمائے ظواہر نے ہر ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے افراد میں شمار کیا ہے غایتہ مافی الباب کلی مشکک کے طور پر وجود باری تعالیٰ کو ممکنات کے وجود سے اولیٰ واقدم کہا ہے اور ممکن کے یہ معنی کے واجب تعالیٰ کے ان کمالات وفضائل میں، جو اس کے وجود سے پیدا ہوئی ہیں شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ہی بہت بلند ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

"الکبریاء روائی والعظمہ ازاری بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہہ بند ہے۔"

اگر ظاہری علماء اس باریکی سے آگاہ ہو جاتے تو وہ ہرگز "ممکن" کے لئے "وجود" ثابت نہ مانتے اور جو خیر و کمال اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے "وجود" کی خصوصیات کے اعتبار سے "ممکن" کے لئے اس کا اثبات نہ کرتے۔

ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔

اور اکثر صوفیاء خاص کر ان کے متاخرین "ممکن" کو عین واجب جانتے ہیں اور ممکن کی صفات و افعال کو واجب تعالیٰ کی صفات و افعال کا عین گردانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہمسایہ و ہمنشین ہمرہ ہمہ اوست در دلق گدا واطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(ترجمہ) ہمسایہ اور ہمنشین اور ساتھی سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے گداگر کی گدڑی ہو یا شاہی لباس دونوں میں وہی ہے۔ فرق کی انجمن اور جمع کے نہاں خانہ میں، خدا کی قسم سب وہی ہے ہاں اللہ کی قسم سب وہی ہے۔

اگرچہ ان بزرگوں نے وجود کو شریک کرنے سے گریز کیا ہے اور دوئی سے دور بھاگے ہیں لیکن غیروجود کو وجود سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور نقائص کو کمال کہہ دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی بھی شئے کی ذات میں شرارت اور نقص نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف نسبتی اور اضافی ہے۔ زہر قاتل بھی انسان کی نسبت سے زہر قاتل ہے کہ اس کی زندگی ختم کر رہا ہے لیکن اس جاندار کی نسبت آب حیات ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے تریاق نافع ہے۔"

اس بارے میں ان پیشوا اور مقتداء کا اپنا کشف و شہود ہے۔ ان پر جو ظاہر ہوا وہی ان کے علم میں آیا۔ اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقت سے کماحقہ، آگاہ فرما۔" اس باب میں اس فقیر پر جو کچھ ظاہر کیا گیا یہ فقیر اسے تفصیل سے ظاہر کرتا ہے۔ پہلے متاخرین صوفیاء کے امام محی الدین ابن عربی کا مذہب واضح کروں گا۔ پھر جو مجھ پر ظاہر کیا گیا اس کا اظہار کروں گا تاکہ دونوں مذاہب کے درمیان مکمل طریقہ سے فرق معلوم ہو سکے اور لطافت اور خفاء کی وجہ سے دونوں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور اس کے پیروکار فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جل وعلا کے اسماء و صفات، ذات واجب تعالیٰ وتقدیس کا بھی عین ہیں۔ ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ پس اس مقام میں کسی بھی اسم اور نشان کے اعتبار سے تعدد و تکثر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تمائیز و تباین ہے غایت اس باب

Marfat.com

میں یہ ہے کہ ان اسماء صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں تمائیز و تبائن اجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو اسے تعین اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تفصیلی تمیز کو تعین ثانی سے تعین اول کو وحدت کہتے ہیں اور اسے حقیقت محمدی جانتے ہیں جبکہ تعین ثانی کو واحدیت کہا جاتا ہے اور اسے تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں اور ان دو علمی تعینات (وحدت اور واحدیت) کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بو بھی نہیں پائی اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ جو ظاہر وجود (جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں ہے) کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے اور خیالی وجود پیدا کیا ہے۔ جیسے ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو اور اس شیشے میں خیالی وجود پیدا کرے جبکہ اس عکس کا وجود صرف خیال ثابت ہو آئینے میں نہیں اور نہ ہی کسی شئے نے آئینے میں حلول کیا ہے۔ نہ آئینے پر کچھ منقش ہوا۔ اگر انتقاش ہے تو صرف خیال میں ہے۔ جو شیشے کی سطح پر وہم میں آتا ہے اور یہ خیالی اور وہمی شئے خداوند جلسلطانہ، کے فضل سے پیدا ہوئی ہے جو درست اور ٹھیک شکل میں نظر آتی ہے وہم و خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتی۔ آخرت کا دائمی ثواب و عذاب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) تعین روحی (۲) تعین مثالی (۳) تعین جسدی جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ لوگ ان تینوں تعینات کو "تعینات خارجیہ" کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔

متنزلات خمسہ ان ہی پانچ تعینات سے عبارت ہے۔ اور ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔

اور جب علم اور خارج میں سوائے ذات باری تعالیٰ اور سوائے واجب جل سلطانہ، کے اسماء وصفات کے جو عین ذات تعالیٰ و تقدس ہیں ان کے نزدیک اور کوئی چیز ثابت نہیں اور انہوں نے صورت علمیہ کو ذی صورت کا عین گمان کیا ہے شے کا شبیہہ و مثال گمان نہیں کیا۔ نیز اسی طرح اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جس نے ظاہر وجود میں نمود پیدا کیا ہے ان صورتوں کا عین تصور کیا ہے نہ کہ ان کا شبہ (تو لازماً "اتحاد" کا حکم لگا دیا اور "ہمہ اوست" کا نعرہ بلند کیا۔)

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن العربی کے مذہب کا اجمالی بیان یہی علوم ہیں اور اسی طرح کے دیگر علوم جن کو شیخ موصوف خاتم الولایتہ، کے ساتھ مخصوص جانتا ہے اور کہتا ہے کہ خاتم النبوت یہ علوم خاتم الولائیتہ سے اخذ کرتا ہے اور فصوص الحکم کے شارحین اس قول کی توجیہ میں تکلفات کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ابن العربی سے پہلے اس گروہ صوفیاء میں سے کسی نے ان علوم و اسرار کے ساتھ لب کشائی نہیں فرمائی اور نہ ہی اس طرح بیان کیا۔ وہ اگرچہ غلبہ سکر میں اناالحق اور سبحانی کہہ گئے اور ان سے توحید و اتحاد کی باتیں اظہار میں آئیں لیکن وہ حضرات اتحاد کی وجہ معلوم نہ کرسکے اور منشاء کو نہ پاسکے۔ پس شیخ اس گروہ کے متقدمین کی برہان اور متاخرین کی حجت و دلیل بنے ہیں تاہم ابھی تک مسئلہ وحدت وجود کے بہت سے دقائق پوشیدہ ہیں اور کئی مشکل راز تاحال منصہ شہود پر نہیں آئے۔ البتہ فقیر (مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ

Marfat.com

علیہ) کو ان کے اظہار کی توفیق ملی ہے اور ان کی تحریر سے مبشر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ظاہر کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات ثمانیہ جو اہل حق (اہلسنت) شکر اللہ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود نہیں۔ ضرور خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس بے چونی اور بے چگونی کی صفت کے ساتھ متمیز ہوں گی۔ نیز یہ صفات آپس میں بھی بے چونی کی صفت کے ساتھ ایک دوسری سے متمیز اور جدا ہوں گی بلکہ بے چون تمیز مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں بھی ثابت ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ مجھول الکیفیہ وسعت کے ساتھ واسع ہے۔ اور وہ تمیز جو ہمارے فہم و ادراک میں آسکتا ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے کیونکہ بعض ہونا اور جزء ہونا وہاں متصور نہیں ہو سکتا اور تحلیل و ترکیب کو حضرت جل سلطانہ میں کچھ دخل نہیں اور حالیت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور محلیت (اس میں کسی چیز کا سرایت کرنا) کی بھی وہاں گنجائش نہیں۔

مختصر یہ کہ جو ممکن کی صفات و اعراض میں سے ہے اس جناب قدس سے مسلوب ہے اس کی طرح کوئی اس کی مثل نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ اس بے چونی تمیز اور اس بے کیف وسعت کے باوجود واجب تعالیٰ جلسلطانہ کے اسماء و صفات خانہ علم میں بھی تفصیل و تمیز رکھتے ہیں۔ اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر اسم و صفت متمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے۔ مثلاً صفت علم کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے جو عدم علم ہے اور جسے جہل سے تعبیر کرتے ہیں اور صفت قدرت کا ایک مقابل ہے یعنی عجز جو عدم قدرت کا نام ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور ان عدمات متقابلہ نے بھی علم واجبی جل شانہ، میں تفصیل و تمیز پیدا کیا ہوا ہے اور اپنی مقابل صفات و اسماء کا آئینہ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے عکسوں کے ظہور کے شیشے بنے ہوئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہ عدمات اسماء و صفات کے ان عکوس کے ساتھ ممکنات کے حقائق ہیں۔ غایتہ مافی الباب بات صرف اتنی ہے کہ وہ عدمات ان ماہیات کے لئے اصول اور مورد کی طرح ہیں اور وہ عکوس ان مورد میں حلول کرنے والی صورتوں کی طرح ہیں۔ پس شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں مرتبہ علم میں وہی متمیز اسماء اور صفات ہیں اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں وہ عدمات ہیں جو اسماء اور صفات کی نقیض ہیں۔ اسماء و صفات کے ان عکسوں کے ساتھ جو ان عدمات کے آئینوں میں خانہ علم میں ظاہر ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور قادر مختار جل سلطانہ نے جب چاہا کہ ان ملی ہوئی ماہیتوں میں سے وجود ظلی کے ساتھ، جو حضرت وجود کا پرتو ہیں متصف کر کے موجود خارجی بنا دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت وجود سے اس ملی ہوئی ماہیت پر پرتو ڈال کر اسے خارجی آثار کا مبدا بنا دیا۔ پس ممکن کا وجود علم میں اور خارج میں، ممکن کی باقی صفات کے حضرت وجود کا پرتو اور اس کے کمالات کا تابع ہے۔ پس ممکن کا علم واجب تعالیٰ و تقدس کے علم کا پرتو اور ظل ہے جو اپنے مقابل منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ظل ہے کہ عجز میں، جو اس کا مقابل ہے، منعکس ہوا ہے اور اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو عدم کے آئینوں میں کہ اس کے مقابل میں منعکس ہوا ہے۔

Marfat.com

نیا وردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز ومن چیز تست

یعنی میں اپنے گھر سے کچھ نہیں لایا سب چیزیں تو نے ہی دی ہیں اور میں خود (میرا وجود) بھی تیری عطا کردہ ایک چیز ہوں۔

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل اس کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شبہ اور مثال ہے اور ایک کا ثبوت دوسرے کے لئے ممتنع ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن، واجب کا عین نہیں ہے۔ اور ممکن اور واجب کا ایک دوسرے پر حمل کرنا ثابت نہیں ہے کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اسماء صفات کا جو عکس اس عدم میں منعکس ہوا ہے ان اسماء وصفات کا شبہ اور مثل ہے نہ کہ ان صفات کا عین لہٰذا-----------

ہمہ اوست کا مقولہ درست نہیں ہوگا بلکہ ہمہ از اوست درست ہے---- کیونکہ جو چیز اپنی ذات میں ممکن ہے وہ عدم ہے اور شرارت اور نقص اور خبث کا منشاء ہے اور کمالات کی جنس سے جو کچھ ممکن سے پیدا ہوا ہے (جیسے وجود اور اس کے توابع) وہ سب کا سب اس حضرت ذات جل سلطانہ، سے اسے حاصل ہوا ہے اور ذات سبحانہ کا پرتو ہے۔ اس لئے لازماً وہی ذات سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اور اس کے ماسوا سب ظلمت اور تاریکی ہے (وہ) کیونکر ظلمت اور تاریکی نہ ہو------ حالانکہ عدم تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے۔ اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی کہ چاہئے اس مکتوب میں تلاش کریں جو میں نے اپنے مرحوم و مغفور فرزند اعظم کے نام تحریر کیا ہے جس میں وجود کی حقیقت کا بیان اور ماہیات ممکنات کی تحقیق سپرد قلم کی ہے۔

پس عالم سارے کا سارا شیخ محی الدین رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اسماء وصفات سے عبارت ہے جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کیا ہو اور خارج میں ظاہر وجود کے آئینے میں نمود اور ظہور حاصل کیا ہے۔ جبکہ فقیر کے نزدیک عالم "عدمات" سے عبارت ہے یعنی واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات۔ خانہ علم میں اس میں منعکس ہوئے ہیں اور خارج میں حق سبحانہ کی ایجاد سے وہ عدمات، اس عکوس کے ساتھ وجود ظلی کے ساتھ موجود ہیں پس عالم میں خبث ذاتی ثابت ہوگیا اور طبعی شرارت ظاہر ہوگئی اور خیر و کمال سب کا سب جناب قدس جل وعلا کی طرف راجع ہوگیا اور آیت کریمہ

اے انسان! تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

اس معرفت کی موید ہے۔

تو اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم خارج میں موجود ہے لیکن ظلی وجود کے ساتھ----
جس طرح حق سبحانہ خارج میں اصل وجود کے ساتھ موجود ہے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے----
یعنی یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح اس خارج کا ظل ہے۔ لہٰذا عالم کو حق جل وعلا سلطانہ کا عین نہیں کہہ سکتے اور ایک کا حمل دوسرے پر جائز نہ ہوگا۔ ظل شخص کو عین شخص نہیں کہہ سکتے کیونکہ خارج میں دونوں کے درمیان تغائر موجود ہے۔ کیونکہ دو چیزیں آپ میں متغائر ہوتی ہیں اور اگر کوئی شخص "ظل

Marfat.com

شخص" کو "عین شخص" کہے تو وہ بر سبیل تسامح (چشم پوشی) اور مجاز ہو گا۔ جس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

کوئی اگر یہ سوال کرے کہ شیخ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور اس کے پیروکار بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل ہی مانتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا------؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس ظل کے وجود کو وہم میں ہی گمان کرتے ہیں اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بو بھی جائز نہیں مانتے مختصر یہ کہ کثرت موہوم کو وحدت موجودہ کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں صرف ایک ذات تعالیٰ کو ہی موجود جانتے ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس اصل پر ظل کے حمل کا منشاء اور اس حمل کا نہ ہونا ظل کے لئے وجود خارجی کا اثبات ہوا اور اس وجود کا عدم اثبات----- وہ لوگ جبکہ ظل کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے اس لئے لازماً اصل پر محمول کرتے ہیں اور یہ فقیر (مجدد صاحب مرحوم) چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے اس لئے حمل میں جلدی نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصل کی نفی میں فقیر اور وہ شریک ہیں اور وجود ظلی کے اثبات میں بھی متفق ہیں لیکن یہ فقیر وجود ظلی کو خارج میں ثابت تسلیم کرتا ہے اور وہ وجود ظلی کو صرف وہم اور تخیل میں گمان کرتے ہیں۔ اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا موجود نہیں جانتے اور صفات ثمانیہ کو بھی جن کا وجود اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء کے مطابق خارج میں ثابت ہو چکا ہے صرف علم میں ثابت کرتے ہیں۔ ظاہری علماء اور انہوں (رضی اللہ عنہم) نے میانہ روی کی دو طرفوں کو اختیار فرمایا ہے اور ان دونوں کے درمیان حق کا درمیانہ درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ اور توفیق ملی ہے---- اگر وہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل پاتے تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم و تخیل پر کفایت نہ کرتے اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا بھی انکار نہ کرتے اور اگر ظاہری علماء بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی کا اثبات نہ کرتے اور وجود ظلی پر اکتفا کرتے اور وہ جو فقیر (مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ) نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق بطریق حقیقت ہے نہ کہ بطریق مجاز------ تو یہ بات اس تحقیق کے منافی نہیں ہے کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ بطریق حقیقت موجود ہے نہ کہ وہم اور تخیل کے طور پر جیسا کہ ان کا گمان ہے۔

سوال: صاحب فتوحات مکیہ (ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ) نے اعیان ثابتہ (صور علمیہ) کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس اس کے قول کے مطابق عدم بھی حقائق ممکنات میں داخل ہے۔ پس اس تحقیق اور اس قول کے درمیان کیا فرق ہو گا؟

جواب: برزخ اس اعتبار سے کہا ہے کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں ایک وجود علمی کے واسطہ سے وجود سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری عدم خارجی کے واسطہ سے عدم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اعیان نے اس کے نزدیک (ابن العربی کے) وجود خارجی کی بو بھی نہیں سونگھی اور وہ "عدم" جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے دوسری حقیقت رکھتا ہے اور اسی طرح وہ جو بعض بزرگوں کی عبارتوں میں، جن میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے، اس سے معدوم خارجی مراد ہے نہ کہ وہ عدم جس کی تحقیق مندرجہ بالا عبارت میں ہوئی ہے اور

Marfat.com

وہ ذات باری تعالیٰ و بلند و بالا ان اسماء و صفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل و تمیز حاصل کیا ہے اور وہ عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر "حقائق ممکنات" قرار پائے ہیں۔ "دراء الورا" ہے۔ پس عالم کے ساتھ اس ذات سبحانہ کی کسی طرح بھی کوئی مناسبت نہیں بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور اس ذات سبحانہ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد قرار دینا بلکہ منسوب (تک) کرنا (بھی) اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے۔

------ (مکتوب نمبر ا دفتر دوم حصہ اول بنام شیخ عبد العزیز جونپوری)

سوال: صوفیاء وحدت وجود کے قائل ہیں اور علماء اسے کفر و زندقہ جانتے ہیں حالانکہ دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں تفصیل سے لکھ دی ہے اور فریقین کے اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ تاہم جواباً چند کلمات لکھے جاتے ہیں صوفیوں میں جو وحدت وجود کا قائل ہے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتا ہے اور "ہمہ اوست" کا حکم لگاتا ہے اس کی مراد یہ نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ ہو گئی ہے یا واجب ممکن بن گیا ہے اور بے چون چون میں آگیا ہے--- کیونکہ یہ سب کفر و الحاد اور زندقہ و ضلالت ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل نہ تشبیہ--- تو سبحانہ "الان کما کان" ہے تو پاک ہے وہ جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہو سکتا ہے نہ صفات میں نہ حدوث اکوان میں اپنے اسماء کے اندر متغیر ہو سکتا ہے۔ وہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی اس صرافت اطلاق پر ہے اس نے وجود کی بلندی سے امکان کی پستی تک میلان نہیں فرمایا کہ---------

ہمہ اوست کا معنی

ہے------ کہ اشیاء نہیں ہیں اور وہ تعالیٰ و تقدس موجود ہے۔

منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ

نہیں کہ میں حق ہوں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ معنی کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب بلکہ اس کے قول کا معنی ہے "میں نہیں ہوں حق سبحانہ موجود ہے" صرف اتنی بات ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ و تقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور اس کے اسماء و صفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں۔ بے شائبہ تنزل اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر------ جس طرح سایہ شخص سے دراز ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتا کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنی اصالت کی صرافت پر ہے اور سایہ اس سے وجود میں آیا ہے بے شائبہ تغیر و تبدل---- اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کو جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمال محبت پیدا کرلی ہوتی ہے ان کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور شخص کے سوا کوئی چیز مشہور نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگ کہیں کہ سایہ شخص کا عین ہے یعنی سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے اور بس۔

اس تحقیق

سے لازم ہے آیا کہ صوفیاء کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق جل سلطانہ کا عین پس اشیاء

Marfat.com

حق سے ہیں نہ کہ حق جل شانہ ہیں۔ پس ان کے اس کلام "ہمہ اوست" کا معنی "ہمہ از وست" ہے جو علماء کرام کا مختار ہے اور علماء کرام پر صوفیائے عظام کثرہم اللہ سبحانہ الی یوم القیامہ کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتی اور دونوں طبقوں کا مال و انجام ایک بن جاتا ہے البتہ اس قدر فرق ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ حلول اور اتحاد کے وہم سے محفوظ رہ سکیں۔

سوال: صوفیاء اشیاء کو ظہورات قرار دینے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں اور خارج میں حق سبحانہ کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں لہٰذا فریقین کے درمیان نزاع معنوی ثابت ہو گئی۔

جواب: صوفیاء اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں اور اسے ارادتاً خارجی کہتے ہیں اور وہمی خارجی کثرت کا انکار نہیں کرتے اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس وہمی وجود نے جو خارج میں نمود پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے وجودات خارجیہ میں سے نہیں جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے اور قیام و استقرار نہ رکھ سکے۔ بلکہ یہ وہمی وجود اور خیالی نمود چونکہ حق تعالیٰ کے فعل اور اس کی بلند ذات کی قدرت کاملہ کے انتقاش سے ہے۔ اس لئے زوال اور خلل سے محفوظ ہے اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سوفسطائی جو عالم کو اوہام و خیالات جانتا ہے اشیاء کے زوال اور وہم کے زوال سے متعلق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے نفس امر میں وجود و ثبوت نہیں رکھتے۔ اگر آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد سے آسمان ہے اور اگر شیریں چیز کو تلخ جانیں تو تلخ ہے اور تلخ ہمارے اعتقاد سے شیریں---- مختصر یہ کہ بے عقل لوگ صانع مختار جل سلطانہ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو اس بلند ذات کی ساتھ قائم نہیں جانتے تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

پس صوفیاء اشیاء کو خارج میں وجود وہی جو قیام و استقرار رکھتا ہے اور وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتا ثابت کرتے ہیں اور اس جہان کو جو دائمی اور ابدی ہے اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں۔ علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں اور احکام خارجی ابدی اس پر مرتب کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اشیاء کا وجود حق جل وعلا کے پہلو مین ضعیف و محیف تصور کرتے ہیں اور ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کی نسبت نیست جانتے ہیں۔ پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا کیونکہ اس دنیا اور آخرت کے احکام اس سے وابستہ ہیں۔ اور وہم و خیال کے ارتفاع سے اس کا زوال نہیں ہوتا------ تو نزاع ختم ہو گئی اور خلاف دور ہو گیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیا اسے وجود وہمی کہتے ہیں اس بناء پر کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور وجود حق کے سوا نہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ علماء اس وجود پر وہم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں اور وجود وہمی نہیں کہتے تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے زوال کا اعتقاد نہ کرلے اور اس طرح ثواب و عذاب ابدی سے انکار کر بیٹھے۔

Marfat.com

سوال: صوفیاء جو اشیاء کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود قیام و استقرار کے باوجود نفس امری نہیں ہے۔ صرف وہم میں ہے اور نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں اور علماء اشیاء کو خارج میں نفس امری وجود کے ساتھ موجود مانتے ہیں اس لئے نزاع و اختلاف باقی رہا۔

جواب: وجود وہمی اور وجود خیال جبکہ وہم و خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا تو نفس امری ہو گیا اس لئے کہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کریں تب بھی یہ وجود ثابت رہتا ہے۔ ان کے زوال سے ہرگز زائل نہیں ہوتا اور واقع اور نفس الامر کے یہی معنی ہیں۔ البتہ اس قدر ہے کہ جو نفس الامر ممکن کے وجود میں ثابت کیا جاتا ہے۔ اس نفس الامر کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے لاشئی کا حکم رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ اسے موہومات اور متخیلات میں سے شمار کیا جائے جس طرح کلی مشکک کے افراد کہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ جس طرح ممکن کا وجود کہ واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشئی کا حکم رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ اسے عدمات میں شمار کیا جائے۔ لہٰذا فی الحقیقت کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔

سوال: جب اشیاء کا وجود نفس الامری ہو گیا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں ابتداء رواں اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو اور یہ وحدت وجود کے منافی رہے۔ جو صوفیاء وجودیہ کے ہاں طے شدہ امر ہے۔

جواب: دونوں چیزیں نفس امری ہیں۔ وحدت وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری ہے لیکن جبکہ جہت اور اعتبار مختلف ہے، اجتماع نقیضین کا وہم بھی مرتفع ہے یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے یعنی زید کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے در حقیقت آئینے میں کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ صورت نہ آئینہ کے حجم میں موجود ہے اور نہ ہی آئینہ کی سطح میں بلکہ آئینہ میں اس صورت کا وجود وہم کے اعتبار سے ہے اور آئینے میں اراۂ خیالی سے زیادہ اس کا ثبوت نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے اسے اس کلام میں عقلاً و شرعاً سچا جانتے اور حق پر گمان کرتے ہیں اور جبکہ قسموں کا مبنی حق پر ہے اس لئے اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید کی شکل آئینے میں دیکھی ہے تو چاہئے کہ حانث نہ ہو پس اس صورتمیں آئینے میں صورت زید کا عدم حصول بھی نفس امری ہے او تخیل و توہم کے اعتبار سے آئینے میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے لیکن پہلا نفس امر مطلقاً نفس امر ہے اور یہ دوسرا نفس امر توہم و تخیل کے واسطہ سے عجب معاملہ ہے توہم و تخیل کا اعتبار جو نفس امر کے منافی ہے یہاں وہی نفس امر کا محصل بن گیا ہے اس لئے کہ اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفس امر کا حصول و ثبوت نہ ہوتا۔

دوسری مثال: نقطہ جوالہ ہے جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرے کی صورت پیدا کرلی ہے۔ یہاں خارج میں دائرے کا عدم حصول بھی نفس امری ہے اور توہم و تخیل سے بھی خارج میں اس کا حصول نفس امری ہے لیکن دائرے کا عدم حصول مطلقاً نفس امری ہے اور اس کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفس امری ہے تو پہلا مطلق اور دوسرا مقید ہے --- تو ہماری اس بحث میں وحدت وجود مطلق نفس امری ہے اور تعدد وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفس امری ہوا ہے پس اطلاق و تقید کے ملاحظہ سے

Marfat.com

ان دونوں میں بلحاظ نفس الامر تناقض نہ رہا اور اجتماع نقیضین ثابت نہ ہوا۔

سوال: یہ وہمی وجود محض اختراع وہم سے حاصل نہیں ہوا کہ وہم کا زوال فرض کر لیا جائے تو وجود وہمی اور نمود خیالی کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب: یہ وہمی وجود محض اختراع وہم سے حاصل نہیں ہوا کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ جل وعلا کے فعل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا اور استحکام پیدا کیا ہے اس بناء پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسے مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا ہے اور جب اس بلند ذات کا فعل "خلق" ہے تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا زوال و خلل سے محفوظ ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب اسے پیدا کیا تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ چاہے جس مرتبہ میں بھی ہوگا۔ اگرچہ نفس نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبہ میں اس کی پیدائش نفس امری ہے اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو مرتبہ ایجاد میں پیدا فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لئے حصول و ثبوت نہیں ہے مگر صرف حس و وہم میں---- جیسے ایک شعبدہ باز غیر واقع اشیاء کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور ایک چیز کو دس چیزیں کر کے دکھاتا ہے حالانکہ ان دس چیزوں کے لئے حس و وہم کے سوا کوئی ثبوت نہیں اور نفس امر میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا ہے اگر قدرت کاملہ خداوندی جل سلطانہ سے ثبات و استقرار پیدا کر دیں اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ کر لیں تو وہی دس چیزیں نفس الامری بن جائیں گی۔ تو اس اعتبار سے وہ دس چیزیں نفس امری ہیں بھی اور نہیں بھی----- لیکن دو اعتبار سے----- اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کر لی جائے تو معدوم ہیں اور اگر حس و وہم کا لحاظ کیا جائے تو موجود ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ بلاد ہندوستان میں چند شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے شعبدہ بازی کی اس درمیان میں طلسم و شعبدہ سے باغ اور آم کے درخت لوگوں کے سامنے لائے اور ایک عارضی نمود سے انہیں ظاہر کیا اور انہوں نے اسی مجلس میں یہ بھی دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہوئے اور انہیں پھل بھی لگا اور اہل مجلس نے ان پھلوں سے کچھ کھائے بھی------ عین اسی وقت بادشاہ نے ان شعبدہ بازوں کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ اگر ظہور شعبدہ کے بعد شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ قدرت خداوندی جل سلطانہ سے اپنی اصلی حالت میں موجود رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو آم کے وہ درخت قدرت خداوندی جل سلطانہ سے اپنی حالت میں موجود رہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اسی وقت تک موجود ہیں اور لوگ ان کے میوے کھاتے ہیں اور اللہ کی ذات کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

پس متنازعہ فیہ صورت میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امر میں کوئی موجود نہیں ہے اپنی قدرت کاملہ سے اسمائی اور صفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس و وہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے اور وجود وہمی اور ثبوت خیالی سے ان کمالات کو اشیاء کے آئینوں میں جلوہ گر کیا ہے۔ یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا تو انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی پیدا کیا۔ لہٰذا اشیاء کی ہستی نمود خیال کے اعتبار سے ہے لیکن جبکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے

Marfat.com

اس نمود کو استقرار و اثبات عطا فرمایا ہے اور اشیاء کی آفرینش میں استواری و استحکام کی رعایت ہے اور معاملہ ابدی کو ان سے مربوط کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری ہو چکا ہے اور خلل سے محفوظ ہو گیا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے موجود ہیں بھی اور نہیں بھی---- لیکن دو مختلف اعتبار سے جیسا کہ مکرر گزرا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ جو علمائے محققین میں سے تھے فرماتے تھے کہ قاضی جلال الدین آگروی نے جو متبحر علماء میں سے تھا۔ مجھ سے پوچھا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت------ اگر وحدت ہے تو شریعت جس کا مبنی احکام متبائنہ اور متمائزہ ہیں، باطل ہوتی ہے اور اگر نفس الامر میں کثرت ہے تو ان صوفیاء کا قول باطل ہوتا ہے جو وحدت وجود کے قائل ہیں------ ہمارے والد ماجد قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دونوں نفس الامری ہیں اور اس کی وضاحت بھی فرمائی------ فقیر کو یاد نہیں آرہا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ جو کچھ فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے تحریر کر دیا گیا ہے۔ والامر الی اللہ سبحانہ

پس جو صوفیاء وحدت وجود کے قائل ہیں حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کے معتقد ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیاء کے حالات کے مناسب "وحدت" ہے اور علماء کے حالات کے مناسب "کثرت" کیونکہ شرائع کی بناء کثرت پر ہے اور احکام کا تغایر کثرت سے وابستہ ہے---- اور انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات کی دعوت اور اخروی تنعیم و تعذیب بھی کثرت سے متعلق ہے اور جب حضرت سبحانہ وتعالیٰ مطابق فاحببت ان اعرف (میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں) کثرت کو چاہتا اور ظہور کو پسند کرتا ہے---- تو اس "مرتبہ" کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی تربیت اللہ رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ سلطان ذیشان کے لئے نوکر چاکر ہونے چاہئیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے لئے خواری، محتاجی اور شکستگی درکار ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے اور اس کے مقابلے میں کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح----- اسی طرح اس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں اور اس عالم کو عالم مجاز---- لیکن چونکہ ظہورات اس بلند ذات کو پیارے لگتے ہیں اور اس نے اشیاء کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے اور قدرت کو لباس حکمت میں لایا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اس بناء پر وہ حقیقت، حقیقت مہجورہ کی طرح ہو گئی ہے اور یہ مجاز متعارف ہو چکی ہے۔ نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور اس سے پیدا ہونے والا دائرہ مجاز کی طرح لیکن وہاں حقیقت مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے مجاز ہے۔

(مکتوب نمبر ۴۴ بنام محمد صادق ولد محمد مومن مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ دفتر دوم حصہ اول)

قارئین کرام! آپ نے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات عالیہ ملاحظہ فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ پر آپ کے ارشادات و فرمودات مختلف مکتوبات میں اور بھی اکثر مقامات پر ملتے ہیں۔ اور ہر مکتوب میں انداز بیان اور ندرت ارشاد مکتوب الیہ کے مرتبہ و مذاق کے مطابق

Marfat.com

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کے مصداق مختلف ہے۔ تاہم ان صفحات میں آپ کے جملہ خیالات کا پر تو گوناگوں تناظرات میں کافی سے زیادہ حد تک سامنے آگیا ہے۔ امید ہے کہ مندرجات سالکان و قارئین کو مفید ثابت ہوں گے مزید اقتباسات طوالت کے خوف سے قلم انداز کر دیئے ہیں۔ (ناچیز ذرر آفاقی)

(شکریہ ماہنامہ نور الاسلام شرقپور بابت ماہ جنوری فروری ۱۹۸۸ء خصوصی شمارہ مجدد الف ثانی نمبر جلد دوم زیر ادارت صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری صفحہ ۲۸۹ تا ۳۲۴

شاہ ولی اللہ اور فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں اپنے روحانی مکاشفات کی حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"امابعد ------ بندۂ ضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم (خدا ان دونوں پر لطف و مہربانی فرمائے، اور ان کو اپنی رحمت کے دامن میں ڈھانپے) عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت، جس سے کہ اس نے مجھے سرفراز فرمایا یہ ہے کہ ۱۱۴۳ھ اور اس کے بعد کے سال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے مقدس گھر کے حج کی، اور اپنے نبی علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی زیارت کی توفیق دی۔ لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی سعادت جو مجھے میسر آئی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطن اور معرفت حقائق کا ذریعہ بنایا اور اسے محض حجاب اور بے علمی کا حج نہیں رہنے دیا اور اسی طرح اس نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا، اور اسے بے بصری اور اندھے پن کی چیز نہ رہنے دیا۔ الغرض اس حج و زیارت کے ضمن میں مجھے جو نعمت عطا کی گئی، وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے۔ اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حج کے ان مشاہدات باطنی میں جو اسرار و رموز مجھے تلقین فرمائے ہیں، ان کو ضبط تحریر میں لے آؤں، اور نیز نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی روحانیت سے اپنی زیارت کے دوران میں جو کچھ میں نے استفادہ کیا ہے، اس کو لکھ دوں تاکہ ایک تو یہ چیز خود میرے لئے ایک یادداشت کا کام دے، اور دوسرے میرے اور بھائیوں کو اس سے بصیرت حاصل ہو سکے۔ میرا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر جو اس نعمت کا شکریہ عائد ہوتا ہے، شاید اس طرح میں اس کا کچھ حق ادا کر سکوں گا۔

چنانچہ آپ کو پہلے مشاہدہ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں روشنی ملی اور آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ والوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ اور ان میں ایک گروہ ذکر و اذکار کرنے والوں اور نسبت یادداشت کے حاملوں کا ہے۔

(یادداشت عبارت ہے۔ ذات واجب الوجود کی طرف خالص توجہ کرنے سے۔ ایسی توجہ جو الفاظ اور تخیلات سے مجرد ہو) (مترجم)

Marfat.com

ان کے دلوں پر انوار جلوہ گر ہیں، اور ان کے چہروں پر تروتازگی اور حسن و جمال کے آثار نمایاں ہیں اور یہ لوگ عقیدہ وحدت الوجود کے قائل نہیں۔

میں نے دیکھا کہ اللہ والوں کی اس جماعت میں ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو عقیدہ وحدت الوجود کو مانتا ہے، اور اس کائنات میں ذات باری کے وجود کے جاری و ساری ہونے کے متعلق وہ کسی نہ کسی شکل میں غور و فکر کرنے میں مشغول بھی ہے۔ اور چونکہ اس غور و فکر کے ضمن میں ان سے ذات حق کے بارے میں جو کل عالم کے انتظام میں بالعموم اور نفوس انسانی کی تدبیر میں بالخصوص مصروف کار ہے، کچھ تقصیر ہوئی ہے، اس لئے میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں ایک طرح کی ندامت ہے اور ان کے چہرے سیاہ ہیں اور ان پر خاک اڑ رہی ہے۔

میں نے ان دونوں گروہوں کو آپس میں بحث کرتے پایا۔ ذکر و اذکار والے کہہ رہے تھے کہ کیا تم ان انوار اور اس حسن و تازگی کو نہیں دیکھتے جن سے ہم بہرہ یاب ہیں۔ اور کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہمارا طریقہ تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ ان کے خلاف عقیدہ وحدت الوجود کے قائل کہہ رہے تھے کہ کیا ذات حق میں کل موجودات کا سما جانا یا گم ہو جانا امر واقعہ نہیں؟ اب صورت یہ ہے کہ ہم نے اس راز کو پالیا۔ جس سے تم بے خبر ہے، ظاہر ہے کہ اس معاملے میں تم پر ہمیں فضیلت حاصل ہے۔

ان دونوں گروہوں میں اس بحث نے جب ایک طویل نزاع کی شکل اختیار کرلی تو انہوں نے مجھے اپنا حکم (ثالث) بنایا اور اس مسئلہ کو فیصلے کے لئے میرے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ میں نے ان کا حکم بننا منظور کیا اور اس ضمن میں، میں نے یوں گفتگو کی۔

بات یہ ہے کہ علوم حقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علوم جن سے نفوس کی تہذیب و اصلاح ہوتی ہے، اور دوسرے وہ علوم جن سے نفوس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نفوس انسانی میں الگ الگ استعدادیں ودیعت فرمائی ہیں۔ اور ان نفوس میں سے ہر ہر نفس اپنی اپنی استعداد کے مطابق علوم حقہ کا ذوق رکھتا ہے چنانچہ جب کوئی نفس علوم حقہ میں سے ان علوم میں جو خاص اس کے ذوق کے مطابق ہوتے ہیں اور ان سے اس کی طبیعت کو مناسبت ہوتی ہے، پوری طرح مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس نفس کی تہذیب و اصلاح ہو جاتی ہے۔ بے شک وحدت الوجود کا یہ مسئلہ جو اس وقت مابہ النزاع ہے واقعہ یہ ہے کہ علوم حقہ میں سے ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ تم دونوں کے دونوں گروہ نہ تو اس کے اہل تھے، اور نہ یہ چیز تمہارے ذوق اور مشرب کے مطابق تھی۔ اس لئے تمہارا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ جس طرح ملاء اعلیٰ کے فرشتے بارگاہ حق میں تضرع و نیاز مندی کرتے ہیں۔ تم بھی ان کی طرح وجود باری کی اس حقیقت کی طرف جو سب کو جامع ہے، یکسر متوجہ ہو جاتے۔

اب رہا ذکر و اذکار والے اصحاب انوار کا معاملہ، سو بات یہ ہے کہ گو وہ مسئلہ وحدت الوجود سے تو بے خبر رہے، لیکن علوم حقہ میں سے وہ علوم جو خود ان کے ذوق اور مشرب کے مطابق تھے، وہ انہیں حاصل تھے اور ان کی وجہ سے ہی ان کے نفوس کی تہذیب و اصلاح ہو گئی۔ چنانچہ جس درجہ کمال تک پہنچنے کی استعداد لے کر وہ پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح وہ اس درجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ باقی رہا وحدت

Marfat.com

الوجود پر اعتقاد رکھنے والوں کا معاملہ، تو گو اس مسئلہ میں اصل حقیقت تک تو ان کی رسائی ہو گئی۔ لیکن علوم حقہ میں سے وہ علم جن سے ان کی طبیعت کو قدرتی مناسبت تھی، وہ انہیں نصیب نہ ہوئے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب انہوں نے اپنے خیالات کو فکر کی اس وادی میں جہاں کہ وہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ موجودات عالم میں وجود حق کس طرح جاری و ساری ہے۔ بے عناں چھوڑا تو ان کے ہاتھ سے ذات حق کی تعظیم، اس سے محبت، اور موجودات سے اس کے ماوراء اور منزہ ہونے کا سررشتہ چھوٹ گیا۔ اور دراصل یہی وہ سررشتہ ہے جس کے ذریعے ملاء اعلیٰ کے فرشتوں نے اپنے رب کو پہچانا اور ان سے افلاک کی قوتوں نے اپنی فطری استعداد کی بناء پر عرفان الٰہی کے اس سررشتہ کی وراثت پائی، اور پھر آگے چل کر اس عالم کی یہ ساری فضاء ان کی معرفت سے بھر گئی۔ اب جو نفوس ذات حق کی تعظیم، اس کے ساتھ محبت، اور موجودات سے اسے منزہ ماننے کی اس معرفت کے وارث نہ ہوئے تو اس کی وجہ سے نہ تو ان کی تہذیب و اصلاح ہو سکی، اور نہ وہ اپنے مقصد حیات ہی کو پا سکے۔

الغرض اے وحدت الوجود کو ماننے والو اور وجود حق کو موجودات عالم میں جاری و ساری جاننے والو! تم میں سے اس گروہ نے اس راز کو زبان سے نکالا جو اس کا اہل نہ تھا۔ اور وہ گروہ جس کے مشرب اور ذوق کے مطابق یہ علم تھا، وہ خاموش رہا۔ اب تم میں بعض ایسے مسخ شدہ لوگ ہیں، جو اس راز سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور اس ضمن میں حصول کمال کے لئے عقل و خرد کی جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے، اور وہ نتیجہ ہوتی ہیں فلکی عناصر کی تاثیرات کا، وہ تم میں سرے سے غائب ہیں۔ ان حالات میں قدرتی بات تھی کہ وحدت الوجود کے اس مسئلے کی وجہ سے تمہارے دلوں میں ندامت اور تمہارے چہروں پر سیاہی ہوتی۔ حقیقت میں اس راز کا اہل تو وہ شخص ہے جس میں عقل و خرد کی یہ صلاحیتیں برومند اور تر و تازہ ہوں، اور اس عالم میں مظاہر و اشکال کے جو تہ بہ تہ حجابات ہیں، انہوں نے اس کی ان صلاحیتوں کو بے اثر نہ کر دیا ہو۔

میں نے اتنا کہا تھا کہ وہ اس مسئلے کو سمجھ گئے۔ اور انہوں نے اس کا اعتراف بھی کر لیا۔ پھر میں نے ان کو بتایا کہ یہ وہ اسرار ہیں جو خاص طور پر مجھے رب کی طرف سے عطا فرمائے گئے تاکہ میں اس معاملے میں تمہارے ان اختلافات کو حل کر سکوں۔ باقی تعریف تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

میں یہ کہہ چکا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں بیدار ہو گیا۔

قدیم حکمت میں انسانوں کی بعض خصوصیات اور استعداد کو فلکی عناصر یعنی نجوم و کواکب کی تاثیرات کا نتیجہ مانا جاتا ہے۔ (مترجم) (فیوض الحرمین مترجم صفحہ ۵۷)

بعض مشہور صوفیائے کرام کے مختصر حالات

Marfat.com

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ: ابوالقاسم جنید بن محمدؒ (رسالہ قشیریہ) المعروف بہ جنید بغدادی----- (الخزاز--- القواریری، النہاوندی) حضرت سری سقطی کے بھتیجے یا بھانجے تھے۔ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے مگر نشوونما عراق میں ہوئی۔ آپ کے والد کانچ کا کاروبار کرتے تھے اس لئے القواریری بھی کہلائے۔ سری سقطی کے مرید تھے۔ فقہ کا مطالعہ ابوثور (ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی--- آپ نے محمد بن ادریس شافعی، سفیان بن عیینہ اور وکیع وغیرہ سے حدیث سنی - م-۲۴۰) کی نگرانی میں کیا اور حارث المحاسبی (ابوعبداللہ، حارث بن اسد الغنزی--- بصرہ میں پیدا ہوئے۔ شافعی فقہ کے پیرو تھے۔ ۲۴۳ھ میں بغداد میں وفات پائی) کی صحبت میں بھی رہے۔ انہی کے ساتھ تصوف پر بحث کیا کرتے تھے۔ ابو نعیم اصفہانی نے حلیتہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ محاسبی ہر سوال کا مدلل جواب دیتے، تو جنید اسے یاد کر لیتے چنانچہ بعد ازاں ان جوابات کو حضرت جنید بغدادی نے قلمبند کر دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۴۸۴)

محاسبی کے ساتھ آپ کو بھی "صاحب صحو" راسخ العقیدہ صوفیہ کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں آپ کو----- سید الطائفہ طاؤس الفقراء اور شیخ المشائخ کے القاب بھی دیئے گئے۔ لوگ آپ کی بڑے عزت کرتے تھے۔ بیس سال کی عمر میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ محاسبی کے علاوہ سری سقطی اور محمدؒ بن علی قصاب (ابو جعفر--- بغداد میں رہتے تھے، صوفی تھے، جنید رحمتہ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ ۲۷۵ھ میں وفات پائی) کی صحبت میں بھی رہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ لوگ مجھے سری سقطی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ محمد قصاب میرے استاد ہیں (تاریخ بغداد ج نمبر ۳ صفحہ ۶۳) آپ نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ آپ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ عارف وہ ہے کہ تو خاموش رہے اور وہ تیرے دل کی بات کہہ دے۔

فرمایا--- میں نے تصوف قیل و قال سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوکے رہنے، دنیا کو ترک کرنے اور پسندیدہ اور مستحسن چیزوں سے قطع تعلق کرنے سے حاصل کیا ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

فرمایا---- اللہ تک جانے کا راستہ صرف اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر عمل ہے۔ باقی سب راستے بند ہیں۔

وفات: ابوبکر عطوی وفات کے وقت جنید بغدادی کے پاس تھے۔ آپ نے قرآن مجید ختم کرکے پھر سے پارہ اول کی تلاوت شروع کی---- اور ستر آیات پڑھنے پائے تھے کہ دم نکل گیا--- انا للہ وانا الیہ راجعون ○ کشف المحجوب میں ہے کہ آپ اپنے شیخ کی موجودگی کی وجہ سے کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواب میں حکم دیا کہ اب لوگوں کو راہ ہدایت بتا دیا کرو۔ سری سقطی نے بھی اسی صبح کو ان کے پاس ایک مرید کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ اب حضورؑ علیہ السلام کا حکم ٹالنا تو ممکن نہیں ہوگا! اس سے جنید رحمتہ اللہ علیہ کو پتہ چل گیا کہ شیخ اس کی باطنی کیفیت سے باخبر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

Marfat.com

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ: آپ کا نام بایزید طفور بن عیسیٰ بن سروشان---- آپ کے بزرگ مجوسی تھے۔ آپ کے دادا آدم نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ آپ ولایت قومس کے شہر بسطام میں ۱۳۶ھ یا ۱۳۱ھ یا ۱۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن الجوزی آپ کی عمر ۷۳ سال اور سال وفات ۲۶۱ھ لکھا ہے۔ (صفتہ الصفوۃ جلد نمبر ۳ صفحہ ۹۴-۸۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۶ھ) اس لحاظ سے آپ کی ولادت ۱۸۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بسطام میں ہے۔

آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن آپ کے کوئی پانچ سو اقوال نقل کئے جاتے ہیں جو تصوف سے تعلق رکھتے ہیں اور سالک کے مختلف مقامات کی خبر دیتے ہیں۔ بایزید بسطامی حضرت ذوالنون مصری کے دوست تھے۔ جنید بغدادی نے بایزید بسطامی کے ملفوظات کی شرح بھی لکھی تھی، جس کے بعض حصے ابو نصر السراج کی اللمع میں محفوظ ہیں۔

تصوف میں ابو یزید کے استاد ابو علی السندی تھے جنہوں نے آپ کو وحدت سری سے متعارف کیا۔ وہ عربی نہیں جانتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ صفحہ ۹۳۲) قرآن و حدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ طریقت اور معرفت کی خاطر تیس سال تک علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد شیخ عطا نے ایک سو تیرہ لکھی ہے۔ مشہور ہے کہ آپ نے روحانی طور پر حضرت حبیب عجمی سے فیض پایا۔ ان سے آپ نے خلافت رسول شاہی اور حضرت عین الدین شامی سے خلافت کلی پائی۔ (تواریخ آئینہ تصوف) تصوف میں ایک کرد بھی آپ کے استاد تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت یوں ہے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ---- امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ (م-۱۵ الرجب ۱۴۸ھ) ---- حضرت قاسم بن محمد (م-۱۰۷ھ) ---- حضرت سلمان فارسی (م-۱۰ رجب ۳۳ھ) ---- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (م-۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ) ---- حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بدعت اور اعتزال کو نعرۂ تکبیر و رسالت کی ہیبت سے لرزہ براندام کر دیا۔ علمائے سوء اور معتزلہ نواز سلاطین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ نے سنت نبویؐ اور شریعت مطہرہ کو زندہ کیا۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

"تیغ ایوبی نگاہ بایزید
گنج ہائے ہر دو عالم راکلید"

یعنی بایزید کی نگاہ صلاح الدین ایوبی کی تیغ کا کام کرتی تھی اور وہ دونوں جہان کے خزائن کی کنجی تھی۔ اے۔ جے۔ آربری نے اپنی کتاب (Muslim Saints and Mystics) میں آپ کی والدہ ماجدہ کے حوالہ سے لکھا ہے (صفحہ ۱۰۱) کہ جب آپ ابھی ماں کے شکم میں تھے اور آپ کی والدہ اگر کبھی کوئی شبہ والا لقمہ کھانے لگتیں تو آپ پیٹ میں مضطرب ہو جاتے۔ چنانچہ آپ کی والدہ وہ لقمہ پھینک دیتیں یہی کرامت تذکرہ الاولیاء میں بھی ملتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے۔

سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لوگوں نے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے حال میں کیا کہتے ہیں "فرمایا---- ہم کو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کچھ کہنے کا اختیار نہیں کیونکہ جو کچھ ہم کہیں گے وہ سب ہم ہی ہوں گے کیونکہ انبیاء کا ادراک ہمارے لئے

Marfat.com

نہاں ہے۔(کشف المحجوب اردو صفحہ ۳۲۱)

امام ابو القاسم عبد الکریم قشیری

آپ ماہ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں بمقام استوا پیدا ہوئے' آپ کے بزرگ عرب سے اٹھ کر خراسان کے نواح میں آباد ہو گئے تھے' والد کی طرف سے آپ قشیری اور والدہ کی طرف سے سلمی تھے آپ کے والد کا نام ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ ہے' بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تو ابو القاسم الالیمانی کے پاس چلے گئے اور ان سے ادب اور عربی کی تعلیم پائی' پھر نیشاپور چلے گئے تاکہ علم حساب سیکھیں تو شاید ملازمت حاصل ہو سکے لیکن یہاں صاحب کشف و کرامت بزرگ ابو علی الحسن بن علی الدقاق نیشاپوری سے ملاقات ہو گئی اور علم حساب کو بھول کر ان کے مرید ہو گئے' ابو علی دقاق نے قشیری کو شرعی علوم حاصل کرنے کا حکم دیا' چنانچہ آپ ابو بکر محمد بن ابی بکر طوسی (متوفی - ۴۰۵ھ) کے درس میں شامل ہو گئے پھر ابو بکر بن فورک (م - ۴۰۶ھ) سے تعلیم اصول میں مہارت حاصل کی' پھر استاد ابو اسحق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (م - ۴۱۸ھ) کے مدرسہ میں جانے لگے' اسی مدرسہ میں بیہقی (م - ۴۵۸ھ) اور قاضی ابو الطیب الطبری (م - ۴۵۰ھ) نے بھی تعلیم پائی تھی امام قشیری کا حافظہ بڑا تیز تھا ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ وہ ابو علی دقاق کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہے۔

شادی: ابو علی دقاق نے اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد قشیری سے کر دیا' اس طرح متاہل زندگی کا آغاز ہوا آپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی' ساری اولاد فاطمہ کے بطن سے ہی تھی۔

ہجرت: ۴۴۵ھ میں سلطان طغرل بک کے وزیر ابو نصر منصور بن الکندری جو معتزلی اور رافضی تھا کی شرارت سے وقت کے علماء پر افتاد پڑی' چنانچہ قشیری کو بھی وطن چھوڑنا پڑا اور وہ بغداد چلے گئے' عبد اللہ الحسین اور ابو بکر خطیب نے آپ کے بغداد آنے کی تاریخ ۴۴۸ھ بتائی ہے' (التصوف والمتوصفہ صفحہ ۵۵' طبقات شافعیہ ج ۳ صفحہ ۲۴۵) پھر آپ حج کے لئے چلے گئے' اس وقت الکندری کے فتنہ سے متاثرہ چار سو علماء و فضلا حج پر اکٹھے ہو گئے تھے انہوں نے قشیری سے خطبہ کے لئے کہا تاکہ حالات کے تحت کوئی راہ نکالی جائے' کہ کہاں جائیں' قشیری منبر پر بیٹھے آسمان کی طرف دیکھتے رہے' پھر سر جھکائے رہے' پھر اپنی داڑھی کو پکڑ کر فرمانے لگے۔

خراسان کے لوگو! تم اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاؤ' مجھے مشاہدہ ہوا ہے کہ الکندری کو ٹکڑے کر دیا گیا ہے' ادھر بادشاہ نے اس گھڑی اور اسی دن الکندری کے ٹکڑے کروا کر مختلف شہروں میں اس کے اعضاء لٹکوا دیئے' ابن اثیر نے الکندری کے قتل کی تاریخ ۴۵۰ھ دی ہے۔ قشیری نہ صرف صوفی' زاہد اور پاکباز تھے بلکہ فن سپہ گری کے بھی ماہر تھے' ابن خلکان وفیات الاعیان (ج نمبر ۲ صفحہ ۳۷۶) میں لکھتے ہیں کہ آپ کو گھڑ سواری اور نیزہ بازی وغیرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا' لیکن آپ نے ابو علی دقاق کی زندگی میں ہی وعظ و نصیحت شروع کر دی تھی اور طالبان راہ کو منزل سے آشنا کرتے رہے۔

Marfat.com

وفات: قشیری نے ۱۶ ربیع الآخر اتوار ۴۶۵ھ کو وفات پائی اور اپنے شیخ ابو علی دقاق کے پہلو میں دفن ہوئے۔

املاء حدیث: قشیری نے ۴۳۷ھ میں نیشاپور میں املاء حدیث کا آغاز کیا تھا، پھر ایک طویل وقفہ پڑ گیا، ۴۵۵ھ میں نیشاپور واپس آئے تو دوبارہ اس کار خیر کو شروع کیا یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا، طبقات الشافعیہ (ج ۳ صفحہ ۲۴۵ھ) میں ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے۔

اخلاق: امام قشیری صوفیانہ اخلاق سے مزین تھے وہ صوفی اور محدث تھے، اخلاق و اطوار میں نہایت ظریف و ملیح تھے ابن العماء و سخاوی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے، کان املح خلق اللہ واظرفہم شمائل سبکی نے آپ کی خوش نویسی کی بھی تعریف کی ہے، کان ملیح الخط جدا (طبقات الشافعیہ) امام قشیری ایک جامع شخصیت تھے ان میں محال کی حد تک بہت سے علوم و فنون جمع ہو گئے تھے وہ بیک وقت ایک فقیہ بھی تھے محدث بھی، کاتب بھی، شاعر اور ادیب بھی، حافظ بھی، متفنن نحوی اور لغوی بھی، اور ان علوم میں آپ کو مہارت حاصل تھی، تاہم قشیری کا تصوف اس کی باقی صفات پر غالب آ گیا، لہٰذا ان کی وجہ شہرت تصوف ہی ٹھہرا۔

امام قشیری اور نظام الملک: علی ارسلاں (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اور سلطان ملک شاہ (۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ) کے وزیر خواجہ نظام الملک الحسن بن علی طوسی (م - ۴۸۵ھ) کی مجالس میں علماو فقہا اور متدین ائمہ کا ہر روز مجمع لگا رہتا تھا، ان کو نظام الملک کے دربار میں آنے کے لئے کسی رسمی اجازت کی ضرورت نہ تھی اکثر ایسا بھی ہوا کہ ان کی کثرت آمدورفت کی وجہ سے سرکاری کارکردگی متاثر ہوتی ایک دفعہ ایک سیکرٹری نے شکائت کی اور اجازت نامہ کو لازم کرنے کی استدعا کی نظام الملک نے جواب دیا۔

یہ لوگ اسلام کے رکن ہیں اور دنیا و آخرت کی زینت، اگر میں ان میں سے ہر ایک کو اپنے سر پر بھی بٹھلاؤں تو کوئی بات نہ ہو گی۔ (المنتظم ج نمبر ۹ صفحہ ۶۵ نیز البدایہ والنہایہ ج ۱۲ صفحہ ۱۴۰) ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ نظام الملک اپنے مسند پر بیٹھتا اور امام قشیری اور ابو لمعالی جوینی الگ مسند پر بٹھائے جاتے، جبکہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ نظام الملک انہیں اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا، ابو علی فارمدی (م - ۴۷۷ھ) جو امام قشیری کے شاگرد تھے اور زہد و تقویٰ میں منفرد تھے جب دربار میں جاتے تو نظام الملک ان کو اپنی جگہ بٹھاتا اور خود ان کے سامنے بیٹھتا، اور اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ فارمدی، جب آتے ہیں مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں جبکہ دیگر علماء ایسا کم ہی کرتے ہیں۔

علی ہجویری اور امام قشیری: سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لکھتے ہیں کہ میں نے امام قشیری سے ان کے طریقہ فقر کی ابتدا کے بارے میں پوچھا تو فرمایا، مجھے گھر کی کھڑکی کے لئے ایک پتھر کی ضرورت پڑی میں اس کی تلاش میں گیا، جس پتھر کو اٹھایا وہ گوہر بن جاتا اور میں اسے پھینک دیتا، داتا صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر برابر تھے، بلکہ ان کے نزدیک پتھر گوہر سے بہتر تھا کیونکہ انہیں پتھر کی ضرورت تھی، گوہر کی ضرورت نہ تھی، (کشف المحجوب) ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ اور صوفی تھے امام قشیری نے سید علی ہجویری کو بتایا کہ جب میں خرقان آیا تو

Marfat.com

ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے رعب، سے میری تمام فصاحت و بلاغت کافور ہو گئی، اور میرے دل میں ولائت سے معزولی کا خیال تک پیدا ہو گیا۔

تصانیف: امام قشیری کی سب سے پہلی تصنیف تفسیر کبیر ہے جسے آپ نے ۴۱۰ھ سے پہلے مکمل کر لیا تھا اس کا نام التیسیر فی علم التفسیر رکھا۔ سبکی نے آپ کی تیرہ کتابیں گنوائی ہیں' (۱) تفسیر کبیر (۲) الرسالہ (۳) التحبیف فی التذکیر (۴) آداب الصوفیہ (۵) لطائف الاشارات (۶) کتاب الجواہر (۷) عیون الاجوبہ فی اصول الاسلہ (۸) کتاب المناجات (۹) کتابت نکت اولی النہی (۱۰) کتاب نحو القلوب الکبیر (۱۱) کتاب نحو القلوب الصغیر (۱۲) کتاب احکام السماع (۱۳) کتاب اربعین فی الحدیث۔

کتاب لطائف الاشارات کا مکمل نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، اس کتاب میں چیدہ چیدہ قرآنی آیات کی تفسیر ہے جو حقائق و معارف سے لبریز ہے، اس لئے اسے قرآن حکیم کی سب سے پہلی اور مکمل صوفیانہ تفسیر ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ کتاب قشیری نے ۴۳۴ھ میں لکھنی شروع کی تھی اور چھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس سے پہلے ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری (م۔ ۲۸۳ھ) نے تصوف کے رنگ میں چھوٹی سی تفسیر لکھی تھی جو حجم میں دو سو صفحات سے زائد نہیں، اسے ۱۹۰۸ء میں مطبع سعادت نے شائع کر دیا تھا۔ الغزالی نے سورۂ اخلاص کی تفسیر ۵۰۵ھ میں تصوف کے رنگ میں لکھی۔

آپ کی بعض دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں۔ (۱) کتاب سیرۃ المشائخ (۲) کتاب المعراج (یہ قاہرہ سے شائع ہو گئی ہے۔) (۳) استفادات المرادات (۴) بلغۃ المقاصد فی التصوف۔ (۵) ناسخ الحدیث والمنسوخہ (۶) حیاۃ الارواح والدلیل الٰی طریق الصلاح۔ (۷) منشور الخطاب فی شہود الالباب (۸) الفصول فی الاصول (۹) القصیدہ الصوفیہ (۱۰) التوحید النبوی (۱۱) اللمع (۱۲) الفتوۃ (۱۳) المقامات اثلاثہ (۱۴) فتویٰ۔ (مقدمہ رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۵-۲۶)

رسالہ قشیریہ: یہ کتاب ۴۳۷ھ میں شروع کی اور ۴۳۸ھ کے اوائل میں مکمل کر لی گئی۔ اس میں اس وقت کے مروجہ فتنوں کا قلع قمع کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اخلاص کو عمل کی بنیاد بتایا ہے اور تصوف کو قرآن و سنت پر مبنی ثابت کیا گیا ہے۔ اور مروجہ عقائد باطلہ کا رد کیا گیا ہے۔ توحید کی تعریف میں ثقہ بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قرآن کے غیر مخلوق اور روح کے مخلوق ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر تصوف کی مختصر تاریخ بیان کی ہے اور اولین صوفیاء کے احوال نقل کئے ہیں اور ساتھ ہی تصوف کی اہمیت اجاگر کی ہے۔ مراقبہ اور دوسری اصطلاحات کی وضاحت اور ان کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے اولیاء اللہ کی کرامات، ان کے خوابوں کو بیان کیا ہے اور آخر میں بتایا کہ تصوف کی بناء شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے۔

رسالہ قشیریہ کے ماخذ: اس میں بیان کردہ واقعات اور اقوال شہادت دیتے ہیں کہ امام قشیری نے سلمی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ خصوصاً اس کی تصنیف طبقات الصوفیہ سے جس کے حوالے سے بہ سند سلمی بمعہ واقعات رسالہ میں آئے ہیں۔

دوسری کتاب "اللمع" سے استفادہ کیا ہی جو ابو نصر سراج کی تصنیف ہے۔ تاہم وہ براہ راست اس

Marfat.com

کا حوالہ نہیں دیتے۔ تیسری کتاب جس سے استفادہ کیا "تجبۃ الاسرار" ہے جس کا نام بھی وضاحت کے ساتھ لیا ہے۔ چوتھی کتاب ابو نعیم اصفہانی (م۔۴۳۰ھ) کی حلیۃ الاولیاء ہے جس سے کرامات اولیاء اخذ کی گئی ہیں۔ جبکہ اصطلاحات کتاب "التعرف" سے ماخوذ لگتی ہیں۔ اس کے علاوہ سارا مواد قشیری کا طبع زاد ہے جس سے امام صاحب کی وسعت نظر اور تبحر علمی مرتبہ اور سلوک کا پتہ چلتا ہے۔

شروح و تراجم: (۱) اس رسالہ کی پہلی شرح سدید الدین ابو محمد عبدالمعطی نے لکھی ہے انہوں نے عبداللہ انصاری ہروی کی کتاب منازل اسائرین کی شرح بھی لکھی اور المحاسبی کی الرعایہ لحقوق اللہ کی شرح بھی کی ہے۔ ان کی چوتھی کتاب کا نام ہے۔ ارشاد السالکین الیٰ الجمع بین طریق المحققین من الفقہاء والمریدین۔

(۲) برصغیر پاک وہند میں اس رسالہ کی فارسی میں شرح سید محمدؐ حسینی المعروف بہ خواجہ گیسودراز نے ۸۰۷ھ لکھی۔ جو چشتیہ مشائخ میں نصیرالدین چراغ دہلوی سے فیض یافتہ تھے۔

(۳) تیسری شرح قاضی القضاۃ زین العابدین الحافظ زکریا محمد بن احمد انصاری (م۔۹۲۵ھ) نے لکھی۔ زکریا انصاری نے اس کا نام "احکام الدلالہ علیٰ تحریر الرسالہ" رکھا۔ آپ نے صوفیہ کی طرفداری میں اور بھی بہت کچھ لکھا۔ خصوصاً ابن عربی اور ابن الفارض کے حق میں۔ اور دونوں کو اللہ کا ولی قرار دیا۔ السیوطی کے بعد زکریا انصاری کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ آپ نے رسالہ کی شرح کو ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کو مکمل کیا انصاری کی شرح پر حاشیہ سید مصطفیٰ عروسی نے لکھا جو ۲۱/ جمادی الاخر ۱۲۱۷ھ کو مکمل ہوا رسالہ کی ایک شرح ملا علی قاری حنفی نے بھی لکھی تھی۔ جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔

رسالہ قشیریہ کا اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمدؐ حسن نے ۱۹۷۰ء میں کیا۔ جسے ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد نے شائع کیا۔ یہ ترجمہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے اور جابجا ضروری وضاحتیں اور حاشیے میں بعض تفصیلات بھی دی ہیں۔ جن کے بغیر رسالہ کے مندرجات کی وضاحت میں تشنگی کا احساس ہو سکتا تھا۔

امام غزالی: (۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء یا ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) آپ کا نام محمدؐ حجتہ الاسلام لقب، غزالی عرف اور سلسلہ نسب یہ تھا۔۔۔۔ محمدؐ بن محمدؐ محمدؐ بن احمدؐ آپ طوس میں پیدا ہوئے۔ طوس اور نیشاپور میں تعلیم پائی۔ آپ کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے پہلے مرحلے میں یونانی فلسفے کی تعلیم حاصل کی۔ اور مذہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو گئے۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے تصوف کی طرف توجہ کی چنانچہ توحید و رسالت اور یوم حساب کو تسلیم کرنے لگ گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے حقائق میں ان کا ایمان از سرنو تازہ کر دیا تھا۔ چنانچہ قیامت کی ہولناکیاں ان کے دل و دماغ پر چھا گئیں۔ ماہ رجب تا ذوالقعدۃ ۴۸۸ھ کے عرصہ میں دہشت اور خشیت الٰہی نے ان کے اندر انقلاب برپا کر دیا۔ آخر وہ بلند منصب جامعہ (پرنسپل کا عہدہ) اور دنیوی جاہ و جلال چھوڑ کر درویش کی حیثیت سے بغداد چلے گئے۔ اب وہ فلسفہ کے منکر ہو گئے۔ مشاہدات اور قلبی واردات کو ہی اہمیت دینے لگے۔ اس طرح انہوں نے عملی طور پر تصوف کو اپنا لیا۔ کیونکہ فلسفہ شک اور تصوف یقین پیدا کرتا ہے۔

Marfat.com

امام غزالی نظریہ اخلاق کی بنیاد نفس کی تینوں حالت پر رکھتے ہیں۔ یعنی (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ

ان کے بقول نفس کے ارتقاء کی یہی تین حالتیں ہوتی ہیں کہ انسان اپنے اعمال میں آزاد ہے بعد میں فرائیڈ نے انہیں -------- (۱) ذات -- (ID) (۲) انا-- (EGO) اور (۳) فوق الانا -- (SUPER EGO) کا نام دیا۔

امام غزالی نے نفس امارہ کو قابو کرنے کے طریقے بتائے اور علم کی اہمیت بھی واضح کی اور بتایا کہ وہی علم فائدہ مند ہے جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت سے خبردار رکھے آپ نے تعلیمی اخلاقیات، اور بچوں کی اخلاق سازی کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ تعلیم میں جزا و سزا اور کھیل کی اہمیت واضح کی۔ تعلیم نسواں خصوصاً ان کی ابتدائی تعلیم پر زور دیا اور اعلیٰ تعلیم کو عورتوں کے لئے اتنا ضروری قرار نہیں دیا کیونکہ آپ علما نافعا کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک نشوونما میں روح اور بدن اہم کردار ادا کرتے ہیں وہ انسانی نفس کو چار قوتوں کا حامل قرار دیتے ہیں۔ وہ حق و صداقت کی تلاش میں عملی طور پر نچلی سے نچلی سطح تک گہرائی میں گئے اور اس معاملے میں کوئی شرم یا سبکی کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ حق تک رسائی کے لئے جس جرات کی ضرورت تھی وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھی اور ہر قسم کے تعصبات سے وہ آزادی پا ہی چکے تھے۔

حسی تجربات: امام غزالی نے حسی تجربے کا بطور طریق کار جائزہ لیا انہوں نے مشاہدہ کیا کہ حسی قویٰ محدود ہیں۔ مثلاً ہماری حس باصرہ (Visual Sensation) سائے کی حرکت کا ادراک نہیں کر سکتی اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ سایہ حرکت کرتا ہے۔ چنانچہ جب ایک چھوٹا سکہ آنکھ کے سامنے اس کے قریب کر کے رکھا جائے تو وہ سورج کو ڈھانپ لیتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے یہ سکہ سورج سے بڑا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے پس حسی نتائج کو غلط یا درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے عقل کی کسوٹی سے کام لیا۔ امام غزالی نے فلسفیانہ تشکیک سے نجات پانے کے لئے صوفیانہ شعار کو اپنایا جس سے یقین کی منزل حاصل ہوگئی اور اس طرح انہیں وحی، نبوت اور دیگر دینی اصطلاحات کی حقیقت کا یقین حاصل ہوگیا۔ گویا ان کے نفس امارہ نے نفس لوامہ کا مرحلہ طے کر کے نفس مطمئنہ کی منزل کو جالیا۔ امام غزالی کے بارے میں تفصیلی بات چیت امام غزالی اور اخلاق اور امام غزالی اور تصوف کی ابواب میں ملے گی۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن ہے آپ خرقان نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت ۵۲-۳۵۱ھ یا اس سے بھی پہلے ۳۳۹ھ یا ۳۴۰ھ کے قریب بنتا ہے۔ (تفصیل اس تحریر کے آخر میں ملاحظہ ہو)

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کو تصوف میں بطریق اویسیت حضرت بایزید بسطامیؒ سے نسبت ہے کیونکہ آپ کی ولادت بایزید بسطامی کی وفات کے بعد ہوئی تھی۔ نقل ہے کہ خرقان گاؤں کے

Marfat.com

لوگ چور اور لٹیرے تھے۔ بایزید بسطامی ہر سال دہستان، قبور شہداء کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ جب وہ موضع خرقان میں پہنچتے تو وہاں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیتے جیسے کچھ سونگھ رہے ہوں اور فرماتے کہ چوروں کے اس گاؤں میں ایک مرد حق آگاہ پیدا ہو گا۔ اس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہو گی۔ اس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی۔ (۱) اس پر عیال داری کا بوجھ ہو گا۔ (۲) وہ کھیتی کرے گا۔ (۳) وہ درخت لگایا کرے گا۔

خواجہ مولان بن روز جہاں اصفہانی نے حضرت شیخ عبدالخالق عجدوانی کے وصیت نامہ کی شرح کی رو سے ابوالحسن خرقانی کا سلسلہ بیعت چند واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی تک اس طرح بھی ملایا ہے ابو الحسن خرقانی مرید تھے ابی مظفر مولانا ترک طوسی کے، وہ حضرت خواجہ اعرابی عشقی کے، وہ خواجہ محمدؒ مغربی کے اور وہ مرید تھے حضرت بایزید بسطامی کے اور شیخ ابو العباس قصاب" (آپ کے ہم عصر صاحب کرامت بزرگ) نے فرمایا تھا کہ میرا معاملہ ارشاد میرے بعد ابوالحسن خرقانی کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ (خزینہ معرفت صفحہ ۲۶) خواجہ ابوالحسن خرقانی ایک طرف ابن سینا کے ہم عصر تھے اور دوسری طرف محمود غزنوی کے۔ ابن سینا آپ کی شہرت کا سن کر آپ کو ملنے گیا آپ گھر میں نہ تھے۔ بیوی نے عزت سے آپ کا نام لینے پر ابن سینا کو جھنجلا کر کہا کہ اس جھوٹے اور کذاب سے تمہیں کیا کام ہے۔ وہ جنگل میں لکڑیاں لینے گیا ہوا ہے۔ کچھ بد ظن سا ہو کر ابن سینا جنگل کی طرف گئے۔ دیکھا کہ ابوالحسن ایک شیر کی پشت پر لکڑیاں لادے چلے آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ابن سینا کا دل دہل گیا اور اوسان خطا ہو گئے۔ قریب آئے تو عرض کیا حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ گھر والی تو آپ کو کذاب کہتی ہے۔ اور آپ کی یہ شان ہے کہ شیر بھی آپ کا فرمانبردار ہے؟ فرمایا--- اگر اس بھیڑیئے کی بچی کے ساتھ نباہ نہ کروں تو یہ شیر کیسے میری بات مانیں؟ چنانچہ بہت سی پراسرار باتیں آپ سے ظہور میں آئیں تو ممتحن بن کر آنے والے ابن سینا معتقد اور شاگرد بن کر واپس ہوئے۔ (خزینہ معرفت صفحہ ۲۷-۲۶ از صوفی محمد ابراہیم قصوری) سلطان محمود غزنوی (۳۶۱ھ تا ۴۲۱ھ) والد کی وفات (۳۸۷ھ) کے بعد اپنے بھائی اسماعیل کو شکست دے کر ۳۸۸ھ میں غزنین پر قابض ہو گیا اور سلطان محمود کے نام سے فرمانروائی کرنے لگا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء، ماہرین ہیئت و فلکیات، ریاضی دان وغیرہ جمع تھے۔ وہ ایک دیندار اور اسلام کا مبلغ و محافظ حکمران تھا۔ اسی وجہ سے ہندو راجے اس کو مٹانے کے لئے فکر مند رہتے۔ اور محمود نے بھی ہندوستان پر سترہ کامیاب حملے کئے اور خلیفہ بغداد سے تحسین و آفرین پائی۔ محمود نے ابوالحسن خرقانی کی آزمائش کے لئے ایاز اور دس کنیزوں کو شاہانہ اور مردانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لیا اور خرقان پہنچا۔ ایاز کو شاہانہ لباس پہنایا تھا کنیزوں کو مردانہ اور خود ایک غلام کا لباس پہنے محافظت میں ساتھ تھا اور ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ کو پیغام بھجوایا کہ محمود غزنوی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہے ذرا حجرہ سے شاہی خیمہ تک تشریف لایئے۔ اگر انکار کریں تو یہ آیت پڑھنا۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور وقت کے حاکم کی بھی)۔۔ جواب آیا۔ محمود سے کہہ دو کہ ابھی اطیعوا اللہ میں اس قدر مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول سے شرمساری اور ندامت میں ہوں اور اولی الامر تو دور کی بات ہے۔" قاصد

Marfat.com

کا پیغام سن کر بہ لباس غلامی--- محمود معہ کنیزوں کے ایاز کو بادشاہ کا روپ دیئے حاضر ہوا- اور سلام عرض کیا- ابو الحسن نے وعلیکم السلام کہا- اور اپنی جگہ بیٹھے رہے- اور غلام (محمود) نے کہا کہ آپ نے بادشاہ وقت کی تعظیم نہیں کی؟--- فرمایا یہ سب فریب اور دھوکا ہے پھر بادشاہ (ایاز) کی بجائے محمود (غلام) کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا--- آگے آؤ- اور پھر فرمایا کہ نامحرموں کو باہر بھیج دو محمود نے کنیزوں کو اشارہ سے باہر بھیج دیا- محمود نے عرض کی کہ کوئی حکایت حضرت بایزید بسطامی کی ارشاد ہو- فرمایا--- بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا وہ شقاوت سے نجات پا گیا- محمود بولا کہ ابو جہل اور ابو لہب تو سرور انبیاء ؐ کو دیکھنے کے باوجود نجات نہ پا سکے- بایزید کا رتبہ کیا آپ ؐ سے بھی بلند ہے؟ فرمایا--- محمود! اپنی لن ترانیاں چھوڑ- ہوش کے ناخن لے- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ہی دیکھا تھا- ذرا قرآن کے ارشاد پر غور کر--- وتراھم ینظرون الیک وھم لایبصرون (اعراف-۱۹۸) یعنی اے نبی ؐ! آپ ؐ انہیں (کفار کو) دیکھ رہے ہیں کہ وہ آپ ؐ کی طرف (بہ ظاہر) آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہیں اور (درحقیقت) وہ (بصیرت کی نگاہ سے) نہیں دیکھ رہے یہ مدلل جواب سن کر محمود عرض گزار ہوا- حضرت! کچھ نصیحت فرمایئے- فرمایا (۱) شرع کے موافق نہی عن المنکر سے پرہیز کر- (۲) نماز باجماعت پڑھا کر- (۳) سخاوت کیا کر- (۴) اللہ کی مخلوق پر مہربانی کیا کر---" دعا کے لئے عرض کی تو فرمایا- میں پہلے ہی یہ دعا کیا کرتا ہوں- اللھم اغفر للمومنین والمومنت دعائے خصوصی کے لئے کہا تو فرمایا- محمود! اللہ تیری عاقبت محمود کرے- محمود نے اشرفیوں کی تھیلی نذر کی تو آپ نے جو کی سوکھی روٹی کا ٹکڑا محمود کو کھانے کے لئے مرحمت فرمایا- جسے محمود کھا نہ سکا--- فرمایا محمود! یہ اشرفیاں بھی مجھ سے ہضم نہ ہو سکیں گی- ان کو لے جا--- محمود نے تبرکاً کچھ طلب کیا تو آپ نے اسے اپنا خرقہ (پیراہن) عطا کیا- محمود نے آپ کی خانقاہ کی تعریف کی تو فرمایا کیا اتنی بڑی سلطنت سے جی نہیں بھرا کہ فقیر کی جھونپڑی پر بھی نظر رکھ لی ہے؟ محمود رخصت لے کر روانہ ہونے لگا تو آپ نے اٹھ کر اسے عزت سے رخصت کیا- عرض کی، حضرت! اب یہ تعظیم کیسی؟ فرمایا پہلے تو ممتحن اور بادشاہ بن کر آیا تھا- اب تو فقیر بن کر عاجزی سے واپس جا رہا ہے- اس لئے تیری درویشی کی خاطر کھڑا ہوا ہوں- اس کے بعد محمود رخصت ہو گیا-

تاریخی کتب میں ہے کہ ہندوستان پر ایک حملے (یہ کالنجر پر حملہ کا واقعہ معلوم ہوتا ہے- (۴۱۰ھ اکتوبر ۱۰۱۹ء کے بعد کیا گیا) کے دوران میں لڑائی سے پہلے جب سلطان کو معائنہ کے دوران محسوس ہوا کہ دشمن کی ٹڈی دل فوج بہت زیادہ اور طاقتور ہے تو ایک گوشہ میں آپ نے سربسجود ہو کر ابو الحسن خرقانی اور آپ کے خرقہ کا واسطہ دے کر دعائے فتح یابی کی اور سجدہ سے سر اٹھایا تو شکست کی بجائے فتح و کامرانی کے آثار نظر آئے- اور مخالف فوجوں کا سرغنہ راجہ گنڈا دہشت زدہ ہو کر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر رات کے وقت بھاگ گیا- اور محمود کو فتح حاصل ہوئی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا-

نوٹ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج نمبر ۲۰ صفحہ ۴۸ میں خرقہ کا ذکر نہیں جب خزینہ معرفت میں سومنات کا ذکر ہے--- (قدر آفاقی)

Marfat.com

محمود کو خواب میں ابوالحسن خرقانی کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا۔ محمود! تم نے فقیر کا خرقہ محض فتح و کامرانی کے عوض اللہ کی بارگاہ میں پیش کردیا اگر تو اللہ سے یہ درخواست کرتا کہ سب مخالفین (کفار) مسلمان ہوئیں تو وہ سب بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہو جاتے۔۔۔۔۔ اللہ اکبر (خزینہ معرفت صفحہ ۲۹)

فرمایا۔۔۔۔ تہتر (۷۳) سال میں نے اللہ کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کی کہ ایک سجدہ بھی شریعت اور فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نہیں کیا۔ اور شرع کے خلاف ایک سانس بھی نفس کی موافقت میں نہ لیا۔ (خزینہ معرفت) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ۷۳ برس (کم از کم) عمر پائی۔ جبکہ آپ کی وفات ۴۲۴ یا ۴۲۵ھ (۱۰/ محرالحرام) کو ہوئی اس طرح آپ کا سال ولادت ۳۵۱ یا ۳۵۲ھ ہے۔ اگر بلوغت کی عمر ۷۳ سال لگائیں تو ۱۲ سال مزید عمر بڑھانی پڑے گی۔ یعنی ۷۳+۱۲=۸۵ سال یعنی اس طرح ۳۴۰-۳۳۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ (قدر آفاق)

ابوالحسن سید علی ہجویری بن عثمان رحمتہ اللہ علیہ

آپ حسنی سید تھے۔ پیر غلام دستگیر نامی لاہوری نے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح دیا ہے۔

سید علی بن عثمان بن علی، بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ (شاہ شجاع) بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید بن سیدنا امام حسن علیہ السلام بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

آپ غزنی کے محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے۔ اور محلہ جلاب میں پرورش پائی کہ وہاں ننھیال رہتے تھے۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حسینی سادات میں سے تھیں اور بڑی خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ تاریخ ولادت اندازاً ۴۰۰ھ یا ۱۰۱۰ء خیال کی جاتی ہے۔ آپ کے ماموں کا لقب "تاج الاولیا" تھا۔ پس آپ کے بزرگ، متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کے بارے میں سب سے پہلے ذکر نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ آپ شیخ حسین زنجانی کے پیر بھائی تھے۔ آپ کا ذکر جامی کی نفحات الانس (مولفہ ۸۸۳ھ/ ۱۴۷۸ء) میں بھی ملتا ہے۔ جو ایک زیادہ معتبر کتاب ہے۔ لیکن اس میں بھی تاریخ ولادت و وفات کا ذکر نہیں آیا۔ البتہ کشف المحجوب کے آپ کی تصنیف ہونے کا ذکر اس میں موجود ہے۔ آئین اکبری جلد ۳ میں دیگر اڑتالیس اولیائے کرام کے ساتھ داتا گنج بخش کا ذکر بھی ملتا ہے۔ پھر سفینہ الاولیاء میں شہزادہ دارالشکوہ نے آپ کا اور کشف المحجوب کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ اس میں "مسجد" کی سمت قبلہ پر اعتراض اور کعبہ معظمہ کا مشاہدہ کہ رخ واقعی کعبہ کی طرف ہے والے واقعہ کا تعلق غزنی کی ایک مسجد سے تھا۔ (سفینہ الاولیاء صفحہ ۱۶۵) جبکہ خزینہ الاصفیاء (ج ۲ صفحہ ۲۳۶) کی رو سے یہ واقعہ داتا گنج بخش کی لاہور والی مسجد کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کرمان، سیستان شمال میں ترکستان، اور ماورا النہر مغرب میں ایران۔۔۔ خوزستان، طبرستان، آذربائیجان، قستان، فارس، عراق شام اور فلسطین تک سیر و سیاحت کی تھی۔ عموماً آپ پیدل سفر کرتے تھے اور حسب ضرورت مسجد یا خانقاہ میں ٹھہرتے۔ کپڑے

Marfat.com

پھٹے پرانے یا پیوند لگے ہوئے ہوتے۔ مسافرانہ اور مفلسانہ طرز زندگی پسندیدہ تھا۔ دوران سفر جاہل قسم کے خانقاہی یا مسجد کے خادم آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے تھے۔ جس کا آپ کو بہت افسوس ہوتا۔ آپ نے ساری زندگی تجرد میں بسر کردی۔

آپ کا سلسلہ طریقت تین واسطوں سے جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے مرشد ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کا وطن دریائے جیحوں کے بالائی علاقہ میں ختلان تھا لیکن وہ جبل لکام کے ایک گاؤں بیت الجن میں جابسے تھے۔ جو دمشق کے جنوب مغرب میں بانیاس اور دمشق کے درمیان واقع تھا۔ ان کا ارشاد تھا۔ الـدنـيـا يـوم ولـنـا فـيـهـا صـوم ---- یعنی دنیا کی زندگی ایک روزہ ہے۔ اور اس میں ہمارا روزہ ہے---- داتا صاحب ان کے ساتھ کافی عرصہ تک سفرو سیاحت کرتے رہے۔ اور جب ۴۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کا سر داتا صاحب کے زانو پر تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج نمبر۹ صفحہ ۹۵)

سید علی ہجویری مذہباً حنفیؒ اور مشرباً جنیدی تھے۔ امام ابو حنیفہ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ کشف المحجوب میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر میں بڑی پرشان باتیں لکھی ہیں۔ ملاحدہ، قرامط، باطنیہ اور روافض کی مدلل تکذیب کرتے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے کمال درجہ کے مداح ہیں اور طریقت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ولایت کا امام مانتے ہیں۔ (ایضاً)

تصانیف: کشف المحجوب کے علاوہ آپ نے نو کتابیں تصنیف کیں جن کے صرف نام بھی باقی رہ گئے ہیں۔ (۱) دیوان (۲) منہاج الدین (۳) اہل صفہ (۴) منصور حلاج (۵) رسالہ اسرار الخرق والمئونات (۶) کتاب فناء بقاء (۷) کتاب البیان لاھل العیان (۸) بحرالقلوب (۹) الرعایتہ لحقوق اللہ۔

بعض لوگ کشف الاسرار نامی کتاب کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں جسے ماہرین فن غلط قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۹۵-۹۶)

لاہور میں ورود: اپنے مرشد کے وصال کے بعد (۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ) لاہور میں آئے۔ ساتھ دو دوست شیخ احمد سرخی اور ابو سعید ہجویری بھی تھے۔

وفات: جدید تحقیق کے مطابق آپ امام قشیری کے جواں سال معاصرین میں سے تھے۔ کشف المحجوب میں امام قشیری اور ابوالحسن سابعہ (م-۴۷۳ھ) کے اسماء کے ساتھ رحمتہ اللہ علیہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس سے آپ کے وصال کی مشہور کردہ تاریخ ۴۶۵ھ غلط ٹھہرتی ہے۔ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۶۰ء میں عبدالحی حبیبی نے بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کشف المحجوب ۴۸۱ھ تا ۵۰۰ھ کے درمیان مکمل ہوئی ہوگی۔ نیز یہ کہ داتا گنج بخش کی وفات بھی ۴۸۱ تا ۵۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ (بحوالہ مقالات محمد شفیع لاہوری صفحہ ۱۹۳) حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس تحقیق کی بناء پر آپ کی وفات ۴۹۰ھ کے قریب تسلیم کی ہے۔ (مقدمہ مکتوبات امام ربانی (اردو ترجمہ) ج ا صفحہ ۳۴)

کشف المحجوب: یہ صوفیانہ واردات پر مبنی استخارہ شدہ تحفہ آپ کی زندگی کا نچوڑ ہے۔ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جس کا مرشد نہ ہو وہ کشف المحجوب کو پڑھ لے۔

Marfat.com

ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ابو بکر محی الدین محمد بن علی المعروف بہ شیخ اکبر یا ابن العربی---۱۷ رمضان ۵۶۰ھ (۲۸/ جولائی ۱۱۶۵ء) کو "مرسیہ" (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق حاتم طائی کے قبیلہ طے سے تھا ۵۶۸ھ میں وہ اشبیلیہ میں چلے آئے جو علم و ادب کا بڑا مرکز تھا۔ جہاں انہوں نے تیس سال تک تحصیل علم کی تصوف میں ان کے شیوخ جن سے ابتدائی تربیت حاصل کی، اسی جگہ ملے۔ پھر وہ اڑتیس سال کی عمر (۵۹۸ھ) میں وہ بلاد مشرق کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے کچھ عرصہ مصر میں قیام کیا۔ پھر بیت المقدس مکہ معظمہ، بغداد اور حلب گئے۔ اور آخر میں دمشق پہنچے جہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اور ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء میں اسی شہر میں وفات پائی۔ اور جبل قاسیون میں دفن کئے گئے۔

بعد ازاں آپ کے دو صاحبزادے بھی یہیں مدفون ہوئے۔ (الکتبی -- فوات الوفیات ج ۲ صفحہ ۳۰۱، ابن الجوزی مراۃ الزمان صفحہ ۴۸۷)

ابن العربی بعض لوگوں کے نزدیک ولی کامل، قطب زمان، علم باطن میں سند تھے۔ جبکہ دوسرے گروہ کی نظر میں وہ ملحد تھے۔ آپ کے مداحوں میں جلیل القدر علماء بھی ہیں جنہوں نے آپ کے عقائد کی تائید و حمایت میں کتابیں لکھیں مثلاً مجد الدین الفیروز آبادی، سراج الدین المخزومی، فخرالدین رازی، جلال الدین سیوطی اور عبدالرزاق کاشانی کا شمار مداعین میں ہوتا ہے اور متاخرین میں عبدالوہاب شعرانی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ مخالفین میں رضی الدین بن الخیاط، الذھبی، ابن تیمیہ، ابن ایاس، علی القاری، جمال الدین محمد بن نور الدین اور صاحب کشف الغمہ عن ھذہ الامہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے

تصانیف: عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں ایک بغدادی بزرگ کے حوالے سے آپ کی تصانیف کی تعداد ۵۰۰ (پانچ صد) بتائی ہے۔ (صفحہ ۶۳۴) الشعرانی (عبدالوہاب) یواقیت (صفحہ ۱۰) میں یہ تعداد تقریباً چار سو (۴۰۰) بتلاتا ہے۔ محمد رجب حلمی اپنی کتاب البرہان الازھر فی مناقب شیخ الاکبر مطبوعہ قاھرہ-۱۳۲۶ھ) نے ۲۸۴ کتابوں کے نام دیئے ہیں۔ جبکہ ابن العربی نے اپنی وفات سے چھ سال پہلے یعنی ۶۳۲ھ میں اپنی ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں آپ نے اپنی ۲۵۱ سے زیادہ کتابوں کے نام درج کئے تھے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ شیخ کی طرف منسوب کردہ بہت سی تصانیف شاید ان کی نہ ہوں اگرچہ ان کا اسلوب ابن العربی کی مستند تصانیف والے اسلوب سے کافی حد تک ملتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ صفحہ ۶۰۵ تا ۶۰۷)

شیخ اکبر کی تصانیف اپنے زمانے تک کے مروجہ علوم اسلامی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور زیادہ تر آپ کی تصانیف تصوف کے موضوع پر ہیں۔ نیز آپ نے حدیث، تفسیر، سیرت النبیؐ اور ادب جس میں صوفیانہ شاعری شامل ہے، علوم طبیعی، گیہاں شناسی (Cosmo Graphy) ہیئت اور علوم مخفیہ (Occult Sciences) پر بھی بھرپور لکھا ہے۔ ان میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم اور تنزلات جیسی

Marfat.com

تصانیف بلاد مشرق میں آپ کی عمر کے آخری بیس سالوں کی یادگار ہیں۔ ابتدائی دور کی کتابیں چھوٹے رسائل وغیرہ پر مشتمل ہیں اور ان میں فکری پختگی کم ہے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) الاربعون صحیفہ من الاحادیث القدسیہ (۲) الاخلاق (مجلہ مجمع العلمی دمشق ۳۴۸:۴ کی رو سے یہ کتاب آپ کے نام غلطی سے منسوب ہو گئی ہے) (۳) الامر المحکم المربوط فی مایلزم اہل الطریق من المشروط (۴) انشاء الدوائر (لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔ لائڈن) (۵) الانوار (۶) تاج الرسائل ومنہاج الوسائل (۷) تجلیات عرائس النصوص فی منصات حکم الفصوص (۸) تحفہ الفرۃ الی حضرۃ البررۃ (۹) تفسیر (بولاق۔ ۱۲۸۳ھ) (۱۰) دیوان (مصر۔ ۱۲۷۱ ہندوستان) (۱۱) ذخائر الاعلاق (۱۲) رد معانی لایات المتشابہات الی معانی الایات المحکمات (۱۳) روح القدس (مصر۔ ۱۲۸۱ھ) (۱۴) شجرۃ الکون (بولاق۔ ۱۲۹۲ھ) اس کا اردو ترجمہ مثمرۃ القون از رضا خاں، رامپور سے ۱۲۳۷ھ میں شائع ہوا۔ (۱۵) الصلوۃ الاکبریہ (۱۶) فتوحات ملیہ۔ (بولاق۔ ۱۲۷۴ء) یہ آپ کی ضخیم ترین، اہم اور آخری کتاب ہے جو ۶۲۹ھ میں مکہ معظمہ میں اختتام کو پہنچی (۱۷) فصوص الحکم یہ دوسری اہم کتاب ہے جو ۶۲۷ھ میں مکمل ہوئی۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس پر تنقید لکھی جو تھانہ بھون سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوئی۔ (۱۸) قرعہ الطیور لاستخراج الفال (۱۹) القرعہ المبارکہ المیونیہ (مصر۔ ۱۲۷۹ھ) (۲۰) قصیدۃ المعشرات (مع شرح) (۲۱) کہنہ الابد للمرید منہ (مصر۔ ۱۳۲۸ھ) (۲۲) مجموعہ الرسائل الہیہ (مصر۔ ۱۹۰۷ء) (۲۳) محاضرۃ الابرار ومسامرۃ الاخیار۔۔۔۔ (مصر۔ ۱۲۷۲ھ) (۲۴) مختصر فی مصطلحات الصوفیہ (۲۵) مفاتیح الغیب (یہ ابن العربی کی تیسری اہم کتاب ہے۔) (۲۶) مواقع النجوم (۱۳۲۵ھ) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ صفحہ ۶۰۸-۶۰۷)

ابن العربی کا فلسفہ: وہ صوفی تھے، فلسفی تھے، شاعر تھے، ادیب تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھے۔ آپ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک فصوص الحکم قرآن حکیم کی تفسیر بھی کہی جا سکتی ہے۔ وہ قرآنی آیات سے یہ ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ قرآن سے "وحدت الوجود" کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی ترجمان الاشواق کی بعض نظمیں بھی عربی کی اعلیٰ ترین صوفیانہ نظمیں شمار کی جا سکتی ہیں۔ وہ بے حد مغلق اور مبہم اسلوب سے کام لینے کے بھی ماہر ہیں اور سادہ انداز بیان اختیار کرنے پر بھی قادر ہیں۔ لیکن بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ابن العربی نے مغلق انداز اس لئے اختیار کیا کہ وہ اپنے فلسفہ وحدت الوجود کو سادہ طرز انشاء کے ذریعے بیان کر کے تنگ تنقید کے تھپیڑوں سے بچنا چاہتے تھے۔ اور مبہم انداز میں وضاحت کی کمی ان کو جارحانہ تنقید سے بچا لیتی ہے۔ انہوں نے دنیا کے سامنے تصوف کا جو نظام پیش کیا۔ اس کے ماخذ اسلامی علوم، یونانی فلسفہ، متقدمین صوفیاء کی تصانیف وغیرہ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور فصوص الحکم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ان کے فلسفہ وحدت الوجود کے لئے موٹے موٹے اصول ضوابط موجود ہیں۔ جبکہ آپ کی دیگر تصانیف میں آپ کے نظریاتی فلسفہ کے ضوابط بڑی تگ و دو سے تلاش کرنے پڑتے ہیں فتوحات میں وحدت الوجود کا فلسفہ درج ذیل چند الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہر اصلی (اعیانہا) ہے

(فتوحات مکیہ = ۲:۲۷ ۶۰۴) بہرحال اس بارے میں توحید وجودی اور توحید شہودی کے عنوان سے مفصل بحث الگ طور سے بھی کی گئی ہے۔

مخالفین کچھ بھی کہیں، ابن العربی کو تصوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے فلسفہ تصوف کی جڑیں اسلامی علوم اور الٰہیات کی تاریخ میں بڑی گہرائی تک چلی گئی ہیں۔ ان کے نزدیک اقلیم ہستی ایک دائرے کی صورت میں ہے۔ جو اسی نقطے پر ختم ہوتا ہے جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے برعکس نو افلاطونیوں کے ہاں ہستی ایک خط مستقیم میں حرکت کرتی ہے۔ جس کا نقطہ انتہاء اس کے نقطہ ابتداء سے کبھی نہیں ملتا۔ ابن عربی پہلے مفکر ہیں جنہوں نے "الکلمہ" (کلام الٰہی --- The Logos) اور انسان کامل کے بارے میں ایک مکمل نظریہ پیش کیا۔ فصوص الحکم اور التدبیرات الٰہیہ کا مرکزی موضوع یہی ہے یہ الگ بات ہے کہ فتوحات اور دیگر تصانیف میں بھی اس کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ملتی ہے۔ انسان کامل وہ آئینہ ہے جس میں تمام اسرار الٰہیہ منعکس ہوتے ہیں اور وہ واحد تخلیق ہے جو تمام صفات الٰہیہ کی مظہراتم ہے۔ انسان کامل خلاصہ کائنات (عالم اصغر) ہے۔ اس زمین پر خدا کا نائب ہے۔ ابن عربی تمام اشیاء میں عقل کل کی جلوہ گری کو اپنے فلسفہ کی رو سے حقیقتہ الحقائق بھی کہتے ہیں اور متصوفانہ اور روحانی نقطہ نظر سے اسے حقیقت محمدیہ کا مرادف قرار دیتے ہیں۔ جس کی اعلیٰ ترین اور مکمل تجلی تمام انبیاء علیہم السلام اور خود حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام میں ملتی ہے۔

بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ بہاء الحق کے نام سے مشہور ہیں۔ تاریخ فرشتہ کی رو سے آپ ۵۷۸ھ/ ۸۳-۱۱۸۲ء میں ملتان کے قریب "کوٹ کرور" کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے نہایت ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ ہی سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ قرآن حکیم کی ساتوں قراتوں کی تکمیل اپنے گاؤں میں ہی کی۔ پھر مروجہ علوم کی تحصیل کے لئے خراسان، بخارا، مدینہ منورہ اور فلسطین کے بڑے بڑے علمی مراکز کا سفر کیا۔ مدینہ منورہ میں شیخ کمال الدین یمنی، جو وقت کے ممتاز محدث تھے، سے حدیث کی تکمیل کی اور حضورؐ کے روضہ اقدس پر کئی سال ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ فلسطین میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی پھر بغداد کا راستہ لیا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے آپ کے مرشد نے آپ کو صرف ۱۷ دن تک تربیت دی اور فرمایا کہ آپ کی مثال چوب خشک کی سی ہے۔ پس آپ کو سترہ روز کے بعد ہی اپنا خلیفہ مقرر فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ ملتان جاکر سہروردیہ سلسلہ کو فروغ دیا جائے اور اسلام کی تبلیغ کی جائے چنانچہ ملتان آکر آپ نے یہ فریضہ کوئی پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک انجام دیا۔ اور خانقاہ قائم کی جو اس دور میں قرون وسطیٰ کے برصغیر میں صوفیانہ تبلیغ و ارشاد کا ایک اہم ترین مرکز بن گئی۔ آپ نے ۷/ صفر المظفر ۶۶۱ھ -- ۲۱ دسمبر ۱۲۶۲ء کو ملتان میں وفات پائی۔ جہاں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ اور آپ کے نام سے ملتان میں ایک

Marfat.com

یونیورسٹی بھی قائم کردی گئی ہے۔ آپ کے سلسلہ سہروردیہ کو زیادہ فروغ سندھ اور پنجاب میں حاصل ہوا۔ اگرچہ آپ کے مریدین ہرات، ہمدان اور بخارا میں بھی تھے۔ بطور صوفی آپ کی شہرت آپ کے "نفس گیرا" کی وجہ سے تھی جس خصوصی وجدانی کیفیت کے ذریعے آپ سالکان راہ کے دلوں کو مسخر کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی بڑے شہانہ ٹھاٹھ اور شان و شوکت والی تھی لیکن اندر ہی اندر درویشی اور ولایت سلیمانی کا چلن تھا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ ادعا نہ تھا۔ وہ اپنے ہم عصر چشتی صوفیاء سے بہت سی باتوں میں مختلف تھے۔ مثلاً۔

(۱) وہ عام لوگوں کو اپنے گرد جمع نہ ہونے دیتے۔ نیز جوالقیوں (ملنگوں) اور قلندروں کو بھی ان کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آپ کی طرف یہ قول منسوب یا جاتا ہے کہ مجھے عام لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ آپ سیاحت کرتے ملنگوں کے ایک گروہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ان میں سے ایک شخص سے نور نکل رہا ہے۔ اسے الگ لے جاکر پوچھا کہ تم ان لوگوں میں کیا کر رہے ہو۔ فرمایا--- تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ عوام میں ایک خاص بھی ہوتا ہے۔

(۲) آپ کے امیرانہ ٹھاٹھ ایسے تھے کہ جیسے کوئی رئیس یا سردار یا ریاست کا والی ہو۔ آپ کی خانقاہ میں غلے کے ذخیرے بھی تھے اور مال و دولت بھی۔

(۳) آپ مسلسل روزے رکھنے کے عادی نہ تھے، تاہم فوائد الفواد میں ہے کہ ایک رات آپ نے پورا قرآن اور چار پارے ایک رکعت میں ختم کیا اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کی۔

(۴) آپ چشتیہ سلسلہ میں جاری زمین بوسی کے علیٰ الرغم کسی کو اپنے آگے جھکنے نہ دیتے تھے۔

(۵) آپ حاکموں، اور بادشاہوں کے ساتھ گہرے روابط رکھنے کے قائل تھے۔

(۶) آپ سماع کے قائل نہ تھے۔

آپ نے سیاسیات زمانہ پر گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ شمس الدین التمش (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء تا ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کو اسلامی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی مدد دی۔ اور بادشاہ کا عطا کردہ لقب "شیخ الاسلام" قبول فرمایا آپ کی دولت مندی کا فیض بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ جب ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء میں منگولوں نے ملتان کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ہرات کا حکمران بھی ان کے ساتھ مل گیا تو شیخ الاسلام مرحوم نے حملہ آوروں کو ایک لاکھ دینار اپنے پاس سے ادا کرکے، انہیں محاصرہ اٹھانے پر راضی کر لیا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان میں ایک نہایت بلند وبالا اور شاندار مقبرے میں مدفون ہیں۔ جس پر نصف دائرے کی شکل کا گول گنبد ہے۔ اور اس پر چینی کی بہت خوبصورت کاشی کاری کی گئی ہے۔

آپ فریدالدین مسعود گنج شکر کے ہم عصر تھے جو پاک پتن شریف میں تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ نبھا رہے تھے۔ ایک طرف بہاؤالدین زکریا کی رئیسانہ درویشی تھی اور دوسری جانب گنج شکرؒ کی فقیرانہ درویشی اور یہ دونوں درویش اپنی اپنی راہ کے راہی تھے اور اپنے بزرگوں کے ارشادات پر عمل پیرا تھے۔ اور ایک ہی

Marfat.com

منزل کے دوراہی تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

عبدالحق حقی بن سیف الدین (الترک) دہلوی، القادری، البخاری، ابوالمجد--- آپ محرم ۹۵۸ھ / جنوری ۱۵۵۱ء کو پیدا ہوئے اور ۲ ربیع الثانی ۱۰۵۲ھ (۳۰/ جون ۱۶۴۲ء) کو وفات پائی۔ علم حدیث کو برصغیر میں آپ نے متعارف کروایا۔ آپ علوم دینی اور معقولات کے بہت بڑے عالم تھے۔ بائیس برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ فیضی اور مرزا نظام الدین کی صحبت میں فتح پور میں رہے۔ لیکن جلد ہی اس ماحول سے متنفر ہوگئے۔ وہ ۹۹۵ھ میں حج کے ارادے سے بندر گجرات پہنچے۔ لیکن اس سال جہاز نہ مل سکا لہٰذا اگلے سال حج کے لئے جاسکے اور چند برس حجاز میں مقیم رہے۔ آپ نے مذہبی علوم اور تصوف کی تعلیم وہاں کے مشہور علماء اور شیوخ سے پائی۔ جن کے حالات آپ کی کتاب، زادالمتقین میں دیئے گئے ہیں۔ پھر دہلی واپس آئے اور باون برس تک تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ تزک جہانگیری میں آپ کی تعریف کی گئی ملتی ہے۔ جہانگیر عموماً آپ کی سفارش پر ہی غریبوں اور مستحق لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ آپ نے شیخ احمد سرہندی پر بعض اعتراضات بھی کئے تھے جو بعد ازاں بطریق احسن طے ہوگئے تھے۔ اس کا ذکر صدیق حسن خاں بھوپال نے تقاصر جیود الاحرار (صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ) میں تفصیل سے کیا ہے۔ شیخ عبدالحق شیخ اسد الدین شاہ ابو المعالی کی زیارت کے لئے لاہور بھی آئے تھے اور بیس روز ان کی خدمت میں ٹھہرے۔ ان کی فرمائش پر ہی آپ نے غوث الاعظم کی کتاب فتوح الغیب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور شرح بھی لکھی۔ (فتوح الغیب لاہور ۱۲۸۳ھ صفحہ ۳۱۴) جس کا نام مفتاح الفتوح رکھا آپ کے بیٹے نورالحق بھی تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ آپ کے دوسرے بیٹے علی محمدؒ نے "فرہنگ جامع الجوامع" کے نام سے ۱۰۴۹ھ میں ایک فرہنگ لکھی۔ (یہ نام تاریخی ۱۰۴۹ھ ہے) جس کا ایک نسخہ دانش گاہ پنجاب میں موجود ہے۔

شیخ عبدالحق کی فارسی اور عربی میں ۴۹ تصانیف ہیں جن کی فہرست آپ نے رسالہ تالیف القلب الالیف میں دی ہے جس میں دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ ہے۔ آپ کے مکتوبات کا مجموعہ بھی طبع ہوچکا ہے جس کا نام کتاب المکاتیب والرسائل ہے۔ آپ کی تصانیف میں ایک دیوان بھی ہے۔ اہم تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح کی شرح عربی زبان میں۔

(۲) مشکوٰۃ کی شرح فارسی زبان میں اشعۃ اللمعات کے نام سے کی۔ یہ لکھنؤ سے ۱۲۷۷ھ میں شائع ہوئی۔ (۳) الفیروز آبادی کی تصنیف سفر السعادت پر بھی فارسی میں ایک شرح لکھی۔ (۴) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار یہ اولیائے کرام کے حالات میں ہے۔ جو زیادہ تر برصغیر میں ہوئے۔

(۵) زبدۃ الآثار۔ یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔

Marfat.com

(۶) زاد المتقین میں اپنے اساتذہ اور شیوخ تصوف کے حالات دیئے ہیں جن سے حجاز مقدس میں قیام کے دوران استفادہ و استفاضہ کیا تھا۔

(۷) ذکر الملوک - اس میں غوریوں سے لے کر اکبر (مغل بادشاہ) کے عہد تک کے بادشاہوں کے حالات ہیں - اور اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۸) جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب - یہ مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ جس کا زیادہ تر مواد وفاء الوفا الیٰ دار المصطفیٰ (از السمہودی) سے ماخوذ ہے۔

(۹) مدارج النبوۃ (فارسی) ---- سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مستند ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ منہاج النبوۃ کے نام سے ۱۲۷۷ھ لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب مدارج النبوت (اردو) کے نام سے جسے فارسی سے اردو میں مفتی معین الدین نعیمی نے ڈھالا' مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۸۳۰-۸۳۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالم باعمل اور صاحب حال صوفی تھے' شیخ عبدالقادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی۔ اسی لئے ان کے حالات میں زبدۃ الاثار لکھی ہے۔ اخبار الاخیار بھی اسی سلسلے میں بڑے اہم ہے۔ جسے صوفیانہ اور علمی حلقوں میں اعتبار اور استناد کی حیثیت حاصل ہے۔ شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی آپ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ آپ کی خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور ان سے استفاضہ بھی کیا۔ شیخ احمد سرہندی سے پہلے آپ کو اختلافات پیدا ہوئے۔ پھر وہ مصالحت میں بدل گئے کیونکہ غلط فہمیاں دور ہو گئی تھیں۔ آپ نے مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ و تشریح کے سلسلے میں علم حدیث کے بارے میں ایک بھرپور مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے۔ جو اس راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مقبرہ: آپ کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی پر واقع ہے۔ قبلے کی دیوار پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس میں شیخ عبدالحق کی زندگی کے حالات کا خلاصہ کندہ ہے بشیرالدین احمدؒ نے اپنی کتاب واقعات حکومت دہلی میں لکھا ہے کہ شیخ کی اولاد جو دہلی میں مقیم ہے' ہر سال آپ کا عرس بھی مناتی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ

حضرت خواجہ باقی باللہ' ابو المؤید رضی الدین' جو عبدالباقی یا محمد باقی بن عبدالسلام اویسی نقشبندی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ ۵/ ذوالحجہ ۹۷۱ھ (۱۶- دسمبر ۱۵۶۳ء) کو کابل (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں ہی صادق حلوائی سے حاصل کی۔ اور انہی کے ساتھ مزید تحصیل علم کے لئے عازم سمرقند ہوئے۔ سمرقند جاکر آپ کو تصوف سے دلچسپی پیدا ہوئی اور بعض دوستوں کی دعوت پر جو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر تھے' ہندوستان آئے اور اصحاب باطن اور صوفیاء کی جستجو میں منہمک ہو گئے۔ یہاں کچھ نہ ملا۔ تو آپ مرشد کامل کی تلاش میں ماوراء النہر چلے گئے جہاں ان دنوں نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے صوفی خواجہ محمد امکنگی تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے اور

Marfat.com

منازل سلوک جلد ہی طے کرلیں۔ (۱۰۰۸ھ-۱۵۹۹ء) میں آپ دوبارہ ہندوستان آئے اور دہلی میں رہائش پذیر ہو گئے جہاں آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فروغ کے لئے مساعی کا آغاز کیا۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی فاروقی اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ذریعے سلسلہ نقشبندیہ کو ہندوستان اور عالم اسلام میں بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ آپ نے ۲۵ جمادی الاخر ۱۰۱۲ھ (۲-جولائی ۱۶۰۳ء) کو دہلی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک بیرون اجمیری دروازہ، قدم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب مرجع خلائق ہے۔

تصانیف: (۱) سلسلہ الاحرار۔ یہ آپ کی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ جن کی شرح حضرت شیخ احمدؒ سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ نے لکھی ہے۔ (۲) کلیات، یہ آپ کی نظموں کا مجموعہ ہے جس میں آپ کی ایک مثنوی بھی شامل ہے جسے جزوی طور پر زبدۃ المقامات میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ (۳) مکتوبات شریف کا مجموعہ جو "مکتوبات شریف حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ" کے عنوان سے ۱۹۲۳ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کی نقل انڈیا آفس لائبریری میں (عدد ڈی - پی ۱۰۹۵) موجود ہے۔

(۴) قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی آپ کے نام سے منسوب کی جاتی ہے لیکن اس کا کوئی قلمی نسخہ بظاہر کہیں موجود نہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج نمبر ۳ صفحہ ۹۸۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کے خلیفہ اعظم تھے جو ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو پیدا ہوئے۔ گویا وہ خواجہ باقی باللہؒ سے عمر میں تقریباً دو ماہ چھوٹے تھے۔ اللہ کی رحمت اور فضل و کرم سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو مجدد الف ثانیؒ کی ذات کے وسیلہ سے بے حد عروج ہوا۔ خواجہ باقی باللہ چالیس سال کے ہوئے تو جس کسی کی وفات کا سنتے تو سرد آہ بھر کر فرماتے۔ "خوب چھوٹا" ---- ایک دن اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ جس مقصد کے لئے تم دہلی لائے گئے تھے۔ وہ پورا ہو چکا ہے۔ پھر ایک دن فرمایا ---- نقشبندی سلسلہ میں کسی کا انتقال ہوگا ---- آخر ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ توکل یہ نہیں کہ ترک اسباب کرکے بیٹھ جائے۔ بلکہ کوئی حیلہ کرے لیکن اسباب پر نظر نہ رکھے۔ (خزینہ معرفت -- صفحہ ۵۵)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

ابوالبرکات بدرالدین، شیخ احمد سرہندی فاروقی، امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت عبدالاحد کے ہاں ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ جو چشتی بزرگ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ امام ربانی کا سلسلہ نسب ستائیس واسطوں سے حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور تھوڑے عرصے میں حافظ قرآن ہو گئے۔ پھر سیالکوٹ پہنچے اور معلومات میں مولانا کمال کشمیری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ حدیث کی بعض کتب مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ سیالکوٹ میں ہی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، جو

Marfat.com

اپنے وقت کے باکمال عالم تھے، نے امام ربانی مجدد الف ثانی کے کمالات دیکھ کر ان کی بیعت کرلی۔ چنانچہ ۲۱ برس کی عمر میں علوم و معارف سے بہرہ ور ہو کر آپ وطن مالوف سرہند شریف واپس آئے اور مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

امام صاحب سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد صاحب سے بیعت ہوئے جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قادریہ فیض بوسیلہ خرقہ غوثیہ حاصل کیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک مرتبہ مراقبہ کے بعد فرمایا۔ کہ میں نے عالم واقعہ میں ایک نور مشاہدہ کیا ہے جو مجھ سے پانچ سو سال بعد ظاہر ہوگا۔ اس کا نام شیخ احمد ہوگا۔ جس کے ذریعے دین کی تجدید ہوگی۔ پھر آپ نے اپنا خرقہ مبارک خدام کے سپرد کیا اور فرمایا یہ خرقہ شیخ احمد تک پہنچا دیا جائے۔ وہ خرقہ مختلف ذریعوں سے ہوتا ہوا سلسلہ قادریہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے پوتے شاہ سکندر کیتھلی کے ہاتھ سے حضرت امام ربانیؒ کو عطا ہوا۔

حضرت باقی باللہ سے بیعت: امام ربانیؒ کو حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کا بہت شوق تھا۔ لیکن والد ماجد کی ضعیف العمری اور علالت مانع تھی۔ ۱۰۰۷ھ میں آپ کے والد محترم کا وصال ہوگیا۔ اور ۱۰۰۸ھ میں آپ حج بیت اللہ کے ارادہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ دہلی پہنچے تو آپ کے دوست مولانا حسن کشمیری نے آپ سے خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کے کمالات کا ذکر کیا اور ان سے ملاقات کی ترغیب دلائی۔ امام صاحب سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ میں فیض پاچکے تھے اور اپنے استاد یعقوب کشمیری کی بدولت طریقہ کبرویہ سے بھی استفادہ کیا تھا لیکن ابھی تک دلی اطمینان کی منزل نہ مل سکی تھی۔ چنانچہ خواجہ باقی باللہ سے ملاقات کا اشتیاق بڑھا اور حسن کشمیری کے ساتھ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صرف دو روز ان کی صحبت میں گزارے اور دیکھا کہ دلی بے اطمینانی اب مفقود ہے۔ پھر سلسلہ میں داخل ہونے کی گزارش کی۔ جس کو خواجہ صاحب نے بلا استخارہ قبول فرمالیا اور داخل طریقہ فرمالیا۔ اور خلوت میں توجہ سے نوازا جس سے آپ کا دل ذاکر ہوگیا۔ خواجہ صاحب کو آپ کے مرشد خواجہ امکنگی نے جس مرغ لاہوتی کو زیر دام لانے کے لئے ہندوستان بھیجا تھا وہ یہی شاہباز تھے جن کو لوگ شیخ احمد سرہندی کہتے تھے۔ بیعت کے بعد آپ کو خواجہ صاحب نے سرہند جانے کا حکم دیا اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیض کو عام کرنے کی تلقین فرمائی۔ بعد ازاں ایک مرتبہ پھر حضرت مجدد کو دہلی میں طلب کیا اور چند ماہ اپنی صحبت میں رکھا اور فیض سے مالا مال کر کے فارغ کردیا اور آپ سرہند واپس آگئے۔ حضرت مجددؒ پر خواجہ صاحب کو بڑا ناز تھا۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

شیخ احمد مردے است از سرہند، کثیر العلم وقوی العلم، روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگار او قات او مشاہدہ نمود بآں ماند کہ چراغ شود کہ عالم ہا از او روشن گرد و الحمد للہ تعالیٰ۔ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ ---- (مقامات امام ربانی صفحہ ۱۱)

یعنی شیخ احمد سرہند کے ایک مرد کامل ہیں۔ وہ کثیر العلم اور قوی العلم ہیں۔ فقیر نے چند روز اس سے مجلس کی ہے اس دوران بہت سے عجائبات مشاہدہ کئے۔ لگتا یوں ہے کہ وہ ایسا چراغ ہیں جس سے دنیا جہان روشن ہوں گے الحمد للہ کہ ان کے احوال کاملہ نے مجھے اس امر کا یقین دلا دیا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ سرہند میں آپ سے رشد وہدایت پانے والے ہر طرف سے ہجوم کرنے لگے۔

تیسری مرتبہ امام ربانی خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کی صحت کچھ اچھی نہ تھی۔ چنانچہ اپنے دونوں بیٹوں خواجہ عبید اللہ اور (شیر خوار) خواجہ عبداللہ کو سامنے لاکر ان پر توجہ کروائی۔ اور غائبانہ طور پر ان کی والدہ کی روحانی بلندی کے لئے بھی توجہ کروائی گئی۔ (خزینہ معرفت) پھر آپ سرہند آگئے اور چند روز کے بعد لاہور پہنچے۔ جہاں بہت سے علماء اور عوام سلسلہ میں داخل ہوگئے۔ یہاں پر ہی آپ کو خواجہ باقی باللہ کے انتقال کی خبر ملی۔ آپ سیدھے دہلی پہنچے اور عزا پرسی کی۔ اور کچھ عرصہ بعد واپس سرہند شریف آگئے۔

اکبر کے دین الٰہی کی مخالفت: اکبر بادشاہ ان پڑھ تھا۔ جو اپنے گمراہ حواریوں میں گھر کر اسلام سے برگشتہ ہو چکا تھا۔ پس ذبیحہ گاؤ پر پابندی وغیرہ۔۔۔ اور سجدۂ تعظیم بادشاہ کے لئے جائز قرار دیا جا چکا تھا۔ اس نے دین الٰہی ایجاد کیا جو ہندوازم اور اسلام وغیرہ کا ملغوبہ تھا۔ اور مشرکانہ عقائد پر اس کی بنیاد تھی۔ حواری بادشاہ کو ظل الٰہی سمجھتے تھے۔ اس کی کافرانہ حرکات پر اہل اسلام مشوش تھے لیکن مضبوط حکومت کے سامنے وہ خاموشی کے سوا کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ ملاں مبارک، ان کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی جیسے علماء بادشاہ کے ناصر و موید تھے۔ اہل اسلام کسی مرد حق آگاہ کی جرات و بیباکی کے منتظر تھے جو بادشاہ کو متنبہ کرے۔ امام ربانیؒ کو بھی عرض کی گئی کہ آپ دین الٰہی سے نجات دلائیں۔ آپ نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ اسلام کی راہ راست اختیار کرو ورنہ خدا کے غضب کا انتظار کرو۔ امام ربانی کی ولادت کے قریب انجم شناسوں نے بادشاہ کو بتایا تھا کہ شمال کی طرف سے ایک آندھی اس کے تخت کو اوندھا کردے گی۔ اس خوفناک خواب نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ ایک ہفتہ تک سخت بیمار رہا۔ دین الٰہی کے معاملہ میں لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ مرضی ہو تو اس میں داخل ہوں ورنہ نہیں۔ آخر ایک دن دین الٰہی کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ کے لئے ایک دن مقرر کیا۔ کہ جو لوگ خوشی سے دین الٰہی اختیار کرنا چاہیں ضرور کریں چنانچہ دو بڑے خیمے لگائے۔ ایک بارگاہ محمدی۔ اہل اسلام کے لئے۔ ایک بارگاہ اکبری۔ دین الٰہی والوں کے لئے مجدد صاحب کو پتہ چلا تو آپ غضبناک ہوگئے کہ بادشاہ قہرالٰہی کو دعوت دے رہا ہے۔ آپ نے ایک آدمی کو مشت خاک دے کر بھیجا۔ کہ وہ بارگاہ اکبری پر اسے ڈال دے پس اس کے بعد ایک زبردست آندھی چلی۔ جس سے بارگاہ اکبری اجڑ گئی اس کے متبعین ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اکبر کے سر میں زبردست چوٹ آئی۔ یہ طوفان ایک ہفتہ تک جاری رہا لیکن بارگاہ محمدی والے آندھی سے مامون رہے۔ بادشاہ بالآخر اسی چوٹ سے مر گیا۔ اور ہزاروں امراء اور اراکین نے انہی ایام میں مجدد صاحب سے بیعت کی جن میں خاں جہاں لودھی، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں، بہادر خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اب حضرت کے کمالات اور شان قدمیت کا شہرہ ہوا آپ نے تبلیغی مقاصد کے لئے اپنے خلفاء ہند، سندھ، خراسان، ماورالنہر، بدخشاں، بخارا، شام وغیرہ کو روانہ کئے۔ اور مشرکانہ رسومات کے خلاف جہاد شروع ہوگیا۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کو بہت فروغ ملا۔ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر بادشاہ بنا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی رسومات مثلاً سجدۂ تعظیمی وغیرہ کو برقرار رکھا (خزینہ معرفت صفحہ ۵۹) نیز وہ اپنی ملکہ نورجہاں اور وزیر اعظم آصف جاہ کی باتوں میں آگیا۔ اور مجدد صاحب کو ۱۶۱۹ء

Marfat.com

میں آگرے میں طلب کیا۔ اب تک بہت سے جلیل القدر ارکان سلطنت مجدد علیہ الرحمت کے حلقہ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔ آپ کا ایک خلیفہ بدیع الدین شاہی لشکر میں اسلامی تعلیمات اور شریعت کے احیاء کا کام کر رہا تھا۔ بیرون ملک کے مسلمان حکمران بھی آپ کے حلقہ اثر میں آ چکے تھے۔ چنانچہ حواریوں نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ امام ربانی سلطنت کے لئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ بادشاہ آپ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آیا۔ اور آپ کو خود سر اور متکبر ٹھہرایا اور اسی بہانے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہ اسارت مجدد صاحب کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ غیر مسلم قیدیوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور مجدد صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس یکجہتی کی فضاء میں روحانی بلندیوں سے نوازا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۲ - صفحہ ۱۲۷) میں لکھا ہے۔ کہ جہانگیر اپنے اس حکم پر نادم تھا۔ اور اس کے دل میں مجدد صاحب کی عظمت گھر کر چکی تھی۔ چنانچہ اس نے محتشمانہ طور پر آپ کی آزادی کا حکم دیا۔ آپ اسلامی احیاء سے متعلقہ شرائط منوا کر قلعہ سے باہر آئے۔ اور کچھ عرصہ تک لشکر کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس دوران میں آپ اجمیر بھی گئے اور معین الدین چشتی کے مزار پر مراقبہ فرمایا پھر سرہند واپس آ گئے جہاں ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ مزار سرہند میں ہے۔ امام ربانیؒ نے اسلام میں ہندوانہ رسومات کی ملاوٹ کی سخت مخالفت کی۔ عجمی تصوف اور بھگتی کی تحریک کے زیر اثر ملحدانہ خیالات اور تحریکات کا قلع قمع کیا۔ اور ایک سنی ریاست میں شیعی اثرات جو ناگواری پھیلا رہے تھے ان کا بھی سدباب کیا۔ شریعت کی بالادستی قائم کی۔ طریقت کو شریعت کے تابع ثابت کیا۔ تصوف کی اصلاح کی اور قلمی جہاد کیا۔ اور بہت سی تصانیف مثلاً المبداء والمعاد، رسالہ تہلیلیہ (مکتوبات کا ضمیمہ) معارف اللدنیہ، رسالہ فی اثبات النبوۃ، رد روافض، آداب المریدین وغیرہ سے اسلام کی حقیقی روشنی اجاگر کی۔ اور آپ کے مکتوبات حقائق و معارف اور اسرار شریعت و طریقت کا وہ خزینہ ہیں جن سے الحاد و زندقہ اور بدعت و ضلالت کا قلع قمع ہوتا ہے۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ صفحہ ۱۲۹)

مجدد اور مجدد الف ثانی میں فرق و امتیاز

اس بارے میں صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری لکھتے ہیں۔

حدیث تجدید: نبی اکرم، نور مجسم، فخر دو عالم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلحاظ زمانہ آخری نبی، آسمانی کتابوں میں قرآن کریم سب سے آخری کتاب، تمام شرائع میں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آخری شریعت اور جملہ شرائع کی ناسخ ہے۔ اب نہ کسی نبی کے پیدا ہونے کی حاجت نہ کسی آسمانی کتاب کے نازل ہونے کی ضرورت۔ تاقیامت قرآن مجید ہی ہدایت کے لئے کافی و وافی اور شریعت محمدیہ ہی صراط مستقیم و ذریعہ نجات ہے۔

خدائے ذوالمنن نے جہاں قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے

Marfat.com

وہاں شریعت محمدیہ کی حفاظت کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ دین کے ہر شعبے کی حفاظت کرنے والے افراد ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان کے کارنامے تاریخ اسلام کے اندر سنہری حروف میں لکھے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ دین کی خدمت کا فریضہ ادا کرنے والے بزرگوں میں سے جن حضرات کے اسمائے گرامی سرفہرست آتے ہیں ان کے بارے میں فرمان رسالت ﷺ ہے۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامہ علی راس کل مائہ سنہ من تجدد فیھا امر دینھا۔ (سنن ابوداؤد باب مایذکر فی قرن المأۃ)

بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے امر دین کو تازہ کریں۔

اس حدیث کی سند کے بارے میں ملا علی قاری علیہ رحمتہ اللہ الباری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے فرمایا ہے (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول صفحہ ۳۰۲)

سندہ صحیح و رجالہ کلھم ثقات و کذا صححہ الحاکم

اس کی سند صحیح اور رجال ثقہ ہیں اور اسی طرح حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت بھی دین کی حفاظت کے اسی عظیم الشان اہتمام پر دلالت کرتی ہے۔

عن معاویہ صمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایزال من امہ قائمہ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذالک متفق علیہ (مشکوہ شریف)

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمیشہ میری امت میں ایک گروہ دین برحق کی حفاظت پر قائم رہے گا' انہیں ذلیل کرنے والے اور مخالف کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے وہ گروہ تاقیامت حق پر ہی قائم رہے گا۔

چونکہ یہ کتابچہ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کا تجدیدی کارنامہ بیان کرنے کی غرض سے لکھی جارہا ہے۔ اس لئے حدیث تجدید کے تحت بعض حقائق، وضاحتوں اور مغالطوں کا بیان کردینا ضروری نظر آیا---- مجددین کے بارے میں حدیث تجدید موجود ہے اور ان حضرات کا ہر صدی میں پایا جانا ایک قدرتی انتظام کے تحت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ لیکن دوسری کڑیوں سے آپ کو ایک گونہ امتیاز حاصل ہے۔ یہ امتیاز کیا ہے؟ اس سوال کا جواب خود حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی جانب سے ملاحظہ ہو۔

جان لینا چاہئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد

Marfat.com

اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے اس طرح کا ان دونوں قسم کے مجددوں میں فرق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ مجدد وہ ہوتا ہے کہ فیوض و برکات میں اس سے مدت کے اندر امتیوں کو جو حصہ پہنچتا ہے۔ اسی کے واسطے سے پہنچتا ہے، خواہ وہ اس وقت کے اقطاب داد تاو اور ابدال و نجبل ہی کیوں نہ ہوں۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۱)

دوسرے مقام پر آپ نے اپنے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق رحمتہ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی تحریر کرتے ہوئے، سو اور ہزار سال کے مجددین کے فرق اور ان کی ضرورتوں کو یوں بیان فرمایا تھا۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ امم سابقہ میں ایسے تاریک دور کے اندر اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا، لیکن یہ امت خیرالامم اور اس کا پیغمبر خاتم الرسل ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی لئے ہر صدی کے بعد علمائے امت میں سے کسی ایک کو مجدد مقرر فرمایا جاتا ہے تاکہ وہ شریعت محمدیہ کو زندہ کرے، خاص کر ہزار سال کے بعد کہ جو الوالعزم پیغمبر کی پیدائش کا وقت ہوتا ہے اور ہر پیغمبر پر ایسے وقت کفایت نہیں کی گئی تو ایسے وقت امت محمدیہ میں الوالعزم و پیغمبر کی جگہ تام المعرفت عالم و عارف درکار ہوتا ہے جو امم سابقہ کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو۔"

فیض　روح　القدس　ازبام　مدد　فرماید
دیگراں　نیز　کنند　آنچہ　مسیحای　کرد

(مکتوب نمبر ۲۳۴ دفتر اول)

اپنے خلیفہ اجل، خواجہ میر نعمان بدخشی رحمتہ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس ہزار سالہ تجدید کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے۔

یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور یہ آخریت ہے جو اسی اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۶۱ دفتر اول)

اسی مکتوب گرامی کے اندر آپ نے الف ثانی کی تجدید کے بارے میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"اس امت کی آخریت کا دور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت سے ہزار سال گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے دوسرے ہزار سال کی ابتداء ہے۔ ہزار سالہ دور کو حالات کی تبدیلی میں بہت دخل ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ لیکن اس امت میں چونکہ نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اسی لئے نسبت سابقین اپنی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اس نے الف ثانی میں از سر نو شریعت مطہرہ کی تجدید کر کے ملت اسلامیہ کو فروغ دیا ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں۔ (ایضاً)

(مختصر حالات امام ربانی مجدد الف ثانی صفحہ ۱۲ تا ۱۵ مرتبہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری)

Marfat.com

امام ربانی اور اکبری دور: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اکبر کے متعلق لکھا ہے۔

"It is well known that he broke away from Orthodex Islam."

"He recommended for this the Sun or its earthly counter part fire."

"The study of Arabic was discouraged. The practice of shaving the beared was introduced. The Muslim era changed for a solar year. The customs of prostration before the king was also introduced to the disgust of orthodex muslims. No new mosques were built and the old ones were not repaired. Akbar's mode of life on the whole ceased to be that of a muslim, and constantly approached to the Hindu ides of Dharma as modified by himself."

(مغل رول ان انڈیا صفحہ ۸۰)

لیکن عہد اکبری کی اس تصویر کو دیکھ کر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے حضرت مجدد کی مشہور تصنیف اثبات النبوۃ کے اردو ترجمے کے مقدمے میں پیش کی ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے عہد اکبری کا جو خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

"ابو الفضل اور فیضی بلکہ ان کے باپ مُلا مبارک کی وجہ سے دین اور پھر نبوت پر اعتراضات شروع ہو چکے تھے اور بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی۔ انہی ایام میں ابو الفضل نے حضرت مجدد کی موجودگی میں حضرت امام غزالیؒ کو نامعقول کہا تھا اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔

نماز، روزہ اور شعائر اسلام کو "تقلیدات یعنی عقل کے خلاف سمجھا گیا۔ ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لئے ایک آتش خانہ تیار ہوا۔

نصاریٰ کی طرح ناقوس، صور تثلیث اور ان کی تعریفیں اکبر کا وظیفہ تھیں۔

برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔

سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی۔ سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی۔ قشقہ لگایا جاتا۔ آگ پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور اس کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا۔ خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا۔ گائے کا گوشت حرام اور خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ سود شراب اور جواء حلال سمجھا گیا۔ خود کو سجدہ کراتا تھا اور دیگر شعائر اسلام کی جو توہین کی گئی وہ حیطہ تحریر میں لا نہیں سکتا۔"

ملا عبدالقادر بدایونی نے دین الٰہی کی جو تفصیل پیش کی ہے یہ ہے۔

اس دین میں شامل ہونے والوں کا کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفہ اللہ تھا جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے ان کو مذکورہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل عہد نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

Marfat.com

من کہ فلاں ابن فلاں ہوں- اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی سے (جو باپ دادوں سے دیکھا اور سنا تھا) علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں- (جلد دوم صفحہ ۲۷۳)

"اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا تھا اور شاہی محل کے نیچے دونوں جانور زیارت کے لئے رکھے گئے کہ ان کا دیکھنا- بھی عبادت تھا- تناسخ پر یقین کیا گیا اور عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا-

قرآن کو مخلوق وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا-

احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کئے جانے لگے-

ہندو تو ہندو ہی تھے، ہندو مزاج مسلمان بھی حضور انور کی نبوت کے منکر ہو گئے-" دین اسلام کے دشمنوں نے جب کبھی بھی اسلام کو سرنگوں کرنے کی مذموم کوششیں کی ہیں ان کا سب سے بڑا حربہ یہی رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمان کی وابستگی کو مضمحل کر دیا جائے- چنانچہ ہندوؤں سے مرعوب ذہنیت کے مسلمانوں مثلاً ابو الفضل اور فیضی اور شیخ مبارک نے کہنا شروع کیا کہ توحید کی موجودگی میں رسالت پر ایمان لانا ضروری نہیں- اس اثر کو زائل کرنے کے لئے مجدد الف ثانی ؒ نے رسالہ اثبات النبوۃ تحریر کیا اور ڈگمگاتے ذہنوں کو نئے سرے سے استحکام بخشا-

مجدد الف ثانی ؒ نے عجمی تصوف کی اصلاح کے لئے جہاد فرمایا- اور وحدت الوجود کی جگہ وحدت الشہود کو اجاگر کیا- اسلامی جمیعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی جس کے نتیجہ میں بالآخر پاکستان معرض وجود میں آیا- (بحوالہ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب کا مقالہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ

آپ شاہ عبد الرحیم کے ہاں ۴/ شوال ۱۱۱۴ھ (۱۰- فروری ۱۷۰۳ء) کو طلوع آفتاب کے وقت موضع پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے- والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے- جبکہ والدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم سے ملتا ہے- (انفاس العارفین صفحہ ۹۵۴ تفہیمات الہیہ صفحہ ۱۵۴) پیدائش سے پہلے (والد) شاہ عبد الرحیم کو اشارہ ہوا تھا کہ مولود کا نام قطب الدین احمد رکھنا- چنانچہ ولادت کے بعد یہی نام رکھا گیا- لیکن "ولی اللہ" کو بھی اس کا جز بنا دیا گیا- جبکہ تاریخی نام عظیم الدین ٹھہرا- لیکن آپ شاہ ولی اللہ کے نام سے ہی معروف و مشہور ہیں-

تعلیم: چار سال کے تھے کہ مکتب میں بٹھا دیا گیا- ساتویں سال والد نے نماز روزہ شروع کرایا- اسی سال (کے آخر میں) قرآن حکیم حفظ کیا- اور فارسی اور عربی کی تعلیم بھی شروع کر دی- دسویں سال میں شرح ملا جامی پڑھ لی- نیز مطالعہ کتب کا شوق پیدا ہوا- چودہ برس کے تھے کہ شادی کر دی گئی- ایک سال بعد اپنے

Marfat.com

والد سے بیعت کی۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے اذکار و اشتغال میں مشغول ہو گئے۔ قرآن مجید کو سادہ ترجمہ کے ساتھ والد صاحب سے پڑھا۔ رفتہ رفتہ زمانے کے مروجہ علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب، کلام، معانی، منطق، فلسفہ، طب اور تصوف وغیرہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ سند اور تدریس کی اجازت حاصل کرلی۔ صحاحتہ کی سند حاجی شیخ محمد افضل سے حاصل کی قریباً سترہ سال کے تھے کہ آپ کے والد صاحب نے ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد دہلی میں بارہ سال تک تدریس میں منہمک رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کے لئے گئے۔ اور ادائے حج کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں چودہ ماہ تک قیام کیا۔ اور حرمین کے مشائخ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ اس ضمن میں آپ کے استاد شیخ ابو طاہر مدنی، شیخ تاج الدین حنفی، شیخ وفد اللہ اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری تھے۔ اسی قیام کے دوران آپ کو جو عارفانہ مشاہدات اور فیوضات محمدی حاصل ہوئے ان کو آپ نے حضور علیہ السلام کی اجازت سے "فیوض الحرمین" کے نام سے قلمبند کیا اور اس کی عام اشاعت کی گئی۔ آپ رجب ۱۱۴۵ھ میں واپس دہلی آئے اور اپنے والد محترم کی درسگاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ یہ درسگاہ (مدرسہ رحیمیہ) کوٹلہ فیروز شاہ میں تھی۔ اب اس کا انتظام اس طرح کیا کہ ہر مضمون کی تدریس کے لئے باکمال اساتذہ رکھے گئے اور خود وہ اس مدرسہ کے سربراہ تھے۔ طالب علموں کی تعداد گنجائش سے بڑھی تو محمد شاہ بادشاہ نے کوچہ چیلاں میں ایک وسیع حویلی شاہ صاحب کو درس کے لئے پیش کردی۔ اسی درس و تدریس میں مصروف رہ کر آخر آپ نے ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ (۲۰۔ اگست ۱۷۶۲ء) کو بوقت ظہر داعی اجل کو لبیک کہا۔

شادی اور اولاد: شاہ ولی اللہ کی پہلی شادی بعمر چودہ سال آپ کی ماموں زاد سے ہوئی۔ جبکہ دوسری شادی ۱۱۵۷ھ میں مولوی سید حامد سونی پتی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ دوسری اہلیہ کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے جو علم اور شہرت کے فلک پر چاند بن کر چمکے۔ یعنی شاہ عبدالعزیز (پ۔۱۱۵۹) شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی ان چاروں بیٹوں نے شاہ ولی اللہ سے ہی علوم کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۸۰) شاہ صاحب ہندی نژاد ہونے کے باوجود عربی اہل زبان کی طرح نہایت شستہ لکھتے اور دقیق علمی مباحث کو شگفتہ طریق سے بیان کردیتے تھے۔ فارسی میں بھی خوب دسترس تھی عربی اور فارسی شاعری میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کا لکھا ہوا قصیدہ "اطیب النغم" عربی میں ہے۔ اور فارسی میں شعر گوئی کا ذکر کلمات طیبات کے آخر میں ہے۔

مختلف کارنامے: (۱) آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات میں علمی اور فقہی اختلافات اور افکار میں تطابق پیدا کرکے قومی اور ملی یکجہتی کو فروغ دینے کی سعی کی۔ اور اختلافی مسائل میں الجھے رہنے کی بجائے انہیں متفقہ مسائل کی طرف مائل کیا۔ فرقہ وارانہ نزاعات میں غلو و تعصب کو مٹانے کی کوشش کی۔ (۲) یونانی فلسفہ کی بجائے ایمانی فلسفہ (دانش ایمانی) کو رواج دیا۔ (۳) تعلیمی نصاب کے پرانے ڈھانچے میں ترمیم کی اور اسے عقلی موشگافیوں (بے ضرورت معقولات) اور اخلاقیات ((نظری الجھنوں) سے پاک کردیا۔ (۴) قرآن حکیم کو بامعنی پڑھنے پر زور دیا۔ اس کے لئے آپ نے قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔ اور آپ کے بیٹوں شاہ رفیع الدین" اور شاہ عبدالقادر" نے قرآن کے اردو میں تراجم کئے۔ (۵) علم حدیث کی

Marfat.com

تعلیم و تدریس پر زور دیا۔ (۶) بادشاہوں، حاکموں، امرا اور وزراء، سپہ سالاروں حکومتی اور فوجی عہدہ داروں، علماء اور صوفیاء اور عوام کے حالات کا جائزہ لے کر ان میں موجود غلط رویوں کی مذمت کی اور اصلاح احوال پر زور دیا۔ اور ان کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا۔ (۷) غلط عقیدہ اور عمل کی خرابیاں واضح کیں۔ (۸) غربت اور امارت کے درمیان اقتصادی تفاوات رفع کرنے کی کوشش کی اور معاشی مسائل کا حل پیش کیا۔ (۹) سیاسی احوال اور طوائف الملوکی کی اصلاح کر کے اسلامی حکومت کے غلبہ کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے احمد شاہ ابدالی کو نامہ لکھ کر بلایا۔

تصانیف: آپ کی تصانیف تقریباً ہر موضوع پر موجود ہیں۔ علم حدیث میں (۱) تفسیر فتح الرحمن بترجمہ القرآن پیش کی۔ جس میں قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ اور اس کے ساتھ ایک جامع مقدمہ ہے اور تفسیر بھی---- یہ ترجمہ آئندہ ترجموں کے لئے بنیاد بنا۔ (۲) فوز الکبیر فی اصول التفسیر فارسی میں مختصر مگر پر مغز رسالہ ہے جو اصول تفسیر میں ہے۔ اس کا عربی ترجمہ ۱۲۹۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہوا۔ (۳) فتح الخبیر (عربی) فوز الکبیر کا ایک حصہ ہے اس میں قرآن سے مشکل الفاظ کی تشریح ہے۔ (۴) تاویل الاحادیث فی رموز قصص انبیاء والمرسلین۔ یہ قرآنی قصص پر اچھوتا تبصرہ ہے۔ جس میں لطائف و نکات کے ساتھ اصول شرعیہ کا بیان بھی ہے۔ نیز بعض بلند پایہ علمی اور فقہی اشارات بھی ہیں۔ جسے شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد (پاکستان) نے شائع کیا۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ جی این جلبانی نے کیا جو لاہور سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ (۵-۶) المصفی اور المسوی (عربی)۔ یہ یحییٰ المصمودی کے مرتب کردہ نسخہ موطا امام مالک کی ترتیب نو ہے۔ جس میں بعض نئے ابواب بھی قائم کئے ہیں۔ اور قرآنی آیات سے استدلال کر کے موضوع کو تقویت دی ہے۔ فارسی میں اس کا جامع مقدمہ لکھا کیونکہ شاہ صاحب موطا امام مالک کو حدیث کی اصل قرار دیتے ہیں۔ (۷) حجتہ اللہ البالغہ (عربی) یہ کتاب فقہ، اسرار شریعت، تصوف، احادیث، عقائد، عبادات، معاملات و تدبیر و منزل، و مملکت، اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت کے مباحث پر مشتمل ہے۔ پہلی بار ۱۲۸۶ھ میں بریلی سے شائع ہوئی پھر مختلف بلاد عرب اور برصغیر سے متعدد بار شائع کی گئی۔ اس کے متعدد اردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۸) در ثمین (حضور علیہ السلام کے مبشرات (رویا) کے بارے میں ہے جو عربی میں ہے) اس میں آپ کے بزرگوں سے متعلقہ خوابوں کا بیان ہے۔ جو ان کو یا اور لوگوں کو ان کے بارے میں آئے۔

اصول فقہ: میں الانصاف (یہ فقہ میں اختلاف کے اسباب پر ہے۔ عربی میں ہے) اسی طرح عقد الجید (عربی) بھی فقہی مسائل اور تقلید کے جواز میں ہے۔

عقائد و کلام میں ازالہ الخفا (فارسی) ہے جو خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات پر ہے۔ اس میں اسلام کے عمرانی اصولوں اور نظریہ سیاست پر بھی سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ یہ ۱۲۸۶ھ میں بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر فارسی میں قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لکھی۔ خبر میں عقلاً اور نقلاً بحث ملتی ہے۔ توحید پر آپ نے تحفۃ الموحدین (فارسی) لکھی جبکہ اسلام کے بنیادی عقائد پر عربی میں "حسن العقیدہ" تحریر کی۔

Marfat.com

تصوف: اس موضوع پر "الطاف القدس" فارسی میں لکھی جس میں تصوف کے بنیادی مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ از جی این جلبانی ۱۹۸۲ء میں لندن سے چھپا۔

ھمعات: یہ کتاب فارسی میں ہے۔ تصوف اور اہل تصوف کے کوائف و احوال اور اشغال اور اوراد پر بڑی اہم مفید، مستند اور ضخیم تصنیف ہے۔ یہ لاہور سے ۱۹۴۴ء میں چھپ چکی ہے۔

سطعات: یہ فارسی میں ہے۔ یہ ۲۴ صفحات کا ننھا سا رسالہ فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات اور فلسفہ وحدت الوجود کی تعبیرات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں "ربط الحادث بالقدیم" کے معاملے کو حل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس میں طبی اصطلاحات اور طبیعیہ حکمت کے مباحث بھی شامل ہیں۔ بعض جگہ ذاتی تحقیق سے فلسفیوں اور متکلمین کی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی از جی این جلبانی ۱۹۷۰ء میں لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔

القول الجمیل (عربی): اس میں بیعت کا جواز، مرشد و مرید کے لئے شرائط اور طریقہ تعلیم و تربیت اور بعض مباحث کے ساتھ آخر میں سلسلہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے اوراد و اشغال بیان کئے ہیں۔

الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی): یہ تاریخ سلاسل تصوف اور مختصر تذکرہ تعلیمات تصوف پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۱۱ھ میں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

فیوض الحرمین (عربی): آپ کے روحانی مشاہدات اور تجربات پر مشتمل ہے جو آپ کو ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاص رحمت اور فیضان سے مشاہدہ کرائے گئے اس کا سلیس اور آسان ترجمہ محمد سرور نے بعنوان "مشاہدات و معارف" شائع کرایا۔ ہر پڑھنے والے کو اس کی سمجھ آتی ہے۔ اگر کوئی دل کی آنکھیں بند کر کے پڑھے تو واقعی کچھ بھی پلے نہیں پڑے گا۔

ھوامع: یہ فارسی میں ہے اور دعائے حزب البحر کی شرح پر مشتمل ہے۔ یہ دہلی سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔

الخیرا لکثیر (عربی): یہ کتاب فلسفہ طبیعیات، تصوف اور حکمت الاشراق کے مباحث پر ہے۔ جس میں اللہ کی ذات، اسماء حسنیٰ کی حقیقت اور حقیقت وحی وغیرہ کی تشریح ہے۔ نیز زمان و مکان، عرش و کرسی و افلاک، عالم مثال، نبوت اور عالم آخرت وغیرہ پر دلچسپ مباحث ہیں۔ اس کا انگریزی ترجمہ از جی۔ این جلبانی ---- لاہور سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔

البدور البازغہ (عربی): پہلی بار یہ ۱۳۵۴ھ میں سورت (ڈابھیل) سے چھپی۔ اسرار شریعت، طبیعیات، اخلاقیات اور ارتفاقات، عمرانی، معاشری احکام آداب، خلافت الہیہ کا تصور اور اسلامی نظام حکومت پر مباحث اس میں شامل ہیں۔ اثبات نبوت، اقسام وحی، انبیاء علیہم السلام کے درجات وغیرہ بھی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز ارکان اربعہ (نماز روزہ زکوٰۃ اور حج) کے اسرار اور مقاصد شریعت پر بھی بحث ہے۔

Marfat.com

لمعات: یہ فارسی میں ہے اس کا موضوع تصوف ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ از جی این جلبانی لاہور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

شفاء القلوب: فارسی میں ہے اور تصوف پر ہے غالباً ابھی چھپ نہیں سکی۔

المقدمہ السنیہ: یہ عربی میں ہے۔ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے جو آپ نے اپنے استاد شیخ ابوطاہر کی فرمائش پر ۱۱۴۴ھ میں حرمین شریفین میں کیا تھا۔ یہ دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

فتح الودود لمعرفہ الجنود (عربی): یہ بھی تصوف اور اخلاقیات پر ہے۔

عوارف: یہ عربی میں ہے اور تصوف کے موضوع پر ہے۔

اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم: یہ آپ کے عربی میں نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جو ۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع ہوا۔

سرور المحزون فی سیرت النبی المامون: یہ فارسی میں ہے جو مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کی فرمائش پر لکھی گئی کتاب "نور العیون" (سیرت النبی) کا خلاصہ ہے جسے "ابن سید الناس" نے تحریر کیا تھا۔ شاہ صاحب نے اس کتاب کے لازمی حصص کو خلاصہ کی صورت میں ڈھال دیا تھا۔ اس کے متعدد اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

انفاس العارفین: یہ درج ذیل رسائل پر مشتمل ہے۔ (۱) بوارق الولایہ۔ (فارسی) جو آپ کے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان کے احوال و معارف بھی آگئے ہیں۔ (۲) شوارق المعرفہ۔ یہ آپ کے چچا ابو الرضا محمد کے احوال و معارف پر ہے۔ (۳) الامداد فی ماثر الاجداد (شاہ ولی اللہ کے خاندانی حالات) (۴) النبذۃ الابریزیہ فی لطیفہ العزیزیہ (شاہ ولی اللہ کے جد اعلیٰ شیخ عبدالعزیز دہلوی کے حالات) (۵) العطیہ الصمدیہ (آپ کے نانا شیخ محمد پھلتی (ضلع مظفر نگر) کے حالات) (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین یہ رسالہ شاہ صاحب کے مکی مدنی اساتذہ اور شیوخ کے حالات پر مشتمل ہے۔ (۷) الجزء اللطیف یہ شاہ ولی کی خودنوشت سوانح العمری ہے۔ اس کا عربی ترجمہ مکتبہ سلفیہ لاہور سے الگ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح ان رسائل میں سے بعض الگ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انفاس العارفین کا اردو ترجمہ سید محمد فاروق قادری نے لاہور سے شائع کیا۔ ازیں پیشتر اس کا ترجمہ دہلی سے بھی شائع ہوا تھا۔ جسے حافظ محمد بخش دہلوی نے کیا۔

تفہیمات الٰہیہ (دو جلدیں): یہ عربی اور فارسی میں ہے۔ جو مصنف کے قلبی واردات اور وجدانی مضامین پر مشتمل ہے۔ کتاب کا مفید ترین حصہ وہ ہے جس میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ پہلی بار ۱۳۵۵ھ میں مجلس علمی نے ڈابھیل (سورت۔ بھارت) سے شائع کی تھی۔

مکتوب مدنی: (۱) شاہ ولی اللہ کے بہت سے مکتوبات مختلف ناموں سے چھپ بھی چکے ہیں اور بعض ابھی غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ مکتوب مدنی، عربی میں ہے۔ جو تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد میں بھی شامل ہے۔ اور اکیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہی مکتوب "فیصلہ وحدت الوجود والشہود" کے نام سے الگ بھی طبع کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ آپ کے سیاسی مکتوبات خلیق احمد نظامی نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف کی تعداد، حافظ ابراہیم سیالکوٹی نے اپنی کتاب تاریخ اہل حدیث میں دو سو سے زیادہ لکھی ہے۔ لیکن ڈاکٹر محمد مظہر بقاء نے اپنی کتاب "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" جو ۱۹۷۳ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے شائع کی، میں چھان پھٹک کے بعد آپ کی ۴۷ تصانیف کی فہرست دی ہے۔

تصوف کے مشہور سلاسل اربعہ

ملک خدا بخش ٹوانہ مرحوم (ماہنامہ نور اسلام شرقپور شریف کے اولیائے نقشبند نمبر حصہ اول بابت مارچ اپریل ۱۹۷۹ء) میں لکھتے ہیں۔

تصوف میں چار مشہور خاندان نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ اور ان کے ذیلی چودہ خانوادے ہیں جن میں رفاعیہ، شطاریہ، مولویہ، بندگیہ، کبرویہ، نوشاہیہ، شاذلیہ، جنیدیہ، قلندریہ زیادہ مشہور ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں چاروں بڑے خاندانوں کا فیض جمع ہو گیا ہے، ان کے احوال و مقامات طرز سلوک اور تربیت سا لکین میں کچھ تفاوت اور اختلاف کار فرما ہیں ویسے منزل چونکہ سب کی ایک ہے راہ کی اکثر گھاٹیاں اور موڑ مشترک واقع ہوئے ہیں خوف و رجا تفویض و طلب سکر و صحو اشتیاق و استغنا کی متضاد یا مختلف واردات بھی کم و بیش مقدار میں سب راہروان بیابان سلوک کے شامل حال رہتی ہیں۔

ذر بیابان طلب پیوستہ ے کو شیم ما موج بحریم و شکست خویش بر دو شیم ما

مقامات و مراقبات کی اصطلاحات: حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے مقامات و مراقبات کی اصلاحات درج ذیل ہے۔

ان کے ہاں انسان کی ترکیب دس لطائف پر مشتمل ہے پانچ عالم امر سے ہیں قلب، روح، سر، خفی اور اخفی اور پانچ عالم خلق سے نفس، خاک، باد، آب، آتش، لطائف امروہ ہیں جو مجرد امر کن سے پیدا ہو گئے اور لطائف خلق جو بتدریج پیدا ہوئے۔

اصطلاحات: (۱) تصوف، نفسانی خواہشات سے پاک ہونا اللہ کی طرف رجوع ہونا۔

(۲) صوفی، جو اپنا خیال قلب کی طرف رکھے اور اللہ تعالے کے سوا دوسرے کو اس میں نہ آنے دے۔

(۳) سلوک، اللہ تعالے کا قرب حاصل کرنا۔

(۴) فقیر، جو اللہ تعالے کے سوا کسی کا محتاج نہ ہو۔

(۵) ذکر و فکر، ابتدا اور انتہا

(۶) مراقبہ، مبداء فیاض سے فیض کا انتظار کرنا۔

(۷) تکمیل لطائف، جب سالک جس لطیفے کا ذکر کر رہا ہو وہ فنا ہو جائے یعنی محسوس نہ ہو تو یہی

Marfat.com

اس لطیفے کی تکمیل کا درجہ ہے۔

(۸) تکمیل مراقبہ کیفیت مراقبہ کا فنا ہونا۔

(۹) جذبہ، اللہ تعالیٰ کی تجلی کی طرف دل کا متوجہ ہونا جب جذبہ الٰہی کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو یہ جذبہ الٰہی یا تو بلاواسطہ ہوتا ہے اسے جذب مطلق یعنی اجتبا کہتے ہیں اور یا جذبہ بالواسطہ ہوتا ہے یہ دو قسم کا ہے یا تو عبادت کے ذریعے پیدا ہوتا ہے یا شیخ کامل کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے جو جذبہ الٰہی بذریعہ عبادت پیدا ہو اس کو ثمرہ عبادت کہتے ہیں، اگرچہ برکات عبادت سے قوت وسعت اور اقربیت حاصل ہوتی ہے لیکن تکمیل مقامات سلوک یعنی ایک مقام سے دوسرے مقام تک ترقی ولایت صغریٰ سے ولایت کبریٰ تک پھر ولایت علیا اور کمالات نبوت تک درجہ بدرجہ ترقی نہیں ہو سکتی اور جو جذبہ الٰہی شیخ کامل کی صحبت سے حاصل ہو اس کو تاثیر شیخ کہتے ہیں اور یہی جذبہ موجب ترقی مقامات ہے۔

اکثر حضرات اولیاء نے رضی اللہ عنہم سلوک کو جذبہ پر مقدم خیال فرمایا ہے اور ایسے سالک کو سالک مجذوب کہتے ہیں اور اس کی ابتدائی سیر کو سیر آفاقی کہتے ہیں اور یہ سیر دور دراز کی ہوتی ہے انتہائے سیر کے مقام پر پہنچنے سے پہلے اگر سالک مجذوب دنیا سے رحلت کر گیا تو ناکام رہا اللہ تعالے نے حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کو سلوک پر جذبہ کو مقدم کرنے کا حکم دیا اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ کرام اول توجہ کے ذریعے سے لطائف عالم امر کا القاء مرید پر کرتے ہیں یہاں تک کہ قلب، روح، سر، خفی، اخفی اپنے اصول پر قائم ہو جاتے ہیں ایسے سالک کو مجذوب سالک اور ایسی سیر کو اندراج النہایتہ فی البدایتہ کہتے ہیں یعنی دوسرے سلسلے والے حضرات جن کے نزدیک سلوک جذبہ پر مقدم ہے ان کے طریقے پر سلوک کرنے والے کی جہاں انتہا ہوتی ہے، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ پر چلنے والے سالک کی ابتداء شروع ہوتی ہے کیوں کہ اس سلسلہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے، جذب مطلق جسے جذبہ اجتبا کہتے ہیں عوام کے حق میں متصور نہیں ایسے شخص کو یہ جذبہ حاصل ہو سکتا ہے جس کا تعلق کسی کامل انسان سے ہو، ہو باطن میں خدا تعالے اور ظاہر میں خلق خدا سے مناسبت رکھتا ہو جذبہ اجتبا بعض قوی استعداد والے لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا کامل اکمل ولی اللہ کے ارواح طیبہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱۰) ایمان، اللہ تعالے کو وحدہ لا شریک اور موصوف باوصاف کمال جاننا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ماننا اور تمام انبیاء اور ملائکہ آسمانی قیامت حشر نشر بہشت دوزخ کو حق جاننا ایمان کہلاتا ہے۔

(۱۱) اسلام، احکام الٰہی اور رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے کا نام اسلام ہے۔

(۱۲) دین سے مراد ہے حکم برداری اطاعت عبادت۔

(۱۳) شریعت راہ راست شرح دین حق تعالے کو شریعت کہتے ہیں۔

(۱۴) افق، عالم احسان کو افق کہتے ہیں، اس کی جمع آفاق ہے۔

(۱۵) افق مبین، قلب کے مقام نہایت کو افق مبین کہتے ہیں۔

(۱۶) افق اعلیٰ، روح کے مقام نہایت کو افق اعلیٰ کہتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۷) ادراک، غیر محسوس چیز کو دریافت کرنے کا نام ادراک ہے۔

(۱۸) جمعیت، اللہ تعالے کے سوا کسی اور چیز سے مشغول نہ ہونا۔

(۱۹) تفرقہ، اللہ تعالے کے سوا کسی اور چیز سے مشغول ہونا۔

(۲۰) واسطہ، انسان کامل مکمل جو خالق مخلوق میں مناسبت رکھے۔

(۲۱) ولایت کامل، بندہ کا اپنے نفس یعنی ذات کے فنا ہونے کے بعد جو تعلق حق سبحانہ تعالے کے ساتھ قائم ہو۔

(۲۲) حال، وہ حالت ہے جو قلب اور روح پر اللہ تعالے کی عنایت سے طاری ہو۔

(۲۳) ناسوت، عالم خلق، عالم شہادت طریقہ اور مقام تخلیہ کو ناسوت کہتے ہیں۔

(۲۴) ملکوت، عالم غیب کے مشاہدہ کرنے اور عالم ارواح کو ملکوت کہتے ہیں۔

(۲۵) جبروت، دبدبہ عظمت شوکت اور مرتبہ وحدت اول کو کہتے ہیں۔

(۲۶) لاہوت، اسرار تجلیات ذات پاک حق سبحانہ کو لاہوت کہتے ہیں۔

(۲۷) علم لدنی، وہ علم جو بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالے کسی بندہ کامل کو عطا فرمائے۔

(۲۸) توجہ والقاء، دوسرے انسان کے دل میں ذکر اور محبت الٰہی کا پہنچانا۔

(۲۹) معجزہ، خرق عادات کی قسم سے جو بات نبی سے ظاہر ہو۔

(۳۰) کرامت، خرق عادات کی قسم سے جو بات اولیاء اللہ سے ظاہر ہو۔

(۳۱) معونت، خلاف عادت بات جو مجنون یا عام مومن سے ظاہر ہو۔

(۳۲) استدراج، خلاف عادت بات جو کافر سے ظاہر ہو۔

(۳۳) صاحب تمکین، وہ سالک جو سلوک کی منزلیں ناسوت، جبروت، لاہوت وغیرہ طے کر کے واصل الی اللہ ہو گیا ہو۔

(۳۴) صاحب تلوین، وہ سالک جو ابھی سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہو۔

مقامات مجددیہ کے مراقبوں کی نہایت اور دائروں کی تفصیل اس خاندان کی کتب وہاکہ میں درج ہیں نام یہ ہیں مراقبہ لطیفہ قلب، مراقبہ لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی، ولایت کبری اور اس کے تین دائرے مراقبہ اسم ظاہر، اسم باطن، کمالات نبوت، کمالات رسالت، کمالات اولعزم، مراقبہ حقیقت کعبہ ربانی، حقیقت قرآن مجید، حقیقت نماز، مراقبہ معبودیت صرفہ، حقیقت ابرہیمی، حقیقت موسوی حقیقت محمدی، حقیقت احمدی، مراقبہ حب صرفہ اور مراقبہ دائرہ لاتعین، ان تمام مراقبوں میں سالک اپنے متعلقہ لطائف اور ہیئت وجدانی کو ذوات متعلقہ کے بالمقابل فیض حاصل کرنے کا تصور کرتا ہے۔

حضور مجدد الف ثانی بلکہ حضرت مرزا جانجاناں مظہر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء تک نقشبندی قادری، چشتی، اور سہروردی کے شجرات سلاسل درج ذیل ہیں۔

شجرہ خواجگان چشتیہ

Marfat.com

(۱) حضور رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی علیہ و سلم (وصال ۱۰ھ)
(۲) حضرت امیرالمومنین ابوالحسن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۴۰ھ)
(۳) حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۱ھ)
(۴) حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ (۱۷۰ھ)
(۵) حضرت خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ (۱۷۰ھ)
(۶) حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھم بلخی رحمتہ اللہ علیہ (۱۸۰ھ)
(۷) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رحمتہ اللہ علیہ (۲۵۲ھ)
(۸) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری رحمتہ اللہ علیہ (۲۷۹ھ)
(۹) حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رحمتہ اللہ علیہ (۲۹۹ھ)
(۱۰) حضرت خواجہ ابی اسحٰق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۳۴۳ھ)
(۱۱) حضرت خواجہ سید ابی احمد ابدالی چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۳۵۵ھ)
(۱۲) حضرت سید ابی محمد ابن احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۴۱۱ھ)
(۱۳) حضرت خواجہ ناصرالدین ابی یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۴۵۹ھ)
(۱۴) حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۵۲۷ھ)
(۱۵) حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف زندانی رحمتہ اللہ علیہ (۶۱۲ھ)
(۱۶) حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ (۶۱۷ھ)
(۱۷) حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن اجمیری رحمتہ اللہ علیہ (۶۳۳ھ)
(۱۸) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رحمتہ اللہ علیہ (۶۳۴ھ)
(۱۹) حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی رحمتہ اللہ علیہ (۶۵۹ھ)
(۲۰) حضرت خواجہ مخدوم علی صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ (۶۶۴ھ)
(۲۱) حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ (۷۱۶ھ)
(۲۲) حضرت خواجہ جلال الدین پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ (۸۱۵ھ)
(۲۳) حضرت خواجہ احمد عبدالحق ردولوی رحمتہ اللہ علیہ (۸۳۷ھ)
(۲۴) حضرت خواجہ محمد عارف رحمتہ اللہ علیہ
(۲۵) حضرت خواجہ محمد رحمتہ اللہ علیہ
(۲۶) حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ (۹۴۱ھ)
(۲۷) حضرت خواجہ عبدالاحد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۸) حضرت امام ربانی خواجہ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ)
(۲۹) حضرت خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ
(۳۰) حضرت خواجہ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

(۳۱) حضرت محمد عابد سنامی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۲) حضرت مرزا مظہر جانجاناں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

شجرہ خاندان نقشبندیہ

(۱) حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم
(۲) حضرت صدیق اکبر ابو بکر رضی اللہ عنہ (وصال ۱۳ھ)
(۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۳۶ھ)
(۴) حضرت قاسم بن محمد رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۱ھ)
(۵) حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ (۱۴۸ھ)
(۶) حضرت سلطان بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ (۲۶۲ھ)
(۷) حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ (۴۴۸ھ)
(۸) حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ (۴۵۰ھ)
(۹) حضرت بو علی فارمیدی رحمتہ اللہ علیہ (۵۱۱ھ)
(۱۰) حضرت یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ (۵۳۵ھ)
(۱۱) حضرت عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ (۶۱۵ھ)
(۱۲) حضرت خواجہ ابو عارف ریوگری رحمتہ اللہ علیہ (۶۱۶ھ)
(۱۳) حضرت خواجہ عارف انجیر فغنوی رحمتہ اللہ علیہ (۷۱۵ھ)
(۱۴) حضرت عزیزان علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ (۷۲۱ھ)
(۱۵) حضرت محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۶) حضرت سید میر کلال رحمتہ اللہ علیہ (۷۷۲ھ)
(۱۷) حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ الل علیہ (۷۹۱ھ)
(۱۸) حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ (۸۰۲ھ)
(۱۹) حضت خواجہ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ (۸۵۱ھ)
(۲۰) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ (۸۸۸ھ)
(۲۱) حضرت خواجہ محمد زاہد رحمتہ اللہ علیہ (۹۳۶ھ)
(۲۲) حضرت خواجہ درویش محمد رحمتہ اللہ علیہ (۹۷۰ھ)
(۲۳) حضرت خواجگی امکنگی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۰۹ھ)
(۲۴) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۱۲ھ)
(۲۵) حضرت خواجہ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ)
(۲۶) حضرت محمد معصوم سرہندی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷۳ھ)

Marfat.com

(۲۷) حضرت خواجہ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۹۵ھ)
(۲۸) حضرت خواجہ محمد محسن رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۱۹ھ)
(۲۹) حضرت سید نور محمد بدایوانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۳۵ھ)
(۳۰) حضرت مرزا شمس الدین مظہر جانجاناں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۹۰ھ)
(۳۱) حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۴۵ھ)

نوٹ، حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت حضرت سلطان بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اویسی تھی ظاہری ملاقات بوجہ فاصلہ زمان نہیں ہوئی اور ایک قول کے مطابق حضرت سلطان صاحب کی اپنی نسبت حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بھی بوجہ فاصلہ مدت زمان اویسی تھی اور ظاہری حضرت امام کے پوتے سید جعفر بن امام موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ واقع ہوئی۔

شجرہ خاندان قادریہ امامیہ

(۱) حضور شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
(۲) حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
(۳) سبط رسول حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ
(۵) حضرت امام علی زین العابدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ
(۶) حضرت امام باقر رحمتہ اللہ علیہ
(۷) حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ
(۸) حضرت امام موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ
(۹) حضرت امام علی موسیٰ رضا رحمتہ اللہ علیہ
(۱۰) حضرت شیخ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۱) حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۲) حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۳) حضرت ابوبکر محمد شبلی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۴) حضرت عبدالعزیز یمنی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۵) حضرت عبدالواحد بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ
(۱۶) حضرت علاء الدین طرطوسی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۷) حضرت ابوالحسن علی ہنکاری رحمتہ اللہ علیہ
(۱۸) حضرت شیخ ابو سعید مخزومی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

(۱۹) حضرت پیران پیر غوث الاعظم ابو محمد عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۰) حضرت سید تاج الدین ابو بکر عبد الرزاق رحمتہ اللہ علیہ
(۲۱) حضرت سید شرف الدین قتال رحمتہ اللہ علیہ
(۲۲) حضرت سید عبد الوہاب رحمتہ اللہ علیہ
(۲۳) حضرت سید بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ
(۲۴) حضرت سید عقیل رحمتہ اللہ علیہ
(۲۵) حضرت شمس الدین صحرائی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۶) حضرت سید گدائی رحمٰن اول رحمتہ اللہ علیہ
(۲۷) حضرت سید ابو الحسن رحمتہ اللہ علیہ
(۲۸) حضرت سید شمس الدین عارف رحمتہ اللہ علیہ
(۲۹) حضرت سید گدائی رحمٰن ثانی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۰) حضرت شاہ فضیل رحمتہ اللہ علیہ
(۳۱) حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۲) حضرت شاہ سکند کیتھلی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۳) حضرت امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۴) حضرت شیخ محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ (وصال ۱۰۷۰ھ)
(۳۵) حضرت شیخ عبد الاحد رحمتہ اللہ علیہ
(۳۶) حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمتہ اللہ علیہ
(۳۷) حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ

شجرہ خاندان سہروردیہ

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
(۲) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ
(۳) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
(۴) حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ
(۵) حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ
(۶) حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ
(۷) حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ
(۸) حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
(۹) حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

(۱۰) حضرت احمد دینوری رحمتہ اللہ علیہ
(۱۱) حضرت شیخ محمد رحمتہ اللہ علیہ
(۱۲) حضرت سید یار محمد رحمتہ اللہ علیہ
(۱۳) حضرت وجیہ الدین ابو حفص سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۴) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۵) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۶) حضرت شیخ صدر الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۷) حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ
(۱۸) حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ
(۱۹) حضرت سید اجمل پراچی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۰) حضرت سید بڈھن پراچی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۱) حضرت شیخ درویش محمد بن قاسم لودھی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۲) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۳) حضرت شیخ رکن الدین رحمتہ اللہ علیہ
(۲۴) حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۵) حضرت امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۶) حضرت خواجہ محمد سعید فاروقی رحمتہ اللہ علیہ
(۲۷) حضرت عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ
(۲۸) حضرت خواجہ محمد عابد رحمتہ اللہ علیہ
(۲۹) حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ

برصغیر میں سلاسل اربعہ کی تبلیغی خدمات

(ایک جائزہ) برصغیر میں تصوف کا ارتقاء..

سلسلہ چشتیہ: اس کے بانی خواجہ ابو اسحٰق شامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے روحانی پیشوا خواجہ ممشاد علو دینوری کے حکم سے چشت نامی گاؤں میں آباد ہوئے تھے جو ہرات کے قریب ہے، معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اس سلسلہ کو بارھویں صدی میں ہندوستان میں لائے اور اجمیر میں قیام فرمایا، جن کا سلسلہ یوں ہے۔

معین الدین حسن چشتی، عثمان ہرونی، حاجی شریف زندانی، مودود چشتی، ابی یوسف، ابی محمد ابن احمد، ابن احمد بن فرسنفہ، ابو اسحاق (شامی) چشتی

برصغیر ہندوپاکستان میں سلسلہ چشتیہ کے چار دور ہیں۔

(۱) مشائخ عظام کا دور۔ ۵۹۷ھ تا ۷۵۷ھ، ۱۲۰۰ء تا ۱۳۵۶ء)

Marfat.com

(۲) صوبائی خانقاہی دور - آٹھویں صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک

(۳) سلسلہ صابریہ کا عروج، نویں صدی ہجری سے آگے

(۴) سلسلہ نظامیہ کا احیاء عروج - بارھویں صدی ہجری سے آگے۔

پہلے دور کے صوفیا کی خانقاہیں زیادہ تر راجپوتانہ یوپی اور پنجاب میں تھیں جہاں سے یہ سلسلہ شہروں سے دیہی علاقوں تک پھیل گیا، یہ صوفیا علم ظاہری اور علم باطنی سے خوب مالا مال ہوتے تھے، بادشاہوں سے دور رہتے، شیخ فرید گنج شکر اور نظام الدین اولیاء کے اس سلسلے کا شہر سارے برصغیر میں پھیل گیا، بادشاہ محمد بن تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) نے صوفیا کو ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہونے پر مجبور کیا تو ان کا مرکزی نظام کافی متاثر ہوا شیخ نصیرالدین رحمتہ اللہ علیہ (چراغ دہلی) اور دیگر معمر صوفیا نے بادشاہ کی تجویز سے اتفاق نہ کیا، لیکن بعض نو عمر صوفیاء نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی اور اس انتشار کے بعد صوبائی خانقاہیں وجود میں آگئیں، اور یہ سلسلہ نظام الدین اولیاء اور ان کے خلفاء کے ذریعے صوبائی سطحوں پر خوب پھیلا، جو پنجاب کی خانقاہ پاکپتن شریف کے مرید باصفا تھے جس کے رہبر فرید الدین شیخ سراج الدین عرف اخی سراج نے بنگال میں اس سلسلے کی بنیاد رکھی، ان کے خلیفہ سعید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس سلسلہ کو بنگال بہار اور مشرقی یوپی میں چار چاند لگادیئے، اور جب راجہ کنس نے بنگال میں اپنی حکومت قائم کی تو سید نور قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے خلاف رائے عامہ کو منظم کیا اور سلطان ابراہیم شرقی جونپوری (۱۴۰۲ء تا ۱۴۴۰ء) کو بنگال پر حملہ کی ترغیب دلائی شیخ برھان الدین غریب نے سلسلہ چشتیہ کو دکن میں رائج کیا، اور دولت آباد کو اپنا صدر مقام بنایا، اور شہر برھان پور کا نام انہی کے نام پر رکھا گیا، آپ کے مرید شیخ زین الدین رحمتہ اللہ علیہ علاؤ الدین حسن شاہ (۱۳۴۷ء تا ۱۳۵۹ء) جو بہمنی سلطنت کا بانی تھا کے مرشد تھے۔

شیخ نصیرالدین (چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ) کے ایک مرید اور خلیفہ سید محمد گیسودراز نے گلبرگہ کو مرکز بنا کر سلسلہ چشتیہ کا ابلاغ کیا، جس سے دکن اور گجرات میں اس کی خوب اشاعت ہوئی گجرات میں خواجہ قطب الدین چشتی کے دو مریدوں شیخ محمود اور شیخ حمید الدین نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا بعد ازاں شیخ نظام الدین اولیائی کے تین مرید سید حسن، شیخ حسام الدین ملتانی اور شیخ بارک اللہ نے گجرات میں اس سلسلہ کے لئے کام کیا تاہم اسے موثر طور پر منظم کرنے کا سہرا علامہ کمال الدین کے سر ہے، جو شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے بھتیجے تھے، شیخ زین الدین دولت آبادی کے خلیفہ شیخ یعقوب نے نہروالا میں چشتی خانقاہ قائم کی سید کمال الدین جو گیسو دراز کے سلسلہ سے فیض یافتہ تھے نے بھڑوچ کو اپنا مسکن بنایا، شیخ رکن الدین مودود رحمتہ اللہ علیہ نے بھی گجرات میں بڑی مقبولیت پائی، ان کے مرید شیخ عزیز اللہ المتوکل باللہ کے بیٹے شیخ رحمت اللہ کو اس قدر قبولیت ملی کی وہ سلطان محمود بیگڑا کے مرشد بھی تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین اور مولانا مغیث الدین نے مالوہ میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا، صابریہ چشتیہ کا مرکز کلیر شریف (یوپی کے ضلع سہارن پور میں رڑکی کے نزدیک) تھا، نیز پانی پت، ردولی (اودھ میں ضلع بارہ بنکی سے اڑتیس میل دور ایک مقام) گنگوہ (سہارن پور سے تیس میل دور) تھانیسر (نزد پانی پت) جھنجھانہ (یوپی کے ضلع مظفر نگر میں) اللہ آباد، امروہہ، دیو بند، تھانہ

Marfat.com

بھون اور نانوتہ بھی اس سلسلہ تصوف کے اہم ترین مراکز تھے جہاں روحانی پیاسے اپنی اپنی پیاس بجھاتے شیخ عبدالقدوس گنگوہی سلسلہ صابریہ کے عظیم بزرگ تھے مولانا رشید احمد گنگوہی انہی بزرگ سے نسبت رکھتے تھے چشتیہ بزرگوں کے مغل بادشاہوں سے تعلقات زیادہ خوشگوار نہ تھے جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) شیخ جلال الدین فاروقی کے خلیفہ شیخ نظام الدین فاروقی کا دشمن بن گیا کیونکہ انہوں نے باغی شہزادے خسرو سے تھانیسر میں ملاقات کی تھی جب وہ یہاں سے گزر رہا تھا دارشکوہ اگرچہ شیخ محب اللہ کا ادب کرتا تھا تاہم اورنگ زیب کو ان کے مذہبی خیالات سے اتفاق نہ تھا شاہ عبدالرحیم سید احمد شہید کی تحریک میں شامل ہو گئے اور وہ ۱۸۳۰ء میں بالاکوٹ کے مقام لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ ۱۸۵۷ء میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں جا بسے مولانا رشید احمد گنگوہی قاسم نانوتوی، اشرف علی تھانوی محمود الحسن دیوبندی، سید سلیمان ندوی حسین احمد مدنی، خلیل احمد انبیٹھوی محمد الیاس کاندھلوی (بانی تبلیغی جماعت) احمد حسن محدث امروہی ایسے بزرگ مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے روحانی جانشین کہلاتے ہیں اور دیوبند کے تقریباً سارے علما سلسلہ چشتیہ سے ہی نسبت روحانی رکھتے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۶۴۸ تا ۶۵۱)

سلسلہ چشتیہ کی نظامیہ شاخ کا آغاز شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے کیا آپ تاج محل آگرہ اور دہلی کی جامع مسجد تعمیر کرنے والے ماہرین تعمیرات کے خانوادے سے تھے، لیکن آپ نے چشتیہ سلسلہ کو نئی زندگی بخشی ان کے مرید جنوب میں بھی دور دور تک پھیل گئے آپ کے خلیفہ شیخ نظام نے اورنگ آباد کو مسکن بنایا اور تبلیغ کی، ان کے بیٹے فخر الدین نے دہلی میں ڈیرے ڈال دیئے، جن کے دو خلفاء شاہ نور محمد مہرانی (یا مہاروی) اور شاہ نیاز احمد بریلوی تھے جن کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ پنجاب شمال مغربی سرحدی صوبہ اور یوپی میں خوب پھیلا، شاہ نور محمد مہاروی کے خلفاء نے تونسہ شریف چاچڑاں شریف کوٹ مٹھن احمد پور، ملتان، سیال شریف، گولڑہ شریف اور جلال پور شریف میں اپنی خانقاہیں قائم کیں، شاہ نیاز احمد اور ان کے مریدوں نے دہلی اور یوپی میں زیادہ کام کیا۔

سلسلہ سہروردیہ: اس سلسلہ کے بانی شہاب الدین سہروردی تھے (ابو حفص عمر بن عبداللہ صوفی) آپ شافعی المذہب تھے ۵۳۹ھ / ۱۱۴۵ء میں ایران کے صوبہ جبال میں بمقام سہرورد پیدا ہوئے تصوف کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا ابو النجیب سے حاصل کی اور بعد ازاں شیخ عبدالقادر جیلانی سے کسب فیض کیا شہاب الدین بڑے پا[illegible] ت گزار اور ریاضت میں بڑے دبنگ تھے صوفیا کا ایک گروہ عظیم مجاہدہ اور خلوت میں

Marfat.com

ان پر ہجوم کر آیا، اور آخر عمر میں ان کا مثل اور نظیر نہ تھا آپ بغداد میں شیخ تھے پھر وہ خلیفہ الناصر کے دربار میں باریاب ہوئے اور صدر الصوفیہ کے مرتبے تک پہنچے انہوں نے ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء میں وفات پائی، قیام بغداد کے دوران شیخ سعدی نے ان کے درس میں شمولیت کی تھی، چنانچہ بوستان میں وہ آپ کے بارے میں ایک حکایت بھی لکھتے ہیں کئی بار حج بھی کیا ۱۳۲۱ء میں مکہ معظمہ جاتے ہوئے ان کی ملاقات مصر کے مشہور صوفی شاعر ابن الفارض سے بھی ہوئی تھی، اس موقع پر شاعر کے دونوں بیٹوں نے آپ سے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا تھا، آپ راسخ الاعتقاد صوفیوں کے نمائندہ تھے آپ کی تصنیف عوارف المعارف تصوف میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، جسے چشتیہ بزرگوں نے حرز جان بنائے رکھا دوسری تصنیف رشف ہے جسے النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ بھی کہتے ہیں، رشف ایک مناظرانہ تصنیف ہے جس میں فلسفہ یونان کی تردید کی گئی ہے، اور متکلمین اور الغزالی کے انداز میں یونانیت زدہ فلسفیوں پر تنقید کی ہے معین الدین چشتی اجمیری نے بھی شیخ عبدالقادر جیلانی سے کسب فیض کیا تھا کہتے ہیں کہ تکمیل تعلیم کے بعد چشتی بابا نے عرض کی کہ مجھے عراق کی ولایت سے سرفراز فرمایا جائے تو شیخ جیلانی نے فرمایا کہ عراق کی ولایت تو ہم نے سہروردی کو دے دی ہے تمہیں ولایت ہند دی جاتی ہے چنانچہ آپ ہندوستان میں تشریف لائے جناب شہاب الدین سہروردی نے بغداد میں وفات پائی اور ان کو سہرورد یہ (جائے پیدائش) میں دفن کیا گیا۔

عوارف المعارف: یہ کتاب اخلاق اور تصوف یہ ہے جو تجزیہ اور تزکیہ کا درس دیتی ہے کشف المحجوب سے پہلے تصوف کے موضوع پر بھرپور تصنیف ہے جس میں تصوف کی اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مشابہت پر زور دیا گیا ہے، اور جس طرح اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علائق دنیوی سے الگ ہو کر اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں مگن رہتے تھے اس طرح اہل تصوف اپنی خانقاہوں میں اس متابعت کو نبھاتے ہیں یہ کتاب تریسٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب حکمت و دانش اور رموز و اشارات اور عوارف و معارف کے موتیوں سے لبریز ہے۔

عوارف المعارف کی رو سے رموز شریعت پر خلوص دل سے عمل کرنے کا نام ہے، اس میں وضو، طہارت، نماز، روزہ کے مسائل و آداب اور صوفیا کے طرز عمل کے بارے میں بڑی گہرائی کی حامل معلومات ہیں یہ کتاب واقعی معارف کا خزانہ ہے اور اس میں دیئے گئے لائحہ عمل کے ذریعے انسان واقعی قرآن و سنت کا پر خلوص عامل بن سکتا ہے پھر وہ محض خشک ملاں نہیں ہو گا بلکہ اس کے اندر ایسی کشش پیدا ہو جائے گی کہ وہ کائنات میں آفاقی اخلاقیات کا حامل بن کر دنیا کو متاثر کرے گا اور لوگوں کی بگڑی بنائے گا اور اخلاق کی یہ قسم انبیا علیہم السلام کی وراثت ہے جس پر چل کر صوفیا نے تبلیغ کی راہ میں کامرانیوں کے جھنڈے گاڑے ہیں۔

سہروردی خاندان پاک و ہند میں: سہروردی خاندان کے چشم و چراغ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی بڑے پائے کے اسلامی مبلغ تھے ضلع ساہیوال کے گزیٹر میں لکھا ہے کہ آپ نے نواح ملتان میں بہت سی قوموں کو مشرف بہ اسلام کیا جبکہ آپ کے مرید حضرت موسیٰ نواب رحمتہ اللہ علیہ نے جھک اور اندھرار نامی دو قبیلے مسلمان کیئے، انہی کے مرید سید جلال الدین بخاری نے چدھڑ، سیال، داہر اور وار نامی ہندو قبائل

Marfat.com

کو اسلامی نور سے منور کیا' یہ بات بہاول پور کے گزیٹر میں لکھی ہے' ان کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ پر کھرل اور مبخ قبائل نے اسلام قبول کیا' اس خاندان کے ایک بزرگ سخی سرور تھے' آپ نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے پنجاب میں اسلامی تبلیغ کو شعار بنایا اور بہت سی اقوام کو مسلمان کیا' ان میں جاٹ قوم قابل ذکر ہے' (آب کوثر صفحہ ۹۳ مطبوعہ ۱۹۵۲ء) حضرت شاہ رکن عالم کے خلیفہ شیخ حمید الدین حاکم نے اوچ اور سکھر کے درمیانی علاقہ میں گمراہوں کو سیدھی راہ دکھائی سندھ میں شہباز قلندر اور حاجی اسحاق سندھی نے بہت سے قبائل کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا' اسی طرح شاہ برہان سہروردی لاہوری شاہ دولہ دریائی گجراتی' شاہ ابوالخیر شاہکوٹی المعروف بہ بابا نولکھ ہزاری وغیرہ بزرگوں نے اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ دین کا حق ادا کرنے کی کوشش کی شمالی بنگال اور آسام میں شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی اور حضرت جلال مجرد سلہٹی نے تبلیغکا فریضہ انجام دیا' اور سلہٹ کے راجہ گوڑ گوبند کو شکست دی اور سلہٹ میں مقام کیا' آپ نے اپنے مسلمان مریدوں کو حکم دیا کہ شادیاں کرو تاکہ مسلمانوں کی آبادی میں خوب اضافہ ہو۔ (نور اسلام اولیائے نقشبند نمبر حصہ اول صفحہ ۶۹-۶۸ بابت ماہ مارچ اپریل ۱۹۷۹ء)

سلسلہ قادریہ

سید عبد القادر جیلانی کا نام اس سلسلہ کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے ان سے پہلے امام جعفر صادق امام موسیٰ رضا' معروف کرخی' سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ ابوبکر شبلی' جنید بغدادی ابو سعید مخزومی وغیرہ کی خدمات ڈھکی چھپی نہیں ہیں آپ کے بعد برصغیر میں حضرت سید محمد غوث قادری اوچی حلبی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ عبد الاحد رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ابو المعالی لاہوری رحمتہ اللہ علہ نے اپنے اپنے علاقہ میں ہزاروں افراد کو مسلمان کیا' حضرت محمد غوث قادری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حضرت مخدوم شیر شاہ (نزد ملتان) گنج بخش قادری (مدفون ساہن پال شریف) نے ایک لاکھ سے زائد کفار کو حلقہ بگوش اسلام کیا' اور حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری کی خدمات دینی بھی نہایت وسیع ہیں۔

متاخرین میں بزرگاں مارہرہ کے فیض سے سرشار امام اہلسنّت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں مجدد العصر رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی سرگرمیاں روز روشن کی طرح عیاں ہیں آپ نے نہ صرف غیر مسلموں کو راہ راست پر گامزن فرمایا بلکہ بعض مسلمانوں کی بدعقیدگی کے خلاف بھی جہاد کرتے رہے آپ نے تقریر و تحریر کے ذریعے اسلام کی بے بہا خدمت کی آپ کے بعد حضرت حامد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ خواجہ عبد الرحمان کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ دیدار علی صاحب الوری رحمتہ اللہ علیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ مولانا عبد الحامد بدایوانی رحمتہ اللہ علیہ مولانا سردار احمد صاحب (لائل پوری) نے بہت سے لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی۔

Marfat.com

سلسلہ نقشبندیہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمان فارسی ہے نسبت رکھنے والا یہ خاندان تصوف شریعت کاملہ کے اتباع کا مدعی ہے جس کے سرخیل حضرت بہاؤ الدین نقشبند ہیں، اگرچہ سلسلہ سہروردیہ و قادریہ کے اولیائے کرام نے اپنے اپنے ادوار میں برصغیر میں بھی ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ہزاروں فرزندان توحید اور بندگان خدا کے دلوں میں شمع ایمان روشن کی اور اپنے اپنے مخصوص انداز میں اسلام کی خدمت سرانجام دی لیکن سلسلہ نقشبندیہ نے تبلیغ اسلام اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں اکبری الحاد کے دور میں جو مصائب برداشت کئے وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکے اس سلسلہ کے بزرگان دین خالق حقیقی کی رضا جوئی اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاطر جان ومال اور ہر متاع عزیز پیش کرنے میں کوشاں رہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ: سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ پاک وہند میں تبلیغ دین کے لئے وارد ہوئے آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں خلافت اور سلسلہ نقشبندیہ کی برکات سونپ کر فرمایا "آپ ہندوستان تشریف لے جائیے کیونکہ وہاں آپ سے اس طریقہ عالیہ کو رواج ہوگا آپ نے دہلی کو تبلیغ کا مرکز بنایا اور اپنی تبلیغی کاوشوں سے اسلام کو فروغ دیا آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی خدمات سے کون انکار کر سکتا ہے۔

مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ: حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ کی تحریک کو سمجھنے کی خاطر اکبر اور دین الٰہی کا مطالعہ ضروری ہے اکبر شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے مکمل نرغہ میں تھا، یہ گھرانہ باطنی طور پر غالی شیعہ تھا (تذکرہ علمائے مشائخ سرحد جلد اول از سید محمد امیر شاہ) بقول بدایونی اکبر کا ہندوؤں سے بھی خاصا میل جول تھا وہ دراصل بچپن ہی سے ان کی طرف مائل تھا، دکن کے ایک نو مسلم بھاون کو اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا بھاون جب کبھی بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوتا تو اس کے سامنے دقیق مسائل کی تشریح اپنے مخصوص رنگ میں بیان کرتا بدایونی کے خیال میں اکبر کی گمراہی میں اس کا بڑا ہاتھ ہے حتی کہ بات یہاں تک پہنچی کہ اکبر ملحد ہو گیا، امام الہند شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اکبر کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ملحد ہو چکا تھا اور اس نے زندیقوں جیسے طور طریقے اختیار کرلئے تھے۔ (انفاس العارفین صفحہ ۱۵۴ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

اشعتہ اللمعات (صفحہ ۳۶) پر لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکبر کی ان ہی مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بت کے آگے جھکے یا زنار باندھے وہ یقیناً کافر ہے اکبر اور اس کے دین الٰہی نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اس زمانہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ وبازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں اور ان کے بجا

Marfat.com

لانے میں مذموم و مطعون ہیں۔ (مکتوب نمبر ۶ حصہ دوم دفتر اول)

رسومات کے بارے میں لکھتے ہیں مسلمان باوجود ایمان کے اہل کفر کی رسموں کو بجالاتے اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں ہندوؤں کی رسوم میں مسلمان سرگرم حصہ لینے لگے تھے اس کے بارے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل اسلام کے جہلا دیوالی کے دنوں میں خصوصاً عورتیں اہل کفر کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور اس کو تہوار بنا کر مناتی ہیں اکبر کا دور اسلام کے لئے ابتلا کا دور تھا اس دور میں اسلام حد درجہ مظلوم تھا اور مسلمانوں پر عرصہ حیات اس قدر تنگ ہو چکا تھا کہ خود مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اس وقت ظہور مہدی کے منتظر تھے۔ (جلد اول مکتوب نمبر ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے اس تیرہ و تار دور میں اصلاح احوال کے لئے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا اور دونوں بزرگوں نے امراء کی ایک جماعت کو جسے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ "جرگہ مردان دولت اسلامیہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور ترویج و اشاعت شریعت کے لئے ترغیب دلائی۔ (پروفیسر محمد اسلم دین الٰہی اور اس کا پس منظر مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۳۱)

اکبر کی وفات کے بعد نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے والد کی طرح سجدہ کو جاری رکھا اور دوسری تمام رسوم و آئین کو برقرار رکھا، دربار پر جہانگیر کی اہلیہ نور جہاں اور وزیر اعظم آصف جاہ چھائے ہوئے تھے یہ دونوں شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے ان کے رعب سے شیعہ ملت کو ترقی ہونے لگی، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین کو فوج میں تبلیغ دین کے لئے روانہ کیا اور خود امراء اور عہدے داروں کو تبلیغی خطوط لکھے اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ہزاروں بندگان خدا نے راہ حق کو اپنا لیا حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تبلیغی سرگرمیاں آصف جاہ کو ایک آنکھ نہ بھائیں اس نے جہانگیر کے کان بھرے اور دربار شاہی میں طلبی کے بعد گرفتار کر لینے کا مشورہ دیا جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی بلایا دربار میں پہنچ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے شاہی آداب کو ملحوظ نہ رکھا اور بادشاہ کو مروجہ سجدہ بھی نہ کیا، اس پر مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بادشاہ کے غضب کا نشانہ بنے اور آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا، (صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری۔ ارشادات مجدد صفحہ ۴۳) آپ نے گوالیار کے قلعہ میں محبوس غیر مسلموں پر توجہ دی آپ کی سعی و کاوش سے صدہا قیدی مشرف باسلام ہوئے (آرنلڈ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۴۱۲ مطبوعہ لاہور) قلعہ کے ملازمین اور عہدے دار بھی آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوئے اور اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہو کر داخل سلسلہ عالیہ ہوئے قید کے دوران میں آپ نے تبلیغی سلسلہ جاری رکھا اور امراء اور فوجی عہدے داروں کو خطوط لکھتے رہے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ہزاروں لوگ تائب ہو کر دین حق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے آخر دو سال بعد جہانگیر نے خود ہی رہائی کا حکم صادر کر دیا، خزینۃ الاصفیا میں مفتی غلام سرور صاحب لکھتے ہیں "دو سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت شیخ کو اپنے پاس طلب کر کے بہت زیادہ اکرام و احترام کیا اور بہت معذرت چاہی حضرت شیخ سے اس قدر محبت کرنے لگا کہ کسی وقت آپ کی جدائی گوارا نہ کرتا،

Marfat.com

شہزادہ خرم "شاہ جہاں" کو حضرت شیخ کے حلقہ مریداں میں داخل کیا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے زندگی بھر اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ کو مقدم رکھا فرماتے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی اتباع ظاہر و باطن میں لازم ہے نجات اخروی اور فلاح ابدی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی واحد ذریعہ ہے آپ کے فرمان کے مطابق عقائد کی درستی کو اوقیت حاصل ہے اس کے بعد تزکیہ نفس کی باری آتی ہے فرماتے ہیں جب تک عقائد درست نہ ہوں احکامات شریعت کی پابندی نہ ہو قلب کی صفائی ممکن نہیں اور اتباع شریعت ہی سب سے بڑی کرامت ہی قلب کو زندہ رکھنے کے لئے یہی سب سے بڑی اکسیر ہے۔ (مکتوبات شریف)

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ریاضت اور مجاہدہ کو بھی شریعت کے مطابق لازمی قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں سالک جس قدر اتباع شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہو گا اسی قدر ہوائے نفس سے زیادہ دور ہو گا پس نفس امارہ پر شریعت اور امرو نہی کے بجا لانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ متعبر نہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت مرزا حسام الدین نقشبندی بھی تبلیغ دین میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے مرزا حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی کاوشوں سے تنگ آکر چند معاندین نے جہانگیر کے کان بھرے جہانگیر اس وقت کشمیر میں تھا آپ کو وہیں آنے کا حکم دیا جب آپ لاہور پہنچے تو ان کو بشارت ہوئی کہ کشمیر کی بجائی دہلی جانا ہو گا چنانچہ چار روز کے بعد معلوم ہوا کہ جہانگیر فوت ہو گیا ہے لاہور ہی سے آپ رحمتہ اللہ علیہ دہلی واپس روانہ ہوئے۔

اسی زمانہ میں نقشبندی خاندان کی ایک اور بزرگ ہستی حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ تبلیغ اسلام میں مصروف تھے آپ اکبری حکومت کے دور آخر میں ممالک اسلامیہ کی سیرو سیاحت کرتے ہوئے پاک و ہند میں وارد ہوئے ابتداء میں آپ نے کشمیر کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جہاں ہزاروں لوگ آپ کے دست فیض سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ: کشمیر میں پہلے مبلغ اسلام حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی تھے، پھر چک خاندان کے آخری بادشاہ یوسف شاہ بن علی شاہ کے زمانہ میں حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ کشمیر میں وارد ہوئے اس وقت خطہ کشمیر میں شیعہ سنی فسادات کے باعث بڑا پر آشوب زمانہ تھا آپ نے خانقاہ فیض پناہ نقشبندیہ کا اجرا کیا اور تبلیغ دین میں کوشاں ہوئے اہل بدعت و ضلالت کی ایک کثیر تعداد آپ کے دست حق پر تائب ہوئی خانقاہ میں درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا دور دور سے طالبان علم و ہدایت خانقاہ میں حاضر ہو کر دینی و دنیوی فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر جاتے حاکم کشمیر کو آپ کا فروغ ایک آنکھ نہ بھایا اور آپ کو کشمیر سے نکل جانے کا حکم دیا آپ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی ابھی پندرہ روز ہی گزرے تھے کہ حضرت بابا داؤد خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی درخواست پر اکبر بادشاہ نے کشمیر پر قبضہ کر لیا تبلیغی سرگرمیوں کے پیش نظر آپ کو مقامی حکام سے اکثر مقابلہ کرنا پڑتا اور اسی سبب مختلف اوقات میں آپ رحمتہ اللہ علیہ پاک و ہند کے دیگر علاقوں میں تبلیغ کرتے رہتے یہی مقابلہ آپکے نقل مکانی کا سبب بنتا رہا

Marfat.com

آخرکار لاہور میں ہمیشہ کے لئے قیام فرمایا، لاہور میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا نو سال تک آپ کا فیضان جاری رہا ایک خلق کثیر نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا ہے، پھر آپ کے صاحبزادگان خواجہ احمد، خواجہ معین الدین، اور خواجہ بہاؤالدین نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا، خواجہ معین الدین حالات کے سازگار ہوتے ہی دوبارہ اپنے والد محترم کی تعمیر کردہ خانقاہ میں کشمیر چلے گئے اور تبلیغ کا کام آگے بڑھایا (تذکرہ ایشاں از اخلاق احمد میاں)

خاندان نقشبندیہ کے اس دور کے بعد خلفاء اور صاحبزادگان کا دور آتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند حضرت شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت محمد سعید رحمتہ اللہ علہ نے تبلیغ کا بیڑا اٹھایا، سرہند سے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علہ کی غیر موجودگی میں صاحبزادگان ہی رشد و ہدایت کا کام جاری رکھے ہوئے تھے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس قدر حقائق و معارف مجھ پر منکشف ہوتے ہیں میرے بیٹے انہیں اخذ کرتے جاتے ہیں۔
۶۶

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے مضافات سرہند میں تبلیغی سلسلہ جاری رکھا آپ جہاں جاتے عقیدت مندوں اور مریدین کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ ہوتی، ایک دفعہ آپ لاہور تشریف لائے تو ایک عظیم جماعت آپ کے ساتھ تھی بعض مخالفین نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف شاہ جہاں کو اکسایا کہ شیخ کے ساتھ ایک عظیم فوج ہے اگر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں تو سلطنت خطرہ میں پڑ سکتی ہے شاہ جہاں نے تحقیق کے لئے نواب سعد اللہ خاں کو بھیجا آپ نے نواب سعد اللہ خاں کو پند و نصائح کے ذریعہ ترک دنیا ترک مال و جاہ اور منصب کی تلقین کی وہ ناراض ہوا اور خدشہ کی تصدیق کردی، بادشاہ نے حضرت شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کو وطن جانے کا حکم دیا آپ نے رفع فساد کے پیش نظر وطن مراجعت فرمائی وہاں سے زیارت حرمین شریفین کو روانہ ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک اور مشہور خلیفہ شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ ہیں انہوں نے لاہور ہی میں ایک مدرسہ جاری کیا جہاں علوم فقہ و حدیث اور تفسیر کی تعلیم دی جانے لگی آپ عمر بھر وعظ و خطابت اور درس و تدریس کی خدمت سر انجام دیتے رہے آپ کے خلفاء میں ابو محمد نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ سید صوفی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ شیخ لکھن مست رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ ابوالقاسم نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ زیادہ مشہور ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

شیخ بدیع الدین رحمتہ اللہ علیہ نے جہانگیر کے لشکر میں ہزارہا لوگوں کو صراط مستقیم پر لگایا حضرت شیخ نور محمد پٹنی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ حمید بنگالی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ مزمل رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ طاہر بدخشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ اسلام کا پرچم بلند رکھا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے تیسرے دور میں

Marfat.com

حضرت عبدالاحد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت محمد سعید سرہندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ حضرت نور محمد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی رحمتہ اللہ علیہ حضرت نورالحق شاہ صاحب نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت محمد محسن رحمتہ اللہ علیہ المعروف بہ آفتاب کشمیر اور حضرت خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پنجاب دہلی اور کشمیر کے علاقوں میں تبلیغ و دین میں اپنی سعی و کاوش سے ہزار ہالوگوں کو راہ ہدایت پر لگایا اور عقائد باطلہ سے توبہ کروائی روایت ہے کہ اسی دور کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ضلع لدھیانہ کے جاٹ اور جالندھر کے گوجر مسلمان ہوئے (ضلعی گزیٹئر لدھیانہ صفحہ ۵۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۰۷ء)

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک برصغیر پاک وہند میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رہاان کے بعد اور علماء کی توجہ غیر مسلم اقوام میں تبلیغ کی بجائے مسلمانوں کی اصلاح کی طرف مبذول رہی تاہم انگریزی عہد میں بھی برصغیر پاک و ہند کے غیر مسلم مشرف باسلام ہوتے رہے سلسلہ نقشبندیہ کے اس زمانہ کے بزرگوں نے بھی مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ رکھی احکام خداوندی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت کو مقدم رکھتے اور مسلمانوں کو عقائد باطلہ سے بچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے، اس دور میں حضرت جانجاناں مظہر شہید رحمتہ اللہ علیہ سید جمال اللہ رام پوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت حاجی احمد سندھی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ حسین رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ حضرت احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ مولوی احمد یار بخاری امرتسری رحمتہ اللہ علیہ حضرت باباجی فیض محمد تراہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت فقیر محمد صاحب چوراہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے داماد مولانا غلام دستگیر قصوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت مفتی مظہر مسعود دہلوی علیہ الرحمتہ شاہ رکن الدین الوری، مرحوم و مغفور اور حضرت محمد حسن جان سرہندی ٹنڈہ سائیں داد (سندھ) صوبہ سندھ صوبہ پنجاب ریاست رام پور اور دہلی میں رشد وہدایت میں مصروف رہے اور ہزار ہا بندگان خدا کو احکام حق تعالیٰ اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے رہے ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا واحد مقصد دین اسلام کی تبلیغ واشاعت سمجھا اور اسی کے لئے زندگی بھر مصروف عمل رہے۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ حضرت جماعت علی شاہ ثانی علی پوری و حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمتہ اللہ علی حضرت پیر جان کابلی مدفون لاہور رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اس سلسلہ کے روشن چراغ ہیں۔

حضرت توکل شاہ انبالوی: حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی رحمتہ اللہ علیہ ایک کامل ولی تھے آپ کی فطرت یابرکات حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہو چکی تھی یعنی آپ فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ کے تمام اقوال افعال اوضاع واطوار حرکات و سکنات چلنا پھرنا کھانا پینا

Marfat.com

نشست و برخاست سب کے سب سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھے۔

حضرت

مولانا محبوب عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا درجہ اتباع سنت کثرت درود خوانی اور پرورش روح مبارک از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری آپ کو بالمشافہ ہوتی تھی بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو آنکھ بند کرنے میں مدینہ منورہ پہنچ جاتے ہیں اور آنکھ کھولنے میں پھر یہاں آموجود ہوتے ہیں اس فقرہ میں حضور کا اشارہ اپنی ذات بابرکات کی طرف ہوتا تھا۔ (ذکر خیر عرف صحیفہ محبوب مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۹)

حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ باوجو صاحب اجازت ہونے کے شروع میں بیعت نہ فرماتے تھے جو کوئی بیعت کے لئے عرض کرتا اپنے دادا پیر حضرت حاجی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیتے یا اپنے پیر بھائی حضرت خلیفہ عالم شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیتے پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے حکم پر لوگوں کو بیعت کرنے لگے آپ کے عقیدت مند تمام پاک و ہند میں موجود ہیں ہزارہا لوگ آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت سید میر جان کابلی رحمتہ اللہ علیہ

کابل کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم کابل میں پائی تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں مصروف ہو گئے ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کے دوران میں اشاعت دین کی گراں بہا خدمات سرانجام دیں لاہور میں تشریف لائے تو حضرت مولانا سید احمد یار بخاری اوچی ثم امرتسری کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ان کی خدمت میں رہ کر کمال حاصل کیا اور خرقہ خلافت اور ارشاد ہدایت سے سرفراز ہوئے اکثر افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ (حضرت ایشاں صفحہ ۹۸) طالبان علم و ہدایت کا اجتماع کثیر آپ کے ہاں موجود رہتا آپ علوم قرآن و حدیث کی ترویج اشاعت دین اسلام احکام شریعت کے اتباع میں کوشاں رہتے لاہور کے علاوہ کشمیر میں بھی تبلیغ دین اور درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے وہاں بھی عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے گرد رہتی اور فیض حاصل کرتی۔ (ایضاً صفحہ ۱۰۷)

آپ حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ کے اویسی تھے آپ کے چھوٹے بھائی سید محمود آغا رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور دونوں بھائی حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ کے قرب میں محو خواب ابدی ہیں۔

حافظ جماعت علی رحمتہ اللہ علیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ کے

رہنے والے تھے علوم ظاہری اپنے وقت کے نامور علماء سے حاصل کئے اساتذہ کرام میں مولانا غلام قادر بھیروی مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی صاحب مولانا محمد مظہر صاحب سہارنپوری مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری قابل ذکر ہیں دوران حصول تعلیم حضرت مولانا فضل الرحمان

Marfat.com

صاحب نقشبندی گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا بعد تکمیل تعلیم حضرت باباجی فقیر محمد صاحب چوراہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ تبلیغ اسلام کے لئے پاک و ہند کے دور دراز علاقوں میں تشریف لے گئے آپ کے دست فیض پر چار لاکھ افراد نے بیعت کی آپ نے کئی غیر مسلم افراد کو مشرف باسلام کیا آپ نے فتنہ مرزائیت کے خلاف جہاد کیا، اور مرزا کو بحث و مباحثہ کے لئے للکارا مرزا حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا، آخر ایک رات فرمایا ہم تب تک لاہور میں ٹھہریں گے جب تک مرزا کا میدان صاف نہ ہو گا چنانچہ اگلے ہی دن صبح مرزا چل بسا۔ (برکات علی پور از مولوی محبوب احمد مطبوعہ امرتسر صفحہ ۸-- اور ۱۵۹)

حضرت حافظ

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر، ہم وطن، اور پیر بھائی حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب المعروف بہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خرقہ خلافت حضرت بابا فقیر محمد صاحب چوراہی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کرنے کے بعد تبلیغ اسلام کا بیڑا اٹھایا آپ نے شہروں کے بجائے دیہاتوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا آپ دور دراز علاقوں میں چلے جاتے اور لوگوں کو احکام خداوندی اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے آپ نے ہزارہا لوگوں کی اصلاح فرمائی آپ نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے تبلیغ بھی سادہ طریقے سے فرماتے ہر بات میں تبلیغ کا پہلو نکال کر دین کی تلقین فرماتے آپ نے تبلیغی سفر بھی فرمائے اور بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لگایا۔ (انوار لاثانی صفحہ ۱۳ از محمد رفیق)

حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی مجددی شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ

شمس العارفین عالم باعمل عاشق ربانی شیر یزدانی حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی مجددی شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر پاک کے بغیر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغی کاوشوں کا اظہار مکمل نہیں ہو پاتا، آپ مادر زاد ولی تھے، اور اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ امیرالدین رحمتہ اللہ علیہ کی مراد تھے آپ سنت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ تھے کمالات نبوت کی یہ شان تھی کہ اتباع سنت کے سوا ذرا سی جنبش بھی پسند نہ فرماتے اور اس کے برخلاف کسی کو دیکھنا بھی پسند فرماتے فرمایا کرتے مسلمان وہ ہے جو غیر مشروع فعل کو دیکھے تو شمشیر برہنہ بن جائے اس میں اپنے اور بیگانے کو برابر جانے آپ ظاہر اور باطن میں یکساں تھے خلوت اور جلوت میں ایک ہی کیفیت طاری رہتی آپ نے قلیل عرصہ میں اتباع سنت کی روح تازہ کر دی۔ (خزینہ معرفت مطبوعہ قصور صفحہ ۱۲)

آپ کے زمانہ کا عجیب رنگ تھا اکثر مسلمان اسلام اور صاحب اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے ناواقف ہو چکے تھے، مغربی تہذیب کی تقلید کو فخر سمجھا جانے لگا تھا، دہریت اور فلسفیت کا فیشن ہو گیا تھا،

Marfat.com

اسلام کے بارے میں ہزار ہا شکوک پیدا کر دیئے گئے تھے ہر کوئی سائنس اور فلسفہ سے استدلال طلب کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو بھی فلسفہ کو کسوٹی پر پرکھا جانے لگا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۱۴)

ایسے وقت میں اسلام اور اتباع سنت کی دعوت دینا کوئی آسان کام نہ تھا ایسے وقت میں ایک ایسے ولی کامل کی ضرورت تھی جو فلسفہ و استدلال کی جڑیں، اکھیڑ دے اور فلسفیانہ عقل و فکر کے پرخچے اڑا دے اور دنیا کو ایسی راہ دکھائے جو فلسفہ و استدلال سے بلند وبالا ہو اور جس کے دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے وجود باجود کی ہستی میں ذرہ برابر تردد نہ رہے، اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند نظر آئے۔

سو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے برگزیدہ ولی اللہ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اس درجہ بلند کے لئے منتخب فرمایا آپ کو وہ کچھ عطا فرمایا گیا جو کسی اور کے حصہ میں نہ آیا چنانچہ آپ نے اپنی عمر کا تمام وقت تمام خیال اسی پاک جذبہ کی تکمیل اور تعمیل میں صرف فرمایا کشف و کرامات اور تصرف جو کچھ بھی آپ سے ظاہر ہوئے وہ اسی اتباع سنت کی تکمیل کے لئے ظہور پذیر ہوئے آپ نے دہریت فلسفیت اور مغربی تہذیب کے خلاف باقاعدہ جہاد شروع کر دیا آپ خداوند تعالیٰ کے احکامات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو غافل دیکھنا پسند نہ فرماتے تھے انگریزی عدالتوں میں جانے اور انصاف چاہنے کو بہت برا خیال فرماتے تھے حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اس تبلیغ اور ہدایت پر غلامانہ ذہنیت کے لوگوں نے یہ باتیں حکمرانوں کے کانوں تک پہنچا دیں انگریز حکومت نے ایک جاسوس مقرر کر دیا، جو حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی سرگرمیوں کو نظر میں رکھے ایک مرتبہ ایک شخص دو ماہ تک حضرت کے ہاں پڑا رہا حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ خواہ تم یہاں سال بھر تک رہو کچھ ہاتھ نہ آئے گا کلمہ طیبہ کو ہم چھوڑنے سے رہے، اس راز فشانی کے بعد وہ چلا گیا کچھ دنوں کے بعد ایک اور آدمی آیا حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تم تھانیدار ہو یا حوالدار؟ وہ شرمندہ ہو کر بولا جی حوالدار ہوں کیا کروں ملازمت جو ٹھہری جیسا حکم ملتا ہے ماننا پڑتا ہے، عیسائی حکومت جب بھی اس قسم کے جاسوس حضرت کے پاس متعین کرتی الٹا حضرت میاں صاحب اس کی نشاندہی فرماتے اور وہ نادم ہو کر واپس چلا جاتا۔

کسی مسلمان کو بغیر داڑھی دیکھتے تو فرماتے کیا تمہارے باپ دادا بھی ایسے ہی تھے سکھ تو ایسا نہیں کرتے انہیں تو جو ان کے گرو صاحب نے تعلیم دی اس پر عمل کرتے ہیں مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ فرماتے عجیب بات ہے انگریزی سمجھ کر پڑھتے ہیں لیکن قرآن کو بغیر معنوں کے پڑھتے ہیں آپ کی تبلیغ سے اکثر لوگ تائب ہو جاتے تو آپ ان سے بہت پیار کرتے۔ (محمد امین شرقپوری اولیائے نقشبند مطبوعہ لاہور)

آپ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے عوام کو موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھاتے ان کے سامنے پنجابی اشعار پڑھتے خواص کو ان کی سمجھ کے مطابق بیان فرماتے علماء کو قرآن و حدیث سے تبلیغ فرماتے غیر مسلموں کو ان کے بزرگوں کے حالات سنا کر تبلیغ فرماتے اور تصرف بھی فرماتے تھے ایک دفعہ مولوی اصغر علی صاحب روحی اپنے ایک دہریہ شاگرد کو لے کر حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت

Marfat.com

میں کیا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایسا تصرف فرمایا اور اس کے دل پر ایسی تجلی روحانی گری کہ اسے سب کچھ بھول گیا اور ایمان لے آیا۔ (ایضاً)

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مساجد تعمیر کروانے پر خصوصی توجہ دی شرقپور شریف میں پانچ مساجد تعمیر کروائیں پہلی مسجد محلہ نبی پورہ میں ایک معدوم مسجد کے نشانات پر تعمیر کروائی مسجد کے لئے آپ خود شہتیریاں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، دوسری مسجد قبرستان ڈوہراں والا میں جہاں اب آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے بنوائی صوفی ابرہیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت معلوم ہوتا تھا گویا آپ نے اپنی قبر مبارک کے نزدیک تیار کرائی ہو۔ (ایضاً) سو ویسا ہی ہوا تیسری مسجد محلہ دھدل پورہ میں تعمیر کروائی یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے چوتھی مسجد اپنے کنوئیں پر بنوائی پانچویں مسجد جو شرقپور شریف کے وسط میں واقعہ ہے اور مسجد میاں صاحب کے نام سے مشہور ہے بنوائی یہ مسجد بڑی پائیدار اور آباد ہے ایک مسجد اپنے پیرخانہ کوٹلہ شریف میں بنوائی اس مسجد کے تین کمرے ہیں اور صحن بھی اچھا خاصہ ہے یہ مسجد وہاں سب سے زیادہ آباد ہے اپنے ملنے والوں کو بھی مساجد کی تعمیر کروانے کی تلقین کرتے اور فرماتے دین کے لئے کوشاں رہا کرو۔ (خزینہ معرفت از ابرہیم قصوری)

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ فارسی کتب کا اردو ترجمہ کروایا اور اپنے عقیدت مندوں میں تقسیم کیں تاکہ ان کی دلی کیفیت درست رہے ایک قلمی نسخہ مراۃ الحقیقن آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا اس کا ترجمہ کروایا اور اسے شائع کروایا دوسری کتاب ذخیرۃ الملوک ترجمہ منہاج السلوک شائع کروائی تیسری کتاب حکایات الصالحین ترجمہ مجالس الحسنین بھی شائع کروائی اس کے علاوہ بھی جو کتاب مفید پاتے اسے خرید کر مفت تقسیم فرماتے۔

اس پر آشوب دور میں آپ کی تبلیغ نے گہرا اثر کیا اور ہزاروں بندگان خدا غیر مشروع افعال سے اجتناب کرنے لگے اور اتباع سنت میں خاص اہتمام کرنے لگے آپ کے عقیدت مندوں میں آپ رحمتہ اللہ علیہ ایسا ہی جذبہ پیدا ہو جاتا تھا آج بھی جو لوگ زندہ ہیں وہ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم سے سرشار ہیں اور دور ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔

آپ کے وصال شریف کے بعد تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ جاری رہا حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ برادر حقیقی حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب رحمتہ اللہ علیہ حاجی عبدالرحمان قصوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت میاں رحمت علی رحمتہ اللہ علیہ اور نور الحسن شاہ رحمتہ اللہ علیہ آپ کے تبلیغی مشن کی تکمیل میں شب و روز مصروف رہے اور ہزاروں بندگان خدا کو راہ راست پر لگایا۔

آج بھی پاکستان کے طول و عرض میں خاندان سلسلہ نقشبندیہ کے صاحبزادگان اور اولیائے کرام مصروف تبلیغ دین ہیں پنجاب ہو یا سندھ سرحد ہو یا بلوچستان ہر جگہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی شمعیں فروزاں ہیں اور تبلیغ دین و سنت میں کوشاں ہیں۔

Marfat.com

شرقپور شریف کا فیضان: ضلع شیخوپورہ میں شرقپور شریف میاں شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ آپ کے برادر حقیقی سیدی مرشدی حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آج بھی دین وتصوف اور شریعت و طریقت کی تبلیغ کا مرکز ہے، فخر المشائخ صاحبزادہ میاں غلام احمد صاحب شرقپوری اور آپ کے صاحبزادگان نقشبندی بزرگوں کی تعلیمات کو عام کرنے میں رات دن مصروف ہیں دینی کتابوں کی اشاعت اور ان کی تقسیم کا کام بھی بفضلہ تعالیٰ جاری ہے اور دینی تعلیمات عام کرنے اور حفاظ و علماء کرام کی تربیت کے لئے عظیم مدرسہ بھی بطریق احسن کام کر رہا ہے، اسی طرح آپ کے چھوٹے بھائی فخر المشائخ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری اور ان کے صاحبزادگان بھی اپنے بزرگوں کے تبلیغی اور تعلیمی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں صاحبزادہ میاں جمیل احمد کی زیر ادارت ماہنامہ نور اسلام شرقپور شریف تقریباً چالیس سال سے شائع ہو رہا ہے، یہ رسالہ حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی شائع ہونے لگا تھا جس کا سلسلہ آپ کے وصال کے بعد بھی الحمدللہ نہ صرف جاری ہے بلکہ میاں صاحب قبلہ نے اس کے بے شمار ضخیم نمبر بھی شائع کئے جو مستقل دستاویزات اور حوالے کی تصانیف کے مترادف ہیں، ان میں شیر ربانی نمبر امام اعظم نمبر، اولیائے نقشبند نمبر (دو جلدیں) اور مجدد الف ثانی نمبر (تین جلدیں) وغیرہ بڑے وقیع ہیں آپ کی نگرانی میں طالبات اور علماء کی تعلیم و تربیت کے لئے دینی مدرسے بھی کام کر رہے ہیں، دینی اشاعت کے سلسلے میں تبلیغی لٹریچر بھی کافی شائع ہو رہا ہے شرق پور شریف کے ان دونوں بزرگواروں میاں غلام احمد اور میاں جمیل احمد کو اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کے مشن کو جاری رکھنے کے لئے صحت اور عمر دراز سے نوازے اور ان کے باطن کو مزید منور اور پاکیزہ فرمائے آمین۔ (قدر آفاقی)

ماخذ: تبلیغ اسلام اور سلاسل اربعہ از قاضی ظہور اختر ایم اے مطبوعہ ماہنامہ نور اسلام، اولیائے نقشبند نمبر حصہ اول بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۷۹ء اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی متعلقہ جلدوں اور دیگر ذرائع سے استفادہ کیا یہاں زیادہ تر اقتباسات قاضی ظہور صاحب کی تحقیقات سے مستفاد ہیں (قدر آفاقی عفی عنہ)۔

راھبانہ (غیر اسلامی) نظریات و تحریکات کا تنقیدی جائزہ

رہبانیت: ابن الجوزی کی تنقیدات اہل اسلام صوفیا پر تھیں لیکن اسلام میں رہبانیت منع ہے تصوف منع نہیں، رہبانیت کا مادہ رہب ہے یہ لفظ قرآن حکیم (۵۷-۲۷) میں صرف ایک بار آیا ہے، امام راغب نے مفردات میں ترھب کی معنی تعبد کئے ہیں یعنی عبادت گزاری میں اللہ کے خوف سے کام لینا تقویٰ میں بھی خوف کے معنی پائے جاتے ہیں دوسرے لفظوں میں تقویٰ اور ترھب بلحاظ خوف ہم معنی ہیں لیکن دین اور دنیاداری کے تمام معاملات میں خوف خدا کا احساس تقویٰ ہے اور صرف عبادت میں غلو کا نام رہبانیت ہے، حدیث میں ہے لارھبانیہ فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں اس کی جگہ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے، ترک دنیا سے نظام زندگی میں خلل آتا ہے اسی لئے قرآن حکیم نے نکاح کا حکم دیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

النکاح من سنتی فمن رغب عن فلیس منی

نکاح میری سنت ہے جس نے اس سے اعراض کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

خانقاہی نظام اور تصوف: تصوف کو قرآن و سنت سے نسبت ہے اور تزکیہ نفس اور پاکیزہ اخلاق کے باقاعدہ ادارے قائم کر کے لوگوں کی تربیت کا اہتمام کرنا غیر اسلامی فعل نہیں جس طرح یونیورسٹیاں تعلیم و تربیت کا ادارہ ہیں اسی طرح تصوف کی تربیت کے ادارے خانقاہیں کہلاتے ہیں اگر یونیورسٹیاں بوٹی مافیا وغیرہ کی وجہ سے بدنام ہیں اور اس کا مطلب کبھی کسی نے یہ نہیں لیا کہ یونیورسٹیاں سرے سے بند کر دی جائیں بلکہ ہمیشہ اصلاح احوال کا تقاضا ہوا ہے تو تصوف کے ادارے اگر صوفیاء کی بجائے مستصوفین (تصوف کے ذریعے دنیاوی جاہ و جلال و عزت و دولت کے لالچی) کی آماجگاہ بن جائیں تو یہ کہنا کہ تصوف کی ادارے ہی ختم کر دیئے جائیں غلط اقدام ہو گا بلکہ کرنا تو یہ چاہئے کہ ان کی اصلاح کی جائے تاکہ لوگوں کی تربیت کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔

یہ خانقاہی نظام کی خرابیوں کا ہی ثمر ہے کہ لوگوں کی تربیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی، کسی کو حلال و حرام کی تمیز نہیں کسی کو جھوٹ اور سچ کا پاس لحاظ نہیں، ہر کوئی اپنے مقصد (خواہ وہ برا ہو یا اچھا) میں کامیابی کے لئے ہر حربہ استعمال کر گزرتا ہے امر و نہی اور اسلامی تعلیمات اور قرآنی نصوص کی حفاظت کس کے پیش نظر نہیں ہوتی دوسرے لفظوں میں ہر کوئی خواہشوں کا غلام ہے اور خواہشیں خدا ہیں اور لوگ ان کی عبادت کر رہے ہیں، یہ رجحان اس لئے نمو پذیر ہوا کہ نفسانی اور اخلاقی پاکیزگی کے ادارے کمزور پڑ گئے ظاہری اور باطنی محاکے کی قوتیں باطل ہو کر رہ گئیں اور دنیا میں ایک اندھیر مچ گیا، مغلوں کا دور انحطاط ہو یا بغداد کی تباہی کے مباحث یا پاکستان میں موجودہ افراتفری اور بے چینی کا عالم ان سب کے پیچھے ایک جیسے عوامل کار فرما رہے ہیں یعنی جب نفسانی خواہشوں پر گرفت اور محاسبے کی ڈگر سے انحراف کیا گیا تو شیطانی قوتیں اپنا کم کر گئیں، خانقاہیں جب اہل التقویٰ اور اہل المغفرت سے خالی ہو گئیں تو لوگ رحمت ربانی اور فضل حقانی کے سائبانوں سے محروم ہو گئے خانقاہوں میں اسلامی تعلیمات قرآن و حدیث کی ترویج اور سنت و شریعت کے احیاء کا پورا پورا اہتمام ہوتا تھا اور آج کل بھی یہ سلسلہ جاری ہے (بتوفیق الٰہی) لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ اکثر خانقاہوں میں مجاوروں اور گورکنوں کی جاہ پرستی نے ان کے روحانی مقاصد کو پامال کر دیا ہے۔

دینی مدارس: چنانچہ اصلاح احوال کے طور پر دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا، لیکن یہاں سے فرقہ واریت کی چشمے پھوٹے صوفیاء کرام تو غیر مسلموں کو بھی سینے سے لگاتے تھے اور لوگ ان کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر اسلام کی آغوش میں روحانی سکھ کا سانس لیتے تھے، دینی مدارس سے علماء تو دھڑا دھڑ نکل سکتے ہیں لیکن صاحب نظر اور اہل محبت کم ہی نکلتے ہیں اور دلی بے قراری اور اضطراب کی دولت ان کا خاصہ ہوتی ہے جبکہ اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر لمحہ بھر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں دلوں کو طمانیت سے سیراب کر جاتی ہے حضور علیہ السلام کو ایمان کی حالت میں ظاہری آنکھوں سے لمحہ بھری دیکھنے والے صحابیت کے درجہ پر فائز ہوئے کیونکہ لمحہ بھر کے لئے آپ کی دولت نظارہ اتنا کام کر گئی کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ ادنیٰ ترین صحابی

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اگر خانقاہیں (الاماشاءاللہ) عقابوں کی بجائے زاغوں کے نشیمن بنی ہوئی ہیں اور عجم کے لالہ زاروں سے کوئی رومی نہیں اٹھ رہا تو دینی مدارس بھی (الاماشاءاللہ) اہل نظر اور اہل تقویٰ حضرات سے خالی ہیں، اور یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہر دو طبقات دنیوی جاہ و عزت اور دولت کی لوٹ کھسوٹ میں سبقت لئے چلے جا رہے ہیں۔

تصوف اور ماضی و حال: ماضی پر نظر دوڑایئے تو اہل صفا کے ساتھ ساتھ ان کی جعلی اڈیشن بھی سامنے آتے رہے، ابن جوزی کی تلبیس ابلیس میں بھی اگرچہ بعض حقائق بیان ہوئے ہیں لیکن اکثر اعتراضات۔

سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجا است

کی زد میں آتے ہیں جب اسلامی تصوف پر وحدت الوجود کا فلسفہ غلط رنگ میں چڑھ گیا تو اس کے اثرات بھی غلط برآمد ہونے لگے، اسلامی تصوف کے ذریعے تبلیغ کو روکنے کے لئے بھگتی کی تحریکیں چلیں اور صلح کل کا روپ دھارے رشی اور منی اور بھگت حضرات صوفیاء کے سامنے آتے بعض نے استدراج کے کمالات سے اپنی کارکردگی ظاہر کی اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کے لئے نرم رویہ اختیار کیا۔ رام اور رحیم کو ایک قرار دیا سب مذاہب کو حق قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ ہر کوئی کسی بھی مذہب کا پیروکار بن کر مکتی یعنی نجات حاصل کر سکتا ہے، بھگتی کی تحریکوں کی ذریعے اسلام کی تبلیغ کا راستہ روکنے کی کوششیں کی گئیں چنانچہ صوفیاء نے اغیار کو تبلیغ کے ساتھ ساتھ اہل اسلام کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کی، لیکن بعض کچے صوفی افراط و تفریط کا شکار ہو گئے اور ایسی حرکات کرنے لگے کہ اہل اسلام نے خجالت محسوس کی آخر مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کے غلط رویوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور دنیا بھر میں اپنے مبلغین بھیجے اور برصغیر میں بھی اصلاحی کوششیں جاری رکھیں اور وحدت الوجودی فلسفہ کی جگہ وحدت الشہود کو روشناس کرایا، خالق اور مخلوق عابد اور معبود فرق کو واضح کیا رام اور رحیم کی نشاندہی کی، اور بھگتی کی تحریکوں کو غیر اسلامی ثابت کیا اور مخلصین لہ الدین اور ورضیت لکم الاسلام دینا کی اہمیت واضح کی، اسلامی تصوف کو عجمی اثرات سے پاک کیا اور شریعت کا احیاء کیا۔ طریقت شریعت کو ایک دوسرے کا لازمی جزو نہ صرف قرار دیا، بلکہ ثابت کیا کہ جو کوئی شریعت کا پابند نہیں وہ ولایت کے دعویٰ میں بھی سچا نہیں ہو سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء نے بھی یہ کام آگے بڑھایا اور دو قومی نظریہ کو تقویت دی، اسلام کے دشمنوں نے اسلامی تحریکات کو کمزور کرنے کے لئے سب سے پہلے تصوف کے اسلامی اداروں کو جڑ سے اکھاڑنے کی ٹھانی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ صوفیائے کرام نے ابتلا اور کرب واضطراب کے ہر دور میں مسلمانوں کو دین پر پختگی سے قائم رہنے میں مدد دی اور دنیا کے آلام و مصائب کو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں ہیچ ثابت کیا۔ یہی وجہ تھی کہ صوفیا کے تربیت کردہ حضرات نے دین اور ایمان کے مقابلے میں دنیاداری کو کبھی ترجیح نہ دی، اور زندگی کے قطعاً پرواہ نہ کی پھر اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے مختلف حربے اختیار کئے اور بہت سے لوگوں کو خرید کر ان کی سرپرستی میں اسلام کی بیخ کنی کے مراکز قائم کئے کسی نے جہاد کو حرام قرار دیا کسی نے مذہبی منافرت

Marfat.com

پھیلانے کے لئے تحقیق و تدقیق کا سہارا لیا' کسی نے توحید اور رسالت کے الگ الگ موضوع پر افراط و تفریط کا مظاہرہ کیا اور کوئی امامت اور خلافت کی تقدیم و تاخیر میں گم ہو کے رہ گیا۔

غرض اہل اسلام فرقوں میں بٹ گئے اور ان کی ہوا نکل گئی' دشمن لسانی علاقائی اور مذہبی تفرقات پھیلا کر اہل اسلام کو کمزور تر کرتے چلے گئے پہلے خلافت عثمانیہ کو گرایا پھر بے شمار اسلامی ریاستیں خود مختار بن کر اٹھیں تو ان پر باری باری روسی اور مغربی استبداد نے قبضہ کر لیا' ادھر برصغیر میں شیعہ اور سنی کی چپقلش نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں اور اسلامی حکومت طوائف لملوکی کی نذر ہو گئی مرہٹے اور سکھ اور جاٹ ان کی چپقلش میں منصف بن کر بندر بانٹ کا مظاہرہ کرنے لگے' مسلمان امرا اور شہزادے عیش و نشاط اور رنگ رلیوں کے ایسے اسیر ہوئے کہ اخلاق کی تعلیم کے لئے کوٹھوں کا رخ کرنا باعث فخر تھا وہ حال مست اور مستقبل سے بے نیاز تھے علمائے سو نے اکبر کو دین الٰہی کی طرف راغب کیا اور یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ کے دور میں بھی کسی نہ کسی شکل میں عروج پر تھا جس کا شاہ ولی اللہ اور آپ کے ساتھیوں نے قلع قمع کیا' خام صوفیاء نے تصوف کے اسلامی ماخذ کی بجائے ویدوں اور اپن شدوں کو مرکز مانا اور مغلوب الحال صوفیاء کی بعض واردات واحوال سے استدلال کرنے لگے جن کو بقول شاہ ولی اللہ پھیلانے کی بجائے لپیٹ دینا بہتر ہوتا ہے' شاہ ولی اللہ نے "تفہیمات" میں اس طرح کے معاملات بوضاحت بیان کئے ہیں صوفیا کے خانوادوں نے ایسے برے حالات میں اہل اسلام کی اصلاح و فلاح کا کام جاری رکھا اور برصغیر میں پنجاب سندھ یوپی' حیدر آباد دکن اور دور دور تک موثر کارنامے انجام دئیے۔

تونسہ شریف' چشتیاں' مکان شریف' سیال شریف' گولڑہ شریف' شرق پور شریف وغیرہ میں تصوف کی خانقاہیں آج بھی اس پرفتن دور میں روشنی کے مینار ہیں' اور تصوف کے اداروں میں اہل حق و نظر کی زیر نگرانی اصلاح و تربیت اور حق و انصاف کی بالادستی کا اہتمام کرکے دلوں میں ایمان و ایقان کو پختہ کرنے کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دور جدید میں تصوف کی اہمیت

بعض حضرات جو دور جدید میں آزاد خیالی کے علمبردار ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی تبلیغ ہر کس و ناکس کر سکتا ہے اس کے لئے کسی اجازت یا نسبت کی ضرورت نہیں یہ خیال درست نہیں' اس کے لئے ہمیں ماضی میں جھانکنا ہوگا۔

(ا) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے بھی فطری طور پر اسلام کے اصولوں کے پیروکار تھے' صادق اور امین تھے لیکن آپ نے کبھی اہل مکہ سے یہ نہ فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل کرو کیونکہ میں صادق اور امین ہوں' اور میرا نقطہ نظر تم لوگوں سے بہتر ہے' یعنی آپ نے از خود اپنی فطرت سلیمہ کی تبلیغ شروع نہ کی تھی بلکہ آپ مکی معاشرہ میں بطور فرد رہ رہے تھے کسی بت پرست سے کبھی تعرض نہ فرمایا تھا یہ اس لئے تھا کہ آپ کی فطرت سلیمہ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ تبلیغ کے لئے اللہ کا اذن ضروری ہے۔

Marfat.com

(۲) قرآن حکیم میں اذن کی اہمیت اس طرح واضح کی گئی ہے۔

(الف) وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ (یونس۔۱۰۰)

ایمان لانے کے لئے اذن کی ضرورت

(ب) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

رسول کی اطاعت کے لئے اذن کی ضرورت

(ج) قل من کان عدو لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ

جبریل آپ کے قلب پر باذن اللہ قرآن اتارتے تھے

پس اللہ کے اذن یعنی سینکشن (Approval=Sanction) سے ہی اہل اللہ کو ہر کام کرنا ہوتا ہے۔

(۳) ہمارے عام قانون میں ہر مجسٹریٹ کو ٹریفک وغیرہ کی چیکنگ اور چالان اور اس پر جرمانے وغیرہ کا اختیار نہیں ہوتا لیکن دین کو اس قدر غیر اہم سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر کس و ناکس اس کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی معاملات میں اپنی عقل ناقص کی بناء پر فیصلے کرنا اپنا جمہوری حق سمجھتا ہے چنانچہ ایسے برخود غلط قسم کے خود ساختہ علماء ہوں یا مبلغین دانشور ہوں یا کوئی اور اپنی تو عاقبت خراب کرتے ہی ہیں وہ ان کا بھی بیڑا غرق کر دیتے ہیں جو ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اپنی خواہشوں کے یہ غلام اللہ اور رسول اور اولیائے صالحین سے رشتہ استوار کئے بغیر اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں، حتی کہ وہ بعض اللہ والوں کو بھی اوٹ پٹانگ باتیں کہہ جاتے ہیں جو اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی (چشتی بزرگ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی خلیفہ) ہر ملنے والے کی تعظیم کرتے اور کھڑے ہو کر ملتے چاہے آشنا ہو یا نا آشنا، فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک درویش ان کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں توجہ دینا خوب جانتا ہوں اگر آپ کو ذوق ہو تو مجھ سے توجہ لیا کرو، حضرت شاہ نظام الدین محض اس کی دل شکنی نہ کرنے کی خاطر اس برخود غلط شخص کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے پس وہ ہر روز آتا اور توجہ دے کر چلا جاتا، دو سال گزر گئے اس نے سارے شہر میں مشہور کر دیا کہ شاہ نظام الدین دو سال سے مجھ سے توجہ لے رہے ہیں، ایک دن میاں عبد القادر (مرید حضرت نظام الدین) خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، جونہی وہ شخص توجہ دینے کے لئے آیا، آپ نے اس پر ایسی توجہ کی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہو گر پڑا، شور ہوا نظام الدین باہر آئے اور میاں عبد القادر کو ڈانٹا اور فرمایا۔

چرا خاطر کسے راشکستہ باید کرد، اگر دریں فرصت یک ساعت پیش او نشستم واو دلشاد شد ازیں چہ بہتر است۔ (فخر الطالبین صفحہ ۷۴، بحوالہ تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۷۰ از خلیق احمد نظامی)

یعنی کیوں کسی کا دل دکھایا جائے اگر فرصت میں ایک ساعت اس کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور اس کا دل خوش ہو جاتا ہے تو اس سے بہتر کیا بات ہے؟

بہرحال آج کل برخود غلط قسم کے بے ہودہ گو اسلامی تصوف اور اہل تصوف کے بارے اپنی جولانیاں دکھاتے نہیں تھکتے، لیکن جب کسی مرد حق آگاہ کی نظر کا شکار ہوتے ہیں تو تاب بھی نہیں لا سکتے،

Marfat.com

ان اللہ والوں کا بھی حوصلہ دیکھو کہ عمر بھر کوئی تعرض کئے بغیر چپ چاپ سب کچھ سنے چلے جاتے ہیں۔

ہم چپ ہیں مگر ان کو دیکھو خود کو ہی سب کچھ سمجھے ہیں
ہمیں خاطر میں لاتے ہی نہیں دو داد کہ کتنے اچھے ہیں

(۴) بیمار آدمی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، پیچیدہ مرض ہو تو سپشلسٹ کے پاس جاتا ہے، حالانکہ ہر شخص کو بنیادی شد بد صحت کے بارے میں ضرور ہوتی ہے، لیکن ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اسلیئے کہ لوگ قال میں مبتلا ہیں، جب حال کی کسوٹی پر قال کو پرکھتے ہیں تو نتیجہ صفر ملتا ہے، اور ان کا یقین قال سے اٹھ جاتا ہے لہٰذا وہ حکیم یا ڈاکٹر کی تلاش میں نکلتے ہیں جن کا قال اور حال ایک ہوتا ہے۔

(۵) کچھ بر خود غلط قسم کے لوگ اپنی کارکردگی کو بہترین قرار دیتے ہوئے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیتے ہیں اور درس قرآن و حدیث بھی خوب دیتے ہیں، لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ پر لگانے سے قاصر رہتے ہیں اور بزعم خویش دعاوی اور تاویلات میں مگن رہتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ ان کی خواہشات نفس کی تکمیل کا سامان ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

قل ھل ینبکم بالاخسرین اعمالاً الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا

(اے نبیؐ) فرما دیجئے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ اعمال کے اعتبار سے بالکل گھاٹے میں رہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں ہی اکارت ہوئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ (کہف = ۱۰۳، ۱۰۴)

لیکن اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا قال ان کے حال سے مختلف ہوتا ہے، علامہ اقبال کہتے ہیں۔

دم عارف نسیم صبحدم ہے -- اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر -- شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

مولانا روم کتابی علم کے ماہر تھے کتابوں پر تکیہ تھا شاہ شمس تبریز نے ان کی کتابیں اٹھا کر مسجد کے حوض میں ڈال دیں، یہ چیخے کہ عمر بھر کی کمائی بہہ گئی، وہ بولے کیا اب تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ کہا یہی تو میری زندگی کا حاصل تھا وہ آپ نے پانی کی نذر کر دیا، اب میرے پاس کیا ہے؟ شمس تبریز کو مولانا روم کی بے بسی پر رحم آگیا حوض میں ہاتھ ڈالا اور ساری کتابیں نکال کر باہر رکھ دیں، پانی کا ان پر ذرا بھی اثر نہ ہوا تھا، اب مولانا روم کی آنکھیں کھل گئیں، اور اپنا علم اور دھندا چھوڑ چھاڑ کر شمس تبریز کے ہو کر رہ گئے اور ان سے باطنی فیض پا کر مثنوی کا تحفہ ملت اسلامیہ کو دیا جو آج بھی "ہست قرآں در زبان پہلوی" کا مصداق گردانا جاتا ہے۔

تصوف کی اعتقادی اور سائنسی ضرورت: ہمارا مولوی جب دینی مسائل بتاتا ہے اور قرآنی اصطلاحات صبر، شکر توکل علی اللہ، حسنات وغیرہ کی تعریف بیان کرتا ہے تو آج کا مسلمان اعتقاداً اس سے

Marfat.com

انکار تو نہیں کرتا لیکن اپنی عملی زندگی میں قرآنی مفہومات کو رچانے بسانے سے بھی قاصر رہتا ہے کیونکہ بتانے والا بھی کورا ہوتا ہے اور جب نتائج وہ نہیں ملتے جو ہمارا مولوی ان کو بتلاتا ہے تو اس کا یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔

اور وہ دین کے خلاف بغاوت پر اتر آتا ہے کیونکہ ہم جو کچھ مانتے ہیں ہمارے قلوب اس کی تصدیق نہیں کرتے یہ دور سائنس کا دور ہے ہم انگلینڈ میں ہونے والے میچ کی کاروائی ٹی وی پر گھر بیٹھے دیکھ لیتے ہیں ہزاروں میل دور سے ٹیلیفون پر بات سن اور سنا سکتے ہیں لیکن دینی اساسیات پر ایمان کے دعوے اور اخلاق و روحانیت کی اعلیٰ اقدار کے زبانی اور مجلسی مظاہرے مسجدوں اور مذہبی مجلسوں میں تو نظر آتے ہیں لیکن ان سے باہر آتے ہی پتہ چلتا ہے جیسے عملی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا ہو۔

ایک ہندو دکاندار کا بیٹا مندر میں وعظ سن کر آیا کہ گائے کو کچھ نہیں کہنا چاہئے خواہ کچھ بھی ہو جائے، ان کی دکان کے باہر کھلی کی بوری رکھی تھی ایک آوارہ گائے نے چرنا شروع کر دی، دکاندار آیا تو لڑکے کو ڈانٹا وہ بولا باپو! مندر میں پروہت نے جو کچھ کہا میں اس پر عمل کر رہا تھا باپ بولا، مندر کی باتیں مندر میں ہی چھوڑ آیا کر

یہی حال آج کل ہمارے مذہبی رہنماؤں کا ہے کہ وہ بظاہر کچھ کہتے ہیں اور اپنا عمل اسکے خلاف ہوتا ہے، یہ حافظ نے کہا تھا۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبری کنند چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

قرآن میں آتا ہے کہ تم لوگ وہ بات کہتے ہی کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو، (لم تقولون مالا تفعلون)

اعتقادی زوال کے اسباب: انسانی زندگی کا نظام تین امور پر قائم ہے۔

(۱) اعتقاد (۲) علم (۳) عمل

اعتقاد درست ہو اور علم بھی درست ہو تو اس کا نتیجہ بھی درست نکلے گا اگر عمل بھی درست ہو گا اگر عمل میں کسر رہ گئی تو علم اور اعتقاد پر سے یقین اٹھ جائے گا، اگر علم و اعتقاد پر یقین کامل ہو لیکن عملی لحاظ سے مطلوبہ نتائج نہ مل سکیں تو صرف عمل کو ہی ناقص قرار دیا جائے گا۔

اسلامی تعلیمات اور عقائد بالکل پختہ اور صحیح البنیاد ہیں لیکن ہمارے اعمال میں نقص ہے اس لئے ہم اپنے عقائد اور علوم دینی سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

یہی معاملا قرون اولیٰ کے اہل اسلام کو بھی پیش آیا تھا چنانچہ انہوں نے تزکیہ اور پاکیزگی اختیار کرنے پر زور دیا ساور جب دیکھا کہ دنیا کے معاملات میں مگن رہ کر تھوڑے سے وقت میں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تو انہوں نے یکجہتی اور یکسوئی اور توجہ کے ارتکاز کو بنیاد بنایا اور اپنے مقاصد حاصل کر لئے رفتہ رفتہ اہل اسلام کے اخلاص مندوں نے محسوس کیا کہ روحانی اور تزکیہ نفس وغیرہ کی تربیت کے لئے اداروں کا قیام لازمی ہے چنانچہ انہوں نے پہلے مدرسے کھولے اور علمی اور عملی تربیت کا اہتمام کیا جب وہ قدرے اپنی افادیت کھو بیٹھے تو باقاعدہ تصوف کی اصطلاح کے زیر اثر اہل اللہ نے تربیتی ادارے قائم کئے جن کے سربراہ وقت کے اعلیٰ ترین اہل تقویٰ ہوتے تھے انہوں نے حق گوئی و بے باکی اور عملی زندگی میں عقائد و

Marfat.com

علوم کے مقاصد میں کامرانی کے وہ جھنڈے گاڑے جو صدیوں تک دوسروں کے لئے مینارہ نور بنے رہے۔

عمل میں تضاد: آج کا دور سائنس کا دور ہے، اور لوگ توہمات سے کافی حد تک آزاد ہو چکے ہیں اور ہر شخص ہر معاملے کے بارے میں کیوں اور کیسے؟ قسم کے سوالات کر سکتا ہے، سائنس کا دارومدار مادیت پر ہے جب کہ اسلامی تعلیمات اور عقائد و اعمال کا تعلق روحانیت اور قرب خداوندی کی منزل سے ہے مادہ پرست روحانیت کو وہم و گمان قرار دیتے ہیں عام لوگ سائنس کو غلط ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ قدم قدم پر سائنس کے جاننے والے اور اس کو تجربات سے ثابت کرنیوالے موجود ہیں ان کی بڑی بڑی فیکٹریاں اور لیبارٹریاں رات دن سائنسی تحقیقات پر کام کر رہی ہیں، بڑی بڑی امتحان گاہیں اور رصد گاہیں یہی مقاصد حاصل کرنے میں مصروف ہیں لہٰذا کسی کو سائنسی امور میں انکار کی کم ہی گنجائش ملتی ہے، لیکن ہمارے دینی رہنماؤں نے دین کے معاملات کو وہ اہمیت نہیں دی جو اس کو دینی چاہئے اس لئے عام لوگ مذہبی معاملات میں بے یقینی کا شکار ہیں، پس لازم ہے کہ کوئی ذریعہ ایسا ہونا چاہئے جو اعتقادات اور علمیات کو مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد مرتبہ ایقان تک پہنچا سکے ایسا کرنا کیوں لازمی ہے؟ اس لئے کہ انسان کی فطرت کا تقاضا یہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان پختہ تھا، لیکن اللہ سے عرض کی رب ارنی کیف تحی الموتی (بقرہ=۲۶۰) کہ میں مردوں کو زندہ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں، اللہ نے پوچھا اولم تومن اے ابراہیم کیا تیرا ایمان نہیں؟ عرض کیا ایمان تو ہے لیکن لیطمن قلبی اپنے دل کے اطمینان کے لئے یہ خواہش کی ہے چنانچہ ان کو یہ مشاہدہ کرا دیا گیا اور قرآن میں آیا ہے کہ ہم نے اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کے رازوں کا مشاہدہ کرا دیا تاکہ وہ اہل یقین سے ہو جائے (انعام=۷۶)

قرآن حکیم میں مسلمین مومنین موقنین وغیرہ الفاظ اہل اسلام کے لئے آئے ہیں مسلمان تو سب ہیں مومنین کا درجہ اور بلند ہے اور موقنین کا درجہ اور زیادہ بلند ہے اسی طرح محسنین، خاشعین، قانتین، شاہدین وغیرہ بھی اہل اسلام کے درجات کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ طرف مسلمین پر اڑے ہوئے ہیں اور آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں اور پھر یہ تقاضا بھی ہے کہ ہمارے اعمال اعتقادی اور علمی لحاظ سے ہم آہنگ کیوں نہیں ہیں، یہ تو ایسے ہی ہے کہ ایک طالب علم ابجد سے آگے بڑھنے کا مخالف بھی ہو اور دنیا بھر کے علمی خزانوں تک رسائی نہ ہو سکنے کا شاکی بھی رہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

قرآن کو سارے صحابہ رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے لیکن قرآنی تعلیمات کا مبلغ بنا کر ہر صحابی کو نہیں بھیجا جاتا تھا، حضور علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں صرف اہل صحابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے اور خلفائے راشدین کا بھی یہی طریقہ تھا، حالانکہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ بلغوا عنی ولو آیہ کے فرمان نبوی کی رو سے مبلغ کے مرتبہ پر بھی فائز ہے۔

ہمارے بعض طبقوں کے جب سے ہر کس و ناکس نے تبلیغ اسلام کو کچھ مدت کے لئے اوڑھنا بچھونا بنا کر ثواب حاصل کرنے کا طریقہ شروع کیا ہے اور وہ مقررہ مدت گزار کر اپنی پرانی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں اور

Marfat.com

مندر کی باتیں مندر میں چھوڑنے کا مظاہرہ عملی زندگی میں کرتے ہیں تو ان کی طرف آس لگانے والوں کے یقین میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ برہم ہو کر اسلامی تعلیمات اور اعتقادات کو ہی فرسودہ کہنے لگتے ہیں حالانکہ تبلیغی معاملات دو چار دن کا قصہ نہیں ہوتے کوئی نبی پارٹ ٹائم نبی نہیں ہوتا، نہ یہ کہ زندگی کے خاص حصہ تک وہ نبوت کے فرائض انجام دینے کے بعد ریٹائر کر دیا جاتا تھا (معاذ اللہ) بلکہ ہر نبی علیہ السلام زندگی کے آخری دم تک نبی ہوتا تھا اسی طرح ہر مسلمان پارٹ ٹائم مسلمان نہیں ہوتا کہ باقی زندگی مسلمانی کی پنشن پر گزار دے اور خود جو چاہے کرتا رہے۔

اسی طرح راہ تصوف میں خدمات انجام دینے والے بزرگ بھی پارٹ ٹائم مبلغ نہیں ہوتے تھے، وہ دائمی مسلمان دائمی عامل اسلام، اور دائمی متقی اور دائمی پرہیزگار اور دائمی مبلغ ہوتے تھے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی حق سے جدا نہ ہوتے تھے کیونکہ حق سے دوری باطل کی معیت کا سندیسہ لاتی تھی اور باطل مٹنے کی چیز ہے جبکہ اہل اسلام کی اعتقادات اور اسلامی تعلیمات کی دائمی اور پر بقاء اقدار کے عملی روپ کا نام تصوف ہے جس کی آج بھی اتنی ضرورت ہے کہ پہلے شاید کبھی نہ تھی۔

تصوف میں اصلاح کا کام: پہلے سے موجود تعلیمات کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات اہل نظر کے مطابق ۲۰۰۰ھ تک کے لئے کافی ہیں اور ہر دور کے معاملات مناقشات کا قابل عمل حل پیش کرتی ہیں کیونکہ آپ نے ۱۰۰۰ھ تا ۲۰۰۰ھ تک کے ہزار سال کے سارے فتنوں اور مسائل کا حل فیض روحانی وضاحتاً یا اشارتاً مکتوبات شریف میں خصوصاً اور اپنی دوسری تصانیف میں عموماً پیش کر دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میدان تصوف میں اہل عمل اور اہل سلوک کی ایسی جماعت کی ضرورت بھی ہے جو عملی میدان میں بھی پوری اترتی ہو اور اہل حق کی تربیت و تزکیہ کا فریضہ محض زبانی جمع خرچ سے انجام نہ دے بلکہ ویزکیھم کی نبوی وراثت سے بہرہ مند ہو کر اہل اسلام کو تزکیہ و تقویٰ کی دولت سے نوازنے کا یارا بھی رکھتی ہو، تزکیہ اور مشاہدہ کے بعد یقین کی جو دولت حاصل ہوتی ہے، وہ شنیدہ اور بالغیب ایمان سے بدرجہا بلندی کی حامل ہوتی ہے تصوف دراصل حضور علیہ السلام کی بارگاہ فیض سے یقین و رہنمائی کی دولت حاصل کرنے کا نام ہے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ عالم و فلسفی اور متکلم کیا کچھ نہ تھے لیکن حق کو پانے کے لئے نہ تو متکلمین ان کی مدد کر سکے نہ فلسفی حضرات اور نہ خشک ملاں اور ان کا مسئلہ حل ہوا تو صوفیاء کی بارگاہ میں بار پا کر وہ اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں فلسفہ و کلام کا جائزہ پیش کر کے لکھتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ "صوفیہ کا گروہ ہی وہ گروہ ہے جو خالصتاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستے پر گامزن ہے ان کی سیرت سب سے بہتر ہے، ان کا اخلاق بھی سب سے اچھا ہے بلکہ اگر تمام عاقلوں کی عقلوں اور تمام حکماء کی حکمتوں اور علماء کے علم کو جمع کر دیا جائے تاکہ صوفیاء کی مقابلہ میں سیرت و اخلاق کی کوئی بہتر نظیر قائم کی جا سکے تو یہ بات ناممکن ہو گی کیونکہ صوفیاء کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں، اور دنیا میں نور نبوت سے بہتر کوئی اور نور تو ہے ہی نہیں جس سے اکتساب نور کی جا سکے" (المنقذ من الضلال صفحہ ۵۰) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے صوفیاء کا رہنمائی حاصل کرنا کوئی کھیل نہیں اس مقصد کے لئے رزق حلال اور صدق مقال پہلی شرط ہے، اس دور میں کون ہے جو سود سے

Marfat.com

پاک معیشت سے حاصل کردہ رزق کھا سکتا ہے (الا ماشاءاللہ)

علماء اور اساتذہ تک کو سودی معاشیات پر مبنی ذرائع سے تنخواہیں ملتی ہیں ہر شخص کسی نہ کسی طور پر جھوٹ فریب اور غلط روی کا شکار ہے (الا ماشاءاللہ) ایسے میں اگر اسلامی اور قرآنی تعلیمات اپنے صحیح اور موعودہ نتائج پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں تو اس میں قرآنی تعلیمات کا قصور نہیں بلکہ اس بد عملی کا قصور ہے جس کا شکار ہم سب ہیں، ہمارے بے عمل اور بد عمل رہنمایاں خواہ وہ دینی ہوں یا سیاسی یا کسی اور شعبہ سے متعلق اسلامی تعلیمات پر انگلی اٹھانے سے پہلے ان لوازمات کا اہتمام کرنے کی سعی کریں جو اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کے لئے لازمی ہیں تو بات بن سکتی ہے۔

پس آج کے سائنسی دور میں ایمانیات کو تیقن اور مشاہدے کی کیفیات سے بہرور کرنے کے لئے تصوف اور سلوک کی پہلے ادوار سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ آج کل سہولتیں پہلے زمانے کے مقابلے میں زیادہ ہیں، اگر مادی سہولتیں زیادہ ہیں تو ان کو روحانی ترقی کے لئے استعمال نہ کرنا آج کے انسان اور مسلمان کے ساتھ زیادتی ہو گی۔

بابا فرید گنج شکر کے خادم نے کریر کے پھل کا سالن پکایا (جو مزیدار نہیں ہوتا) اس میں نمک اُدھار لے کر ڈال دیا، بابا صاحب نے لقمہ لیتے ہی شکایت کی کہ اس کھانے میں گڑبڑ ہے، "ادھار نمک" کا اعتراف کیا گیا تو کھانا ہی نہ کھایا کہ نفسانی لذات کی خاطر ادھار کا بار کسی تقویٰ کا تقاضا نہیں، مفتی نور اللہ نعیمی بصیر پوری (صاحب فتاویٰ نوریہ جو چھ جلدوں میں ہے) جدہ میں ایک اجنبی مہمان کے کمرے میں بطور مہمان ٹھہرائے گئے، ایک شام وہ مہمان کہیں گئے ہوئے تھے رات گئے واپس آئے مفتی نور اللہ کو شدید پیاس لگی کمرے میں ان کی پانی کی صراحی موجود تھی لیکن مفتی صاحب نے بلا اجازت پانی پینا مناسب نہ سمجھا اور انتظار کرتے رہے اور جب وہ مہمان رات ۱۲ بجے واپس آئے تو اجازت لے کر پانی پیا، وہ بولے اس میں اجازت کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا سب کچھ اجازت پر ہی تو منحصر ہے، یہ تقویٰ کی انتہا ہے جو اہل حق کو حق سے لمحہ بھر کے لئے بھی جدا نہیں ہونے دیتی' (ماہنامہ نور الحبیب صفحہ ۵۴ بابت ماہ دسمبر ۱۹۹۴ء) ایسے ہی تقاضات کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی حضرت ابرہیم علیہ السلام جیسا ایمان پیدا ہو جائے تو۔

آگ کر سکتی انداز گلستاں پیدا

وسط ایشیاء میں نظام خانقاہی کا کردار

اس عنوان کے تحت جناب تنویر قیصر شاہد لکھتے ہیں:

"تیمور کے زمانے سے وسط ایشیاء کی سرزمین "ارض رومان" کی اصطلاح کے طور پر معروف ہے مگر اس میں کلام نہیں کہ وسط ایشیاء میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں صوفیاء نے بنیادی اور مرکزی کردار ادا کیا۔ جب عرب و عجم پر اموی اور عباسی خلفاء کی آمرانہ حکومتوں کا پرچم لہرا رہا تھا اور جب فرد کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور جب تخت خلافت پر براجمان ہر خلیفہ اپنے ہر حریف اور سیاسی دشمن کو "اسلام اور

Marfat.com

خلافت کا باغی" قرار دے کر گردن زدنی کا مستحق سمجھتا تھا، ایسے دور میں صوفیاء نے خلافت و حکومت کے ایوانوں سے دور رہ کر دین اسلام کی آبیاری کی اور مقدور بھر کوشش کی کہ حکومت کی قہرانہ قوتوں سے اعراض برت کر ٹھوس علمی اور تبلیغی فرائض انجام دیئے جائیں۔ صوفیاء کے مختلف قافلے، مختلف ادوار میں دنیا کے کونے کونے پر پہنچے اور اپنے مصالحانہ اور مخلصانہ کردار سے اسلام کی حقانیت کو گمراہ لوگوں کے دلوں پر منقش کیا اور یوں انہیں اسلام کی روشنی سے منور کرتے ہوئے اس وسیع حلقے کی ایک مضبوط کڑی بنا دیا جہاں عزت و احترام کا پیمانہ رنگ و نسل اور خاندانی وجاہت سے منسلک نہیں بلکہ اصل پیمانہ کردار اور تقویٰ ٹھہرا۔ وسط ایشیا کے کوہ و دمن میں اسلام کا جو نور پھیلا، وہ بھی انہی صوفیائے عظام کی مساعی جمیلہ کے طفیل ہوا۔ صوفیاء کی خانقاہیں صدیوں تک علم و عرفان کے مراکز کا کردار ادا کرتی رہیں۔ خیوا، سمرقند، بخارا، نیشاپور ایسے شہروں کا شہرہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا۔ روسی زاروں کے زمانے میں وسط ایشیا کے مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں پر زندگی اجیرن کر دی گئی۔

روسی زاروں کا ظالمانہ شکنجہ جب وسط ایشیاء کے مسلمانوں کے مسلم تشخص کو مٹا ڈالنے کے در پے تھا، ظلم و جفاء کے اس دور میں مسلمانوں میں مزاحمت اور بقاء کی چنگاری کا کردار اوسط کے خونیں انقلاب نے وسط ایشیا کی اجتماعی زندگی کو تہہ و بالا کر دیا۔ زاروں کے شاہی استبداد کی جگہ ملحد کمونسٹوں اور سوشلسٹوں نے لے لی۔ کئی اعتبار سے مارکس، اینگلز، لینن اور اسٹالن کی معنوی اولادوں کے ہتھکنڈے ان مظالم سے کہیں زیادہ سخت اور سفاک تھے جو زاروں کے زمانے میں وسط ایشیائی مسلمانوں پر ڈھائے گئے۔ سابقہ سوویت یونین کے ایک سابق صدر خروشیف کے دور میں مسلمانان وسط ایشیا کی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں کے وجود، نظریات اور مسلم تشخص کو معدوم نہ کیا جا سکا۔ وسط ایشیا امور کے مغربی ماہرین اس امر پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہر حربے، ہتھکنڈے اور ظلم و جبر کے باوجود آخر وہ کونسا عنصر تھا جس نے مسلمانان وسط ایشیاء کی زندگی میں حرارت باقی رکھی؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے مغربی ماہرین نے سیاحوں کے روپ میں، سوویت یونین کے ٹوٹنے سے قبل، سوویت روس کا دورہ کیا اور عمیق نظروں سے اس کا کھوج لگانے کی کوشش کی۔

مذکورہ ماہرین اور سیاح وسط ایشیاء کے گہرے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہاں کے مسلمانوں کی بقاء اور ان میں مذہب کی حرارت کا باعث یہاں کا نظام خانقاہی تھا اور ہے۔ (اس بات سے اختلاف کرنے کی گنجائش بہرحال موجود ہے کہ اس نظام میں بعض ایسی رسوم نقب لگانے میں کامیاب ہو گئیں جن کا دین کی مبادیات اور شریعت سے قطعی کوئی تعلق نہیں) استحکام خانقاہی کے مختلف سلاسل نے وسط ایشیاء کے مسلمانوں کو باہم مربوط اور متحد رکھا۔ وسط ایشیاء کے نظام خانقاہی میں "شاہ زندہ" کے مزار اور مزار سے متصل دینی مدرسے کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ یہ مزار ریاست ازبکستان کے معروف عالم شہر سمرقند میں واقع ہے اور آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔

"شاہ زندہ" کے مزار سے متصل ایک قدیم اور گہرا کنواں ہے۔ روایت ہے کہ "شاہ زندہ" جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے یہاں آئے تو ان کے ہمہ دم پھیلتے اثرات سے منفی تاثر لے کر مقامی

Marfat.com

سرداروں سے جھگڑا ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اس جھگڑے نے باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ "شاہ زندہ" اپنے مٹھی بھر مریدین سے ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ ایک خونریز جنگ میں جبکہ ان کے سبھی مرید جان سے ہار گئے تھے، شاہ زندہ اپنے حجرے سے متصل کنویں میں اس طرح آرام سے اتر گئے جیسے سیڑھیاں اتر رہے ہوں۔ اس کے بعد وہ کبھی نظر نہ آئے۔ "شاہ زندہ" کا اصل نام قاسم ابن عباس تھا۔

قاسم ابن عباس کے ماننے والے وسط ایشیاء کے مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور ایک بار پھر ظاہر ہوں گے۔ اسی یقین کے باعث قاسم ابن عباس "شاہ زندہ" کہلائے جاتے ہیں۔

"شاہ زندہ" کے مزار پر ازبکستان ریاست کی وسیع آبادی کے زائرین کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ زائرین کوشش کرتے ہیں کہ مزار کی زیارت پر جانے کے لئے خصوصی لباس زیب تن کیا جائے۔ یہ لباس روایتی ہے جو رنگین لمبی لمبی پٹیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور گھردار فراک کی طرح سلا ہوتا ہے۔ مقامی زبان میں اس خصوصی لباس کو "ایکات" کہا جاتا ہے۔ مذکورہ مزار کا تعویذ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ جس پر انتہائی دلکش نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ یہ نقوش بھی لکڑی کے ہیں۔ لوگ قطار در قطار مزار کے اندر داخل ہوتے ہیں اور تعویذ کو عقیدت و محبت سے ہاتھ لگاتے ہیں۔ عورتیں نومولود بچوں کو خصوصی طور پر ساتھ لاتی ہیں اور بچوں کے ہاتھ اور کندھوں کو مزار سے مس کرتی ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کے بچوں کو بیماریوں سے نجات ملی رہے گی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ روسی غلبے کے دوران لادین اور الحاد پرست روسی حکمران ازبکوں کے اندر سے اس عقیدت کو مٹا ڈالنے میں ناکام رہے اور یہ بھی کہ ازبکستان میں شرح خواندگی سو فیصد ہے، اس کے باوجود لوگوں کی مزاروں سے عقیدت دیدنی ہے۔

احمد یاسادی کی خانقاہ کو بھی وسط ایشیا میں بلند مقام حاصل ہے۔ تاریخ تصوف میں احمد یاسادی کو عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک الگ سلسلہ تصوف کی بنیاد رکھی۔ ان کا مزار ترکستان کے قصبے میں ہے۔ وہ ترک النسل وسط ایشیائی مسلمانوں کے سب سے بڑے بزرگ اور صوفی تصور کئے جاتے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۶۶ء میں ہوا تھا۔ پر شکوہ مزار کو نیلی ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے اور طرز تعمیر کلاسیکی خطاطی عجب بہار دیتی ہے۔ صدیاں گزر گئیں مگر اس کے باوجود ان کے جمال میں کمی نہیں آئی۔ ان کے مزار کو دیکھ کر بے ساختہ خواجہ بہاؤ الدین زکریا کا مزار یاد آ جاتا ہے۔ دونوں مزاروں کی طرز تعمیر اور اندرونی حیرت افزا خاموشی حیرت انگیز حد تک مماثل نظر آتی ہے۔ گذشتہ دس برس سے اس مزار کی تزئین نو کا کام جاری ہے کہ مغربی سیاحوں کو اس میں خاص دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ سرمائے کی کمی، سوویت یونین کا ٹوٹ جانا اور اب نو آزاد ریاست کی اندرونی کمزوریاں، یہ سب مل جل کر مزار کی آرائش کی تکمیل میں سد راہ ہیں۔

احمد یاسادی کے مزار پر قزاخ عورتیں بکثرت آتی ہیں۔ ان کے لباس میں سفید رنگ غالب نظر آتا ہے۔ روایت ہے کہ احمد بزرگ کو سفید رنگ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ پسند تھا۔ زمانہ قدیم میں ان کے مزار کو اولگ خان کی بیٹی نے تعمیر کروایا تھا۔ اولگ خان، تیمور کا بیٹا تھا اور ان کی بیٹی قزاخستان کے مشہور حکمران ازبک خان المعروف ابوالخیر خان سے بیاہی گئی تھی۔ احمد یاسادی کے مزار کی

Marfat.com

خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ ان کی قبر کا تعویذ ہرن کے سینگوں سے بنایا گیا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مدتیں گزرنے کے باوجود تعویذ کے اصل رنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ روسی استبداد اور قبضے کے دوران اس مزار کو سرکاری عجائب گھر کی شکل بھی دے دی گئی تھی لیکن اس کے باوجود ریاست کے مسلمانوں کے دلوں سے بزرگ موصوف کی عظمت و محبت کا نقش مٹایا نہ جاسکا۔ احمد یاساوی کو قزاخستان میں "قومی بزرگ" کا درجہ حاصل ہے۔

وسط ایشیا کے ایک چھوٹے سے خطے "وادی فرغانہ" کو برصغیر پاک و ہند میں خاصی شناسائی حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کے بانی مسلمان حکمران ظہیرالدین بابر فرغانہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ مغلیہ سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر فرد جونہی وادی فرغانہ کا نام سنتا ہے، اس کے دماغ میں بابر کا نام گونجنے لگتا ہے۔ اس وادی میں "شاہ مردان" کا مزار لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ اگرچہ ریاست سنی العقیدہ نمک کے برابر ہے، اس امتیاز کے باوجود اہل تشیع اور سنی العقیدہ مسلمان بکثرت شاہ مردان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اپنے مسلکی اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اتحاد و یگانگت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ریاست جہاں اس عظیم المرتبت انسان کی آخری آرام گاہ ہے، اسی علاقے میں حضرت بہاؤ الدین نقش بندی" کا مزار بھی واقع ہے۔ تاریخ تصوف میں حضرت بہاؤ الدین" نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیادیں رکھیں۔ بخارا کے مضافات میں ان کا مزار لاہور میں داتا گنج بخش کی یاد دلاتا ہے۔ متصلہ ریاست تاجکستان میں حضرت یعقوب چرخی"، جو حضرت بہاؤ الدین کے مرید باصفا تھے، کا مزار اور دوشنبے کے مضافات میں خواجہ احرار کا مزار عقیدت مندوں کی نگاہوں کا مرکز ہے۔

ماسکو یونیورسٹی کے معروف محقق ڈاکٹر زیرانوف، جنہیں وسط ایشیا میں سلسلہ خانقاہی پر اتھارٹی سمجھا جاتا ہے، کا کہنا ہے "سٹالن کے آخری دور میں تاجکستان، قزاخستان اور ازبکستان میں واقع صوفیا، کے مزاروں کو سرکاری سرپرستی میں منہدم کرنے اور ان سے متصلہ مدرسوں کو تباہ کرنے کی دانستہ کوششیں کی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ وسط ایشیاء کے مسلمانوں کی مرکزیت اور اتحاد مراکز کو ختم کر دیا جائے تاکہ بعد ازاں انہیں منتشر کرنے اور ان کی باہمی اخوتی قوت کو پارہ پارہ کرنے میں آسانی رہے۔ سٹالن کے کارپردازوں کو اس وقت حیرت انگیز حد تک شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جب وہ خواجہ احرار اور یعقوب چرخی کے مزاروں کو منہدم کرنے کے لئے پل پڑے۔ خواجہ احرار کے سجادہ نشین اس مزاحمت میں کام آئے مگران کے قتل کے بعد ان کے جانشینوں نے سٹالن کے جانشینوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ خروشیف کے زمانے کے پہلے سال جب خواجہ احرار کے خاندان ہی کے ایک فرد کو تاحیات مزار کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ یہ گویا وسط ایشیا بھر میں جال کی طرح پھیلے نظام خانقاہی کا ایک پھر غلبہ تسلیم کئے جانے کے ادف تھا۔ زیرانوف مزید لکھتا ہے "یہ بات حقیقت کی طرح نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ وسط ایشیاء کے صوفیاء اور ان کے اولین سجادہ نشین معروف معنوں میں صرف حجرہ نشین نہیں تھے بلکہ جہاد اور علم اسلام کے دونوں بنیادی جذبوں کی وہ عملی تفسیر بھی تھے۔"

مسٹر زیرانوف کے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ایک اور روسی محقق جی پی زنیساروف کی تازہ ترین

Marfat.com

کتاب "خوازمین لیجنڈز" بھی کرتی ہے۔ خوارزم کے علاقے میں، خصوصاً دریائے آمو کے زیریں علاقے میں سلطان اویس بابا (جنہیں مختصراً سلطان بابا کہا جاتا ہے) کا مزار خاصا شہرت یافتہ ہے جی پی زنیسا روف کا کہنا ہے کہ خوارزم بھر میں کوئی دوسری خانقاہ شہرت، دلکشی اور مقبولیت میں سلطان بابا کے مزار سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بحیرۂ ارال کے جنوب میں واقع سید چنار کا مزار اور ملحقہ مدرسہ بھی صدیوں سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ افغانستان کے تاجک قبیلہ کے ہزاروں ملاء اسی مدرسے کے فارغ التحصیل ہیں۔ بحیرہ ارال کے جنوب میں ہی علاقہ "گوئیک ٹیپی" ایک صدی تک اسلام دشمن قوتوں کی نگاہوں میں کھٹکتا رہا ہے۔ یہاں کے معروف بزرگ خواجہ قربان نے ۱۸۸۱ء میں جنگ "گوئیک ٹیپی" میں جہاد کی بے مثال داستانیں رقم کیں۔ اگرچہ وہ دو سو گیارہ دنوں کے محاصرے کے بعد شہید کر دیئے گئے مگر جاں فروشی، اسلام اور جہاد سے محبت کی لافانی داستانیں رقم کر گئے جن کی خوشبو آج بھی وسط ایشیا کی رومان پرور فضاؤں کی سیر کرنے والوں کو واضح طور پر محسوس ہوتی ہیں اور پلک جھپکتے میں مشام جاں کو معطر کر دیتی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۲۔ فروری ۱۹۹۵ء)

جناب تنویر قیصر شاہد کے اس آرٹیکل کو پڑھ کر تصوف اور خانقاہی نظام کی افادیت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ جس کی برکات سے روسی جبرو استبداد کے جاں گسل مظالم بھی اسلامی روح کو وسطی ایشیا کے مظلوم مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تصوف کے خانقاہی نظام نے برصغیر پاک و ہند بھی ہر دور ابتلا میں یہی کارنامہ انجام دیا۔

بعض کتب تصوف کا مختصر تعارف

تصوف پر کتابوں کی تالیف کا سلسلہ عبداللہ بن مبارک المروزی (م = ۱۸۱ھ) سے شروع ہوتا ہے آپ نے کتاب الزہد لکھی جس میں زہد سے متعلقہ احادیث کو جمع کر دیا گیا تھا (آربری = صوفی ازم صفحہ ۴۰) پھر ابو علی احمد بن الطاکی اور الحارث بن الاسد المحاسبی (م۔ ۲۴۳ھ) نے تصوف کے مختلف موضوعات پر کتب لکھیں مثلاً الرعایہ الحقوق اللہ اور کتاب التوہم وغیرہ، بعد ازاں محمد بن علی الحکیم ترمذی نے بھی اس پر بعض کتابیں لکھیں پھر محمد بن عبد اللہ النفری (بصرہ میں ایک جگہ کا نام نفر ہے) نے کتاب المواقف اور المخاطبات لکھی، پھر ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی الصوفی (م۔ ۳۹۳ھ) نے بستان العارفین رقم کی، لیکن تصوف کے بارے میں۔

کتاب اللمع: مستقل پہلی تصنیف کتاب اللمع ہے جسے ابو نصر (عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحیٰی) اسراج نے لکھا، وہ طوس کے باشندے تھے اور بقول سلمی وہ زاہدوں کی اولاد میں سے تھے انہیں صوفیاء کا ترجمان کہا جاتا ہے، ان کا تصوف شریعت پر مبنی تھا فارسی تذکروں میں آپ کو طاؤس الفقرا کہا جاتا ہے، ابو سراج نے ۳۷۸ھ میں وفات پائی، انہوں نے یہ کتاب استخارہ کے بعد مثبت اشارہ پانے پر لکھی، اور متقدمین جن معاملات میں خاموش تھے ان علوم و فنون سے بحث بھی کی، صوفیاء کے مقامات و احوال کا ذکر بھی کیا ہے، اس کتاب میں علم تصوف اور صوفی کا نام رکھنے کی وجہ اور مقامات و آداب صوفیا وغیرہ بھی بیان کئے ہیں۔

Marfat.com

قوت القلوب: ابو نصر سراج کے بعد ابو طالب مکی (محمد بن عطیہ الحارثی العجمی المکی) متوفی ۳۸۶ھ نے قوت القلوب لکھی جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ صوفیاء کی مسائل اور اعمال شریعت کی روح کے مطابق ہیں اس کا شمار تصوف کی کتابوں کی "امہات" میں ہوتا ہے، اسی زمانہ میں ابو بکر

التعرف: محمد بن اسحاق البخاری الکلاباذی (متوفی ۳۹۰ھ) نے التعرف لمذہب اہل التصوف لکھی جس میں تصوف کے مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے، اس کے بارے کہا گیا ہے۔

لاالتعرف لما عرف التصوف

یعنی اگر کتاب تعرف نہ ہوتی تو تصوف کو کوئی بھی نہ جانتا۔

چنانچہ اس کتاب کی بہت سی شروح لکھی گئیں پہلی شرح ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد عبداللہ المستملی البخاری (متوفی = ۴۴۴ھ) نے فارسی میں لکھی جس میں بعض عمدہ وضاحتیں کی ہیں آبری کے مطابق خواجہ عبداللہ انصاری (متوفی =۴۸۱ھ) اور قونوی (م ۷۲۹ھ) نے بھی التعرف کی شرح لکھی۔

بہجتہ الاسرار: پھر ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمدانی (متوفی - ۴۱۴ھ) نے بہجتہ الاسرار لکھی، ابن جہضم حرم میں صوفیاء کے شیخ تھے حدیث کی بھی روائت کی ہے امام قشیری نے بھی اس کتاب سے ایک روائت نقل کی ہے۔

نہج الخاص: ابو منصور معمر بن احمد بن زیاد الاصفہانی (۳۵۰ھ تا ۴۱۸ھ) نے مختصر سی کتاب نہج الخاص لکھی جس میں سالکین کے مقامات اور ریاضت سے متعلقہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے، یہ کتابیں تصوف پر موجود تھیں لیکن تصوف کے موضوع کا پوری طرح احاطہ نہ کرتی تھیں چنانچہ ایک مکمل جامع اور مبسوط کتاب کی ضرورت تھی چنانچہ امام قشیری نے "رسالہ قشیریہ" لکھ کر یہ کمی پوری کی۔

رسالہ قشیریہ: یہ کتاب صوفیائے کرام کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت رکھتی ہے حتیٰ کہ صوفیاء کے شدید ترین مخالف ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے بھی اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے کہ تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ قشیریہ کا مطالعہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں ابو عبدالرحمٰن اسلمی (م ۴۲۱ھ) اور ابو نعیم اصفہانی (م - ۴۳۰ھ) نے بھی صوفیاء کے متعلق کتابیں لکھیں جن میں حالات صوفیاء بیان کئے ہیں لہٰذا انہیں تصوف میں کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں لہٰذا رسالہ قشیریہ کو تصوف پر پہلی بھرپور اور مکمل کتاب کی حیثیت حاصل ہے، جو آگے چل کر تصوف پر لکھنے والوں کے لئے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

سلوۃ العارفین: اس کے بعد تصوف پر کتابیں لکھنے کی ضرورت وقت کا تقاضا بن کر سامنے آئی چنانچہ قشیری کی معاصر ابو خلف (محمد بن عبدالملک بن خلف الطبری السلمی شافعی) نے ۴۵۰ھ میں رئیس ابو علی حسان بن سعید المنین کے لئے بہتر (۷۲) ابواب پر مشتمل تصوف پر ایک کتاب لکھی جس کا نام سلوۃ العارفین وانس المشتاقین رکھا، پہلے باب میں تصوف اور اس کے معنی سے بحث کی گئی ہے، آخری باب میں طبقات الصوفیہ اور ان کے تراجم دیئے ہیں، سبکی نے کہا ہے کہ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو خلف (م - ۴۷۰ھ) کو نہ صرف راہ طریقت سے آشنائی حاصل تھی بلکہ ان پر صوفیاء کے احوال کی کیفیت بھی طاری

Marfat.com

تھی ابو خلف نے اس کتاب کو رسالہ قشیریہ کی نہج پر ترتیب دیا ہے سبکی کے بقول اگر اس رسالہ کی مناسب تشہیر کی جاتی تو یہ بڑا مقبول ہوتا، لیکن اس کتاب کا واحد نسخہ سبکی کو جو ملا وہ ابو خلف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ نسخہ تھا جو اس نے خوشخط لکھ کر خود المنیعی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ صفحہ ۲۷)

کشف المحجوب: امام قشیری کے ایک اور معاصر سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں تصوف پر پہلی کتاب پیش کی، اس میں بھی رسالہ قشیریہ کا تتبع کیا گیا ہے، اور بعض امور کے بیان میں انفرادی طرز بھی اختیار کیا ہے یہ کتاب اس قدر اہم اور مقبول ہے کہ بزرگوں نے بتایا ہے کہ جس کو مرشد نہ مل سکے وہ کشف المحجوب سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، اس کتاب کا تذکرہ کسی اور مقام پر قدرے تفصیل سے ملے گا۔

منازل السائرین: یہ کتاب مختصر سی ہے جسے قشیری کے ایک اور معاصر شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاری الہروی (م ۴۸۱ھ) نے لکھا، اس میں صوفیہ کے آداب مقامات اور احوال کا ذکر ملتا ہے۔

رباعیات شیخ ابو سعید: شیخ ابو سعید ابوالخیر (م =۴۲۵ھ) نے ابوالحسن خرقانی سے فیض حاصل کیا، ابو عبدالرحمٰن سے خلافت پائی اور اسرار تصوف رباعیات میں بیان کئے، آپ کے نواسے محمد منور نے آپ کے حالات وغیرہ پر کتاب لکھی جس کا نام یہ ہے اسرار لتوحید فی مقامات شیخ ابو سعید جس میں ابو سعید کے اقوال اور عرفانی معاملات کا تذکرہ بھی ہے علاوہ ازیں آپ کی عارفانہ رباعیات رجائیت کا پیغام لئے ہوئے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں۔

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبرو بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صدبار اگر تو بہ شکستی باز آ

پر تو حسن مطلق کا بیان اس طرح ہے۔

گفتم کہ کرائی؟ تو بدیں زیبائی گفتا خودرا کہ من خودم یکتائی
ہم عشقم وہم عاشقم وہم معشوقم ہم آئینہ، ہم جمال، ہم بینائی

انیس الطالبین: صلاح الدین بن مبارک بخاری خواجہ علاؤالدین عطاء کے مرید تھے جن کو ۷۸۵ھ میں خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی خانقاہ میں چھوڑ دیا، چنانچہ وہ خواجہ نقشبند سے کسب فیض کرتے رہے خواجہ مرحوم کی وفات کے بعد ۷۹۱ھ میں ابن مبارک بخاری نے انیس الطالبین و روضہ السالکین لکھی، جس کا نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے، یہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے حالات اور تصوف پر ہے۔

نفحات الانس: یہ کتاب عبدالرحمٰن جامی نے لکھی ہے، جس میں دوسری صدی ہجری کے ابو ہاشم الصوفی سے لے کر قاسم الانوار (متوفی ۸۳۷ھ) تک تقریباً ۵۶۷ صوفیاء کے علاوہ سنائی تا حافظ شیرازی ۱۳ صوفی شعراء اور ۳۴ صالحات کا تذکرہ ہے اس میں مقدمہ صوفیانہ اصطلاحات کا بیان اور معرفت و حقیقت و معجزات و خوارق صوفیاء کا بیان ہے، اور صوفیاء کے حالات میں بھی یہ مستند ماخذ کی حامل ہے۔

نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص: مولانا جامی نے ابن عربی کی فصوص الحکم کے خلاصہ نقش الفصوص کی شرح میں یہ کتاب ۸۶۳ھ میں لکھی اور ابن عربی کی نظریات کی اچھی طرح تشریح کی ہے، اور

Marfat.com

فصوص کے دیگر مفسرین کے خیالات کو بھی اس میں جگہ دی ہے۔
لوائح: یہ مولانا جامی کے تصوف و عرفان پر مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں عارفانہ رباعیات بھی شامل ہیں۔

مجدد الف ثانی کی عارفانہ تصنیفات

(۱) **معارف لدنیہ:** اس رسالہ کا دوسرا نام علوم الہامیہ بھی ہے، اس میں معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث بیان کئے گئے ہیں ۱۰۱۵ یا ۱۰۱۶ میں مرتب کیا گیا، ہر مضمون کو معرفت کا عنوان دیا گیا ہے، جن کی مجموعی تعداد بیالیس ہے، ان معارف کے بعض مضامین یہ ہیں۔

لفظ اللہ میں حرف تعریف کے متعلق اجتماع کی حکمت سالک کی سیر کے انواع و مراتب حقیقت محمدی سے مراد صوفیاء اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلاف طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق قطب ابدال یا قطب ارشاد کا فیض قضاو قدر کا راز حضورؐ کے فضائل وغیرہ۔

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے ابتدائی اور متوسط دور کی تالیف ہے اور مبداء سے معاد پہلے کی تصنیف ہے جسے حضرت مجدد الف ثانی نے خود مرتب فرمایا ہے عبارت میں جابجا عربی عبارات کے ٹکڑے آجاتے ہیں بلکہ بعض معرفت تو عربی ہی میں ہیں مثلاً معرفت نمبر ۲۲ اور معرفت نمبر ۲۳۔

(۲) **مبداء و معاد:** یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے علوم و معارف پر مشتمل ہے اس میں اسرار و رموز کے لطیف اشارے ہیں رسالہ میں ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۸ھ تک کے بعض کشف و حقائق کے حصول اظہار میں وقتاً فوقتاً بیان فرمایا ہے اس رسالہ کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے جو کہ آپ کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی نے ۱۰۱۹ھ میں مرتب کیا اور اس کے مضامین کو منـــھـــا کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، جن کی کل تعداد اکسٹھ ہے اور ہر منہا معرفت کے اسرار کا خزانہ ہے بعض عنوانات حسب ذیل ہیں۔

جذبہ و سلوک کا حصول بیان نزول و تائید مشائخ سلاسل مختلفہ قطب الارشاد اور اس کا فیض عام نسبت نقشبندیہ اظہار نعمت کمالات ولایت کے درجات فرشتوں پر ان کی فضیلت علم ظاہر پر علم باطن کی برتری اور آداب پیر و مرشد معارج النبیؐ اور عروج اولیاء میں فرق روئت باری تعالیٰ اور حقیقت قرآنی وغیرہ۔

رسالہ کی عبارت میں عربی جملے بکثرت استعمال ہوئے ہیں بعض منہا تو عربی میں ہی ہیں جیسے منہا نمبر ۱۶ اور منہا نمبر ۱۷۔

(۳) **مکاشفات عینیہ:** یہ رسالہ ۱۰۵۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ محمد ہاشم کشمی نے آپ کے وصال کے بعد مرتب کیا، اس کا تاریخی نام مکاشفات عینیہ مجددیہ ہے یہ ایسے مسودات پر مشتمل جو بعض خلفاء نے محفوظ کر لئے تھے اس رسالہ کے بعض مضامین، حضرت مجدد کے مکتوبات شریفہ

Marfat.com

اور رسائل میں آچکے ہیں۔

اس رسالے میں حمد و نعت کے بعد شجرہ قادریہ شجرہ نقشبندیہ اور شجرہ چشتیہ ہے پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے بعض خلفاء کو جو اجازت نامے عطا فرمائے تھے ان میں سے چند اجازت ناموں کی نقلیں بھی ہیں، اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے مکاشفات و معارف ہیں، جن کو مکاشفہ کو عنوان دیا گیا ہے ان کی تعداد انتیس ہے اور ان میں سے اکثر مکاشفات زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں نہیں ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب بہت وقیع ہے آخر میں چالیس احادیث ہیں جو متفق علیہ (بخاری اور مسلم سے) ہیں اس کے علاوہ کچھ احادیث فضائل شیخین کے بارے میں ہیں۔

اس رسالہ میں عربی عبارات کے علاوہ ہندی الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں مثلاً صحبت شما چہار گھڑی ہم نہ کشید۔

(۴) **مکتوبات امام ربانی:** مذکورہ بالا رسائل کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی معرکتہ الاراء یادگاران کے مکتوبات ہیں جن کی تعداد ۵۳۶ ہے اور جو تین دفاتر میں منقسم ہیں یعنی۔

دفتر اول: اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں اسے آپ کے خلیفہ مولانا یار محمد بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا مولانا محمد ہاشم کشمی نے اس دفتر کی تاریخ اختتام "درالمعرفت" کہی تو اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کیا گیا۔

دفتر دوم: اسے آپ کے خلیفہ مولانا عبدالحی حصاری شادمانی نے خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کی فرمائش پر مرتب کیا اس میں ۹۹ مکتوبات ہیں ۱۰۲۸ میں مرتب ہوا، "نور الخلائق" تاریخی نام ہے۔

دفتر سوم: ۱۰۳۱ھ میں مرتب کر کے حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کیخدمت میں پیش کیا، اس میں ۱۲۴ مکتوبات ہیں تاریخی نام "معرف الخلائق" ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ مکتوبات اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ خلفاء مریدین اور اراکین سلطنت کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے اور ساتھ ہی نقول بھی محفوظ فرماتے گئے تھے ان مکتوبات کے مطالعے سے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے عقائد حقہ ---- شریعت و طریقت اخلاق و معرفت اور سیاست پر گہری نظر اور علو شان کا اندازہ ہوتا ہے اس زمانے کے تاریخی حالات اور آپ کے تجدیدی کارنامے بھی روشن دلیل بن کر سامنے آتے ہیں، یہ مکتوبات نہ صرف تصوف میں بلکہ علوم و معارف اور نکات و اسرار کے عالمگیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں اور اپنی تاثیر ادب و انشاء کی قوت برجستگی اور روانی کے لحاظ سے پورے فارسی ادب میں نہایت بلند پایہ ہیں، ان مکتوبات نے اصلاح و تربیت کا بڑا کام کیا ہے مکتوبات الیہم کے علاوہ دیگر حضرات نے ان سے اس طرح فیض حاصل کیا جیساکہ شیخ کامل کے انفاس طیبات و توجہات سے فیض حاصل کیا جاتا ہے، یہ مکتوبات آج بھی سینوں کو منور کر رہے ہیں اور ان سے مندرجہ ذیل امور پر بالتفصیل کی روشنی پڑتی ہے۔

توحید رسالت ملائکہ، کتب آسمانی، قدر خیر و شر یوم آخرت و بعث بعد الموت فضیلت شیخین فضیلت صحابہ کرام عظمت اہل بیت عظام عقائد اہل السنت والجماعت اتباع سنت و رد بدعت ارکان اسلام

Marfat.com

کی وضاحت غلط تصوف اور کج روصوفیوں کی اصلاح سالکین کی تربیت سے متعلق ارشادات کرامات کا ظہور آداب مریدین فضائل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تفصیلات نظریہ توحید ان کے علاوہ معاشرتی اور تاریخی حالات و واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے، ان مکتوبات سے پتہ ہے کہ حکومت وقت امراء وزراء اور علمائے سوء نے کیسی کیسی اختراعات کر کے مذہب کو تقریباً مٹاڈالنے کی مذموم کوشش کی تھی۔ (ماہنامہ نور اسلام شرق پور شریف اولیائے نقشبند نمبر حصہ اول بابت ماہ مارچ اپریل ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۱) از پروفیسر خورشید حسن بخاری۔

نوٹ۔ شاہ ولی اللہ کی صوفیانہ و دیگر تصنیفات کا ذکر ان کے حالات کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ انصاری وحدت الوجود کے قائل تھے سبکی کے بقول ابن تیمیہ اگرچہ عبداللہ انصاری کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن وہ اس کتاب تصور وحدت الوجود کی وجہ سے اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، نیز وہ عبداللہ انصاری کو متہم کیا کرتے تھے (طبقات الشافعیہ ج ۴ صفحہ ۱۱۷) فنا کے بارے میں عبداللہ انصاری لکھتے ہیں۔

فنا کے تین درجے ہیں، (۱) علمی اعتبار کا فنا کہ معروف (ذات باری) کی معرفت میں فنا ہو جائے۔

(۲) "فناء جحد" یہ ہے کہ طالب جو کچھ دیکھے وہ معاین یعنی خدا میں فنا ہو جائے۔

(۳) حقیقی فنا یہ ہے کہ طالب وجود میں فنا ہو جائے۔

ابن تیمیہ کے برخلاف آپ کے شاگرد امام ابن قیم (م ۷۵۱ ھ) نے منازل السائرین کی شرح لکھی اور تاویلات کے ذریعے ثابت کیا کہ عبداللہ انصاری وحدت الوجودی کی بجائے وحدت الشہودی تھے، منازل السائرین کی ایک اور شرح ابو محمد عبدالمعطی، الاسکندرانی نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں لکھی جو نہایت مختصر ہے اسی طرح کی ایک مختصر سی شرح محمود بن حسن بن محمود الشامغی الفرکاوی نے بھی لکھی تھی۔

احیاء العلوم: تصوف پر امام غزالی نے احیاء العلوم لکھی جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کسی اور مقام پر ملے گا اس میں شریعت اور تصوف کو یک جان ودو قالب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

عوارف المعارف: یہ کتاب ابو حفص (عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمویہ) عبداللہ بکری ملقب نہ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، آپ کا نسلی سلسلہ صدیق اکبر سے ملتا ہے، آپ شافعی مسلک رکھتے تھے، بے نظیر صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تو عوارف المعارف کو بنیادی کتاب کے طور پر تصوف کی جان سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اس کا تفصیلی ذکر "سلاسل اربعہ کی برصغیر میں تبلیغی خدمات" کے باب میں ملے گا۔

فصوص الحکم پر ایک اچٹتی سی نظر: یہ کتاب شیخ اکبر ابن لعربی کے ستائیس مقالات حکمت پر مشتمل ہے فص کے معنی ہیں نگینہ اور خلاصہ اس کی جمع فصوص ہے حکم حکمت کی جمع ہے مطلب ہوا حکمتوں کے نگینے نگینے پر جس طرح عبارت کندہ ہوتی ہے اسی طرح ایک ایک نبی کے دل کو ایک ایک حکمت تجلی مسئلہ اور انکشافات سے تعلق اور نسبت رہتی ہے، فص آدم میں خلافت کا مسئلہ بیان کیا ہے تمام عالم

Marfat.com

گویا بہ منزلہ جد کے ہے اس میں تجلی اعظم اور شان الوہیت گویا بہ منزلہ روح کے ہے عالم گویا انسان کبیر ہے جبکہ انسان عالم صغیر ہے یا عالم کبیر کی جان انسان ہے، انسانی پیدائش سے پہلے عالم کبیر تن بے جان تھا اور اس کا کوئی حاکم نہ تھا وہ پیدا ہوا تو گویا عالم کے تن میں جان آگئی اور عالم گویا مکمل انسان ہو گیا، انسانی قوی و محل کی طرح انسان کبیر یعنی عالم میں ملائکہ ہیں، انسانی دماغ کی جگہ انسان کبیر (عالم) میں قوت عملی کا محل میکائیل ہے، انسانی موت کے مقابل عالم میں عزرائیل ہے اور انسانی خیال کی کے مقابل انسان کبیر کا خیال عالم مثال ہے جس کا مرکز اسرافیل ہے شیخ اکبر کے نزدیک ماسوئ اللہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جو مستند الی اللہ نہ ہو، علم الہی میں موجود معلومات الہی کو ایمان ثابتہ کہتے ہیں شیخ اکبر کہتے ہیں کہ اس کتاب میں، میں نے صرف وہ مشاہدات لکھے ہیں اور وہ بھی اس قدر کہ جس قدر بیان کرنے کی حضور علیہ السلام نے اجازت عطا فرمائی اور ان تمام اسرار کو بیان نہیں کیا جن سے میں واقف کیا گیا ہوں کیونکہ ان کی اس کتاب میں گنجائش نہیں

(۲) فص شیثیہ میں نبی کے لغوی معنی کی وسعت کا ذکر ہے کہ جانور کو بھی کچھ نہ کچھ القا ہوتا ہے لیکن اصطلاح شریعت میں نبی خدا کا وہ معصوم بندہ ہے جو صاحب وحی ہو، نیز ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں ہوتا، البتہ ولی کسی نبی کی فطری مناسبت و مشرب پر ہو سکتا ہے، ہر نبی آدم تا عیسیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے اکتساب فیض کرتا ہے، حضور خاتم الانبیاء بھی ہیں اور خاتم الاولیا بھی کیونکہ کوئی ولی خاتم الاولیاء نہیں ہو سکتا کہ اس کے بعد بھی اولیاء آنے والے ہوتے ہیں اولیاء حضور سے اکتساب فیض کرتے ہیں، یا خاتم الاولیاء قرب قیامت کے زمانے میں ہو گا جس کے بعد کوئی ولی نہ ہو گا، لہذا قربت الہی کے معانی میں ولیوں کا خاتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کہ آپ سے بڑھ کر کسی کو اللہ سے قربت کا اعزاز حاصل نہیں بقول ابن العربی خاتم الاولیاء چین میں پیدا ہو گا اور اپنے شہر کی بولی بولے گا، نوع انسانی میں آخر میں یہی آخری شخص پیدا ہو گا وہ شیث علیہ السلام کے قدم پر ہو گا، اس کے بعد مردوں اور عورتوں میں بانجھ پن اور عقم سرائت کرے گا نکاح و جماع تو بے حساب ہوں گے لیکن ولادت نہ ہو گی، وہ اللہ کی طرف دعوت دے گا مگر کوئی نہ سنے گا اس کے ہم زمانہ مومنین کی وفات کے بعد دنیا میں صرف انسان کالانعام ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہو گی، شیث علیہ السلام کے ہاتھ میں مختلف قسموں اور نسبتوں کی عطاؤں کی کلید ہے، آدم کے اولین بیٹے شیث علیہ السلام ہی تھے، اور الولد مسر لابیہ (بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے) کے مصداق ان عطایا کا آدم علیہ السلام ہی مصدر تھے جو شیث علیہ السلام کو عطا ہوئے۔

(۳) فص توحید میں رب اور بندے کے تعلق پر بحث کی گئی ہے اور مختلف اعتبارات قائم کر کے بات کو سمجھایا گیا۔

(۴) فص ادریسیہ میں ورفعناہ مکانا علیا (ہم نے ادریس علیہ السلام کو بلند مکان پر چڑھا لیا) کے حوالہ سے رفیع المکان کہا گیا ہے، کہ آفتاب کی طرح ان کے فیوض دنیا پر جاری ہیں اور محمدیوں کے حق میں فرمایا انتم الاعلون تم ہی مرتبت میں سب سے اعلیٰ ہو، اور وھو معکم اینما کنتم کے حوالے سے اللہ ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے ساتھ ہے

Marfat.com

لہٰذا علو مرتبت میں بھی وہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم اس کے ساتھ ہیں۔

(۵) فص ابراہیم میں خلیل اللہ کے حوالے سے بات کی گئی ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے وہ مقام پا لیتا ہے کہ وہ اپنے بندے کے آنکھیں اور ہاتھ پاؤں وغیرہ بن جاتا ہے، یہ اللہ کے ظہور کا ایک حال ہے، پس جب ابراہیم علیہ السلام کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو وھو معکم کا عملی مظاہرہ قادر مطلق نے کیا اور آگ گلزار بن گئی۔

(۶) فص حکمت حقیہ .بکلمہ اسحاقیہ میں انسان کے مختلف مدارج کی تشریح ہے پہلا مقام بندہ عقل کا ہے جو گھٹیا ترین مقام ہے کہ اس سے حیوانات بہتر ہیں ان سے بہتر نباتات اور ان سے بہتر جمادات ہیں انسان کو "فی احسن تقویم" پیدا کر کے اسفل اسافلین (بندہ عقل) بنا دیا گیا پھر جو کوئی ترقی کرتا ہوا حیوان صفت نباتات اور جمادات صفت ہو گیا اور مزید ترقی کر کے اللہ کے اسماء کی صفات کا مظہر ہو گیا وہ کامیاب رہا اس میں قرآن حدیث کشف اور خواب کی بھی تاویل تشریح کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا خواب سچا تھا، جسے انہوں نے سچ کر دکھایا اور تعبیر کی ضرورت نہ سمجھی یہاں شیخ اکبر دھوکا کھا گئے کہ اسمٰعیل کی بجائے اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا کیونکہ اندلس میں یہی مشہور تھا۔

(۷) فص حکمت علیہ فی حکمت اسماعلیہ میں انسان کامل بالذات (ساری خدائی میں) صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا ہے اور انسان کامل بالعرض بہت سے ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں زیر پر تو محمدی رہتے ہیں جب انسان کامل دنیا میں نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی نیز تجلی الٰہی کو رب اور اعیان ثابتہ کو مربوب کہتے ہیں ہر اعیان کے مطابق رب اور بھی ہیں لیکن رب العالمین ایک ہی ہے، اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد تھے، اللہ تعالیٰ بھی صادق الوعد ہے، اور انبیا کے فرماں برداروں کے لئے جنت ہے اور نا فرمانوں کے لئے دوزخ کی وعید ہے، بعض علمائے تصوف اور شیخ اکبر کا خیال ہے کہ کفار جنت میں ہرگز نہ جا سکیں گے البتہ کئی احقاب (زمانہ ہائے عظیم) گزرنے کے بعد اللہ کی ذاتی محبت عارضی غضب پر غالب آجائے گی اور الست بربکم کے جواب میں "بلیٰ" کہنے کے بدلے دوزخیوں پر بھی ان کا عین ثابتہ کھل جائے گا اور قدم رحمٰن دوزخ میں رکھنے سے دوزخ قط قط کر اٹھے گی اور سبقت رحمتی علی غضبی کا ظہور ہو گا اور الجرجیر نامی درخت اگے گا اور عذاب جہنم، نعیم الخاص سے مبدل ہو جائے گا کیونکہ وعید خبر استحقاق عذاب ہے نہ کہ خبر عذاب پس اس میں وعدہ خلافی نہیں کیوں، یغفر لمن یشاء کا اختیار بھی اسی کو ہے۔

(۸) فص یعقوبیہ میں دین پر بحث کی ہے دین کا مطلب ہے اطاعت جزا اور عادت، اور اس کی دو قسمیں ہیں، دین حق جو پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کو ملا دین خلق وہ ہے جس کو علماء و عرفاء نے مقاصد شرعیہ کا لحاظ کر کے ایجاد و اختراع کیا، اور ایسے کاموں کو بھی قبولیت کا شرف حاصل ہوتا ہے جیسے رہبانیت کو ان لوگوں نے اللہ کی رضا کے لئے ایجاد کیا اور جو اس میں پورے اترے اللہ ان سے راضی ہوا، اور جو مات کھا گئے وہ فاسق ٹھہرے دین حق کو دین خلق پر فضیلت ہے، اسی کی تبلیغ یعقوب علیہ السلام نے وصیت کے وقت کی تھی، اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے، آخر میں علم کی اقسام بیان کی ہیں اور علم غیب

Marfat.com

ذاتی کو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص بتایا ہے اور عطائی علم کہ جس کو وہ عطا کر دے۔

(۹) فص یوسفیہ میں حادث زمانی اور حادث دہری کی وضاحت یوں کی ہے کہ حادث زمانی بتدریج اپنے کمال کو پہنچتا ہے جبکہ حادث دہری دفعتاً پیدا ہوتے وقت ہی اپنے پورے کمال و عروج پر ہوتا ہے، عالم ارواح حادث دہری ہے جبکہ عالم دنیا عالم شہادت عالم اجسام یا عالم ناسوت حادث زمانی ہے عالم ارواح اور عالم شہادت کے درمیان عالم مثال ہے، اور اس کو انسان کے خیال سے ایک تعلق ہے، انسان جو کچھ لکھتا بولتا یا کرتا ہے پہلے اس کے خیال میں آتا ہے پھر زبان پر ہاتھ سے وقوع پذیر ہوتا ہے، دنیا میں عام آدمی کو خواب میں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں یہ عالم مثال کا نظارہ ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کو عالم مثال میں فرشتہ نظر آتا ہے پھر سچے خواب گویا اعیان ثابتہ کی مثال عالم ارواح ہے ان کی مثال عالم مثال ہے اور اس کی مثال عالم دنیا ہے دنیا کے اعمال کے مطابق عالم قبر اور قبر کی حالت کے مطابق عالم آخرت ہوگا گویا تمام عوالم اعیان ثابتہ کے تمثلات و مظاہر ہیں پھر اس فص میں یوسف علیہ السلام کے خواب کے حوالہ سے بات کی گئی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی سچے خوابوں سے ہوا۔

(۱۰) فص ہودیہ میں علم سلوک ثابت کیا ہے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا اگر یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کو قائم کرتے اور جو اللہ کی طرف سے اترا اس پر بھی تو ان کو اوپر سے اور قدموں کے نیچے سے ضرور غذا ملتی رہتی گویا کارکردگی سے حال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے، شیخ اکبر نے اس فص کی توضیح میں لکھا کہ مجھے شہر قرطبہ میں ۵۸۶ھ میں حضرت آدمؑ تا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی زیارت ہوئی کسی پیغمبر نے مجھ سے بات نہ کی سوائے حضرت ہود علیہ السلام کے اور انہوں انبیاء کے جمع ہونے کی وجہ یہ بتائی تاکہ شیخ ابن العربی کو "قطبیت" کی مبارک باد دیں اور یہ کہ شیخ اکبر خاتم ولایت خاصہ مقیدہ ہیں، اس کے بعد وحدت الوجود کا مسئلہ اپنے رنگ میں بیان کیا ہے، جس کا اقتباس توحید وجودی کے ضمن میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۱) فص صالحیہ میں تخلیق کائنات کی بحث ہے اور انسان اور حیوان کی صلاحیتوں پر بات کی گئی ہے اور موجودات کو اسمائے الٰہی کے جلوے قرار دیا گیا ہے کیونکہ موجود بالذات صرف وہی ہے صالح علیہ السلام کی دعا سے اللہ کی اونٹنی پہاڑ میں سے نکل آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براق ملا، ابدان روح حیوانی کی سواری کے لئے ہیں ارواح بھی ہمارے بدنوں پر سوار ہیں یہ فص حضرات ہود علیہ السلام کی ناقہ سے حوالے سے بعض معارف سے آگاہ کرتی ہے۔ (۱۲) فص شعیبیہ میں انسانی دل اور قلب سلیم کی بات کی ہے اور قرآن حکیم میں قلب کے بارے میں جو ارشادات ہیں ان کے حوالے سے قلب انسانی کی اہمیت واضح کی گئی ہے اللہ صرف مومن کے دل میں سما سکتا ہے جب کہ زمین و آسمان اس کے لئے تنگ ہیں دل ہی اللہ کی جلوؤں کی آماجگاہ ہے دل کی وسعت اور انتہا ہے اس کی گہرائی اتھاہ ہے۔

ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

(۱۳) فص لوطیہ قوت ارادی اور تصرف بالارادہ اور عدم تصرف کے بارے میں ہے حضرت لوط علیہ السلام کا یہ کہنا کہ اے کاش مجھے تمہارے مقابل قوت حاصل ہوتی اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میرا

Marfat.com

قبیلہ بھی طاقتور ہوتا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد ہر نبی کو اس کے قبیلہ کی حمایت بھی حاصل رہی لوط علیہ السلام اللہ کی پناہ میں تھے مگر اپنے عدم اصلی پر نظر کرتے تو خود کو بے بس پاتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے معجزانہ طور پر آپ کی مدد کی اور ظالم قوم کو تباہی سے دوچار کر دیا اسی طرح ولی اللہ کبھی عدم پر نظر کر کے بے اختیار رہتا ہے اور کبھی از خود مجبوراً اس سے تصرف کا اظہار ہو جاتا ہے۔

اک خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

(۱۵) فص عیسویہ میں روح کو حیات و علم قدرت کی اصل کہا ہے کہ اس کے مادے میں حرکت و فعل ہے، بدن میں دماغ اور مرکز حیات ہیں، اور قلب تجلیات الٰہی کا جاذب ہر شے اسی کے فیض سے ہے یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کی پیدائش پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اور قوی روح والے میں روحانی کمالات کی زیادتی کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جبریل کے پاؤں تلے کی مٹھی بھر مٹی کو سامری نے بچھڑے کے طلائی جسد پر ڈال دیا تو وہ آواز نکالنے لگا گویا روحانیت زندگی کا باعث ہے اور عنصریت بے جان ہے جب تک روحانی فیض نہ ملے اور ارواح سات آسمان زمین ہر شے مخلوق ہے عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمہ اللہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۱۶) فص سلیمانیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام اور رحمت خاص رحمت احسانی و امتنانی اور رحمت وجوبی (ثواب و جزا) سے بحث کرتی ہے، اللہ کی رحمت ہر شے کو محیط ہے، رحمانیت ابتدائی اور عام رحمت ہے جو نہ صرف ممکنات و مخلوقات پر اثر ڈالتی ہے بلکہ اس کا اثر اسمائے الٰہیہ پر بھی پڑتا ہے، اور شان رحمانیت جب اسمائے الٰہیہ پر سے گزرتی ہے تو لفظ "کن" سے کلمہ پیدا ہوتا ہے جس کا اثر "فیکون" کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے رحمت خاص کو رحیمیت کہتے ہیں، نفس رحمانی شان رحمانیت کے ہمیشہ کے لئے اثر پذیر رہنے کا نام ہے، حیات صفات کی اصل ہے پھر علم کا رتبہ ہے پھر ارادہ پھر تعین اور اس کے بعد قدرت اپنا عمل کرتی ہے انسانی عالم جناتی عالم سے افضل و قوی تر ہے، کیونکہ عفریت (شاہ جن) تخت بلقیس کو آصف بن برخیاء کے مقابلے میں آن واحد میں نہ لا سکا بلکہ مجلس برخاست ہونے تک کی مہلت کا کہا نظر آن واحد میں ثوابت تک پہنچ جاتی ہے جس کی اصل تجدد امثال ہے جس میں بالذات سے بالعرض کو بالاستمرار امداد وجود ملتی رہتی ہے اور اگر لحہ بھر کے لئے اس کا سلسلہ کٹ جائے تو سارا کھیل بگڑ جاتا ہے، آصف بن برخیا اس راز سے واقف تھے سو وہ کامیاب رہے آج کے سائنسدان ایسی فیکس تیار کر رہے ہیں جو انسانوں اور جانداروں کو ایک جگہ سے لحہ بھر میں دوسری جگہ فیکس کر سکے گی۔

(۱۷) فص داؤدیہ میں اجتہاد میں غلطی اور درستی کے حوالے سے بحث کی گئی ہے اور بحوالہ حدیث رسول امت محمدیہ کے مجتہدین کی شان کو قابل رشک قرار دیا گیا ہے کہ غلطی کرنے والا مجتہد داؤدی اجتہاد کا ثواب پاتا ہے اور درست فیصلہ کرنے والا مجتہد سلیمانی اجتہاد کا، جس طرح بدر کے قیدی فدیہ لے کر رہا کئے جو صدیق اکبر کی رائے تھی تو حضرت عمر کے مشورے کی پذیرائی میں قرآن نے شہادت دی کہ وہ ان کو قتل کرنے کے حق میں تھے، شیخ اکبر کہتے ہیں کہ اللہ کا پسندیدہ فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی مگر عمل

Marfat.com

صدیق اکبر کے فیصلہ پر ہوا، گویا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ نیت ہر دو کی درست تھی اس باب میں خلیفہ اللہ کی بحث بھی ہے۔

(۱۸) فص یونسیہ میں انسانی قتل و غارت گری کی برائی کی گئی ہے کہ انسانی بدن کی عمارت کو قائم رکھنا اسکے گرانے سے بہتر ہے جیسے مشہور قصہ ہے کہ داؤد علیہ السلام عمارت بیت المقدس کو جتنا تعمیر کرتے وہ گر جاتی اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میرے گھر کو وہ ہاتھ تعمیر نہیں کر سکتے جو انسانی خون ریزی میں ملوث ہوں حالانکہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کی بات تھی مگر اللہ کو اپنے سارے بندوں سے محبت تو ہے نا! کہ سب اس کی مخلوق ہیں، اس باب میں انسان کو اللہ کا مظہر تام قرار دے کر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اور ہر شے کو بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا ہے، کیونکہ ہر شے اللہ کے فیض سے تخلیق شدہ ہے اور فیض سمٹتے ہی اس کی زندگی اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

(۱۹) فص ایوبیہ میں ہر شے کی زندگی کا ذکر ہے کیونکہ قرآنی ارشاد کی رو سے ہر شے اپنی اپنی زبان میں اللہ کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (۱۷-۴۴) نیز یہ کہ ہر شے پانی سے زندہ ہے، اور دوزخیوں پر بقول ابن العربی عذاب ہمیشہ نہ رہے گا بلکہ دوزخ میں ان کو ایک گونہ راحت محسوس ہونے لگے گی، صبر اور دعا کی اہمیت بھی اس باب میں بیان کی گئی ہے، اور ایوب علیہ السلام کے صبر اور دعا کو پسندیدہ کہا ہے، کہ آپ نے اپنے آلام کی شکایت غیر اللہ سے نہ کی بلکہ صبر کے ساتھ اس کے دفعیہ کی دعا کرتے رہے۔

(۲۰) فص یحیی علیہ السلام میں یحیی نام کے زندگی بخش ہونے کا ذکر ہے کہ اس کے ذریعے زکریا علیہ السلام کا نام زندہ رہا نیز یہ نام پہلے کسی کا نہ تھا، یحیی علیہ السلام نے شادی نہ کی تھی لیکن زکریا کے نام کو زندہ کر گئے کیونکہ دعائے زکریا یہی تھی کہ بیٹا ایسا دے جس سے میرا نام زندہ رہے پھر عیسیٰ علیہ السلام اور یحیی علیہ السلام کے حوالے سے عارفانہ بات چیت کی گئی ہے کہ یحییٰ کے یوم ولادت یوم وفات اور یوم حیات ثانی پر سلام اللہ نے بھیجا۔ (مریم - ۱۵) جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان تینوں موقعوں پر سلام خود اپنے اوپر بھیجا۔ (مریم - ۳۳)

(۲۱) فص زکرویہ میں اللہ کی رحمت عامہ کا ذکر ہے کہ محبت میں آ کر اللہ نے تخلیق کائنات فرمائی تا کہ اپنی مخلوق کو اپنی پہچان کرائے اور وہ اسے معبود مانے اللہ کی رحمانیت کا تقاضا تھا کہ ہر شے خیر ہی خیر ہو، پس عالم سارا وجود خیر ہی ہے اور اس میں شر نہیں۔

باقی چھ فصوص میں بھی مختلف معاملات پر حکیمانہ انداز میں بات کی گئی ہے، بعض جگہ ایسے لگتا ہے کہ شیخ اکبر وحدت الوجود کے حوالے سے مخلوقات کو بھی اللہ کا عین کہہ جاتے ہیں یہی نقطہ نظر مختلف فیہ ہے کہ آپ کے متبعین بھی آپ کے پیچھے چلتے چلتے جب شریعت مطہرہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو فوراً توبہ توبہ پکار اٹھتے ہیں مثلاً خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے کہتے ہیں۔

کر توبہ ترت فرید سدا ہر شے کو پر نقصان کہوں

شیخ اکبر فص نوحیہ میں بھی ود سواع یعوق وغیرہ کے حوالے سے عجیب بحث باندھتے ہیں کہ قاری

Marfat.com

منکران نوح کو حق پر محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ جب لوگ چھوٹے ارباب پر تکیہ کرتے تھے اور بڑا رب الارباب اللہ تعالیٰ کو ہی جانتے تھے تو پھر اللہ کو غیرت آنا کیا معنی اللہ کو غیرت تو اس لئے آتی ہے جب ایسے لوگوں کو رب بنالیا جاتا ہے جو رب بننے کا استحقاق نہیں رکھتے اور پھر بھی لوگ اس کی عبادت کریں یعنی ہر شے کا خالق مالک اور رازق تو اللہ تعالیٰ ہے، لیکن لوگ اللہ کی جگہ مختلف ارباب کی عبادت سے اور اللہ کی ارشادات کو پس پشت ڈال دیں، بہر حال ابن العربی کا فلسفہ بڑا گہرا ہے، عام آدمی تو کیا خاص بھی اس راہ میں حیران و ششدر رہ جاتے ہیں ابن العربی کے فلسفہ کی آڑ میں بھگتی کی تحریکوں نے پناہ حاصل کی اور ہمارے بعض بزرگ بھی اس راہ میں بھٹکنے لگے تو بالاخر لوگوں کو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین اور خلفاء نے راہ راست پر لگایا آخر میں فص محمدیہ میں حضورؐ کی تین پسندیدہ اشیاء عورتیں، خوشبو اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کے بارے میں عارفانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اسلامی تصوف ایک نظر میں

تصوف: تزکیہ نفس اور قرب خداوندی کی منزل کا حصول، روحانی بلندی پاکیزگی مذہبی واردات تصوف یا مذہبی واردات کا منتہاء مقام ولایت کا حصول۔

ولائت اور نبوت: (۱) نبوت فضل باری تعالیٰ اور وہب خالص ہے، ولائت میں کسب کو بھی دخل ہے۔

(۲) نبوت کا خاصہ صحو محض ہے، اور ولائت کا خاصہ (صحو اور) سکر ہے۔

(۳) نبوت کے معارف حتمی اور یقینی ہوتے ہیں، ولایت کے حقائق ظنی بھی ہو سکتے ہیں۔

(۴) نبوت حقائق نفس الامری کا نام ہے ولائت کے حقائق بحیثیت باطنی کیفیات کی ہے۔

(۵) صاحب نبوت لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مبعوث ہوتا ہے، اور اس کی توجہ کا مرکز عوام ہوتے ہیں، صاحب ولائت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور لوگ اس کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

(۶) کرامت اور استدراج ولی اللہ سے خرق عادت کا ظہور کرامت کہلاتا ہے، کہ اس کا منبع نبوت کا فیضان ہوتا ہے، استدراج کسی بھی اشراقی سے ظہور میں آتا ہے جو خرق عادت ہوتا ہے لیکن اس کا منبع نبوی فیضان نہیں ہوتا بلکہ یہ کسبی ہوتا ہے۔

(۷) کرامت ولائت کا لازمی جزو نہیں، شریعت کی پابندی ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

(۸) معجزہ بھی خرق عادت ہے اور کرامت بھی معجزہ کا اظہار نبیؐ سے ہوتا ہے اور کرامت کا اظہار ولی اللہ سے یہ دونوں اللہ کی عطاو کرم نوازی پر منحصر ہیں۔

(۹) وجدان خدا اور بندے کے درمیان جو نسبت اور تعلق ہے انسان کے اندر اس استعداد کے متحقق ہو جانے کا نام وجدان ہے اگر یہ استعداد تزکیہ کے بعد نشو ونما پائے تو بیک وقت محسوسات معقولات اور ورائے معقولات حقائق کے ادراک کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

Marfat.com

(۱۰) ظاہری حواس خمسہ یعنی سامعہ باصرہ، ذائقہ، شامہ اور لامسہ بھی محسوسات کے علم ووجدان کا ذریعہ ہیں اور باطنی، حواس خمسہ یعنی متخیلہ حافظہ متوہمہ متصرفہ اور حس مشترک ورائے محسوسات کے ادراک کا ذریعہ ہیں۔

(۱۱) صوفیاء کے نزدیک ورائے معقولات کے ادراک کا ذریعہ لطائف خمسہ یعنی لطیفہ قلب لطیفہ روح لطیفہ سر لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی ہوتے ہیں۔

(۱۲) تعلق باللہ انسان کی فطرت میں موجود ہے، مگر تزکیہ نفس میں کمی بیشی بنا پر اس تعلق کا ادراک و شعور خواہشات اور نفسانی حجابات میں چھپا رہتا ہے، حجابات اٹھ جائیں تو گویا باطن کی آنکھ کھل جاتی ہے اور روحانی حقائق منکشف ہونے لگتے ہیں۔

(۱۳) احسان اور تصوف ہمعات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حدیث جبریل کے حوالے سے مومن کے تین درجات یعنی ایمان اسلام اور احسان بیان کرنے کے بعد احسان کو سلوک و تصوف اور طریقت کا نام دیتے ہیں۔ (ہمعات صفحہ ۴۶)

(۱۴) فرائض نبوت (آل عمران = ۱۶۴) کی رو سے چار ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم حکمت ان میں نمبر ۱ اور ۳ شریعت کے فرائض ہیں اور نمبر ۲ اور ۴ طریقت کے۔

(۱۵) (بحوالہ آیت ۱۵۱ سورہ بقرہ) تعلیم کتاب تعلیم حکمت اور ویعلمکم مالم تکونو تعلمون سے مفسرین کرام خاص تعلیم مراد لیتے ہیں، مثلاً ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری ج ۱ صفحہ ۱۴۹) کے نزدیک غالباً اس سے علم لدنی مراد ہے، جس کا ذکر سورہ کہف میں موسیٰ اور خضر کے واقعہ میں ملتا ہے۔ (۱۸۔ ۶۵ وبعد)

(۱۶) علم ظاہر شریعہ اور علم باطن طریقت و تصوف ہے، جیسا احادیث سے ثابت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو علوم سیکھے، پہلا علم تم پر بیان کر دیا اور اگر دوسرا بھی بیان کردوں تو میری گردن اڑا دی جائے (صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲۳) "لمعات" میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ پہلا علم احکام و اخلاق ہے، اور دوسرے سے مراد اسرار و غوامض کا علم ہے جو صرف اہل عرفان سے مختص ہے۔ (لمعات حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۲۹)

(۱۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن سات حروف یا مفاہم پر نازل ہوا ہر آیت کا اس میں سے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کی اپنی ابتدا ہے، (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ شرح السنتہ) ابو نعیم اصفہانی نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور اتنا زیادہ کہا کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاس اس علم کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ (اتقان ج ۲ صفحہ ۱۸۷)

(۱۸) امام مالک اور تصوف، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے علم فقہ پڑھا اور تصوف سے بے بہرہ رہا وہ فاسق ہوا، جس نے تصوف کو اپنایا لیکن فقہ کو نظرانداز کیا وہ زندیق ہوا، جس نے دونوں کو پایا، اس نے حق کو پالیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ صفحہ ۲۵۶)

(۱۹) عبادت کا مقصد عرفان ذات یعنی معرفت ربانی کا حصول ہے جن اور انسان عبادت کے لئے

Marfat.com

پیدا کئے۔ (۵۱ - ۵۶) اس سے مفسرین کرام عرفان ذات رب العالمین مراد لیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۲۳۸) (عرائس البیان ج ۲ صفحہ ۲۸۱) عبادت معرفت الٰہی کا ہی نام ہے جیسا کہ فرمایا وما قدر واللہ حق قدرہ کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی۔ (انعام - ۹۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا گھر اپنی اساس پر قائم ہوتا ہے اور دین کی اساس خدا کی معرفت اور اس کا یقین ہے۔ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۴۱)

(۲۰) مردان خدا کی صفت قرآن میں یوں بیان ہوئی، رجال لا تلھیھم تجارہ ولا بیغ عن ذکر اللہ یعنی مردان خدا حق آگاہ کو سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ (نور ۳۷)

Marfat.com

سوالات

- اسلام کا تصور اخلاق کیا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اجمالی جائزہ لیجئے۔
- اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تعریف کیجئے اور ان کے دائرہ عمل کے اچھے اور برے نتائج سے معاشرتی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات بیان کیجئے۔
- علم اخلاق کی ضرورت اور اس کی وسعت کا بھرپور جائزہ لیجئے۔
- سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اس حدیث کی روشنی میں حضور علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ پیش کیجئے۔
- اخلاق سے متعلق مختلف نظریات کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے ان کے حسن و قبح پر روشنی ڈالئے۔
- یونانی اور اسلام فلسفہ اخلاق میں بنیادی فرق کیا ہے۔ تفصیل سے لکھئے۔
- کیا یونانی فلسفہ اخلاق آخرت کی زندگی کے بارے میں بھی کوئی نظریہ پیش کرتا ہے۔ اگر نہیں تو اس کے اخلاقی اصولوں کی پختگی یا ناپختگی کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کا تجزیہ کیجئے۔
- اہل مغرب کے جدید اخلاقی نظریات کا مختصر جائزہ پیش کیجئے۔
- اسلام میں اخلاقی حسنہ کی کیا اہمیت ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت کیجئے۔
- قرآن مجید میں اخلاقی اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے اس کے چیدہ چیدہ اصول بیان کیجئے۔
- اخلاق کوئی فلسفہ نہیں بلکہ حسن عمل ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے بحث کیجئے۔
- اسلامی ارکان اخلاق کی تعمیر میں کیا کردار ادا کرتے ہیں۔ نماز' روزہ زکوٰۃ اور حج کو سامنے رکھتے ہوئے جائزہ لیجئے۔
- اخلاق حسنہ رضائے الٰہی کے حصول کا دوسرا نام ہے کیا کسی کے لئے لوگوں کو اور اللہ کو بیک وقت راضی رکھ کر اسلام کے اخلاقی اصولوں پر چلنا ممکن ہے؟ بحث کیجئے۔
- ہوا و ہوس کے پجاری اخلاقی لحاظ سے کسی مقام پر ہوتے ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی

Marfat.com

میں اصلاح احوال کے اقدامات تجویز کیجئے۔

- تہذیب اخلاق اور اخلاقی ارتقا کے بارے میں تفصیل سے اپنے خیالات ظاہر کیجئے۔
- اسلامی اخلاقیات میں منشیات اور مسکرات سے سے امتناع کے نتیجے میں مرتب ہونے والے معاشرتی حسن و قبح کے دوراس نتائج کا جائزہ پیش کیجئے۔
- سود کی حرمت نے اسلامی اخلاق پر کیا اثرات مرتب کئے اور انسان کی انسانیت اجاگر کرنے میں اس کی کیا مدد کی تفصیل سے لکھئے۔
- حقوق العباد کی ادائیگی انسانی اخلاق کی تعمیر میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔ جائزہ لیجئے۔
- حسن معاشرت صرف حسن اخلاق کی عملی صورت کا نام ہے۔ بحث کیجئے۔
- حقوق العباد کی ادائیگی کے بعد جو معاشرہ جنم لیتا ہے وہ باہمی تعاون محبت اور خلوص و الفت کا امین اور نفرتوں کے لئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔
- اولاد کے حقوق انسانی زندگی کی کس طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ انسانی مستقبل کے حوالے سے بات کیجئے۔
- مسلمانوں کو باہمی اتحاد' محبت د و ریگانگت کے لئے اسلامی اخلاقیات کیا درس دیتی ہیں؟
- اسلامی اخلاقیات' فرقہ وسیت کی نفرتوں کو مٹانے میں کیا کردار ادا کرتی ہیں۔ بھرپور جائزہ پیش کیجئے۔
- ابن سینا اخلاق کے بارے میں کیا نظریات دیتا ہے۔
- ابن مسکویہ کا مثل اعلیٰ کا نظریہ کیا ہے۔ اخلاقی ارتقا کے ضمن میں جائزہ لیجئے۔
- مثل اعلیٰ کا نظریہ صوفیا کی نظر میں کیا مقام رکھتا ہے۔ اخلاقی ترقی کے ذریعے مثل اعلیٰ تک رسائی کا جائزہ لیجئے۔
- رزائل اخلاق کو کون سے ہیں۔ ان کے اسباب و محرکات کی روشنی میں مصلحانہ اقدامات تجویز کیجئے۔
- نصیرالدین طوسی کے اخلاقی نظریات پر بحث کیجئے۔
- جلال الدین الدوانی پر مختصر نوٹ لکھئے اور اس کا اخلاقی نظریہ زیر بحث لائیے۔

Marfat.com

- امام غزالی کی احیاء العلوم اسلامی اخلاقیات کیلئے خزانہ عمل ہے۔ بحث کیجئے۔
- امام غزالی نے اخلاقی جزئیات پر اپنے نظریات بے لاگ باہین و دلائل سے ثابت کئے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟
- اسلامی اخلاق کا دائرہ اس دنیا کے علاوہ آخرت کی فلاح کا بھی ضامن ہے بحث کیجئے۔
- قمار بازی انسانی اخلاق پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے۔ اور دولت مندی میں بعد المشرقین کا حامل ہوتا ہے۔ قمار بازی معاشرہ افلاس جائزہ لیجئے
- ریاکاری اور ترغیبی نمائش میں کیا فرق ہے۔ حسن اخلاق کے نظریہ سے اس پر مختصر نوٹ لکھئے۔
- حسد کر اور تعصب رزائل اخلاق میں کیوں شمار کئے جاتے ہیں۔ اسلامی اخلاق کی روشنی میں جائزہ لیجئے۔
- اسلامی اخلاق' اسلامی تعلیمات کے وسیع تر مفہوم کی افادیت کو اچھے طور طریقوں سے عام کرنے کا نام ہے۔ بحث کیجئے۔

چند معروضی سوالات

- اسلامی اخلاقیات کا ماخذ ________ و حدیث ہے۔ ہاں/نہیں
- برے اخلاق کی اصلاح ممکن ہے۔ ہاں/نہیں
- ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے۔ قرآنی حکم ہے یا حدیث؟
- سچ انجام کار فتح مند ہوتا ہے۔ ہاں/نہیں
- کیا انسان کے اندر ترغیب پذیر ہونے کا ملکہ ہے۔ ہاں/نہیں
- اسلامی نقطہ نظر سے انسان طبعاً (فطری یا پیدائشی طور پر) شریر ہے؟ ہاں/نہیں
- حیوان ناطق کسے کہتے ہیں؟
- اخلاق ناصری کا مصنف کون تھا۔
- تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق کے مصنف کا نام لکھئے نیز یہ کس

Marfat.com

موضوع پر ہے؟

- الفوز الاکبر کے مصنف کا نام لکھئے نیز یہ کس موضوع پر ہے؟ (ابن مسکویہ' اخلاقیات)
- لوامع الاخلاق فی مکارم الاخلاق عرف اخلاق جلالی کا مصنف کون تھا۔
- غصہ ایک اخلاقی بیماری ہے یا انسانی وصف ہے؟
- غیبت ایک اخلاقی مرض ہے۔ ہاں/نہیں

سوالات

- تصوف اسلامی تعلیمات کی مخلصانہ عملی صورت کا نام ہے۔ بحث کیجئے۔
- تصوف کی تعریف کیجئے۔ اس کے آغاز اور ارتقا کا جائزہ لیجئے۔
- تصوف کی اہمیت اور علم تصوف کے مقاصد پر روشنی ڈالئے۔
- لفظ صوفی کی وجہ اشتقاق کیا ہے۔ اس بارے میں مختلف اقوال اور نظریات بیان کیجئے۔ نیز "صفا" کے لفظ "صوفی" سے کوئی تعلق بنتا ہے؟ جائزہ لیجئے۔
- صوفی متصوف اور مستصوف کی تعریفات کیجئے۔
- تصوف حسن خلق کا نام ہے۔ بحث کیجئے۔
- تصوف اخلاق رزیلہ کی اصلاح کا لائحہ عمل ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔
- امام غزالی سے تصوف کو وہی نسبت ہے جو منطق کو ارسطو سے۔ مولانا شبلی نعمانی کے اس قول کی روشنی میں امام غزالی کے صوفیانہ نظریات کا متوسط جائزہ پیش کیجئے۔
- صوفیانہ اصلاحات کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اصطلاحات کی تشریح کیجئے۔ وقت' مقام' حال' قبض' بسط' غیبت' حضور' تلوین اور تمکین۔
- اہل تصوف کے نزدیک رجال الغیب کی کیا اہمیت ہے۔ نقبا' ابدال' امنا' عمود اور اقطاب کی کیا کیا تعداد ہے۔
- تصوف کی اصل غرض و غائت وضاحت سے بیان کیجئے۔
- حضور صلی اللہ علہ وسلم کے عہد مبارک میں تصوف کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی

Marfat.com

تھی۔ اس لئے بعض تصوف کو عجمی کہتے ہیں۔ جبکہ صوفیاء اسے خالص اسلامی طرز عمل قرار دیتے ہیں۔ آپ وضاحت سے اس پر روشنی ڈالیں۔

☜ تصوف ایرانی تحریک تھی یا ہندی فلسفہ ویدانت کا پر تو ہے یا اشراقیت کے حوالے سے نوفلاطونیت ہے یا اس کی جڑیں قرآن و حدیث میں ہیں۔ ان دعاوی کا حقیقت پسندانہ مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے صحیح صورت حال واضح کیجئے۔

☜ اسلامی تصوف کے ماخذ قرآن و حدیث ہیں۔ وضاحت سے لکھئے۔

☜ شریعت اور طریقت اسلامی تعلیمات کے ظاہر و باطن کی طرح دراصل ایک ہی امر کے دو رخ ہیں۔ صوفیاء کے اقوال کی روشنی میں بھرپور جائزہ لیجئے۔

☜ قرآن میں بیان کردہ قصہ موسیٰ و خضر کے حوالے سے کائنات کے باطنی نظام کو صوفیاء کے نزدیک کیا اہمیت حاصل ہے۔ کشفالمجوب کے حوالے سے مختصر جائزہ پیش کیجئے۔

☜ معجزہ، کرامت اور استدراج میں کیا فرق ہے۔ وضاحت سے لکھئے۔

☜ کشف المجوب کی روشنی میں مندرجہ ذیل صوفیانہ اصطلاحات کی وضاحت کیجئے۔

☜ ا۔ نفس کی حقیقت اور ہوا کے معنی ۲۔ مجاہدہ نفس ۳۔ شکر اور صحو فنا اور بقا جمع اور تفرقہ۔

☜ کامل تر انسان سے کیا مراد ہے۔ کائنات میں انسان کی حیثیت عالم صغیر کی سی ہے، صوفیاء کے نظریات کی رو سے انسان کامل کی اصطلاح کا بھرپور جائزہ لیجئے۔

☜ محاضرہ اور مکاشفہ سے کیا مراد ہے نیز علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی تشریح کیجئے اور اسلامی تعلیمات سے ان کا تعلق بیان کیجئے۔

☜ علم اور معرفت، شریعت اور حقیقت، مسامرہ اور محادثہ کی تشریح کیجئے۔

☜ ابن الجوزی نے تصوفف پر جو تنقید کی ہے اس میں کہاں تک اسے حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور کہاں تک وہ لاعلمی کا شکار ہے۔ اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔

☜ وحدت الوجود اور وحدت شہود کی تعریف کیجئے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کا خلاصہ لکھئے۔

☜ ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود نے بہت سے خام صوفیا کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ جس

Marfat.com

کے نتیجے میں اسلامی تصوف میں آگے چل کر بگاڑ پیدا ہو گیا جو الحاد و زندقہ تک جا پہنچا۔ اس بارے میں اپنے خیالات کھل کر بیان کیجئے۔

- حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اسلامی تصوف کو ملاوٹ کے عناصر سے کس طرح پاک کیا۔ نیز اکبر کے دین الٰہی کے حوالہ سے آپ کی مساعی جمیلہ کا جائزہ لیجئے۔
- دین الٰہی کی تحریک اکبر کی وسیع المشربی اور کم علمی کا ملغوبہ تھی۔ اس کے محرکات و اسباب پر روشنی ڈالئے کہ اسے پروان چڑھانے میں کون لوگ پیش پیش تھے۔
- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھئے۔ جنید بغداد' بایزید بسطامی' امام قیثری۔
- رسالہ قیثریہ کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی علمی اور صوفیانہ حیثیت کا تعین کیجئے۔
- امام غزالی کو حجتہ الاسلام کیوں کہتے ہیں۔ احیاء العلوم کی روشنی امام صاحب کے کارناموں کا مختصر جائزہ لیجئے۔
- سید علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری کے حالات لکھئے نیز کشف المحجوب کی صوفیانہ حیثیت کے پیش نظر اس کا مرتبہ اور مقام متعین کیجئے۔
- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھئے۔
  ابن العربی' بہاؤالدین زکریا ملتانی' شیخ عبد الحق محدث دہلوی' خواجہ باقی باکر۔
- حضرت مجدد الف ثانی کو برصغیر میں دو قومی نظریہ کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے آپ کی خدمات کا بھرپورہ جائزہ لیتے ہوئے نتائج پر روشنی ڈالئے۔
- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے اسلام اور اہل اسلام کی کیا کیا خدمات جلیلہ انجام دیں۔ نیز آپ کے بیٹوں نے بھی اسلام علوم پھیلانے میں بھرپور حصہ لیا۔ مختصر جائزہ پیش کیجئے۔
- تصوف کے سلاسل اربعہ نے برصغیر پاک وہند میں کیا تبلیغی خدمات انجام دیں وضاحت سے لکھئے
- رہبانیت غیر اسلامی نظریہ عبادت ہے جبکہ تصوف خالص اسلامی تحریک عمل ہے اسلامی تصوف پر رہبانیت کے اثرات کا بھرپور احاطہ کیجئے۔
- صوفیانہ خانقاہی نظام کی ضرورت اہمیت اور اس کے اثرات کا مختصر جائزہ لیجئے۔

Marfat.com

- خانقاہی نظام نے اسلام کی جڑیں عوام کے اندر مضبوط طور پر قائم رکھنے میں جو کردار ادا کیا عالم اسلام میں یورپی اور روسی استبداد کے حوالے سے اس کی وضاحت کیجئے۔
- دور جدید میں تصوف کی افادیت اور اہمیت بیان کیجئے۔
- تصوف میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس کی موافقت یا مخالفت میں دلائل دیجئے۔ اور اپنے موقف کی بھرپور وضاحت کیجئے۔
- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھئے۔
- کتاب اللمع، قوت القلوب، التعرف، لجتہ الاسرار، نہج الخاص۔
- رسالہ قشیریہ امام غزالی، ابن تیمیہ یا امام قشیری میں سے کس کی تصنیف ہے۔
- نغمات الانس کا مصنف کون تھا۔
- لوامح تصوف و عرفاں پر مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کے مصنف کا نام لکھئے۔
- عوارف المعارف، احیاء العلوم اور خصوص الحکم پر مختصر نوٹ لکھئے۔
- فتوحات مکیہ کس کا تصنیف ہے؟
- "فصوص الحکم" حضرت مجدد الف ثانیؒ امام جعفر صادقؒ، شہاب الدین سہروردی، محی الدین ابن العربی، شیخ عبدالقادر جیلانی میں سے کسی کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

ایم اے اسلامیات کے جدید نصاب کے لئے

معیاری و مقبول کتب معروضی سوالات کے ساتھ

فہم القرآن	پروفیسر حافظ اصغر اسعد
فہم الحدیث	پروفیسر حمید شاہ ہاشمی، محمد امین کھوکھر
اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار	سید اصغر علی شاہ جعفری
تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی + پروفیسر حافظ اصغر اسعد
عربی زبان و ادب	پروفیسر حافظ اصغر اسعد + محمد امین کھوکھر
اسلام اور مذاہب عالم	پروفیسر چوہدری غلام رسول
فہم الفقہ	پروفیسر عبد الرشید قادری
اسلام اور فلسفہ	پروفیسر عبد الرشید قادری
اسلام اور سائنس	سید اصغر علی شاہ جعفری
اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں	پروفیسر عبد الرشید قادری
عالم اسلام کے مسائل و وسائل	ملک کریم بخش
اسلامی اخلاق و تصوف	قدر آفاقی

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ، سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور ☎ 7660736

Marfat.com

ایم اے اسلامیات کے جدید نصاب کے لئے

معیاری و مقبول کتب معروضی سوالات کے ساتھ

فہم القرآن	پروفیسر حافظ اصغر اسعد
فہم الحدیث	پروفیسر حمید شاہ ہاشمی، محمد امین کھوکھر
اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار	سید اصغر علی شاہ جعفری
تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی + پروفیسر حافظ اصغر اسعد
عربی زبان و ادب	پروفیسر حافظ اصغر اسعد + محمد امین کھوکھر
اسلام اور مذاہب عالم	پروفیسر چوہدری غلام رسول
فہم الفقہ	پروفیسر عبد الرشید قادری
اسلام اور فلسفہ	پروفیسر عبد الرشید قادری
اسلام اور سائنس	سید اصغر علی شاہ جعفری
اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں	پروفیسر عبد الرشید قادری
عالم اسلام کے مسائل و وسائل	ملک کریم بخش
اسلامی اخلاق و تصوف	قدر آفاقی

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ، سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور ☎ 7660736

Marfat.com